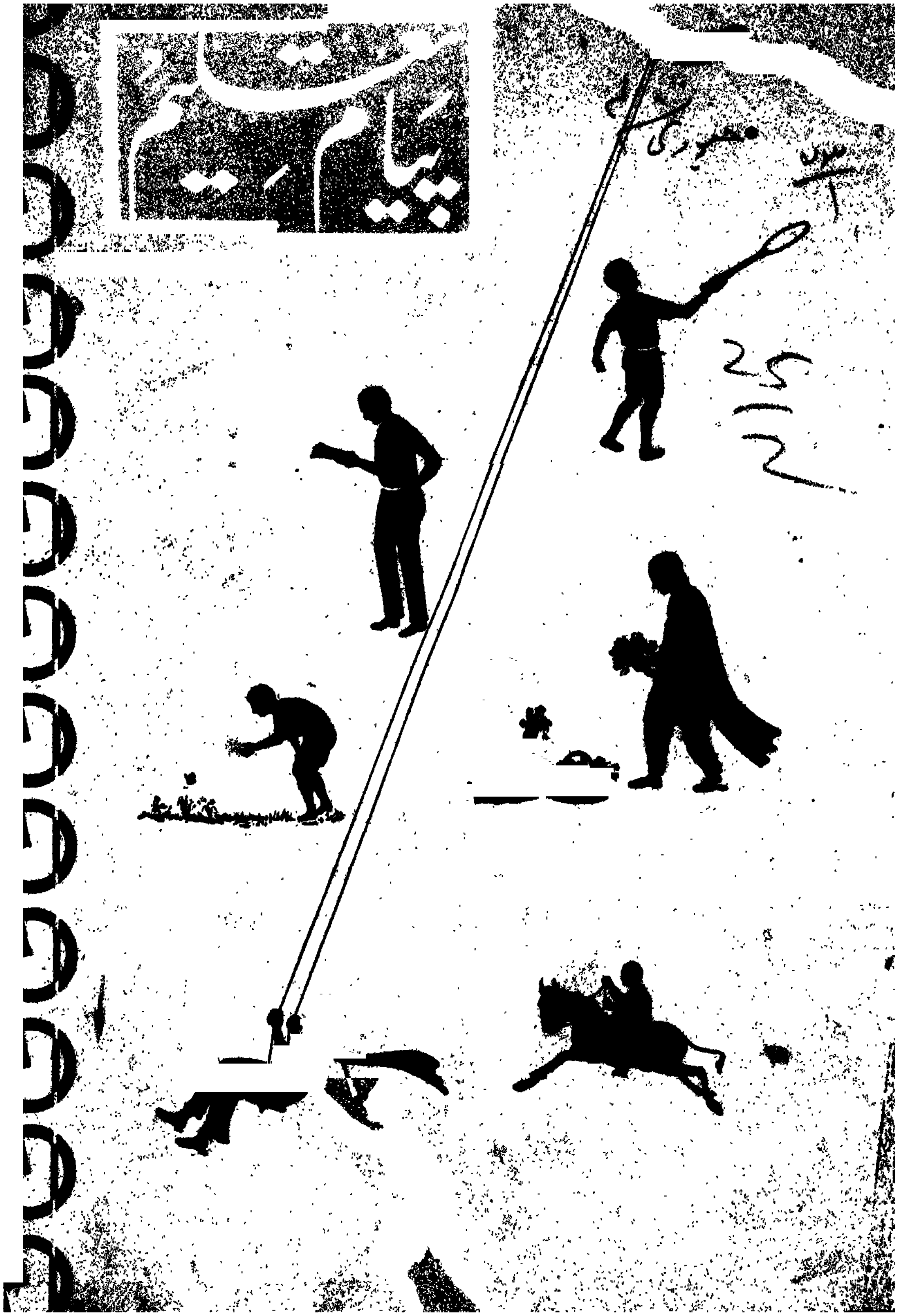

پیام تعلیم

دُعا

ترے دربار میں باعجز و نیاز آئے ہیں
تری سرکار میں لے بندہ نواز آئے ہیں

آرزوئیں دِلِ ناشاد کی یارب! سُن لے
عرض جو کچھ بھی کریں آج تو وہ سب سُن لے

پھر بنا دے ہمیں ہاں صرف تجھی سے ہے یہ آس
پاک دل پاک زباں پاک بدن پاک لباس

خدمتِ خلق کا ہر آن ہمیں دھیان رہے
جان ہو جان میں جب تک یہی ارمان رہے

سیکھ کر عِلم ترے بندوں کے ہم کام آئیں
راہ سیدھی، تری مخلوق کو ہم دکھلائیں

دل کے غنچے جو کھلائے وہ ہوا بن جائیں
حُسنِ اخلاق کے سورج کی ضیا بن جائیں

تری سوئی ہوئی دُنیا کو جگانے کے لئے
زندگی اپنی نمونہ ہو زمانے کے لئے

ظلمت و جہل کی دنیا میں اُجالا کر دیں
پستیوں میں جو پڑے ہیں اُنھیں بالا کر دیں

ہو دُعا نیرؔ دلِ خستہ کی پوری یا رب!
کوئی خواہش نہ رہے اُس کی اَدھوری یا رب!

محمد شفیع الدین صاحب نیرؔ

پیام تعلیم دہلی

ایڈیٹر محمد حسین حسان

پیام تعلیم یوپی، سی پی، بہار، میسور، حیدرآباد
کے محکمہائے تعلیم کی طرف سے سرکاری طور پر منظور کیا گیا ہے

جلد ۲۳ جنوری نمبر ۱

فہرست مضامین

قیمت سالانہ عہ
سنہ ۱۹۴۰
فی پرچہ ۳/

بچوں سے باتیں

پیامیوں کو نیا سال مبارک

پیام تعلیم کا سالگرہ نمبر اس مرتبہ ہماری امید سے زیادہ بچوں نے پسند کیا۔ چند بچوں کی رائیں ہم علیحدہ صفحے پر شائع کر رہے ہیں۔ ہمیں سب سے زیادہ عزیزی امیر اللہ خاں بھوپال کی رائے پسند آئی۔ انھیں انعام بھیج دیا جائے گا۔

کہانیوں کے انعامی مقابلے میں کل (اسّی) کہانیاں آئی تھیں۔ جانچنے والے صاحبوں نے بہت افسوس کے ساتھ یہ بات ظاہر کی کہ سوائے ایک دو کہانیوں کے کوئی کہانی بھی ستمبر کے اعلان کے مطابق نہیں ہے تاہم انھوں نے سفارش کی ہے کہ ان بچوں اور بچیوں کو پانچ پانچ روپیے بھجوا دیے جائیں۔ غلام یزدانی حیدرآباد دکن۔ نزہت کریمیہ بدایوں۔ صفیہ دُرّانی، دہلی۔ جمیلہ عبید اللہ لاہور۔ یہ بچے اگر پانچ پانچ روپئے کی کتابیں منگالیں تو ہمیں سہولت رہے گی۔ ان کے جواب کا ہمیں انتظار رہے

پیام تعلیم کی سرپرستی جس قدر حیدرآباد سے ہوئی ہے اتنی کسی صوبے سے نہیں ہوئی۔ اسی لئے طے کیا گیا ہے کہ ہر مہینے حیدرآباد ایڈیشن الگ نکالا جائے اس ایڈیشن میں حیدرآباد کی تعلیمی سرگرمیوں کے لئے بھی چند صفحے خاص کر دئے گئے ہیں۔ ہم نے محکمہ تعلیم کے افسران سے اس معاملے میں امداد کی درخواست کی ہے۔ وہاں کے مدرسوں کے استادوں سے بھی ہماری گذارش ہے کہ وہ ہمیں اپنے یہاں کی تعلیمی سرگرمیوں کا حال لکھ کر بھیج دیا کریں۔

جامعہ نگر (اوکھلا) کے بچوں نے اپنے یہاں ایک چڑیا گھر کھولا ہے اور اس میں بہت ہی دلچسپی سے طرح طرح کے جانور اور مچھلیاں وغیرہ جمع کر رہے ہیں۔ ایک باقاعدہ مجلس ہے جو اس چڑیا گھر کا انتظام کرتی ہے۔ مصطفےٰ رشید صدیقی اس کے ناظم ہیں۔



.... اب ذرا مضمونوں کی طرف آئیے۔ مضمون سب نہایت دلچسپ مفید اور بہت کام کے ہیں۔ ہر مضمون کے پڑھنے سے ہمیں نیا مزہ آتا ہے اور اچھے اچھے سبق بھی حاصل ہوتے ہیں۔

حبیب احمد صدیقی۔ بدایوں

میں نے پیام تعلیم کا سال گرہ نمبر دیکھا۔ بہت پسند آیا یوں تو اس کا ہر ایک مضمون دلچسپ اور عمدہ تھا لیکن مجھ کو خاص کر ولیم ٹل کے ملک میں" آکٹوپس کا شکار۔ خطرے کی تلاش۔ احسن کا مچھلی گھر۔ توڑے دار بندوق بہت پسند آئے سب سے زیادہ "ولیم ٹل کے ملک میں" پسند آیا

نعیم حامد رضوی تلمیا۔
بھوپال

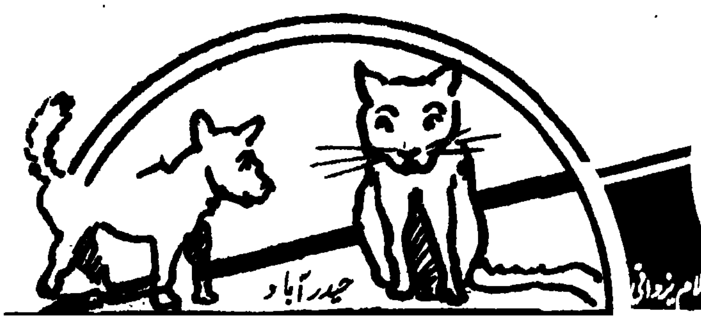
ایڈیٹر صاحب رتن لکھتے ہیں:-

برادرم حسان صاحب

تسلیمات۔ پیام تعلیم کا تاسیس نمبر پہنچا۔ خوب ہے۔ آپ کی کوششیں قابل صد مبارک باد ہیں بچوں کی دلچسپی کا قیمتی مسالہ مہیا کیا گیا ہے۔

پیام تعلیم کا سال گرہ نمبر (۱۹۳۹ء) ملا بے انتہا مسرت حاصل ہوئی۔ ہمارا پیام تعلیم ہندوستانی زبان کے تمام دوسرے بچوں کے رسائل میں نمایاں طور پر ممتاز اور اپنے اچھوتے معیار کی بنا پر واحد حیثیت کا مالک ہے۔ اور بچوں میں اس نے آج تک جس قدر زندگیاں، شگفتگیاں اور دلچسپیاں پیدا کی ہیں اس کی مثال تو تمام ہندوستان میں عنقا ہے۔

امیر اللہ خاں بھوپال



زنگی اور گیندو

غلام یزدانی
حیدرآباد

منو میاں کے پاس ایک کالا کتا تھا اور ایک چھوٹی سی بلی بھی تھی۔ کتے کا نام زنگی تھا اور بلی کو منو میاں پیار سے گیندو پکارتے تھے۔

گیندو بڑی شریر بلی تھی۔ صبح کو دودھ پی کر چپکے چپکے پھاٹک کے پاس آتی جہاں زنگی بندھا رہتا تھا اور زنگی سے اتنی دور بیٹھ جاتی جہاں وہ پہنچ نہیں سکتا تھا۔ پھر اطمینان سے بیٹھی ہوئی زنگی کے بھونکنے کا تماشا دیکھا کرتی۔ گیندو سمجھتی تھی کہ زنگی برا کتا ہے اور چاہتا ہے کہ مجھے پکڑلے۔

مگر زنگی برا کتا نہ تھا وہ بڑا اچھا کتا تھا۔ وہ زنجیر سے بندھا رہتا تھا کیونکہ وہ بہت بڑا شکاری کتا تھا اور جو کوئی پھاٹک سے مکان میں آتا وہ اس پر غراتا تھا۔ زنگی چاہتا تھا کہ گیندو ہر وقت اس کے پاس بیٹھی رہے اور وہ اس کے ساتھ کھیلے جب بھی وہ گیندو کو اپنے سامنے دیکھتا تو چاہتا کہ کسی طرح سے زنجیر تڑا کر بھاگ جائے اور گیندو کے ساتھ کھیلے۔ اسی لئے وہ گیندو کے آتے ہی بڑے زور سے بھونکتا اور نکلنے کی کوشش کرنے لگتا تھا مگر گیندو سمجھتی تھی کہ وہ اسے کاٹنا چاہتا ہے

ایک دن منو میاں صبح ہی صبح کہیں چلے گئے اس وجہ سے گیندو کو اس دن دودھ نہیں ملا دوپہر تک شکار کی تلاش میں ادھر ادھر پھری مگر کوئی شکار ہاتھ نہ آیا ایک تو بھوکی تھی دوسرے غصہ آرہا تھا۔ ایک دم اسے زنگی کا خیال آیا اس نے سوچا کہ چلو ذرا زنگی سے ہی جی بہلائیں۔ یہ سوچ کر وہ مڑی اور آہستہ آہستہ زنگی کے پاس پہنچ کر اس سے کچھ دور بیٹھ گئی۔ زنگی اس کو دیکھتے ہی خاموش ہوگیا صبح کو وہ منو میاں کے ساتھ سیر کو بھی نہیں گیا تھا اس لئے آج اس کا جی کھیلنے کو بہت چاہ رہا تھا۔

گیندو کو دیکھتے ہی وہ خوب زور لگانے لگا کہ کسی طرح زنجیر توڑ کر گیندو کے پاس پہنچ جائے اور پھر دونوں مل کر خوب کھیلیں۔ گیندو الگ بیٹھی اس کا تماشا دیکھ رہی تھی۔ وہ بہت خوش ہو رہی تھی۔

اک دم بیٹھے بیٹھے گیندو کو کوئی کام یاد آیا۔

اٹھ کر ایک انگڑائی لی اور پھر بڑی بے فکری کے ساتھ واپس جانے لگی۔ زنگی نے جو گیندو کو جاتے دیکھا تو اُسے بڑا بُرا معلوم ہوا اور وہ غصّے میں آکر زور زور سے زنجیر کو جھٹکے دینے لگا گیندو کچھ دور گئی تھی کہ اُسے پیچھے کچھ کھڑکھڑاہٹ سنائی دی اس نے مڑکر جو دیکھا تو زنجیر زمین پر گھسٹ رہی تھی اور زنگی اس کی طرف لپک رہا تھا۔ بس اس کے اوسان ہی تو جاتے رہے۔

بجائے اس کے کہ نیم پر یا پاس کے بیل باندھنے کے چھپّر پر چڑھ جاتی گیندو سیدھی پھاٹک سے باہر باڑے میں بھاگنے لگی۔ زنگی پیچھے پیچھے۔ گیندو اتنی تیز کبھی نہیں دوڑی تھی اسے بس ایک ہی خیال تھا کہ بھاگ جائے۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ تیز آندھی میں ایک روئی کا گالا اُڑا چلا جا رہا ہے

بھاگم بھاگ وہ سرکنڈوں کے ایک جھنڈ میں پہنچی جس کے سامنے نالا بہہ رہا تھا۔ اب گیندو بڑی مشکل میں پھنس گئی کیونکہ نالا اتنا چوڑا تھا کہ گیندو اس پر چھلانگ نہیں مار سکتی تھی نہ وہاں کوئی پل تھا۔ پیچھے سے زنگی کی ناک اس کی پھولی ہوئی دم کو چھو رہی تھی

بس آؤ دیکھا نہ تاؤ آنکھیں بند کر، ایک چھلانگ لگائی اور لگی پانی میں کمبل کمبل کرنے۔

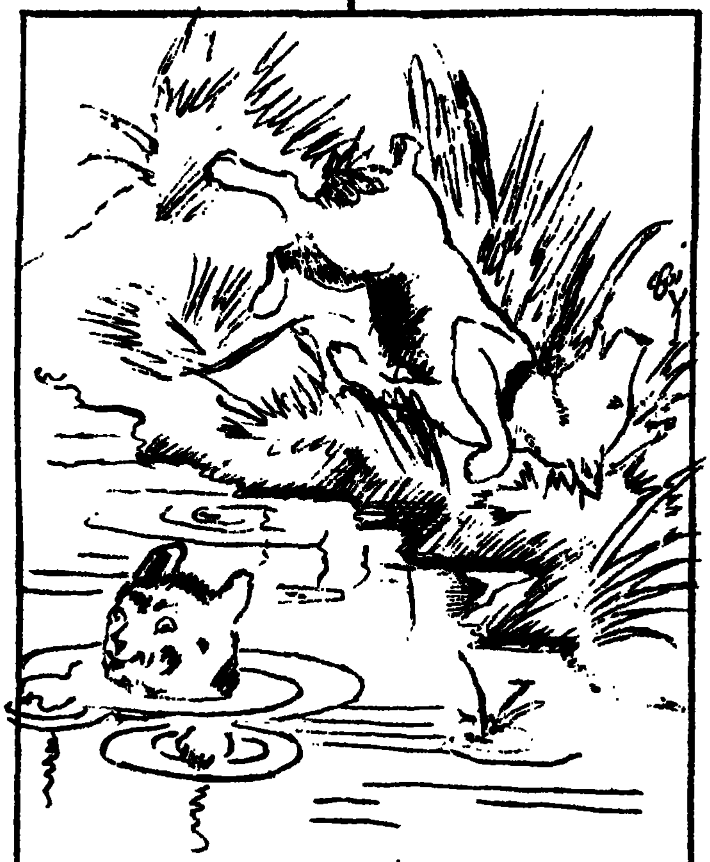
زنگی جو بڑے زور سے گیندو کے پیچھے



بھاگا چلا آ رہا تھا ایک دم رک نہ سکا اور ایک قلابازی کھا کر بھد سے کیچڑ میں جا پڑا اس کی آنکھوں میں چھینٹیں پڑ گئیں ناک ساری کیچڑ میں بھر گئی اور منہ بھی سارا کرکرا ہو گیا۔ مگر یہ تو زنگی

ے لئے ایک کھیل تھا۔ وہ بھلا اس کی کب پروا
رتا تھا جھٹ کیچڑ میں سے نکلا اور کنارے پر
ھر اُدھر دوڑنے لگا
زنگی اب تک سمجھ رہا تھا کہ گیندو میرے

جیساکہ سب بلیوں کو آتا ہے مگر بات یہ ہوئی
کہ گیندو کے ہاتھ اور پاؤں لمبی لمبی گھاس میں
الجھ گئے اور وہ گھاس کے جال میں اس طرح
پھنس گئی جیسے مچھلی جال میں۔ گیندو بار بار نکلنے



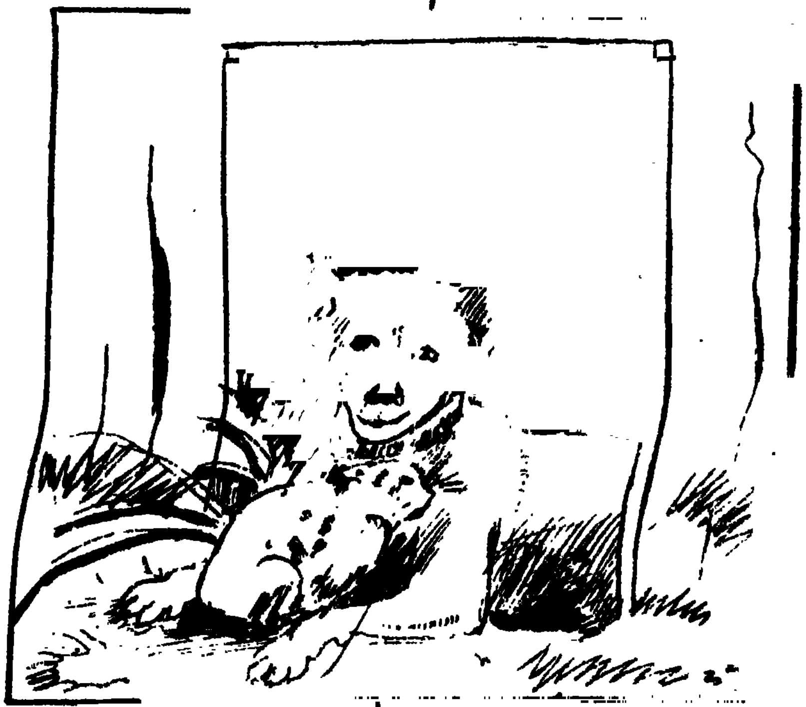
اتھ کھیل رہی ہے اور وہ اب کہیں چھپ
ئی ہے۔ وہ اِدھر سے اُدھر اور اُدھر سے
ھر دوڑنے لگا مگر گیندو کہیں بھی نظر نہ آئی
ک دم زنگی نے دیکھا کہ گیندو نالے میں ڈُبکیاں
ا رہی ہے۔ گیندو کو اچھی طرح تیرنا آتا تھا۔

کی کوشش کرتی مگر نہیں نکل سکتی تھی غوطے
کھا کھا کر اس کا برا حال ہوگیا اور وہ بے بس
ہو کر رہ گئی۔
زنگی کو معلوم تھا کہ اب اُسے کیا کرنا چاہئے
منو میاں نے زنگی کو پانی میں سے چیزیں منگوانے

کی بڑی مشق کرائی تھی۔ منو میاں اپنا سلیپر یا کوئی لکڑی پانی میں پھینکتے اور زنگی اسے فوراً نکال لاتا اگرچہ زنگی اس وقت بھیگنا نہیں چاہتا تھا مگر وہ یہ کیسے پسند کر سکتا تھا کہ گیندو ڈوبتی رہے اور وہ کھڑا تماشا دیکھا کرے۔ بس وہ جھٹ نالے میں کود پڑا اور تیرتا ہوا گیندو کے پاس پہنچا۔ آہستہ سے اس کے کندھے پکڑے اور کنارے پر لاکر گھاس پر لٹا دیا۔

طرف سے گھیر لیا ہے اور وہ پانی میں بھیگے ہوئے کھڑے دُم ہلا رہے ہیں اور خوشی سے بھونک رہے ہیں۔ گیندو خاموش پڑی ایک خواب سا دیکھ رہی تھی کہ ان زنگیوں میں سے ایک آگے بڑھا اور اُس نے آہستہ سے اُٹھاکر گیندو کو اپنے منہ میں لے لیا۔

اس کے بعد جب گیندو کے اوسان ٹھیک ہوئے تو اس نے دیکھا کہ وہ زنگی کے نرم نرم سوکھی ہوئی گھاس کے بستر پر لیٹی ہوئی ہے اور زنگی اُسے گود میں



گیندو بے ہوش سی ہو گئی تھی اسے ہر چیز دھندلی دھندلی نظر آرہی تھی۔ کھیت اور درخت اس کے چاروں طرف تیر رہے تھے اور معلوم ہوتا تھا کہ بہت سارے زنگیوں نے اسے چاروں

لئے ہوئے ہے۔ ایک تو ویسے ہی کڑکڑاتی سردی تھی دوسرے گیندو پانی میں بھیگ گئی تھی اس لئے سردی کے مارے اس کا رواں کھڑا ہو گیا تھا جب اسے گرم گرم گھاس اور پھر زنگی کی گرم گرم گود ملی

تو وہیں سکڑ کر سو گئی۔ اب اسے زنگی سے ذرا بھی ڈر نہیں لگ رہا تھا اور اب زنگی بڑا اچھا کتا بن گیا تھا۔

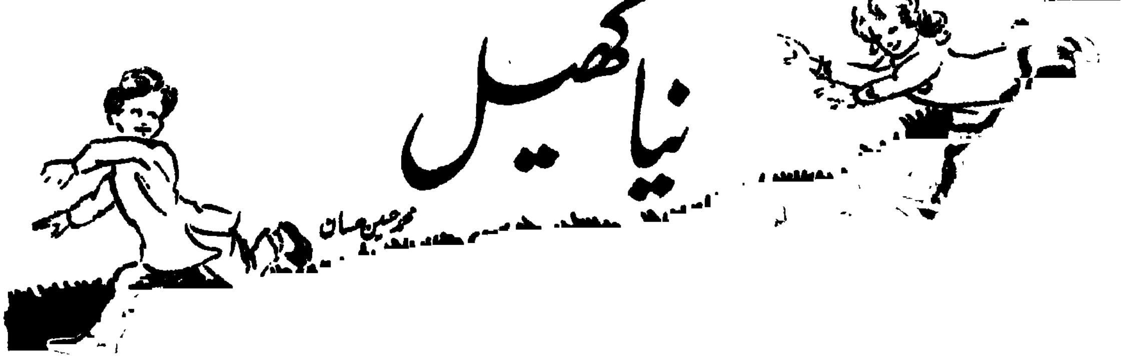
شام کو جب منو میاں زنگی کے لئے گوشت لائے تو انھیں یہ دیکھ کر بڑا تعجب ہوا کہ گیندو اور زنگی میں خوب دوستی ہوگئی ہے وہ اس بات سے بہت خوش ہوئے۔ منو میاں نے زنگی کے سامنے گوشت ڈالا۔ زنگی بڑا اچھا دوست تھا اسے یہ بہت برا لگا کہ وہ اکیلا ہی کھائے اور دوست دیکھتا رہے۔ اس نے گیندو کو بھی اپنے ساتھ خوب گوشت کھلایا۔ کھانے کے بعد جب گیندو زبان سے خوب منہ صاف کر چکی تو خوش خوش گھر واپس آئی اس رات اس نے اپنا دودھ بھی نہیں پیا۔ منو میاں سمجھ گئے کہ گیندو زنگی کے ساتھ خوب دعوت اڑا کر آئی ہے۔

اب جب کبھی گیندو کو فرصت ملتی تو وہ زنگی کی گود میں نرم نرم گھاس پر جا کر بیٹھ جاتی کبھی زنگی کے کان کھینچتی اور کبھی ناک پکڑتی۔ گیندو کو زنگی کا نرم نرم بچھونا بڑا بھلا معلوم ہوتا تھا کبھی کبھی تو وہ وہیں سو جاتی تھی۔ اب زنگی بھی بڑا خوش ہوتا تھا۔ جب کبھی منو میاں زنگی کو سیر کو نہیں لے جاتے وہ گیندو کے ساتھ کھیلا کرتا۔

جب گیندو بڑی ہوئی اور اس کے بچے ہوئے تو اس نے اپنے بچوں کو بتا دیا کہ دیکھو بڑے کتوں کو ستانا اچھی بات نہیں ہے



ہواخوری

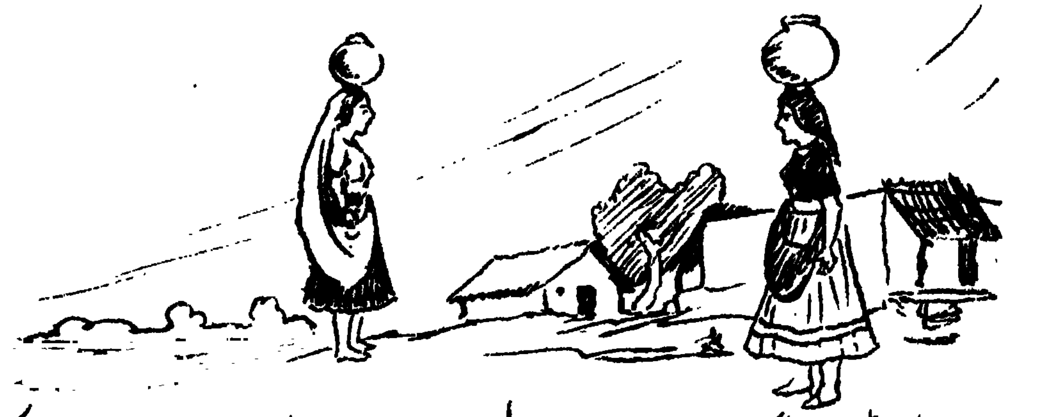


نیا کھیل

محمد حسین حسان

آپا جان ابھی ابھی بمبئی سے آئی ہیں اور اپنے ساتھ بڑی اچھی اچھی تصویریں لائی ہیں۔ یہ تصویریں انھوں نے مدرسے کے ہال میں لٹکا دی ہیں۔ ایک دن ہم ہال میں پہنچے تو کئی اچھی اچھی اور نئی تصویریں لگی ہوئی تھیں ایک تصویر دیکھ

اس لڑکی اور عورت دونوں کا بدن کیسا سیدھا اور تنا ہوا ہے۔" ہم یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ آپا جان آگئیں۔ انھوں نے ہماری بات چیت سن لی تھی کہنے لگیں" اس کی وجہ بھی معلوم ہے؟" جمیل نے کہا" نہیں آپا جان"۔ آپا جان بولیں۔



کر ہم سب لڑکے ٹھٹک گئے۔ تصویر کے نیچے لکھا تھا پنگھٹ۔ ایک عورت سر پر خوب صورت سا گھڑا رکھے پانی لینے پنگھٹ جا رہی تھی اور ایک لڑکی پانی لئے پنگھٹ سے آ رہی تھی۔
میں نے رشید سے کہا۔" دیکھو رشید

"اگر یہ اپنے بدن کو سیدھا اور تنا ہوا نہ رکھیں تو جانتے ہو کیا ہو؟ سارا پانی گر جائے۔"
اس وقت میرے دل میں یکایک ایک خیال آیا میں نے آگے بڑھ کر کہا کہ" آپا جان یہ تو ہمارے لئے بڑا اچھا سبق ہے۔ اگر ہم بھی اسی

طرح اپنے سر پر کوئی چیز رکھ کر چلنے کی کوشش کریں تو ہمیں بھی اپنے جسم کو سیدھا رکھنے کی عادت ہو جائے۔"

آپا جان اس تجویز کو سن کر بہت خوش ہوئیں اور بولیں "ہاں میاں خیال تو بہت اچھا ہے۔ اسے ابھی کیوں نہ آزمایا جائے۔ سب بچے ایک ایک کتاب اپنے سر پر رکھ لیں اور کمرے کا

احمد نے آخر تک اپنی اپنی کتابوں کو سنبھالے رکھا۔ آپا جان ہماری اس نئی چال کو دیکھ کر بہت دیر تک ہنستی رہیں پھر بولیں اگر تم روزانہ یہ کھیل کھیلو اور برابر مشق کرتے رہو تو تمہارا جسم بھی اسی طرح سیدھا ہو جائے گا ہاں ایک بات اور۔ تمہیں بیٹھتے وقت بھی اپنے جسم کو سیدھا رکھنے کی عادت ڈالنی چاہیے۔



چکر لگائیں۔ مگر دیکھو بھئی کتاب نہ گرنے پائے اب تو سب لڑکے خاص کر صفیہ اور محسن بہت خوش ہوئے۔ صفیہ بولیں "اہا بھئی نیا کھیل نیا کھیل"، سب بچوں نے جلدی جلدی کتابیں اپنے سر پر رکھیں اور لگے اکڑ اکڑ کر چلنے۔ میری کتاب تو دو چار ہی قدم میں گر گئی اور بچوں کا بھی یہی حال ہوا بس ایک نسیمہ اور

نسیمہ بولی تو آپا جان اس کی ترکیب بھی شاید یہی ہو گی کہ بیٹھتے وقت ہم اپنے سر پر کتاب یا قتار رکھ لیں اور اُسے گرنے نہ دیں" آپا جان نے کہا "ہاں ہاں بس یہی ترکیب ہے۔"

اب تو ہم روزانہ کیا چلتے میں کیا بیٹھتے وقت غرض ہر وقت اپنے سر پر کوئی نہ کوئی چیز رکھنے اور اسے گرنے نہ دیتے۔ تھوڑے ہی

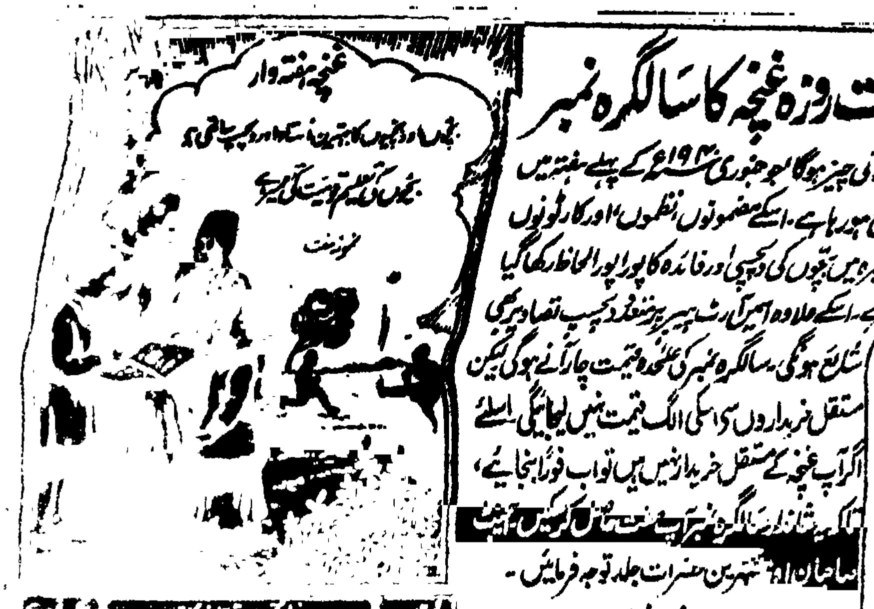
دلوں میں خوب مشق ہو گئی۔ ہم سب سینہ تانے ہوئے چلتے اور بیٹھتے وقت بھی سیدھے رہتے سر پر کوئی چیز رکھنے کی بھی ضرورت نہ رہی۔

ایک فائدہ اور ہوا جس کا کسی کو خیال بھی نہ تھا اور وہ یہ کہ چلتے وقت سب کے قدم سیدھے پڑنے لگے۔

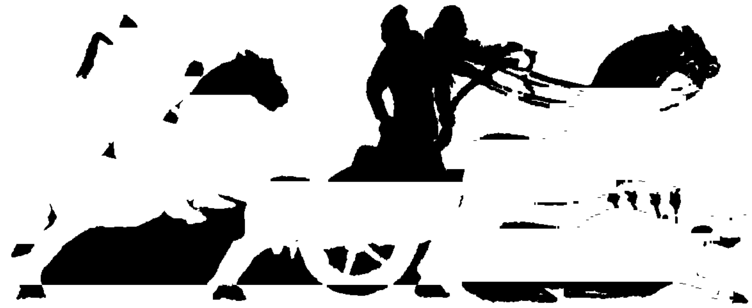
ایک دن آپا جان درجے میں آئیں اور بولیں دیکھو کھیل ہی کھیل میں تمھیں کتنا فائدہ ہوا۔ اب تم سینہ تانے ہوئے بالکل سیدھے چلتے ہو یا بیٹھتے وقت کمر سیدھی رکھتے ہو تو کتنے بھلے لگتے ہو۔ اس سے تمھاری تندرستی کو بھی فائدہ پہنچے گا۔

نسیمہ :۔ آپا جان تندرستی کو؟

آپا جان :۔ ہاں تندرستی کو۔ تمھارے جسم کو تازہ ہوا کی ہر وقت ضرورت ہے اور تم اپنا سینہ تانے رہو گی تو تمھیں سانس لینے میں بہت آسانی ہو گی اور پہلے کے مقابلے میں بہت زیادہ تازہ ہوا سانس کے ذریعے تمھارے جسم میں جائے گی۔

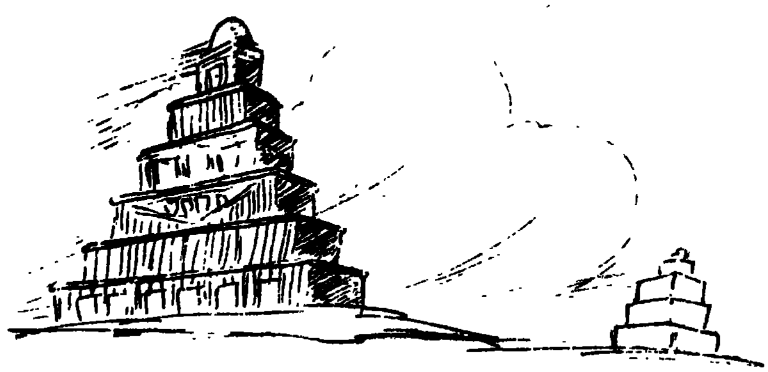


بابل



سید محمد صاحب ٹونکی۔ بی اے (جامعہ)

آج کل جہاں جائیے چہل پہل ہے۔ بڑے بڑے شہر ہیں۔ اُن کے بازار ہیں۔ جدھر دیکھیے سجی ہوئی دوکانیں ہیں۔ ہر دوکان پہ خریداروں کا ہجوم



بابل کا مینار

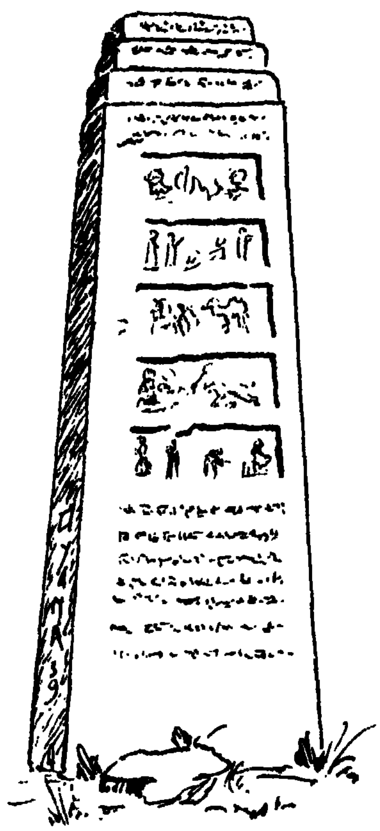
۔۔ کوئی سودا چکا رہا ہے، کوئی دام دے رہا ہے ۔۔ں بازار میں رونق ہے۔ اب سے ہزاروں برس ۔۔، دنیا میں یہ رونق نہیں تھی۔ رونق کہاں سے ہوتی ۔۔نے شہر نہیں تھے اور جو تھے وہ ہمارے زمانے کے شہروں سے کہیں چھوٹے تھے۔

آج کل آپ کو ہر صوبے میں آٹھ سات بڑے شہر مل جائیں گے اور ہمارے ہندوستان میں تو بڑے شہر بہت ہی ہیں۔ لیکن ایک زمانہ ایسا تھا جب کہ تمام دنیا میں بڑے شہر گنتی کے آٹھ سات تھے اس سے زیادہ نہیں۔ یہ اب سے ہزاروں ہی برس پہلے کی بات ہے جب دنیا میں تہذیب و تمدن کا بابل

مصر، کریٹ، کنعان اور سندھ میں دور
دورہ تھا۔ اس کے سوا تمام جگ میں اندھیرا تھا۔

یہ اس زمانے کا ذکر ہے جب آدمی گھومتے پھرتے تھے۔ جہاں اُن کو کھانے کے لئے پھل مل جاتے یا شکار کرنے کے لئے جانور دکھائی دیتے وہیں ٹھہر جاتے۔ جب تک دونوں چیزیں ملتی رہتیں وہ جمے رہتے، جب ختم ہو جاتیں تو یہ بھی چل پڑتے۔ اسی طرح گھومتے گھامتے کچھ لوگ اس میدان میں پہنچے جو دجلہ اور فرات کے درمیان ہے اور جس کو آج کل میسوپوٹامیہ کہتے ہیں۔ اس میدان میں اُن کو لمبی لمبی گھاس ملی جس میں بڑے بڑے دانے تھے۔ یہ دانے جنگلی گیہوں کہلاتے تھے۔

ان دریاؤں میں سال کے کسی حصے میں پانی اتنا آتا کہ اِدھر اُدھر بہنے لگتا۔ گرے پڑے دانے اُگ آتے اور ان خانہ بدوشوں کو کھانے کے لئے بہت کچھ مل جاتا۔ بس وہ یہیں رہ پڑے اور جیسے جیسے زمانہ گذرتا گیا وہ گیہوں کے دانوں کا جمع کرنا بونا اور کاٹنا سیکھتے گئے۔ اُن کے ایک جگہ رہنے سے گاؤں بس گیا ان لوگوں کی تو جم کر رہنے کی عادت ہوگئی تھی لیکن اُن کے آس پاس ایسے لوگ تھے جو اپنے جانوروں کے ریوڑوں کو لے کر گھومتے پھرتے تھے۔ یہ خانہ بدوش ان کسانوں پر ٹوٹ پڑتے۔ ان کا غلّہ لے جاتے۔ کبھی خود بھی رہ پڑتے اور کسانوں کی سی عادتیں اختیار کر لیتے اسی طرح سینکڑوں برس تک ہوتا رہا اور ان دونوں دریاؤں کے کناروں پر بہت سے گاؤں بس گئے اور گاؤں بڑھتے بڑھتے شہر بن گیا۔ یہ شہر بابل تھا۔



لاٹ پر ایک کتبہ

یہ شہر مٹی میں دب گیا تھا، کچھ من چلے لوگوں نے اس کو کھود کر نکالا تو پتہ چلا کہ ان لوگوں نے کیسی ترقی کی اور خانہ بدوشی کی زندگی چھوڑ کر وہ کہاں پہنچ گئے، اُن کو مل کر رہنا آگیا تھا۔ اُن کی باقاعدہ

حکومت تھی۔ وہ لکھنا پڑھنا جانتے تھے، اور اپنا مال دوسرے ملکوں کو لے جا کر تجارت کرتے تھے۔ ان کے جنگلی پڑوسی ان پر حملے کرکے رہتے



(حمورابی۔ دیوتا کے سامنے)

تھے ان کو بھی اپنے بچاؤ کا خیال رہتا تھا جس کی وجہ سے اُن میں سپہ گری کا چرچا تھا۔ ان میں ایک سپاہی ایسا ہوا جس نے سب کو اپنے جھنڈے کے نیچے جمع کیا، دشمنوں پر حملے کئے، اُن کے ملک فتح ہوئے۔ یہ ان کا نامی بادشاہ حمورابی تھا جو بڑا جنگ جو تھا اور منتظم بھی۔ اس نے اپنے تمام ملک کا دورہ کیا۔ لوگوں کی حالت دیکھی۔ اُن کی زندگی سدھارنے کے لئے اچھے اچھے قاعدے قانون بنائے۔ اُن قوانین کو چٹانوں پہ کُھدوایا اور وہاں

لکوادیا، جہاں لوگ اُن کو دیکھ سکیں اور اُن پر عمل کر سکیں۔

ان چٹانوں میں سے ایک چٹان کھودنے والوں کو ملی۔ وہ آٹھ فٹ اونچی ہے ۔ چوٹی پر ایک مورت تراشی گئی ہے اور چاروں طرف قوانین لکھے ہیں۔ ان کو پڑھنے سے ہم کو معلوم ہو جائے گا کہ وہ کیسی زندگی بسر کرتے تھے۔ اس میں لکھا ہے " جو بیٹا باپ کو مارے اس کا ہاتھ کاٹ ڈالو" "جو کسی کی آنکھ پھوڑے اس کی آنکھ پھوڑ دو" "جو کسی کی ناک کاٹے اس کی ناک کاٹ لو" "اگر معمار کی بے احتیاطی کی وجہ سے دیوار گر پڑے اور مالک مکان مر جائے تو بنانے والے کو مارا جائے۔ اگر مالک مکان کا بیٹا مرے تو معمار کا بیٹا مارا جائے" "اگر علاج کرنے والے کی بے احتیاطی سے بیمار کو نقصان پہنچے تو معالج کو سزا دی جائے" "جو کسان اپنی نہروں کو درست نہ کرے یا ٹھیک حالت میں نہ رکھے یا جانوروں کو دوسروں کے کھیت میں جانے دے اس کو سخت سزا دی جائے"

اُن کے قانون سخت ہیں لیکن اس سختی کا مطلب یہ ہے کہ لوگ اپنا کام ایمان داری سے کریں اور لالچ کی وجہ سے دوسروں کو نقصان نہ پہنچائیں۔ ان قوانین سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ کاشتکاری کا زور تھا۔ کاشتکاروں کی سہولت اور ترقی کے لئے نہریں کھودی گئیں۔ اُن کو ٹھیک رکھا گیا اور زراعت کو پھیلایا گیا۔ پیداوار میں زیادتی ہوتی گئی جب ان کی ضرورت سے زیادہ غلّہ ہو گیا تو وہ بوروں میں بھرا گیا۔ اونٹوں اور خچروں پہ لادا گیا۔ اور تجارتی قافلہ اس کو بیچنے چلا۔ یہ تجارتی قافلے خشکی کے راستے جاتے تھے اور دریاؤں کے راستے سے بھی سامان جاتا تھا۔ یہ کھجور کے شہتیروں کو باندھ کر بیڑا بناتے۔ ان ہی شہتیروں کی کشتیاں بناتے، ان میں لاد کر اپنا سامان پردیس لے جاتے، وہاں سے اپنی ضرورت کی چیزیں لاتے۔ اس بیوپار سے اُن کو تجربہ ہوا، اُن کی معلومات بڑھیں اور باہر کی لائی ہوئی چیزوں سے انھوں نے اپنے شہر کو سجایا۔

آئیے دیکھیں اُن کے شہر بابل کی کیا حالت تھی۔ شہر کی گلیاں تنگ تھیں جن کے دونوں طرف مکان ہوتے تھے۔ مکان سب ایک سے نہیں ہوتے تھے۔ غریبوں کے مکان امیروں کے مکانوں سے گھٹیا ہوتے تھے، اُن کی دیواریں گارے کی اور نیچی ہوتی تھیں۔ خوش حال لوگوں کے گھر شکل صورت میں تو ویسے ہی ہوتے تھے لیکن دیواریں کچی اینٹوں کی ہوتی تھیں اور جن گھروں کی دیواروں میں باہر کی طرف پتھر یا پکی اینٹیں لگی ہوتیں وہ اپنے مالکوں کی دولت کا پتہ دیتی تھیں۔

بڑے آدمیوں کے گھر اور باتوں سے بھی پہچانے

جاتے تھے۔ ان میں درخت ہوتے تھے اور بیچ میں کنواں ہوتا تھا۔ پانچ چھ دروازے ہوتے تھے۔ مکان کے صحن کے اِدھر اُدھر چھوٹے چھوٹے کمرے ہوتے تھے۔ جن میں اُن کا مال، اسباب جمع ہوتا تھا۔ یہ مال یا تو اُن کے کھیتوں کا غلہ ہوتا، یا اُن کی تجارت کا مال جس کو شہر کے بازار میں بیچتے یا دوسرے ملکوں کو لے جاتے تھے۔

بادشاہوں کے محل اور مندر ان سب سے الگ دکھائی دیتے تھے۔ محلوں میں اونچے ستون بنے ہوتے تھے جو اُن کی شان کو دوبالا کرتے۔ کچھ دیواریں پتھروں کی سلوں کی ہوتی تھیں جن پر خوب صورت مورتیں تراشی جاتی تھیں۔ کچھ دیواریں نیلی، پیلی، سفید اور کالی اینٹوں کی بنی ہوئی تھیں۔ ان اینٹوں کو اس طرح جمایا جاتا تھا کہ سب کے ملنے سے تصویریں بن جاتی تھیں۔ کمروں کی دیواروں پر اس طرح سپاہیوں کی تصویریں ملتی ہیں۔ بادشاہوں کی لڑائی اُن کے فاتحانہ جلوس اور شکار کی تصویریں بھی اسی طرح بنائی گئی ہیں۔ اس کے علاوہ کچھ تصویروں سے یہ پتہ لگتا ہے کہ بادشاہ کے محل میں دعوت ہے۔ کیوں کہ بعض کمروں میں پھول رکھے نظر آتے ہیں۔ کسی جگہ نوکر پھل لئے جا رہے ہیں۔ کہیں وہ بھنے ہوئے پرند مہمان کے سامنے رکھ رہے ہیں۔

بادشاہ کے محل کے پاس مندر ہوتا تھا جس کی کئی منزلیں ہوتی تھیں۔ چھٹی منزل کی برجی میں کئی کمرے ہوتے تھے۔ کچھ سامان کے لئے اور بعض میں بت رکھے جاتے تھے۔ ان ہی میں سے کسی کمرے میں پجاری رہتے تھے۔ یہ پجاری اونچی منزل سے ستاروں کے چلنے اور گھومنے کو دیکھ کر دن رات کا اندازہ لگاتے تھے۔ اُن کا خیال تھا کہ کچھ ستارے نکلتے ہیں تو خوشی کا دور دورہ ہوتا ہے اور بعض ستارے اپنے ساتھ بلائیں، بیماریاں لاتے ہیں۔ اس لئے ستاروں کو دیکھتے رہنا چاہیئے اور اُن کو دیکھ کر کوئی کام کرنا چاہیئے۔

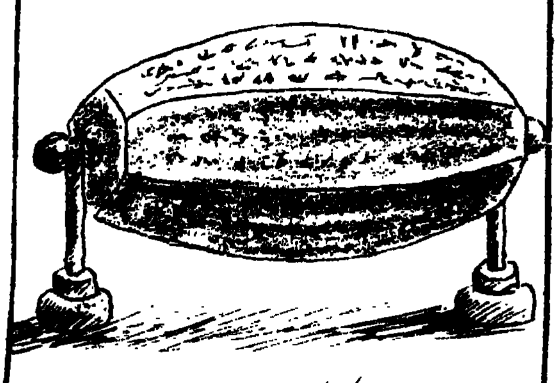
شہر کے اندر ہی بازار تھا جو تنگ گلیوں اور گنجان مکانوں سے دور ہوتا تھا۔ بازار کی وہ شان تو نہ تھی جو آج کے بازاروں کی ہوتی ہے۔ لیکن رونق اور چہل پہل کافی تھی۔ کہیں چٹائیاں رکھی دکھائی دیتی تھیں، کسی جگہ کھجور کی ٹوکریوں کا انبار ہوتا تھا۔ کچھ آدمی پھل لئے بیٹھے ہوتے تھے، کچھ ترکاریاں بیچتے تھے۔ کہیں مچھیرے اپنی مچھلیاں لاکر رکھتے۔ ایک طرف کپڑے والے اور غلے والے اپنا مال بیچتے تھے۔ مال کی قیمت میں دھات کا ٹکڑا دیتے جس پہ کوئی نشان ہوتا تھا یا بادشاہ کی تصویر۔ لین دین اگر کسی بڑی چیز کا ہوتا تو باقاعدہ اس کو لکھا جاتا اور اس کی دو نقلیں ہوتی تھیں۔ اسی تحریری لین دین کی وجہ سے بازار میں منشی نظر آتے تھے اور

ماں باپ اپنے بچوں کو خوشی خوشی پڑھاتے تھے کہ وہ پڑھ کر منشی بنیں گے اور چین سے دن کاٹیں گے۔

ہم نے شہر بابل کا نقشہ دیکھا جس میں ہم کو اُن کے رہنے سہنے کی جھلک نظر آئی۔ لیکن یہ کافی نہیں ہے اور چیزوں سے پتہ لگتا ہے کہ اُن کے مندر شہر میں خاص عزت کے مالک تھے۔ کیوں کہ وہاں کے برجوں میں بیٹھ کر پجاری وہاں کے ستاروں کی چال دیکھتے اور بادشاہ کو بتاتے کہ کس وقت کام شروع کیا جائے اس کے سوا بیماری کی حالت میں اور لوگ اُن کو بلاتے تھے۔ اُن کا خیال تھا کہ بھوت بدن میں گھس جاتے ہیں تو آدمی بیمار ہو جاتا ہے۔ پجاری اس کی مورت بنا کے آگ میں ڈالتے اور کچھ پڑھنا شروع کرتے گویا بھوت کو بھگا رہے ہیں۔ اس علاج کی ان کو فیس ملتی تھی۔

پجاریوں کی عزت لوگوں کے دلوں میں بہت تھی اس کی ایک وجہ اور تھی۔ جب لوگوں میں جھگڑا ہوتا تو اس کا فیصلہ بھی یہی کرتے تھے۔ دونوں فریق اپنے اپنے گواہ اور عہد نامے لاتے تھے۔ عہد ناموں کو دیکھ کر اور گواہی کو سن کر پجاری فیصلہ کرتے تھے۔ لکھنے پڑھنے کا کام بھی پجاریوں ہی سے تعلق رکھتا تھا۔ آپ ابھی پڑھ چکے ہیں کہ بازار میں منشی ہوتے تھے جو عہد نامے لکھا کرتے تھے۔ ان منشیوں کو مندروں ہی میں لکھایا پڑھایا جاتا تھا۔

ان کے اسکول ہمارے مدرسوں جیسے نہ تھے کھلی جگہ استاد بیٹھا ہوتا تھا جس کے سامنے اس کے شاگرد بیٹھے ہوتے تھے۔ اُن کے پاس مٹی کی تختیاں اور پتلے نوک دار قلم ہوتے تھے جن سے وہ تختیوں پر لکھتے تھے۔ اُن کے حروف تیر کی شکل کے یا مخروطی ہوتے تھے۔ جب وہ تختی ختم کر لیتے اس پر ہاتھ پھیر دیتے اور پھر لکھنا شروع کر دیتے تھے۔



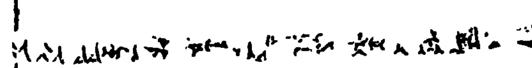
(مٹی کی ایک کتاب)

جب منشی بازار میں عہد نامہ لکھتے تو وہ بھی مٹی کی تختیوں پر ہوتا تھا جس پہ مہر لگا دی جاتی تھی ان کو آگ میں ڈال کے پکا لیا جاتا تھا۔ اسی طرح خط لکھے اور تیار کئے جاتے تھے۔ جو مٹی کے لفافوں میں بند کر کے بھیجے جاتے تھے۔ ان کو پڑھنے لکھنے کا اتنا شوق تھا کہ انھوں نے مٹی کی تختیوں پر بہت سی کتابیں لکھیں اور کتب خانے بنائے جس میں اپنے حالات اور اپنے پڑوسیوں کے حالات لکھے ان

ہی کے ذریعے ہم کو اس زمانے کے بابل کے حالات معلوم ہوتے ہیں۔



(مٹی کا خط اور لفافہ)



رسمِ خط

بابل کے لوگوں کو کھیل کود سے دلچسپی تھی اور جس دن جشن اشتر ہوتا تھا وہ اپنے کرتب دکھاتے تھے۔ اس دن بچوں کو چھٹی ملتی اور وہ رنگ رنگ کے کپڑے اور چمڑے کے نعلین پہنے اپنے استاد کے گھر جاتے۔ وہاں سے بادشاہ کے محل پر پہنچتے تھے محل کے پاس میدان یا اکھاڑا تھا جس کے اردگرد ے سو بیس (۱۲۰) سیڑھیاں تھیں۔ جشن اشتر کے دن ، سیڑھیوں پر بہت ہجوم ہوتا تھا۔ وہیں بچے اپنے تاد کے ساتھ کھڑے ہو جاتے۔ بادشاہ کے جلوس رکھیلوں کا تماشا دیکھتے۔

بادشاہ کے جلوس میں سب سے آگے تو شاہی ڈ ہوتے تھے۔ ان کے سفید نیزے دھوپ میں ، اور شان دکھاتے۔ اُن کے پیچھے سفید کپڑے پہنے پجاری نقرئی شہنائیاں بجاتے جاتے تھے۔ اُن کے پیچھے پجارنیں اپنے بال کھولے۔ پیازی کپڑے پہنے بلی جاتی تھیں۔ اُن کے بعد کچھ پجاری بینڈھوں اور سانڈھوں کو لاتے تھے۔ آخری رو میں شاہی محافظ چھ کالے غلاموں کو گھیرے ہوتے تھے یہ غلام شاہی چتر بادشاہ پر لگائے رہتے تھے جو سفید گھوڑے پر بیٹھا مندر کو جاتا تھا۔ بادشاہ کے مندر پر پہنچنے کے بعد لوگ کرتب دیکھنے کے لئے تیار ہو جاتے۔

سب سے پہلے شہنائی بجائی جاتی تھی۔ یہ گویا کھیل شروع ہونے کا اعلان ہوتا تھا جس کے بعد پیدل سپاہی اکھاڑے میں اترتے اور نشانے پر تیر لگاتے یا نیزہ پھینکتے تھے۔ جب وہ نشانہ بازی کر چکتے تو سوار اپنا کمال دکھاتے۔ سب سے آخر میں ایک آدمی چھوٹی سی تلوار لئے نکلتا اور شیر کو پنجرے میں سے چھوڑا جاتا تھا۔ یہ آدمی لڑائی میں کا قیدی ہوتا تھا۔ اگر وہ شیر کو مار ڈالتا تو اس کو چھوڑ دیا جاتا۔ ورنہ اس کی جان جاتی تھی۔

ہم نے دیکھا کہ ان لوگوں کی زندگی کیسی تھی۔ ان میں ایسی باتیں تھیں جن کو ہم اچھا نہیں سمجھتے۔ ہم جانتے ہیں کہ بیماری بھوت جن کی وجہ سے نہیں ہوتی جو لوگ گندے رہتے ہیں وہ بیمار پڑتے ہیں لوگوں کو غلام بنانے اور اُن کو جانوروں سے لڑانے

کو بھی کوئی اچھا نہیں کہتا - ہر شخص جانتا ہے کہ انسان آزاد ہے اور وہ آزاد ہی رہنے کے لیئے پیدا کیا گیا ہے - وہ غلام بننے کے لئے اس دنیا میں نہیں آیا - لیکن ان خراب باتوں کے ہوتے ہوئے بھی اُن میں بہت سی خوبیاں تھیں - سب سے

ایک کتاب کس مشکل سے تیار ہوتی تھی - کتاب کا صفحہ مٹی کی تختی کا ہوتا تھا - ایسی تختیوں کو پکا کر ایک جگہ جمع کر دیتے تھے وہ ایک کتاب ہو جاتی تھی - ایسی بہت سی کتابیں لکھ کے جمع کی گئی ہوں گی تب کہیں ایک کتب خانہ بنا ہو گا -



تسی فون کا محراب جو چودہ سو برس ہوئے بنا تھا

بڑی خوبی تو یہ تھی کہ انھوں نے اپنی حالت کو سدھارا خانہ بدوشی چھوڑ کر شہری زندگی شروع کی - ایسا شہر بنایا جو خوب صورت تھا اور آرام دینے والا - انھوں نے لکھنا پڑھنا جاری کیا اور کتب خانے جمع کئے جہاں بیٹھ کر علم حاصل کیا - ذرا غور کیجئے کہ ایک

ترقی اسی طرح ہوتی ہے جو ہمت سے کام لیتے ہیں وہ آگے بڑھتے رہتے ہیں - جو ہمت ہار ہوتے ہیں وہ ایک جگہ پھنس جاتے ہیں، آگے نہیں بڑھتے ہمیں ہمیں ایک اچھا ملک ہندوستان ملا ہے اگر ہم ہمت کر کے آگے بڑھیں تو ہمارا ملک بھی مشہور ہو جائے ؛

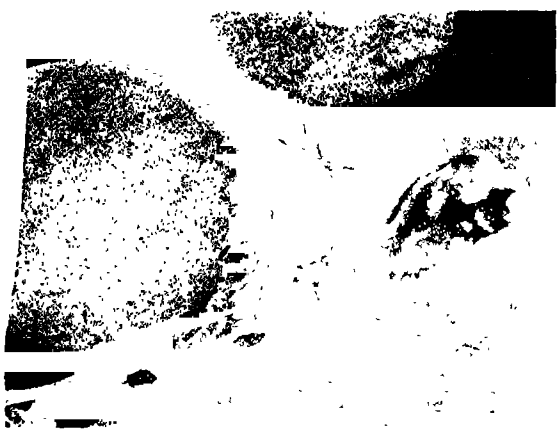
ککڑو مرغ



انڈے سے نکلنے کی پہلی کوشش

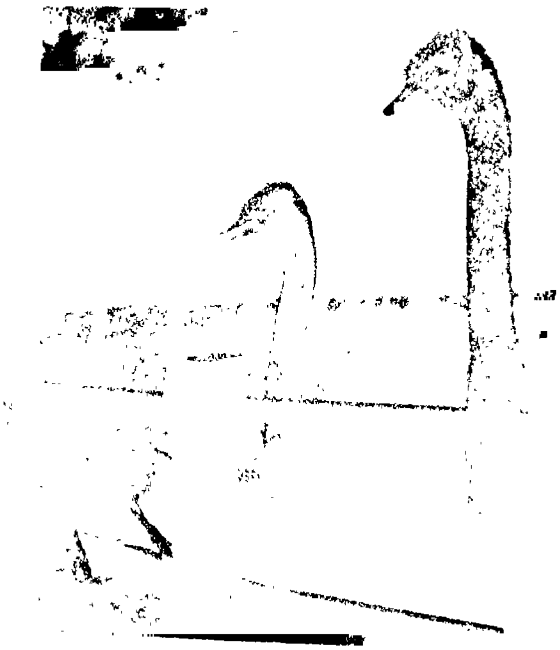


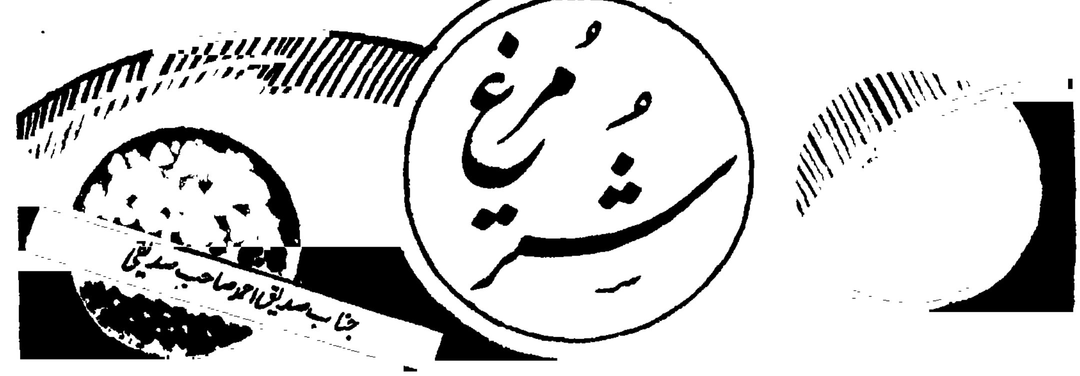
تھوڑا سا اور !



خیر! گردن تو نکل آئی


واہ وا باہر کی دنیا تو بڑے مزے کی ہے


اپنے ماں باپ کے ساتھہ کھڑے ہیں :



اختر :- اخاہ - رضیہ - یہ تم نے اتنے ایک پر کہاں سے جمع کر لئے ۔ تھوڑے سے ہمیں بھی دو ۔

رضیہ :- واہ - تمھیں کاہے کو دیں - تم خود جمع کرو ہم نے اتنی خوشامد سے تو بھائی جان سے مانگے ہیں - وہ بے چارے نہ معلوم کہاں کہاں سے لاتے ہیں -

اختر :- اچھا اچھا نہ دو - ہم کوئی ہمیشہ کے لئے تھوڑی مانگتے ہیں - ہم تو کہتے تھے ذرا دیکھ لیں - وہ بے چاری اِترائی ہی جاتی ہیں - جاؤ نہ دِکھاؤ - ہم خود بھائی جان سے مانگ لیں گے -

رضیہ :- ارے تو خفا کیوں ہوتے ہو - ہم سمجھے تم ہمیشہ کے لئے مانگ رہے ہو ویسے دیکھنا چاہو تو دیکھ لو - کیا میں منع کرتی ہوں

اختر :- اچھا بتاؤ - یہ کاہے کے پر ہیں (ہاتھ میں لے کر) اہاہا - یہ نرم کیسے ہیں - جیسے خرگوش کے بال -

رضیہ :- یہ شتر مرغ کے پر ہیں -

اختر :- شتر مرغ کے ؟ - شتر مرغ کیا ہوتا ہے -

رضیہ :- بھئی مجھے تو معلوم نہیں - چلو بھائی جان سے پوچھیں -

اختر :- چلو -

دونوں بچے بھائی جان کے پاس پہنچے - وہ بیٹھے کوئی کتاب پڑھ رہے تھے - اختر نے جاتے ہی بھائی جان کے گلے میں بانہیں ڈال دیں - اور پوچھنے لگا -

اختر :- میرے بھائی جان - یہ بتا دیجئے - یہ پر کاہے کے ہیں - رضو کہتی ہیں یہ شتر مرغ کے ہیں - شتر مرغ کیا چیز ہے -

بھائی جان :- اچھا تو ادھر کرسی پر بیٹھو - بتاتا ہوں شتر مرغ ایک چڑیا ہوتی ہے -

رضیہ :- ایسی ہی چڑیا ہوتی ہوگی جیسے ہماری مینا۔

بھائی جان :- نہیں نہیں۔ مینا تو بہت چھوٹی ہے۔ شتر مرغ تو بہت بڑی چڑیا ہوتی ہے۔

اختر :- بطخ سے بھی بڑی؟

بھائی جان :- ہاں بطخ سے بھی بڑی۔ وہ تو اتنی بڑی ہوتی ہے جیسے بھینس کا بچھڑا۔ اور اس کی گردن بھی بہت لمبی ہوتی ہے۔ اونٹ کی گردن تو تم نے دیکھی ہے۔ بس ویسی ہی لمبی گردن شتر مرغ کی بھی ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے تو اس چڑیا کو شتر مرغ کہتے ہیں شتر کے معنی ہیں اونٹ۔ اور مرغ کے معنی چڑیا۔ شتر مرغ کے معنی ہوئے اونٹ جیسی چڑیا۔

رضیہ :- مگر بھائی جان۔ اس دن تو آپ نے بتایا تھا کہ اونٹ زیادہ تر ریگستان میں ہوتا ہے۔

بھائی جان :- ہاں ہاں تو جیسے اونٹ ریگستان کا جانور ہے۔ ایسے ہی شتر مرغ بھی ریگستان میں ہوتا ہے اور اس کی گردن بھی اسی وجہ سے لمبی ہوتی ہے کہ یہ چونچ بڑھا کر ببول وغیرہ کے درختوں سے پتیاں کھا سکے۔

اختر :- واہ وا۔ جناب! اونٹ بچارا تو زمین پر رہتا ہے اس لئے اسے منہ بڑھانا پڑتا ہے۔ مگر شتر مرغ تو چڑیا ہے۔ اسے کیا؟ وہ تو اپنے اڑ کر درخت پر بیٹھ جاتا ہوگا۔

بھائی جان :- نہیں نہیں۔ شتر مرغ اڑ نہیں سکتا۔ اس کے بازو چھوٹے چھوٹے ہوتے ہیں اور اس کا بدن بہت بھاری ہوتا ہے جیسے تمہاری بطخ۔ وہ کہیں اڑتی ہے؟ ہاں پر پھیلا کر دوڑتی ضرور ہے تو ویسے ہی شتر مرغ پر پھیلا کر دوڑتا ہے۔ البتہ جب دوڑتا ہے تو اپنے بازو پھٹ پھٹاتا جاتا ہے جس کی وجہ سے اسے بھاگنے میں مدد ملتی ہے۔

رضیہ :- کیوں بھائی جان۔ وہ کتنا تیز بھاگتا ہے۔

بھائی جان :- بہت تیز۔ چچا جان کی چھوٹی موٹر تم نے دیکھی ہے۔ ہاں تم تو اس پر بیٹھی بھی ہو۔ بس جتنی تیز وہ جاتی ہے اتنا ہی تیز وہ شتر مرغ بھی بھاگتا ہے۔ بس یوں سمجھو کہ ایک گھنٹے میں پچیس میل تک جا سکتا ہے۔

اختر :- اوہو۔ پچیس میل۔ تو بھائی جان لوگ تو اسے گھڑ دوڑ میں ضرور بھگاتے ہوں گے۔

بھائی جان :- نہیں۔ وہ آدمیوں سے بہت دور بھاگتا ہے۔ جہاں آدمی کو دیکھا اور

بس ہوا ہوا۔ البتہ جب لوگ پیچھا ہی نہیں چھوڑتے تو پھر تھک کر کسی ریت کے ٹیلے میں اپنا سر چھپا لیتا ہے[1]۔ جانور تو ہی ہے عقل بھی اللہ میاں نے بس واجبی واجبی دی ہے۔ بھلا پوچھو تو خالی سر چھپانے سے فائدہ؟ وہ بے وقوف سمجھتا ہے کہ جب ریت میں سر چھپا لیا تو اب ہمیں کوئی نہیں دیکھے گا چونکہ وہ خود کسی کو نہیں دیکھ پاتا۔ اس لئے خیال کرتا ہے کہ دوسرے بھی اسے نہیں دیکھ سکیں گے۔

رضیہ :۔ ارے واہ بالکل گدھا ہی ہے۔

اختر :۔ تم چپ رہو۔ رضو۔ ابھی بھائی جان بتا چکے ہیں کہ وہ چڑیا ہے اور تم کہتی ہو کہ گدھا ہے۔ گدھا کہاں سے آیا۔ وہ تو چڑیا ہے۔ کیوں بھائی جان وہ چڑیا ہے۔

بھائی جان :۔ اچھا لڑو نہیں۔ نہیں تو پھر میں کچھ نہ بتاؤں گا .... ہاں تو میں کیا کہہ رہا تھا

رضیہ :۔ وہ سر چھپا لیتا ہے۔

بھائی جان :۔ ہاں تو وہ ریت میں سر چھپا لیتا ہے۔ اور شکاری اُسے آ کر پکڑ لیتے ہیں۔

اختر :۔ تو شکاری اس کا کیا کرتے ہیں۔ ابا جان بھی تو شکار کو جاتے ہیں مگر وہ تو کبھی شتر مرغ نہیں پکڑتے۔

بھائی جان :۔ یہ تو ہندوستان ہے۔ شتر مرغ یہاں کہاں سے آیا۔ وہ افریقہ میں، آسٹریلیا میں، عرب میں اور امریکہ میں پایا جاتا ہے۔ وہاں لوگوں نے بڑے بڑے احاطے گھیر رکھے ہیں ان میں پکڑ پکڑ کر بند کر دیتے ہیں۔ اُن کے پر بہت قیمتی ہوتے ہیں۔ یورپ میں عورتیں انھیں اپنی ٹوپیوں اور سایوں میں لگاتی ہیں

رضیہ :۔ اہاہا۔ تو بھائی جان! میں بھی ان پروں کو اپنی دوپٹیہ میں لگاؤں گی۔

اختر :۔ واہ وا۔ تو کیا تم کوئی یورپ کی عورت ہو یہاں تو کوئی بھی نہیں لگاتا۔ تم کیوں لگاؤ گی بس نقل کرنا بچاری کو بہت آتا ہے!

بھائی جان :۔ اچھا چپ رہو۔ بھئی تم دونوں بہت لڑتے ہو۔

اختر :۔ اور بھائی جان یہ کھاتا کیا ہے؟

بھائی جان :۔ یہی گھاس پات۔ البتہ ایک بات

---

[1] شتر مرغ کے سر چھپا لینے کا قصہ بڑی بڑی کتابوں میں لکھا ہے۔ مگر ہے بالکل فرضی بات۔ لوگوں نے اسے کچھ اس طرح مشہور کر دیا ہے کہ سبھی اُسے سچ سمجھتے ہیں۔

بڑے مزے کی ہے۔ شتر مرغ پتھر بھی کھاتا ہے۔

رضیہ :- اوئی اللہ۔ پتھر! یہ پتھر اسے ہضم کیسے ہوتے ہیں۔

بھائی جان :- پتھر خود نہیں ہضم ہوتے۔ البتہ یہ اس کی دوسری غذا کو ہضم کرنے میں مدد دیتے ہیں۔ یہ جب معدے میں جاتے ہیں تو آپس میں ٹکرا ٹکرا کر گھاس پات کو خوب پیس ڈالتے ہیں اور اس کا کھانا خوب ہضم ہو جاتا ہے۔ اچھا تم نے شتر مرغ کے انڈے دیکھے ہیں۔

رضیہ :- نہیں۔

بھائی جان :- واہ ابھی پچھلے ہفتے جب ہم لوگ نظام الدین اولیاؒ گئے تھے تو وہاں تم نے دیکھا نہیں تھا کہ مزار میں چاروں طرف گول گول چینی کے پیالے لٹک رہے تھے۔

اختر :- ہاں ہاں لٹک رہے تھے۔ مگر بھائی جان نے تو بتایا تھا کہ وہ بھینس کے انڈے ہیں۔

بھائی جان :- (ہنستے ہوئے) تمھاری بھابی جان تو بے وقوف ہیں۔ وہ شتر مرغ کے انڈے تھے۔

رضیہ :- بھائی جان یہ کہاں ملتے ہیں۔ ایک ہمیں بھی لا دیجیے۔

بھائی جان :- یہ ریگستان میں ملتے ہیں۔ ہوتا یہ ہے کہ شتر مرغ کی مادہ ریت میں انڈے دیتی ہے۔ اور نر اُن کو سیتا ہے۔ اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ شتر مرغ اپنے انڈے ریت میں دبا دیتے ہیں۔ اور سورج کی گرمی سے ان میں بچے پڑ جاتے ہیں۔ یہ شتر مرغ ایک جگہ مل کر غول میں رہا کرتے ہیں۔ مگر ہر غول میں نر ایک ہی ہوتا ہے جو اپنی ماداؤں کی حفاظت کرتا ہے۔

رضیہ :- اللہ بھائی جان۔ ایک شتر مرغ یہاں بھی لائیے۔

بھائی جان :- یہاں کیسے آسکتا ہے وہ یا تو مر جائے گا یا بھاگ جائے گا۔

اختر :- ہم اسے بڑے سے پنجرے میں رکھیں گے بھاگے گا تو دوڑ کر پکڑ لیں گے۔

بھائی جان :- تم کیا پکڑو گے وہ میرے ایسے دو آدمیوں کو اپنی پیٹھ پر لاد کر بھاگ سکتا ہے

رضیہ :- تو کیا بڑا مضبوط ہوتا ہے؟ اچھا تو پھر ہم کو دکھا لائیے۔

بھائی جان :- ہاں دکھا لائیں گے۔ اب کی جب ماموں جان کے گھر لکھنؤ چلیں تو یاد دلانا۔ وہاں عجائب خانے میں ہے۔ اچھا اب تم لوگ جاؤ۔ میں کام کر رہا ہوں۔

چمار کی سوئی

الیاس احمد صاحب مجیبی

بہت دنوں کا ذکر ہے' ہمارے پڑوس میں ایک موچی رہا کرتا تھا، اس کا نام تھا موتی۔ موتی کے پاس ایک موٹی سی بھدّی سوئی تھی۔ ایک دن موتی نے جو ایک جوتی کی مرمّت کرنے کو سوئی اُٹھائی تو موٹی سوئی بڑے نخرے سے بولی :۔ "دیکھو دیکھو ذرا سنبھال کے، مضبوطی سے پکڑنا، ایسا نہ ہو میں گر پڑوں۔ نہیں تو پھر مجھے ڈھونڈے نہ پاؤ گے۔ دیکھتے نہیں، میرا چھریرا پن اور میری نزاکت!"

موتی کی اُنگلیوں نے سوئی کی اس شیخی پر کہا "ہاں ہاں، کیوں نہیں، تمھاری زبان بھی تو اتنی ہی لمبی ہے جتنا کہ تمھاری ناک میں پڑا ہوا تاگا!" سوئی نے پھر کچھ شیخی بگھاری اور اُنگلیاں پھر چلی کٹی سُنا کے ایک سڑی سی جوتی گانٹھنے میں لگ گئیں۔

"توبہ توبہ!" سوئی بولی "کیسا گھٹیا کام ہے، بھلا میں ایسی گئی گذری ہوں! یہ تو سراسر میری توہین ہے۔ پھر ایسا بھاری کام! دیکھو دیکھو میں ٹوٹ جاؤں گی!" اور سچ مچ وہ ٹوٹ گئی۔ "دیکھا نا اب تو خوش ہوئیں، میری بات نہ مانی، بھلا یہ دھان پان سی جان اور چمڑے کی سلائی!" سوئی نے کہا۔

"اچھا تو اب یہ اپنے مُنہ میاں مٹھو بننے والی سچ مچ بے کار ہو گئی" انگلیوں کی بن آئی اور بڑے گھمنڈ سے بولیں۔ پر موتی غریب کے دل کو جیسے ٹھیس سی لگی۔ اس نے ٹوٹی ہوئی سوئی پر تھوڑی سی لاکھ ٹپکا کر اُسے اپنے گلوبند میں گھرس لیا۔

"اری دیکھتی ہو تم میرا درجہ؟ اب میں موتی چودھری کے سینے کی سوبھا ہوں۔ چمڑا سینے والی سوئی بولی "میں تو جانتی تھی کبھی نہ کبھی میرے دن پھر کے رہیں گے"۔ ٹوٹی ہوئی سوئی شیخی مار رہی تھی اور پھول کے کُپّا ہوئی جاتی تھی۔ گلوبند کی سلوٹ میں ایسے ٹھسّے سے بیٹھی تھی جیسے کوئی بڑا آدمی سواری میں بیٹھا چلا جا رہا ہو۔

اب تو چمڑے والی سوئی کا دماغ ہی خراب ہو گیا، اچھے اچھوں کے مُنہ آنے لگی۔ جیسے بوکھلا

گئی ہو۔ پاس ہی لگی ہوئی سچ مچ کی ایک پن سے بولی کیا آپ سونے کی بنی ہوئی ہیں؟ ہاں آپ کی اوپر کی قلعی تو کچھ سونے کا ملمع ہی لگتی ہے! کیا ہوا، کوئی نرالی بات نہیں اور سونے کا پانی لاکھ بھی نہیں جو میری طرح ہر ایک کو نہ مل پائے" سوئی نے یہ بات کچھ ایسے اترا کے اور اکڑ کے کہی کہ اُسی میں وہ گلوبند سے ناپ دان کی نالی میں جا گری۔

"واہ وا" اس دُرگت پر بھی بے حیا سوئی بولی "اب تو خوب سیل سپاٹے کا ڈھنگ نکلا" مارے بدبو کے مری جا رہی تھی۔ پر اپنی ڈھٹائی سے چوکتی نہ تھی ہر آفت کو راحت اور اپنی آؤ بھگت ہی جتاتی تھی۔

نالی میں چھوٹی موٹی بہت سی ردی چیزیں بھی چلی جا رہی تھیں جیسے تنکے، دال کے دانے، آلو کے چھلکے، یہ سب گویا دریائی مسافر ہماری سوئی کے اوپر سے گزرتے۔ سوئی سیدھی تو کھڑی تھی چپکے سے ہر ایک کو چرکا دے دیتی۔

"ہونہہ! یہ حقیر چیزیں، سیلاب کے چکر میں آئے ہوئے تنکے کیا جانیں" سوئی بڑے گھمنڈ سے بولی "اس طوفانی ندی میں پیارے موتی چودھری کی ایک سوئی بھی ہے جسے پانی کے یہ تیز دھارے چھیڑنے کی بھی ہمت نہیں کر پاتے ہیں"

ایک دن کیا ہوا کہ اسی نالی میں سے کانچ کا ایک ننھا سا ریزہ گزرا۔ تھا تو کانچ ہی پر اس کی چمک دمک سے اوچھی سوئی کی آنکھیں چکا چوندھی ہو گئیں ندیدی سوئی سمجھی یہ ہیرا ہے۔ اب کیا تھا، پھر بڑھ بڑھ کے باتیں بنانے لگی۔ آپ ہی آپ اس ریزے سے بھڑ گئی اور جان پہچان کرنے لگی۔ بولی "مجھے پن کہتے ہیں۔ پن جسے گلوبند وغیرہ میں لگاتے ہیں" پھر بولی "کیا آپ ہیرا ہیں؟"

"جی ہاں اور کیا، یہی سمجھئے" کانچ کے ریزے نے جواب دیا۔

اب یہ دونوں اپنے کو بھلائے اور دھوکے میں ڈالے ایک دوسرے کی اصلیت پہچاننے میں خواہ مخواہ کے شبہوں میں پڑ گئے۔ بی سوئی ریزے کو بڑی عزت سے پکارتیں اور کانچ کا بے کار ریزہ سوئی کو۔

"میں ایک لڑکی کی خوب صورت صندوقچی میں رہا کرتی تھی۔ چمڑا سینے والی سوئی بولی، اس کے ہاتھ میں پانچ انگلیاں تھیں۔ دنیا میں ان انگلیوں سے زیادہ بدتمیز، بے ادب اور کٹھور کوئی اور نہ ہوگا"

"بھلا یہ انگلیاں کیا بلا ہیں، اُن کی صورت شکل کیسی تھی؟ کیا اُن میں تمہاری طرح چمک دمک تھی؟" کانچ کے ریزے نے پوچھا۔

"اجی توبہ کیجئے، بالکل نہیں! سوئی بولی میری سی آب و تاب انہیں کب نصیب ہوگی! مگر

ان کو گھمنڈ اتنا تھا جیسے بھائی مرجان ہی کا بچہ ہوں۔ یہ کل پانچ تھیں، ہمیشہ ساتھ ہی رہا کرتیں اور ہر وقت سیدھی کھڑی رہتی تھیں، یوں تو وہ ہر وقت ایک دوسری کے پہلو میں نظر آتی تھیں مگر سب کی اونچائی ایک سی تھی۔"

"کچھ اور باتیں بھی ہوں گی؟" کانچ کے ریزے نے پوچھا۔

"بے شک"، سوئی نے کہا "مگر اُن کے ذکر سے میرا تو جی جلتا ہے، بس آپ کی مروت سے مجبور ہوں، بتاتی ہوں۔ اُن کی شیخی سب سے بڑھ کر تھی، شہرت اور نمائش کا انھیں جیسے ہوکا سا تھا اس کے لئے وہ طرح طرح کی اوچھی حرکتیں کرتی تھیں۔ لیکن حقیقت میں وہ کیا تھیں، میں ٹھیک ٹھیک بتاتی ہوں تاکہ نالائقوں کو ویسی عزت نہ ملنے پائے جس کے وہ حق دار نہیں ہیں! اچھا تو سنئے"۔

"اُن میں سے ایک انگوٹھا کہلاتی تھی، وہ ان بہنوں کا گویا بھائی تھا، باقی چار سے موٹا اور بڑا مگر اُس کا ڈیل ٹھنگنا تھا، پھر بھی وہ سب کا سردار لگتا تھا، اس کی بناوٹ بھی خاص قسم کی تھی۔ پورے بدن میں ایک ہی جوڑ تھا اور بس اپنی کمر کے بند پر ہی جھک سکتا تھا۔ لیکن اس ناٹے پن پر غرہ یہ تھا کہ فرماتے تھے: میں آدمی کی بہادری اور سپہ گری کی کنجی ہوں، میں نہ ہوں تو آدمی فوجی کاموں کے لائق نہ رہے۔"

"دوسری انگلی ظاہرا تو بڑے کام کی تھی اور پورے ہاتھ کی گویا مختارِ کل۔ ہمیشہ آگے ہی آگے رہا کرتی، ہر چیز کو چھوتی چھیڑتی، ہر کھٹی میٹھی چیز کا مزا چکھتی، چاند، سورج کی طرف اشارے کرتی اور لکھنے پڑھنے کا معزز کام بھی وہی کرتی۔ آدمیوں کے علمی ہتھیار یعنی قلم کو وہی تھامتی تھی۔ بیچ کی انگلی ذرا ہنگم یا بے ڈول سی تھی۔ اس کی شکل کچھ لمبوتری تھی بہنوں کے جھرمٹ کے اندر گویا کھڑی اونچی سی ناک لگتی تھی۔"

"چوتھی انگلی سچ مچ کوئی رئیس کی بچی معلوم ہوتی تھی: اس کی کمر میں ایک سنہری پیٹی لگی ہوئی بہت بھلی لگتی تھی۔ لیکن میں تو یہ جانتی ہوں کہ یہ بس نمائش ہی تھی، اس کا یہ زیور یعنی انگوٹھی اصل میں مانگے کی تھی۔"

"پانچویں پورے کنبے کی سب سے چھوٹی بہن تھی۔ یہ تو جیسے بے کار سی چیز تھی، ہمیشہ کاہلوں کی طرح پڑی رہتی۔ لیکن ناکارہ زندگی پر اس کو بہت ناز تھا۔ وہ اس بے کاری کو اپنی رئیسی سمجھتی تھی، سچ یہ ہے کہ یہ غرور ان سب ہی میں تھا۔ انھی بے ہودہ باتوں سے تو بیزار ہوکر میں پانی کے اس دھارے میں آ ٹھہری ہوں۔"

لہ ہوگا

"اچھا کیا جو آپ نے ایسے نالائقوں سے اپنا پیچھا چھڑایا!" کانچ کے ریزے نے کہا "ان میں رہ کر اپنی اوقات خراب ہی تو کرنی تھی، اب آپ کو یہ شاندار جگہ جو ملی ہے، آپ اسی کی حق دار تھیں، مجھے بھی آپ کی رفاقت کی عزت ملی۔ اب ہم دونوں اس آبِ رواں میں اپنی آب تاب دکھا رہے ہیں۔"

بی سوئی کچھ لجائی سی جا رہی تھیں۔ مارے شیخی کے دل ہی دل میں پھول رہی تھیں کہ ٹھیک اسی وقت پانی کا ایک ریلا آیا جس سے یہ دونوں دوست بچھڑ گئے۔

"اچھا اس موئے کی یہ بے وفائی؟! سوئی بولی "خیر، ان اوچھوں سے کوئی زیادہ آس بھی نہ لگائے پر ہم تو اس طرح ناچے ناچے پھرنے سے رہے۔"

بیچاری سوئی تنہا پڑی پڑی دنوں کڑھا کی اور دل ہی دل میں اپنی بدقسمتی پر رویا کی۔

ایک دن گھر کے بچوں کے سر میں کیا سمائی کہ اس نالی میں کود پڑے۔ نالی بہت گندی تھی پر وہ تو بچے ہی تھے اُڑ گئے، بھلا وہ ان باتوں کا خیال کیا کرتے، اکثر ایسی ہی گندی جگہوں میں چھینٹیں اُڑانا ان کا بہت دلچسپ کھیل ٹھہرا۔

"اُف" ایک بچی زور سے چیخی، "دیکھنا یہ کیا ہے؟ میرے تلوے میں کچھ چبھ گیا اچھا! یہ تو وہی چھڑا سینے والی سوئی بیگم ہیں، دنوں سے کھوئی ہوئی تھیں، لیکن دیکھو غریب اب بے کار ہو گئی ہے، پھر بھی ہمارے گھروندے کے اندر ہماری سہیلی بن کر کھیلا کرے گی۔"

"دیکھو دیکھو، تم کیا بک رہی ہو،" سوئی بولی "میں کوئی سہیلی یا لونڈی نہیں۔ ذرا زبان سنبھال کے بولو۔" لیکن سوئی بیگم کا منہ اب زیادہ شیخی بگھارنے کے لائق نہ رہا تھا۔ سارا رنگ روغن اتر گیا تھا اور زنگ لگنے سے بالکل کالی ہو گئی تھی۔

اتنے میں بچوں کو ایک گھونگا نظر پڑا جھپٹ کے اُسے اٹھا ہی تو لیا، ایک چالاک بچے نے سوئی گھونگے کے اندر بھونک دی جس کے ساتھ ہی گھونگے کے پیٹ سے کالے رنگ کا کیڑا نکل پڑا۔ سوئی کو تو ہر چیز میں عیب نکالنے کی عادت پڑی ہوئی تھی اب یہ موقع اور ملا، گھونگے کے بچے سے بولی، "کیا کہنا اس ظاہر داری کا! صورت تو حبشیوں کی سی اور اوپری پہناوا ایسا اجلا! دنیا اس بہروپ سے شرمائی بھی نہیں۔"

پھر آپ ہی آپ کہنے لگی: اسی دنیا میں ایسے بھی اچھے لوگ ہیں جن کا ظاہر باطن ایک ہے مجھ ہی کو کوئی دیکھے، میرا حسن اور میری نزاکت! یہ تو بس خدا کی دین ہے، قسمت والوں ہی کو ملتی ہے ہاں یہ ٹھیک ہے کہ سمندری بیماری نے میرا رنگ روپ بدل دیا ہے۔

لیکن یہ تو شیخی ہی شیخی تھی۔ اور بس مُنہ چڑھانا اور اپنے منہ میاں مٹھو بننا تھا۔ نہ وہ خوب صورت تھی نہ سمندری آب و ہوا کا کچھ اثر تھا۔ ہاں زنگ نے اُسے کھا رکھا تھا۔

لیکن اب سوئی کا آخری وقت آگیا تھا۔ ہوا یہ کہ وہ ایک ٹھیلے کے پہیے کے نیچے آگئی، ہمیشہ کے لئے زمین میں دفن ہوگئی اور دنیا کو اس کی بکواس سے چھٹی ملی۔

اندھا بھکاری

از بچاری

وہ جا رہا ہے
اندھا بھکاری
کچھ کھا رہا ہے اور گا رہا ہے   مُردہ دلوں کو گرما رہا ہے
گرما رہا ہے اور گا رہا ہے
وہ جا رہا ہے اندھا بھکاری
لکڑی ہے اُس کے دکھ کا سہارا   لکڑی ہے اُس کی آنکھوں کا تارا
مسکیں بچارا قسمت کا ہارا
آفت کا مارا اندھا بھکاری
اُس کو نہیں کچھ دولت کی چاہت   اُس کو نہیں کچھ دولت کی حاجت
سرمایہ اُس کا اس کی قناعت
مجبورِ قسمت اندھا بھکاری
وہ گیت سکھ کا گاتا رہے گا   اور یونہی آگے بڑھتا رہے گا
بڑھتا رہے گا   چلتا رہے گا
گاتا رہے گا
اندھا بھکاری





شیخو

محمد یحییٰ پٹنہ

اسکول کے تمام لڑکے ہال میں جمع تھے ان کی آپس کی کانا پھوسی سے ایک طرح کی بھنبھناہٹ کی آواز پیدا ہو رہی تھی۔ اتنے میں ہیڈ ماسٹر صاحب بولنے کے لئے کھڑے ہوئے اور ہال میں سناٹا چھا گیا۔

"میرے بچو! میں تمہارے لئے ایک بری خبر لایا ہوں۔ تم لوگوں کا اسکول جلد ہی ٹوٹنے والا ہے" تمام لڑکوں کا منہ تعجب سے کھلا کا کھلا رہ گیا۔ ہیڈ ماسٹر صاحب نے پھر کہنا شروع کیا "مسٹر لطیف الرحمٰن نے اس زمین کو خرید لیا ہے اور اب وہ یہاں پر ایک سیمنٹ کی فیکٹری کھولیں گے"۔

لڑکوں میں ایک ہل چل مچ گئی مگر ہیڈ ماسٹر صاحب نے ہاتھ اٹھا کر منع کیا اور تقریر کا سلسلہ جاری رکھا "تم سمجھ نہیں سکتے کہ اس کا مجھے کتنا صدمہ ہے وہ اسکول جسے میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا جس کے لئے میں اینٹیں ڈھو ڈھو کر لایا آج اس کا یہ انجام ہونے والا ہے! مگر اب کیا ہو سکتا ہے

مگر بچو! شریمتی شیلا ورما کپ میں ہم لوگوں کی تیرنے والی ٹیم داخل ہوئی ہے۔ بچو! اب تو میری یہی ایک خواہش ہے کہ اس سال شیلا کپ جیت لو۔ اسکول کے لئے تمہارا یہ آخری کارنامہ ہوگا"

اتنا کہہ کر بوڑھے ہیڈ ماسٹر صاحب سر جھکائے ہوئے ہال سے نکل گئے۔ تمام لڑکے بھی نہایت افسردہ و غمگین ان کے پیچھے نکل آئے اور اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہو گئے۔ شیخو بھی تیرنے والی ٹیم میں تھا۔ وہ سڑک پر ادھر ادھر مارا مارا پھرنے لگا۔

ایک چھوٹی سی بچی ایک دوکان کے سامنے ربر کے گیند سے کھیل رہی تھی۔ گیند لڑھک کر سڑک پر چلی گئی۔ بچی بھی اس کے پیچھے دوڑ پڑی۔ ایک موٹر بہت ہی تیزی سے سڑک پر آ رہا تھا۔ بچی آگے تھی اور موٹر اس کے پیچھے۔ اتفاق سے شیخو نے دیکھ لیا اس نے لپک کر اس بچی کو اپنی طرف کھینچ لیا موٹر زن سے نکل گئی اور بچی بال بال بچ گئی!!

ایک ادھیڑ عمر کا مرد دوڑا ہوا آیا۔ اس نے

آتے ہی بچی کو گود میں اُٹھالیا اور پوچھا " بیٹا چوٹ تو نہیں آئی "

بچی نے ہنس کر جواب دیا " نہیں ابا جان میں بالکل اچھی ہوں " یہ شخص بچی کو زمین پر اُتار کر شنخو کی طرف بڑھا اور بولا " بیٹا میرے پاس الفاظ نہیں کہ میں تمھارے اس احسان کا شکریہ ادا کروں تم نے میری بچی کی جان بچالی " شنخو نے کہا " جی نہیں یہ تو میرا فرض تھا۔ شکریے کی کیا ضرورت ہے "

" مگر میں اسکا انعام دینا چاہتا ہوں۔ تم کس اسکول میں پڑھتے ہو؟ تمھارا نام کیا ہے؟ "

" جی! انعام کی کیا ضرورت ہے۔ مجھے لوگ شنخو کہتے ہیں اور میں علی اسکول میں پڑھتا ہوں "

" تب۔ ب ب تو تم مجھے پسند نہ کروگے میرا نام لطیف الرحمٰن ہے "

شنخو جی میں سوچنے لگا۔ یہ وہی شخص ہے جو ہم لوگوں کا اسکول ختم کرنا چاہتا ہے۔ اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ وہ اُن سے کیا کہے۔ اتنے میں لطیف صاحب خود ہی ہنس کر کہنے لگے۔

" بیٹا! تمھاری وجہ سے آج میری بچی کی جان بچی ہے میں تمھیں اس کا بدلا دوں گا۔ تمھارا اسکول سیلا کپ میں داخل ہوا ہے نا؟

" جی "

" تو اگر تمھارا اسکول یہ کپ جیت گیا تو میں بھی فیکٹری کے لئے کسی دوسری زمین کا بندوبست کرلوں گا "

" سچ مچ! "

" یقیناً میں نے وعدہ کیا ہے اس کو پورا کروں گا۔ تم بھی تیرنے والی ٹیم میں ہو؟ "

" جی ہاں! مگر مجھے کچھ ایسا زیادہ تیرنا نہیں آتا ہے "

" میاں کوشش کرو اور اپنے اسکول کو بچالو " لطیف صاحب اتنا کہہ، اپنی بچی کا ہاتھ پکڑ کر روانہ ہوگئے۔

تھوڑی دیر تک تو شنخو کچھ کھویا کھویا سا رہا پھر اپنے گھر کو چلنے لگا۔ راستے میں اُسے وہی موٹر والا مل گیا۔ شنخو کو دیکھ کر اس نے موٹر روک لی۔

" بھئی تمھارا بہت بہت شکریہ، تم نے اس بچی کی جان بچائی۔ میں نے سنا ہے لطیف صاحب نے تم سے کچھ وعدہ کیا ہے تو میں تمھاری مدد کرسکتا ہوں۔ میں تیرنے والے کلب کا کپتان ہوں اگر تم چاہو تو میں تمھیں اچھی طرح سکھا سکتا ہوں "

" ارے یہ تو بہت ہی اچھی بات ہوگی "

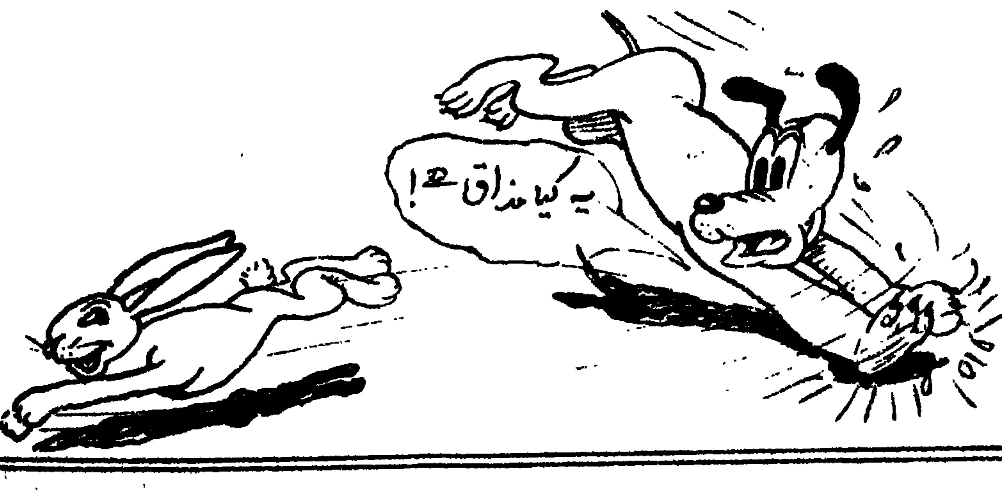
اب تو شنخو نے مقابلے کے لئے سخت محنت شروع کردی۔ ہر روز شام کو تالاب میں تیرتا کپتان اس کی غلطیاں بتاتا اور اُسے تیراکی کے

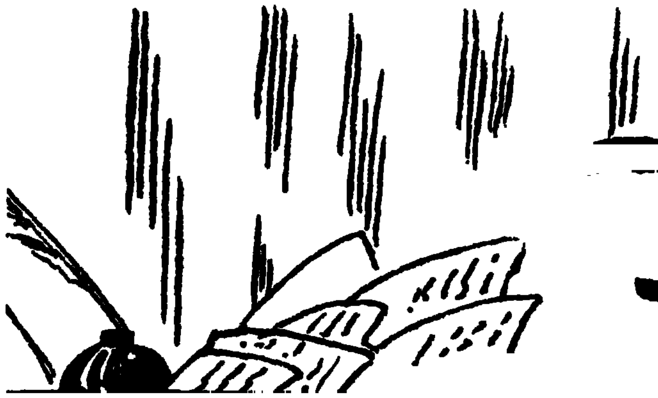
نئے نئے گُر سکھاتا۔ شنجو نے چند ہی دنوں میں نمایاں ترقی کرلی۔ اس نے لطیف صاحب والی بات کا ذکر کسی سے بھی نہ کیا تھا مگر خود لطیف صاحب نے اپنا وعدہ ہیڈ ماسٹر صاحب سے ظاہر کردیا تھا اور سارے اسکول میں یہ خبر پھیل گئی کہ اسکول کی قسمت کا فیصلہ شیلا کپ جیتنے پر ہے۔ اس کپ کے لئے چار اور ٹیمیں داخل ہوئی تھیں۔ سب سے مضبوط ٹیم ساگر کالج کی تھی اس سے جیتنا ٹیڑھی کھیر تھا۔ مقابلے کا دن آپہنچا .... !!!

شنجو نے اپنا نام سب سے اخیر تیرنے والوں میں رکھا کیونکہ اکثر انھی پر سارا دارومدار ہوتا ہے۔ چاروں ٹیم کے ایک ایک آدمی "جاؤ" کے ساتھ ہی پانی میں دھم دھم کود پڑے۔ کنارے پر ہر لڑکا اپنے اسکول کے لئے چلا رہا تھا۔ پہلی بار علی اسکول کی ٹیم ایک گز آگے رہی مگر دوسرے اور تیسرے لڑکوں نے معاملہ خراب کردیا اور وہ گز پیچھے ہوگئے۔ لوگ ناامید ہوچکے تھے۔

اب شنجو کی باری تھی۔ سارا کھیل شنجو ہی کو ختم کرنا تھا۔ اسکول کی زندگی اب اسی پر تھی پہلے چکر میں ساگر کالج کا لڑکا آگے رہا مگر دوسرے چکر کے ختم ہوتے ہی دونوں برابر جانے لگے لطیف صاحب بڑے غور سے شنجو کو تک رہے تھے اب شنجو نے اپنے تیرنے کا طریقہ بدل دیا۔ وہ بالکل سیدھا مچھلی کی طرح تیرنے لگا۔ علی اسکول کے لڑکوں کا جوش دیکھنے کے قابل تھا۔ شنجو ایک گز آگے ہوچکا تھا۔ تیسرا چکر ختم ہوتے ہوتے وہ تین گز آگے نکل چکا تھا۔ اب شنجو نے گھوم کر دیکھا۔ ساگر کالج کا لڑکا تیزی سے تیر رہا تھا۔ مگر شنجو سے کم۔ اب صرف تین گز کا فاصلہ رہ گیا۔ دونوں زور لگا رہے تھے آخرکار شنجو جیت گیا۔ چاروں طرف سے اک شور اٹھا "شنجو زندہ باد علی اسکول زندہ باد"

"شنجو نے اپنا اسکول بچالیا"





معلومات

عمر خیام مشہور شاعر نے حساب لگا کر بتایا کہ شمسی سال میں ۳۶۵ دن ۶ گھنٹے اور ۴۸ منٹ ہوتے ہیں۔

برنارڈ ڈوبوئے جو فرانس میں بارش کے ماہر ہیں ایک "دھوئیں کی فیکٹری کا تجربہ کیا ہے۔ اُن کا کہنا ہے کہ اگر پیرس پر ہوائی حملے کا مظاہرہ ہوگا تو پندرہ منٹ میں پورا پیرس اس فیکٹری کے بنائے ہوئے دھوئیں سے ڈھک جائے گا۔

دنیا کا سب سے پہلا گرہن جس کا ریکارڈ ملتا ہے ۱۹ مارچ سنہ ۷۲۱ ق م میں شام کو ۸ بج کر ۴۰ منٹ پر واقع ہوا تھا۔ تالیموس نامی مورخ نے اس گرہن کا ذکر کیا ہے۔ یہ چاند گرہن تھا اور بابل میں اس کا مشاہدہ کیا گیا تھا۔

بحیرہ کیسپین دنیا کی سب سے بڑی جھیل ہے اس کا کچھ حصہ یورپ میں اور کچھ حصہ ایشیا میں ہے۔ اس کی لمبائی ۷۶۰ میل ہے اور چوڑائی ۱۱۵ میل سے ۲۸۰ میل تک ہے۔ اس میں سب سے زیادہ گہرائی ایک ہزار گز ہے اور اس کا رقبہ ایک لاکھ ۷۰ ہزار مربع میل ہے۔ والگا جو یورپ کا سب سے لمبا دریا ہے اسی جھیل میں شہر استراخاں کے قریب گرتا ہے

ٹکٹوں کی خبریں

حکومت برطانیہ کو جنگ کی وجہ سے اپنی تجویزوں میں بہت سی تبدیلیاں کرنی پڑی ہیں ان کے باوجود مئی سنہ ۱۹۴۰ء میں دنیا کے سب سے پہلے چپکانے والے ٹکٹوں کی صد سالہ برسی منائی جائے گی۔

واشنگٹن (امریکہ) میں ٹکٹوں کی ایک نمائش کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ اس نمائش میں دنیا کے اکثر ملکوں کے ٹکٹ ہوں گے۔ ٹکٹ جمع کرنے والے بھی اس میں خاص حصہ لیں گے۔ اس سلسلے میں امریکہ بہت سے ٹکٹ شائع کر رہا ہے۔

میکسیکو میں چھ نئے ٹکٹ جاری ہوئے ہیں جن میں سے تین ڈاک کے اور تین ہوائی ٹکٹ ہیں اس سیٹ کی چھپائی بہت اچھی ہے۔ ڈاک کے (2 c) کے کالے ٹکٹوں میں فرائر جان ڈی ذومارگا انٹونیوڈی مینڈوذا (اسپنی وائسرائے) اور ٹکٹ کے چھاپے خانے کی عمارت کی تصویریں ہیں

ٹراونکور میں سات نئے ٹکٹ جاری ہوئے ہیں۔ ۱½ ، ۲ ، اور ۳ (چکرم) کے ٹکٹوں پر مہاراجہ کی تصویر ہے۔ باقی چار میں محل سری پدما نبھا۔ سوامی کا مندر، راس کماری اور پچی پارا نامی آب پاشی کے تالاب کی تصویریں ہیں۔

ٹکٹوں کا مبادلہ

حسن الدین احمد

ٹکٹ جمع کرنے والے پیامی اچھی طرح جانتے ہیں کہ بغیر مبادلے کے ٹکٹ جمع کرنا بہت مشکل ہے۔ مبادلے کے ذریعے ٹکٹ بآسانی جمع ہو سکتے ہیں۔ دنیا میں مختلف طریقوں سے ٹکٹ تبدیل کئے جاتے ہیں بعض بڑے بڑے کلب صرف ٹکٹ تبدیل کرنے کے لئے قائم ہیں۔ چونکہ ایڈیٹر صاحب پیام تعلیم کی خاص توجہ سے پیامیوں میں ٹکٹ جمع کرنے کا شوق بہت پھیل گیا ہے۔ اس لئے میں آج ٹکٹوں کی تبدیلی کے لئے ایک تجویز پیش کرتا ہوں ابھی اس میں صرف وہ ٹکٹ جمع کرنے والے پیامی شریک ہوں جو دیسی ریاستوں میں رہتے ہیں۔ یا جن کے پاس دیسی ریاستوں کے ٹکٹ کافی تعداد میں موجود ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ پیامی اس طریقے سے پورا فائدہ اٹھائیں گے۔

تجویز صرف یہ ہے کہ:- پیامی اپنی اپنی ریاستوں کے ٹکٹ جو ۵۰ سے کم ۲۰۰ سے زیادہ نہ ہوں اور جس میں ہر قیمت کے ٹکٹ تقریباً مساوی تعداد میں ہوں میرے پاس روانہ کر دیں۔ ان ٹکٹوں میں قدیم اور جدید دونوں ٹکٹ ہوں۔ اور زیادہ قیمت کے ٹکٹ بھی شامل ہوں۔ جب میرے پاس اکثر ریاستوں کے ٹکٹ آجائیں گے تو میں ہر ٹکٹ بھیجنے والے کو اُن کی ریاست کے ٹکٹوں کے علاوہ دوسری ریاستوں کے ٹکٹ بھی دوں گا۔ اس طرح پیامیوں کی اپنی ریاست کے ٹکٹوں کے عوض جو انھیں بآسانی دستیاب ہو سکتے ہیں مختلف ریاستوں کے ٹکٹ وصول ہو جائیں گے۔ اور کمال یہ کہ صرف ایک وقت میں اتنے زیادہ ٹکٹ تبدیل ہو جائیں گے۔

ٹکٹوں کو تبدیل کرتے وقت بھاری اور ہلکے ٹکٹوں کا خاص طور پر لحاظ رکھا جائے گا۔ مثلاً ٹراونکور اور کوچین کے ٹکٹ کم قیمت ہوتے ہیں اور پٹیالہ، جھیند نابھا وغیرہ کے ٹکٹ قیمتی ہوتے ہیں لہذا اگر کوئی پیامی کوچین کے ۱۰۰ ٹکٹ بھیجیں تو انھیں مبادلے کے ٹکٹ ۱۰۰ سے کم ملیں گے۔ لیکن اگر کوئی پٹیالہ، نابھا وغیرہ کے ۱۰۰ ٹکٹ بھیجیں تو انھیں مبادلے کے ٹکٹ ۱۰۰ سے زیادہ ملیں گے۔ اسی طرح کم قیمت مثلاً ½، ¼، ۱

وغیرہ کے ٹکٹ زیادہ ہوں تو مبادلے کے ٹکٹ کم ملیں گے۔ لیکن اگر زیادہ قیمت مثلاً دو روپے - ایک روپیہ ، آٹھ آنے وغیرہ کے ٹکٹ زیادہ وصول ہوں تو مبادلے کے ٹکٹ بھی زیادہ ملیں گے۔

مبادلے کے لئے حیدرآباد کے ٹکٹ نہ بھیجے جائیں۔ اور جہاں تک ہو سکے ٹکٹ صاف ستھرے اور درست حالت میں بھیجیں۔ پھٹے اور خراب ٹکٹوں کا مبادلہ نہ ہو سکے گا۔

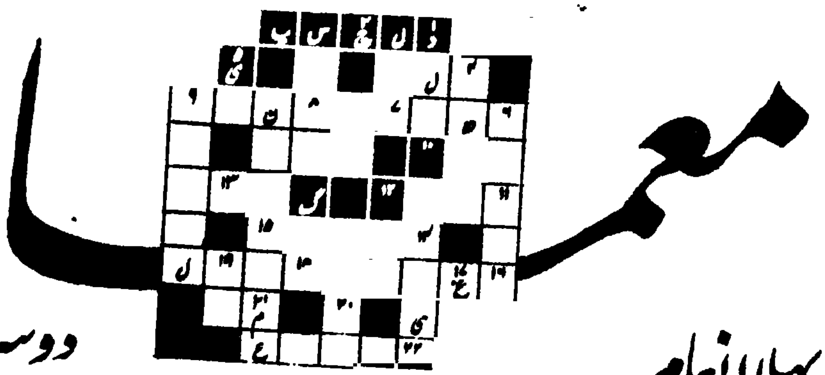
اپنے ٹکٹوں کو اگر چاہیں تو رجسٹری کے ذریعے روانہ کریں و نیز اپنے ٹکٹوں کے ساتھ مبادلے کے ٹکٹ واپس کرنے کے لئے غیر مستعملہ ٹکٹ روانہ کریں ورنہ مبادلے کے ٹکٹ روانہ نہ کئے جائیں گے۔

چونکہ دیسی ریاستوں میں ٹکٹ جمع کرنے والے کافی تعداد میں ہیں اس لئے بہت دن تک مبادلے کے لئے ٹکٹ وصول ہوتے رہیں گے اس لئے مبادلے کے ٹکٹ بھی دیر سے روانہ کئے جائیں گے۔ لہذا اگر مبادلے کے ٹکٹ روانہ کرنے میں دیر ہو تو گھبرائیے مت۔ آپ کے روانہ کردہ ٹکٹوں کا تبادلہ بہت بہتر طریقے پر کیا جائے گا اور یقین ہے کہ آپ اس مبادلے سے بے حد خوش ہوں گے۔

مضمون کو اچھی طرح پڑھئے اور مبادلے کے ٹکٹ آج ہی روانہ کیجئے۔

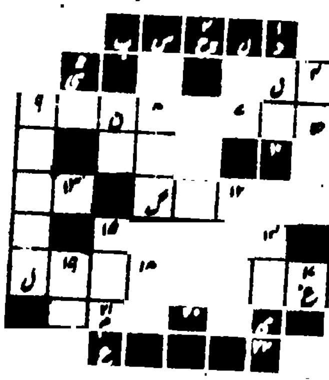
حسن الدین احمد

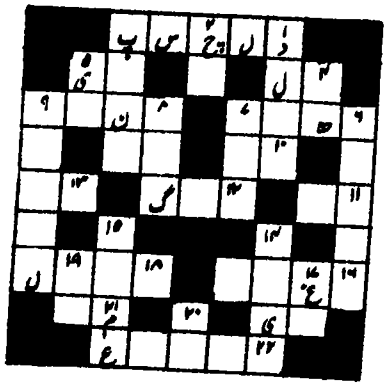
عزیز باغ - سلطان پورہ - حیدرآباد دکن

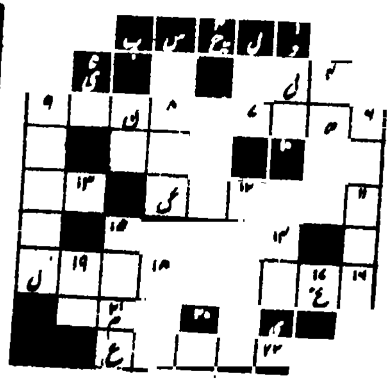


پہلا انعام

دوسرا انعام







اشارات

دائیں سے بائیں

۱- معمّے حل کرنا بہت .... تفریح ہے۔

۴- حوض میں .... ہوتا ہے

۶- ہجوم

۸- ہندؤں کا عبادت خانہ

۱۰- پانی

۱۱- یہ نہ ہو تو کھیتی نہ ہو سکے۔

۱۲- شادی بیاہ میں بغیر اس کے لطف نہیں آتا۔

اوپر سے نیچے

۱- دلا ہوا گیہوں

۲- اُلٹا

۳- ہوا میں اُڑتے ہیں

۵- ہاتھ

۶- ایک قسم کا ساگ

۷- پنسل کا لکھا ہوا مٹانے کی چیز (بے ترتیب)

۸- موت

۱۳۔ دودھ دہی اور میٹھا مسکا
دے نہ خدا تو کس کے بس......

۱۶۔ تم جب دودھ پیتے تھے تو یہ آواز نکالتے تھے۔

۱۸۔ اُس کو کہتے ہیں جو بالکل پڑھا لکھا نہ ہو

۲۱۔ بال

۲۲۔ نوع کی جمع

۹۔ گنے کے رس کی کھیر

۱۴۔ بچے بہت .... کرتے ہیں۔

۱۵۔ جمع سے یہ لفظ بنا ہے۔

۱۷۔ حلق میں جلدی سے اُتارنے کی آواز

۱۹۔ ارے چھوٹے چھوٹے تارو ! کہ چمک دمک رہے....

۲۰۔ ایک ہندسہ

قواعد

۱۔ تمام مدرسوں کے بچے حل کرنے میں حصہ لے سکتے ہیں۔ اُستاد کی تصدیق ضروری ہے۔

۲۔ ایک حل کے ساتھ ایک آنے کا ٹکٹ آنا ضروری ہے۔

۳۔ ایک سے زائد حل بھی بھیجے جا سکتے ہیں۔

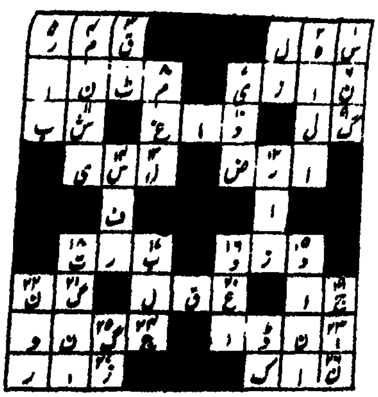
۴۔ دونوں انعام تقسیم کردئے جائیں گے۔ قرعہ اندازی نہیں ہوگی۔

۵۔ تمام حل ۱۰ر جنوری تک دفتر پیام تعلیم مکتبہ جامعہ دہلی پہنچ جانا چاہئے۔

۶۔ ایڈیٹر کا فیصلہ قطعی ہوگا۔

۷۔ لفافے کے بائیں کونے پر لفظ معما لکھ دیا جائے (۸)، نام اور پتہ پورا اور صاف لکھو۔

نومبر کے معمے کا حل





عزیز بچیو اور بچو! خوش رہو اور تندرست۔

پیام تعلیم کی چھٹیاں ختم ہوگئیں۔ دسمبر کا مہینہ بات کہتے میں گذر گیا اور مجھے تم سے بات کرنے کا پھر موقع ملا۔ اس عرصے میں تمھارے بہت سے خط میرے پاس آئے۔ ان میں سے بعض میں سال گرہ نمبر کی تعریف تھی۔ بعض میں مجھے عید کی مبارک باد دی گئی تھی۔ ایک بچی حمیرا خاتون نے مجھے تکیے کا غلاف کاڑھ کر بھیجا۔ میں اس کی کیا تعریف کروں ایسی اچھی ایسی خوب صورت کڑھائی میں نے کم دیکھی ہے۔ اس بچی کی خالص محبت کا ثبوت اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتا ہے کہ اس نے اپنی آپا جان کی خاطر اتنی محنت کی۔ میں اس تحفے کو جان سے زیادہ عزیز رکھوں گی اور سب بچوں کی محنت کا بھی میں دلی شکریہ ادا کرتی ہوں۔

مجھے اس بات سے بھی بے انتہا خوشی ہوئی کہ اس سال کا سال گرہ نمبر بچوں کو بہت پسند آیا۔ سال گرہ نمبر کی سب سے بڑی کامیابی یہی ہے کہ بچے اسے پسند کریں۔ میں ایڈیٹر صاحب کو اور ان کے مضمون نگاروں کو اس کامیابی پر مبارکباد دیتی ہوں۔ کیا اچھا ہو کہ اگلی عید کے موقع پر بجائے دوسری چیزوں کے پیامی اپنے عزیزوں اور دوستوں کو سالگرہ نمبر تحفے میں دیں۔

نومبر کے معمے کے کوئی دو ڈھائی سو سے زیادہ حل آئے۔ ان بچیوں اور بچوں کے حل صحیح تھے۔

(۱) اشتیاق احمد ڈوڈھی سیالکوٹ
(۲) احمد عبدالستار سوتی پور
(۳) زیب الدین میرٹھ
(۴) مرزا مصطفےٰ علی بیگ ورنگل (حیدرآباد دکن)
(۵) اسمعیل یوسف بمبئی
(۶) اسلام احمد میرٹھ
(۷) محمد نسیم کانپور
(۸) سید اعزاز علی الہ آباد
(۹) عبدالشکور خاں علی گڑھ
(۱۰) سید محمد کمال الدین سارن
(۱۱) محمد احمد سیوان
(۱۲) سید شاہد ظفر حسن بریلی
(۱۳) احمد سعید علی گڑھ
(۱۴) محمد حارث جعفری پٹنہ

(۱) اختری بیگم ضلع ٹھانہ

(۱۷) نسیم اللہ سیلسی

ان بچوں کے حل میں ایک غلطی ہے۔

(۱) محمد حبیب بنارس
(۲) منظور الحسن آرہ (بہار)
(۳) محمد اسلم لکھنؤ
(۴) میر عثمان علی حیدر آباد (دکن)
(۵) میر عابد علی خاں سیف آباد۔ حیدر آباد (دکن)
(۶) پورن لال لکھنؤ
(۷) میر صادق علی خاں۔ سیف آباد۔ حیدر آباد (دکن)
(۸) محمد میاں دہلی
(۹) محمد سیف الاسلام خاں۔ حیدر آباد (دکن)
(۱۰) محمد رضی انصاری جونپور
(۱۱) کیقباد۔ حیدر آباد (دکن)
(۱۲) تاج محمد بھوپال
(۱۳) فاطمہ لکھنؤ
(۱۴) سعیدہ خانم اودھی ضلع بستی
(۱۵) محمد اقبال احمد خاں حیدر آباد (دکن)
(۱۶) ایس، ایم نصر اللہ خاں۔ کوٹھی شور
(۱۷) تصدیق امین خاں فیض آباد
(۱۸) سوامی دیال لکھنؤ
(۱۹) سید محب حسین حیدر آباد (دکن)
(۲۰) محمد ظفر الہدیٰ دہلی
(۲۱) محمد احمد خاں گوالیار
(۲۲) منصور ملک گونڈا

(۲۳) ممتاز بیگم دختر محمد غوث صاحب
(۲۴) شیخ منیر حیدر آباد (دکن)
(۲۵) عبد الرب خاں جامعہ نگر دہلی
(۲۶) سعید احمد لاہور
(۲۷) شفقت علی خاں رنگون
(۲۸) سید اقبال احمد حیدر آباد (دکن)
(۲۹) عباس علی، یوسف علی۔ راج نندگاؤں سی پی
(۳۰) سید مظہر حسین نئی دہلی
(۳۱) ظہور اسلام نینی تال
(۳۲) سید محمد ایوب منہاجی ضلع مال موم
(۳۳) محمود الرحمن
(۳۴) مرزا سعید الدین احمد بنارس
(۳۵) ایس، ڈی عبد الجبار مدراس
(۳۶) محمد الدین موحد بدایوں
(۳۷) عبد اللطیف رائے بریلی
(۳۸) مشہود احمد۔ بدایوں
(۳۹) دختر سید محمد حسن صاحب ٹونک راج
(۴۰) امیر اللہ خاں بھوپال
(۴۱) منظور حسین بدایوں
(۴۲) عزیز اختر گوالیار
(۴۳) منصب علی لکھنؤ
(۴۴) خواجہ معین الدین محبوب نگر

(۴۵) محمد مجیب الدین خاں بجنور
(۴۶) غلام یزدانی حیدرآباد (دکن)
(۴۷) محمد علی بدایوں
(۴۸) نصیر الحسن لکھنؤ
(۴۹) اقبال محمد شفیع علی گڑھ
(۵۰) حبیب احمد "
(۵۱) محمد عبدالحیٔ خریدار نمبر ۱۰۹۵
(۵۲) بشیر یوسف گونڈا
(۵۳) اختری بیگم لکھیم پور
(۵۴) " " ضلع ٹھانہ
(۵۵) سید فصیح الملک راج نند گاؤں 34109
(۵۶) جعفراتی علی گورکھپور
(۵۷) محمد رئیس احمد قدوائی بارہ بنکی
(۵۸) رکن الدین امین الدین بیجاپور (دکن)
(۵۹) محمد یوسف بلند شہر
(۶۰) ابو محمد غوث محی الدین انصاری لکھنؤ
(۶۱) شیخ مختار مسعود علی گڑھ
(۶۲) ظہیر حسین خاں بریلی
(۶۳) مس زینت گل محمد کراچی
(۶۴) جمیل احمد جلیل احمد - اجمیر
(۶۵) محمد حبیب احمد - لکھنؤ
(۶۶) سید محمد عبدالودود مدھوپور
(۶۷) انیس ہاجرہ خاتون گورکھپور
(۶۸) عزیز ہاجرہ خاتون "
(۶۹) جمال آرا بیگم کراچی

ان بچوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ انھیں کتابی صورت میں انعام بھیجنا ممکن نہیں ہے۔ اس لئے وہ اس مہینے کے معمہ کا ایک حل بغیر ٹکٹ کے بھیج دیں۔ ہاں اوپر کی ترتیب میں جو ان کا نمبر ہے اپنے نام اور پتے کے ساتھ وہ نمبر ضرور لکھیں۔ اگر وہ ایک حل اور بھیجنا چاہیں تو ایک آنے اور دو بھیجنا چاہیں تو دو آنے کے ٹکٹ بھیجنا ضروری ہیں۔

ایک عزیز پیامی ام۔ اے جاوید بھوپال نے معمہ کے سلسلے میں ایک تجویز پیش کی ہے وہ کہتے ہیں کہ معمہ کے انعام کی رقم بجائے دس کے پچیس کر دی جائے اور معمہ کی فیس ۱ر کی جگہ ۲ر رکھی جائے۔ تین معمہ بھیجنے والوں کے ساتھ ۱ر کی رعایت کی جائے یعنی وہ ۵ر میں تین حل بھیج سکتے ہیں۔ یہ تجویز تو اچھی معلوم ہوتی ہے لیکن اس کے بارے میں کوئی فیصلہ کرنے سے پہلے میں اپنے پیامیوں کی رائے معلوم کرنا چاہتی ہوں۔ پیامی جب اپنے حل بھیجیں تو اس تجویز کے بارے میں بھی اپنی رائے ضرور لکھیں۔

کچھ عرصہ سے گنجائش کی کمی کے سبب سے برادری کی رودادیں نہیں چھپ رہی تھیں۔ یہ میرے لئے اور سب پیامیوں کے لئے نہایت تکلیف دہ بات تھی۔ اب میں نے ایڈیٹر صاحب کو مشورہ دیا ہے کہ برادری کے صفحوں کا قلم باریک کر دیا جائے لیکن رودادوں کے لئے گنجائش ضرور نکال لی جائے۔ ہاں اب برادری!

سکریٹری اپنی روداد یں بہت مختصر بھیجا کریں ورنہ میرے لئے بہت دقت ہو گی۔
میرے پاس پچھلی روداد یں بہت سی رکھی ہیں اب اتنے دنوں کے بعد ان کا چھاپنا بیکار ہو گا۔ ان

پیام برادری کے نئے ممبر

میں کئی دفعہ دہلی کے پیامیوں کو پیام برادری میں شامل ہونے کی دعوت دے چکا ہوں۔ دوبارہ عرض کرتا ہوں۔ مجھے پوری امید ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ تعداد میں شریک ہو کر شکریہ کا موقع دیں گے
نئے ممبر یہ ہیں۔

(۱) الیاس احمد
(۲) الطاف الرحمٰن
(۳) محمد جنید
(۴) یوسف اشفاق
(۵) عبد البصیر
(۶) آغا عباس
(۷) اشفاق محمود
(۸) سید مصور حسن
(۹) عطاء الرحمٰن
(۱۰) محمد یحییٰ
(۱۱) انوار حسین
(۱۲) ملک محمد یوسف
(۱۳) محمد اعجاز مصطفےٰ
(۱۴) ظفر الہدیٰ
(۱۵) شوکت ارشاد احمد
(۱۶) برہان الدین محمود
(۱۷) محمد عزیز

حسن احمد قنوجی
ناظم پیام برادری دہلی

ہاں ایک بات اور ضروری عرض کرنی ہے۔ دسمبر کے آخری ہفتے میں جامعہ میں سردیوں کی چھٹیاں ہو جائیں گی۔ یہ چھٹیاں ایک مہینے تک رہیں گی۔ اس لئے برادری کے انتخاب فروری کے پہلے ہفتہ میں ہو سکیں گے۔ مجھے اس تاخیر کا افسوس ہے لیکن اس سے یہ فائدہ ضرور ہو گا کہ ہمیں ممبروں کی تعداد بڑھانے کا موقع مل جائے گا۔ مجھے یقین ہے کہ تمام پیامی اپنے عزیزوں اور دوستوں کو پیام برادری کا ممبر بننے کی ترغیب دیں گے۔
حسن احمد

میں سے صرف ایک اہم روداد دہلی کی شائع کی جاتی ہے۔ عزیزی حسن احمد قنوجی ناظم پیام برادری اطلاع دیتے ہیں کہ ستمبر میں دہلی کی شاخ کا ایک ادبی جلسہ جناب محمد یوسف صاحب صدیقی کی صدارت میں منعقد ہوا تھا۔ اس پر

نئے اور پرانے شاعروں کے حالات اور ان کی شاعری پر روشنی ڈالی گئی۔ تلاوت قرآن اور نظم پڑھنے کے بعد برہان الدین صاحب محمود نے جوش ملیح آبادی پر، رحیم الدین صاحب نے اقبال پر، شفاعت علی صاحب غالب پر، یوسف اشفاق صاحب نے انیس پر، عبدالبصیر صاحب نے فانی پر، سید رؤف علی صاحب نے ذوق پر، میر عالم صاحب نے حالی پر، الطاف الرحمن صاحب نے اکبر پر، سید صلاح الدین صاحب نے میر پر، سعید احمد صاحب نے حفیظ جالندھری پر اور نور احمد صاحب نے اصغر گونڈوی پر مضمون پڑھے۔ اس کے بعد ناظم نے چند تجویزیں پیش کیں بعد میں سید عروج الحسن صاحب (سرپرست) اور حکیم محمد کامل صاحب (سرپرست) نے لڑائی کے بارے میں بہت سی باتیں سمجھائیں۔ جلسہ بہت کامیاب رہا۔ حاضری بھی کافی تھی۔

اچھا اب رخصت

تمہاری آپا جان

Regd. No. L. 1961

اونچے درجے کے پڑھے لکھے

تعلیمی تاش جیسا اسکول کے لڑکوں اور معمولی تعلیم یافتہ لوگوں میں مقبول ہے ویسا ہی اونچے درجے کے پڑھے لکھوں میں پسند کیا جاتا ہے۔

تعلیمی تاش کے کھیل میں کبھی آپ قہقہہ لگائیں گے اور کبھی آپ سنجیدہ بن جائیں گے، ساتھ کھیلنے والے پر آپ کو رشک آئے گا اور کبھی اپنا شاندار ہاتھ بن جانے پر آپ کو بے حد مسرت ہوگی۔

تعلیمی تاش ایک عجیب کھیل ہے، اس میں علم کی خوبیاں اور کھیل کی دلچسپیاں ملا دی گئی ہیں، ابھی ایک تاش منگا لیجیے کھیلنے کے قواعد کی کتاب بکس کے ہمراہ بھیجی جاتی ہے

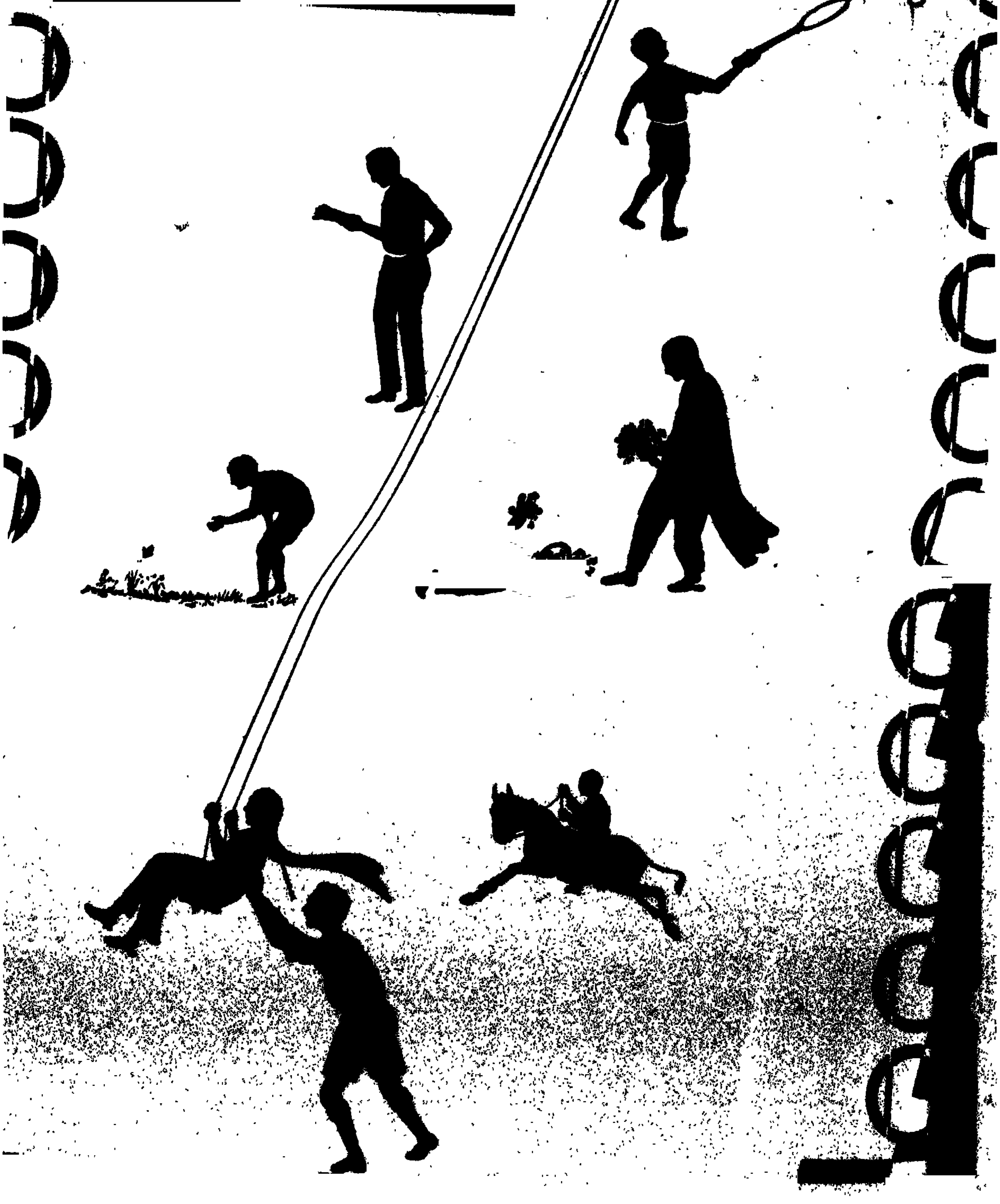
قیمت فی بکس
بڑا سائز ۔ اردو انگریزی ۱۲ر۔ اردو ۸ر۔ ہندی ۱۲ر
چھوٹا سائز، اردو ۶ر۔ انگریزی ۸ر

مکتبہ جامعہ دہلی

Only Cover Printed at the Calcutta Art Press, Katra Baryan, Delhi

پیام تعلیم

فروری



یو پی، سی پی، بہار، میسور، حیدرآباد کے
محکمۂ تعلیم کی طرف سے سرکاری طور پر منظور کیا گیا

پیامِ تعلیم دہلی

ایڈیٹر:۔ محمد حسین حسانؔ

جلد ۲۳ نمبر ۲

فہرست مضامین

پرنٹر و پبلشر ڈاکٹر سید عابد حسین ایم اے۔ پی ایچ ڈی مطبوعہ محبوب المطابع برقی پریس دہلی

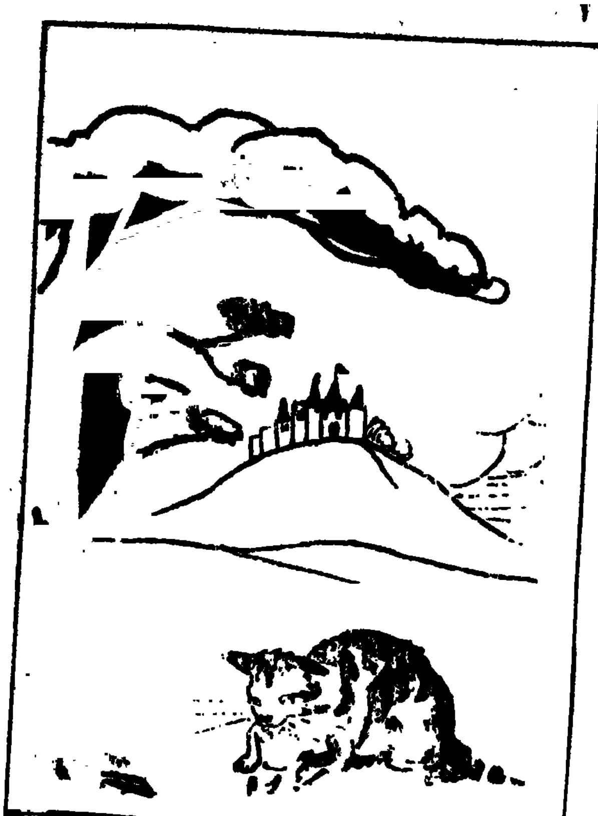
بچوں سے باتیں

یہ پرچہ جس وقت تمھیں ملے گا۔ عید کو گذرے کئی دن ہو چکے ہوں گے۔ اب کے ہمارا خیال تھا کہ پیام تعلیم وقت سے پہلے شائع کیا جائے تاکہ خاص عید کے دن تمھارے ہاتھوں میں پہنچ جائے اور اس میں عید ہی کے بارے میں اچھے اچھے مضمون اور نظمیں وغیرہ ہوں۔ مگر ڈاک خانے کے قواعد کی وجہ سے یہ ارادہ ملتوی کرنا پڑا۔

پچھلے دسمبر میں انجمن ترقی اردو (ہند) کی کل ہند سالانہ کانفرنس دہلی میں منعقد ہوئی تھی۔ نواب مہدی یار جنگ بہادر اس کے صدر تھے۔ کانفرنس ہر اعتبار سے بہت کامیاب رہی۔ جامعہ کی طرف سے جامعہ نگر اوکھلا میں نواب صاحب بہادر کے اعزاز میں چائے نوشی کی دعوت بھی کی گئی۔ مدرسہ ابتدائی کے بچوں نے آپ کی خدمت میں ایڈریس بھی پیش کیا۔

لڑائی کی وجہ سے دوسری چیزوں کی طرح لکھائی چھپائی کا سامان اور کاغذ وغیرہ کے دام بہت چڑھ گئے ہیں اور دوسرے رسالوں اور اخباروں نے معمولی قسم کا کاغذ لگانا شروع کر دیا ہے اور صفحے بھی کم کر دئے ہیں۔ پیام تعلیم باوجود ان دقتوں کے اسی اہتمام سے چھپ رہا ہے لیکن ہماری دقتیں دن بدن بڑھتی جا رہی ہیں۔ ان دقتوں کو دور کرنا ہمارے پیامیوں اور اُن کے والدین کے ہاتھ میں ہے۔ اگر ہمارے پیامی ایک ایک دو دو خریدار اپنے رسالے کے لئے بنا دیں تو ہماری مشکلیں بہت کچھ حل ہو سکتی ہیں۔ جو پیامی اگلے مہینے سب سے زیادہ خریدار بنائے گا اسے ہم اچھا سا انعام بھی دیں گے۔

اس مہینے سے چمن لال صاحب کے سفرنامے کا سلسلہ پھر شروع ہو رہا ہے۔ چمن لال صاحب نے وعدہ کیا ہے کہ اب ختم ہونے تک یہ سلسلہ [illegible] لالہ [illegible] والی کہانی [illegible] عنایت سے مرحمت فرمائی ہے۔ امید ہے کہ بچے [illegible]



چڑیا اور بلی

ایک تھی بلی موٹی موٹی   آن کے بیٹھی نہر کنارے
تاک میں تھی اگر کوئی مچھلی   اوپر آئے تو وہ کھائے

چڑیا تھی اک چھوٹی چھوٹی   گانے والی پیاری پیاری
پاس ہی اونچا پیڑ لگا تھا   اس پر بیٹھی آن کے چڑیا

بولی بلی "اے بی چڑیا   ننھی منی پیاری چڑیا
بیٹھو بھی اب جاتی کیوں ہو   آئی ہو تو کچھ دم لے لو"







بولی چڑیا "اے بی بلی   راجا کے گھر جاتی ہوں میں
رانی اس کی پیاری پیاری   اس کو گیت سناتی ہوں میں"

بولی بلی "واں مت جاؤ   تم کو لے لوں گود میں آؤ
پنجے میرے خوب ملائم   جیسے روئی جیسے ریشم"

بولی چڑیا "بجنو خالا   تم ہو آفت کی پر کالا
مجھ سے ایسا پھر مت کہنا   چوہیوں سے یہ باتیں کرنا"

اڑ گئی چڑیا اتنا کہہ کر
رہ گئی بلی منہ پھیلا کر





ایک نئی امریکن ایجاد-
بچے کو چلنے کی مشق سکھانے
کے لئے یہ گڑولنا اس طرح
بنایا گیا ہے کہ بچہ گرتا نہیں



مرسلہ چمن لال جرنلسٹ

مدرسہ ابتدائی جامعہ نگر کے چند بچے





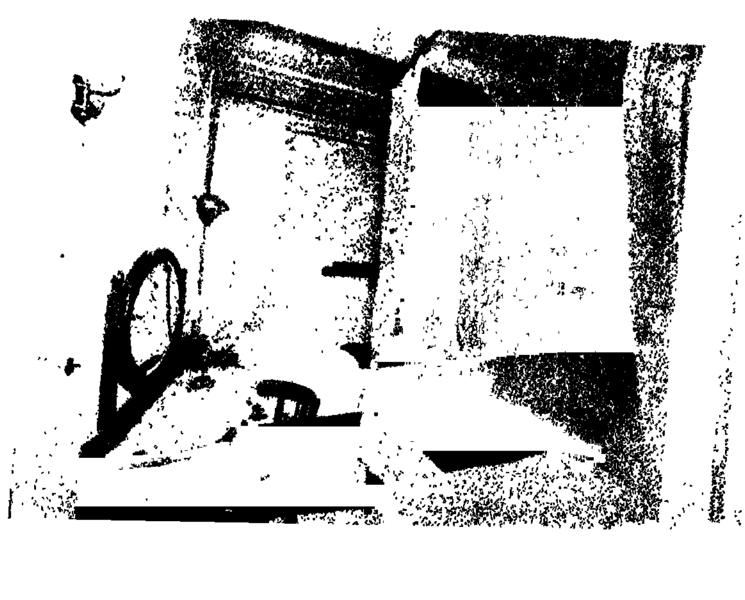
جامعہ نگر اوکھلا کے چند بچے قطب صاحب
میں لوہے کی لاٹ کے پاس



جہاز کونتے ورڈے



جہاز میں دھلائی کا کمرہ



رھلے کا کمرہ

صلی اللہ علیہ وسلم

برکت علی صاحب فراق

پچھلے دنوں تعلیمی مرکز جامعہ کے بچوں نے یوم قرآن بہت اہتمام سے منایا تھا۔ عبدالواحد صاحب اور دوسرے اساتذہ کی نگرانی میں سب کام بچوں نے خود ہی کیا تھا۔ اس جلسے میں مضامین کے علاوہ اچھی اچھی نظمیں بھی پڑھی گئی تھیں۔ ان میں سے ایک نظم ہم نیچے شائع کر رہے ہیں۔

"ایڈیٹر"

چھایا تھا دنیا پہ اندھیرا | یکساں تھا سب شام سویرا
انساں کا تھا دشمن انساں | انساں کیا تھے سب تھے حیواں
چوری ڈاکا جھگڑا دنگا | یہ ہی تھا دن رات کا دھندا
اللہ کو سب بھول چکے تھے | غیر کی پوجا کرنے لگے تھے

کنکر پتھر سورج تارے
ایک سے ایک خدا تھے نیارے

آیا تب وہ ہادیٔ عالم | صلی اللہ علیہ وسلم
اس نے سیدھی راہ دکھائی | سب ہی نے کی اس کی بڑائی
اس کے پاس فرشتہ آیا | اور پیغام خدا کا لایا
اس کو سن کر دنیا جاگی | دنیا جاگی لعنت بھاگی
اس پیغام کا نام ہے قرآں | اس قرآں پر ہم سب قرباں

اس کی باتیں سب سے نیاری
میٹھی میٹھی پیاری پیاری

کوّے کا انعام

نزہت کمالیہ بدایوں

حمید کے گھر کے پاس میدان میں انجیر کا پیڑ
گرمیوں میں ایک کوے نے اس پر گھونسلا بنایا
انڈے دیئے۔ ایک دن حمید پیڑ پر چڑھا اس

ناصر:- کوے کے بچّے تم کیا کروگے
حمید:- میں اُن کو نکال لاؤں گا اور پنجرے میں بند کرکے پالوں گا۔



دیکھا کہ کوے کے بچّے نکل آئے ہیں۔ بہت خوش
ا اور نیچے اُتر کر اپنے دوست ناصر سے کہا
مید:- بڑے اچھے بچّے ہیں۔

ناصر:- کوّا تم کو مارے گا۔
حمید:- میں اُسے ڈھیلوں سے ماروں گا۔
ناصر:- حمید یہ بہت بُری بات ہے

حمید نے ناصر کا کہا نہیں مانا۔ شام کو کوے اپنے بچوں کے چوگا لینے گئے۔ گھونسلے میں بس بچے ہی تھے۔ حمید پیڑ پر چڑھا اور اس کے اندر سے ایک بچہ نکالنے لگا۔ اتنے میں کوا بھی آگیا۔ حمید کے ہاتھ میں بچہ دیکھ کر وہ غصے سے چلایا۔ حمید ڈر گیا۔ ناصر پیڑ کے نیچے کھڑا تھا۔ حمید نے بچے کو جلدی سے ناصر کی گود میں چھوڑ دیا اور پیڑ پر سے اتر آیا۔ کوا پھر چلایا دوسرا کوا نیم کے پیڑ پر تھا۔ وہ اڑ کر آیا اور حمید کے سر پر ایک چونچ ماری۔ حمید اور ناصر بچے کو لئے پاس کے دروازے سے گھر میں چلے آئے اور چھپر کے نیچے گئے۔ وہاں بچے کو پنجرے میں بند کر دیا کوا اڑ کر آیا اور آنگن کی دیوار پر بیٹھ گیا۔ حمید دالان میں امی کے پاس جانے لگا۔ جوں ہی آنگن میں آیا کوے نے جلدی سے اڑ کر اس کے سر پر ایک اور ٹھونگ ماری۔ حمید بھاگ کر دالان میں چلا گیا۔ ناصر بھی نکلا۔ ایک اور ٹھونگ......... ناصر بھی بھاگ کر دالان میں چلا گیا۔

ناصر :۔ حمید! دیکھو بچے کے اماں اور ابا ہم کو مار رہے ہیں

حمید :۔ میں ان کو ڈھیلوں سے مار کر بھگا دوں گا۔

ناصر :۔ تب بھی وہ ہمیں ماریں گے۔

حمید :۔ میں ابا کی بندوق سے انھیں مار ڈالوں گا۔

ابا کے دفتر سے واپس آنے کا وقت ہو رہا تھا۔ امی حمید کے کرتے میں بٹن ٹانک رہی تھیں سر اٹھا کر بولیں "حمید تم کیا کر رہے ہو۔ آج اپنے ابا کی راہ دیکھنے سڑک تک نہیں گئے۔"

حمید :۔ ارے میں بھول گیا تھا۔ اب جاتا ہوں۔

وہ اور ناصر دوڑ کر سڑک کی طرف گئے۔ اور کنوئیں کے پاس کھڑے ابا کی راہ دیکھنے لگے سامنے نیم کا درخت تھا۔ دوسرا کوا اور بھی وہاں بیٹھا تھا وہ ان دونوں کو دیکھ کر غصے سے چلاتا نیچے کی طرف اڑ کر آیا اور حمید کے سر پر ایک ٹھونگ مار کر اڑ گیا۔ حمید نے جھک کر زمین پر سے ڈھیلا اٹھایا مگر کوا جا چکا تھا۔

ابا نے سامنے سڑک پر آتے ہوئے ہندی کے اس پار سے کوے کو حمید کے سر پر چونچ مارتے ہوئے دیکھ لیا۔ وہ پاس آئے اور حمید سے پوچھا "حمید! کیا تم نے کوے کا بچہ گھونسلے میں سے اتار لیا ہے؟"

حمید نے کچھ جواب نہ دیا اور منہ بسورنے لگا۔

ناصر :۔ جی ہاں۔ ابھی انھوں نے کوے کے گھونسلے سے ایک بچہ نکالا ہے

ابا :۔ تم بُرے لڑکے ہو۔ تم نے بچے کو اس کے

اماں اور ابا سے چھین لیا اب وہ تمھارے
سر پر ٹھونگیں مار رہے ہیں۔ اگر میرا بچہ کوئی
مجھ سے چھین لے تو میں بھی اُسے ماروں گا۔
حمید اور ناصر نے اب کوّوں کے ڈر سے
دونوں ہاتھوں سے اپنے اپنے سر چھپالئے۔ ابا

میں رکھ آؤ۔
ابا گھر میں جانے لگے۔ حمید اور ناصر بھی اُن کے
پیچھے چلے۔ راستے میں کوّے کا خیال نہ رہا اور
اپنے سروں پر سے ہاتھ ہٹالئے۔ کوا کہیں دور
بیٹھا دیکھ رہا تھا۔ جلدی سے پھر اُڑ کر آیا اور اب کی



ہر بولے "حمید میں تم سے ناراض ہوں۔ تم نے بچہ
راکر اس کے اماں اور ابا کو بڑا دکھ دیا۔ اب وہ غصے
ں تمھیں مار رہے ہیں تو ٹھیک کر رہے ہیں۔
تمید :۔ میں اُنھیں بندوق سے مار ڈالوں گا۔
ّبا: ناصر نہیں! اب تم اچھے لڑکے بنو اور بچہ گھونسلے

دفعہ حمید کے سر پر اس زور سے ٹھونگ ماری کہ
خون نکل آیا وہ چیخنے اور رونے لگا۔ ابّا اسے گھر
میں لے چلے گئے۔ حمید دوڑ کر اُمّی کے پاس گیا
اُمّی نے اُسے لپٹا لیا۔ حمید نے روتے ہوئے کہا
اُمّی کوّے نے میرے بڑے زور سے چونچ ماری

یہ دیکھو خون نکل آیا۔"

امّی نے جلدی سے اس کا سر پانی سے دھویا۔ دوا لگائی اور پوچھا "کیا تم نے اس کا بچہ چرایا ہے؟"

حمید:۔ ہوں! میں نے اس کا ایک بچہ نکال لیا

اُمّی:۔ اچھا! تم نے اس کا بچہ چرا لیا ہے۔ تبھی تو وہ تمھیں مار رہا ہے۔ اگر وہ تمھیں میرے پاس سے کوئی چرا لے جائے تو میں اُسے ضرور ماروں اور اتنا ماروں کہ اس کے خون نکل آئے۔ اور وہ مجھے میرا بچہ واپس کر دے

ابّا:۔ حمید! تم اب اچھے لڑکے بنو اور بچّے کو رکھ آؤ۔

حمید:۔ لیکن کوّے مجھے ماریں گے۔

ابّا:۔ نہیں میں انھیں بھگا دوں گا۔ تم ٹوپی اوڑھ لو۔

ناصر:۔ میں بھی ٹوپی اوڑھے لیتا ہوں۔

حمید اور ناصر نے اپنی اپنی ٹوپیاں اوڑھ لیں اور چھپّر کے اندر گئے۔ پنجرا کھولا اور بچہ نکال لائے دونوں کوّے آنگن کے اوپر اُڑ رہے تھے۔ وہ بچّے کو حمید کے ہاتھ سے چھیننا چاہتے تھے اور غصّے سے کائیں کائیں بھی کر رہے تھے۔ حمید ڈر کر چھپر کے نیچے جانے لگا۔ ابّا نے ایک لکڑی اُٹھائی۔ کوؤں کو بھگایا اور حمید سے کہا "میرے ساتھ چلو۔ بچّے کو گھونسلے میں رکھ آؤ۔ میں کوؤں کو بھگا دوں گا۔"

حمید اور ناصر ابّا کے پیچھے گھر سے نکل میدان میں انجیر کے پیڑ کے پاس گئے۔ کوّوں نے اُن کو آتے دیکھا تو خیال کیا کہ دوسرا بچّہ بھی لینے آئے ہیں۔ وہ گھونسلے کے چاروں طرف منڈلانے لگے گویا کہہ رہے ہوں کہ ہمارا ایک بچّہ تو تم لے گئے۔ مگر دوسرا بچہ تم نہیں لے جا سکتے۔ ابّا نے پھر کوؤں کو لکڑی سے بھگا دیا اور لکڑی اونچی کئے کھڑے رہے۔ حمید پیڑ پر چڑھا اور بچّے کو گھونسلے میں رکھ دیا۔ وہ ڈر رہا تھا اور بار بار سر اُٹھا کر دیکھتا جاتا تھا کہ کہیں دونوں کوّے آ کر اسے چمٹ نہ جائیں مگر ابّا کی لکڑی کے ڈر سے کوے اوپر ہی اوپر اُڑتے اور کائیں کائیں کرتے رہے۔ حمید پیڑ پر سے اُتر آیا اب کوّے آئے۔ ابّا نے بھی انھیں بھگایا۔ گھونسلے میں پہنچ کر اور بچّے کو دیکھ کر وہ خوشی سے چلانے لگے۔

ابّا:۔ حمید! دیکھو اپنے بچّے کو دیکھ کر وہ کیسے خوش ہو رہے ہیں

حمید:۔ اب تو میرے سر پر وہ چونچیں نہیں ماریں گے۔

ابّا:۔ نہیں! اب وہ تمھارے سر پر چونچ نہیں ماریں گے۔ ٹوپی اتار کر دیکھ لو۔

حمید اور ناصر نے ڈر سے ٹوپی نہیں اُتاری۔ دوسرے دن سویرے حمید ابا کے ساتھ سیر کو نکلا

ہ ٹوپی اوڑھنا بھول گیا اور ننگے سر ہی چل کھڑا
ا۔ پھاٹک کے پاس پہنچ کر اس نے اوپر دیکھا
دونوں کوے نیم کے درخت پر بیٹھے تھے۔ حمید
ٹوپی یاد آئی۔ وہ لوٹ کر جانے لگا۔ آبا نے روک
یا اور کہا کوے اب تمھیں نہیں ماریں گے۔

حمید اور اس کے آبا ٹہلتے ہوئے دریا کے کنارے پہنچے۔ سورج ابھی نہیں نکلا تھا۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ دریا میں ہلکی ہلکی لہریں اُٹھ رہی تھیں حمید کو یہ سہانا منظر بہت بھلا معلوم ہوا۔ حمید اور آبا آگے بڑھ کر دریا میں اپنے



کوّے نے حمید کو دیکھ کر اپنی مادہ سے کہا اس لڑکے نے ہمارا بچہ گھونسلے میں رکھ دیا۔ اب ہم اس کو نہیں ماریں گے۔"

مادہ بولی" اب تو وہ اچھا لڑکا بن گیا ہے ہم کو اسے کچھ انعام دینا چاہیے۔" کوا جلدی سے امرود کے باغ کی طرف اُڑ گیا۔

پاؤں ڈال بیٹھ گئے۔ حمید بیٹھا ہی تھا کہ کوئی بھاری سی چیز اس کی گود میں آکر گری۔ وہ ڈر کر اُچھلا اور ایک تازہ امرود اس کی گود سے آبا کی طرف لڑھک گیا۔ وہ حمید کے ڈرنے پر ہنسے اور جلدی سے امرود اُٹھا لیا " حمید دیکھو کیسا تازہ امرود ہے۔"

حمید حیرت سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگا سامنے
درخت پر نظر جو پڑی کوا بیٹھا ہوا آگے چونچ بڑھا
بڑھا کر اپنی بولی میں کچھ کہہ رہا تھا۔ گویا کہتا ہو "اچھے
لڑکے تم نے میرا بچہ واپس کر دیا اس کے انعام میں
یہ تازہ امرود تمھارے واسطے باغ سے توڑ کر

کہا "ابا! یہ امرود مجھے کوے نے لاکر دیا ہے"
ابا :۔ بیٹے! یہ اچھے کام کا انعام ہے۔
حمید :۔ اب میں ہمیشہ اچھے کام کیا کروں گا
ابا :۔ تم ہمیشہ اُن کا انعام پاؤگے۔
حمید امرود ابا کے ہاتھ سے لے کر کھانے



لایا ہوں"
حمید انداز سے سمجھ گیا۔ بہت خوش ہوا اور

لگا۔ بہت میٹھا اور مزے دار تھا۔

ایک پیام

پیام برادری کے نام

فضل الدین صاحب آثر

آؤ پیامی بھائی، بہنو!
ہم بھی اب میدان میں آئیں

دنیا ہم کو دیکھ رہی ہے
ہم بھی اب کچھ کرکے دکھائیں

اپنے عزم و ہمت سے ہم
ایک نیا دستور بنائیں

باطل کی دیواریں ڈھاکر
اپنا کعبہ اور بنائیں

اپنے خدا کے سامنے رکھیں
نیک ارادے، پاک دعائیں

جس کا حاصل وہم پرستی
ایسے مذہب کو ٹھکرائیں

جس کا نتیجہ کبر و خصومت
اس دولت میں آگ لگائیں

جس کو آندھی بھی نہ بجھائے
علم کی وہ قندیل جلائیں

خلقِ خدا کی خدمت کرکے
بیگانوں کو بھی اپنائیں

بادل بن کر سایہ کریں
بجلی بن کر راہ دکھائیں

پھول کی خوشبو بن کر پھیلیں
جگنو بن کر موج اڑائیں

جنگل میں بھی منگل کردیں
ایسے ایسے نغمے گائیں

غم کی پھانسیں دل سے چن لیں
وحشت کے سامان مٹائیں

دنیا سے سب فرق مٹاکر
دنیا کو فردوس بنائیں

آؤ پیامی بھائی بہنو!
ہم بھی اب میدان میں آئیں

پتیوں کا البم

احمد حسن صاحب لکھنؤ

میں نے چند دوستوں سے سنا تھا کہ صباح الدین صاحب کو پتیاں جمع کرنے کا بہت شوق ہے۔ مجھے بھی اس شغل سے دلچسپی ہے۔ میں نے اپنی سائکل لی اور اُن کے گھر چل دیا۔ وہاں پہنچ کر میں نے اپنا تعارف آپ کرالیا۔ صباح الدین صاحب مجھ سے مل کر بہت خوش ہوئے۔ چند منٹ بات چیت کرنے کے بعد میں نے کہا "اب ذرا مہربانی فرما کر اپنی پتیوں کا البم تو دکھائیے"۔ "کیا کیجئے گا دیکھ کر۔ معمولی پتیاں ہیں اپنے دیس کی"۔ انھوں نے جواب دیا۔

"ہمارے دیس میں تو سینکڑوں طرح کی پتیاں ہیں۔ اچھا اب آپ خواہ مخواہ انکار نہ کیجئے۔ البم اُٹھا لائیے" میرا اصرار زیادہ بڑھا تو وہ گھر میں سے اپنا البم لے آئے۔ کافی موٹا البم تھا۔ اس کی جلد ایک طرف سے نیلی اور دوسری طرف سے لال تھی۔ اس پر موٹے قلم سے "پتیاں" لکھا ہوا تھا۔ میں نے البم کی جلد دیکھ کر کہا "ایسی عمدہ جلد کہاں سے بنوائی"؟ "اجی پیام تعلیم میں چھپی تو تھی ترکیب پھر دوکان پر بنوانے کی کیا ضرورت" صباح الدین صاحب نے جواب دیا۔

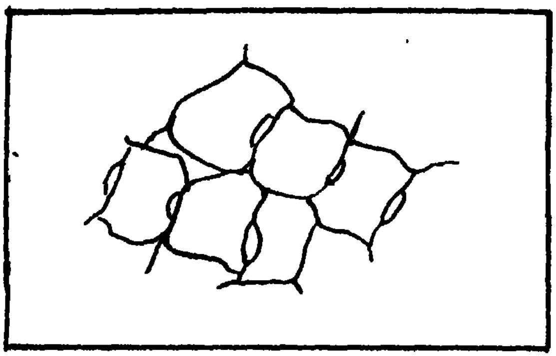
میں نے البم کا سرورق اُلٹا۔ پہلا اور دوسرا دونوں ورق سادہ تھے۔ تیسرے ورق پر لکھا تھا "صباح الدین کی جمع کی ہوئی پتیاں" اگلے صفحے پر "پتیاں اور اُن کے کام" لکھا تھا۔ اس کے بعد پتیوں کا سلسلہ شروع ہوا۔ جاذب پر لگی ہوئی تھیں اور اُن کے مقابل صفحے پر اُن کا مفصل حال لکھا تھا۔ پتیاں تھیں تو سب معمولی مگر بہت اچھی حالت میں۔ کئی پتیوں کو مختلف حالتوں میں دکھایا تھا۔ میں نے اُن سے کہا "بھئی مجھے تو آپ کا البم بہت ہی پسند آیا۔ اگر آپ مجھے ایک دن کے لئے دے دیں تو میں اسے ذرا اطمینان سے دیکھوں"۔ انھوں نے نہایت خوشی سے میری یہ درخواست منظور کرلی صباح الدین صاحب نے مضمون کو اس طرح شروع کیا تھا۔

آج پہلی جنوری سنہ [illegible]ء سے میں نے پتیاں جمع کرنا شروع کیں۔ ماسٹر صاحب نے پتیوں کی تعریف

بتائی کہ پتی درخت کا وہ حصہ ہے جو چپٹا اور پتلا ہو۔ درخت میں پتیاں زیادہ تر ہرے رنگ کی ہوتی ہیں۔ یہ درخت کے واسطے بہت ضروری ہیں، اور اسے غذا پہنچاتی ہیں۔ ہمیں یہ پہلے ہی معلوم تھا کہ پتیاں ہر درخت میں الگ الگ وضع کی ہوتی ہیں۔ کسی میں گول، کسی میں لمبی، کسی میں کنگورے دار۔ بعض درختوں کی پتیاں لمبی اور پتلی ہوتی ہیں۔ جو پتیاں ہم نے دیکھیں ان میں سے اکثر میں جال دار نسیں تھیں۔ اسکول کے پاس ہی مکئی اور جوار کا کھیت تھا۔ ہم نے مکئی کی پتیوں کو توڑ کر دیکھا، اُن کی نسیں جال دار نہ تھیں۔ متوازی تھیں۔ خود پتی نوک دار تھی۔ بالکل اسی طرح کی پتیاں جوار کی تھیں۔ دوسرے دن میں نے اس کے بارے میں شہنشاہ بھائی سے پوچھا، انھوں نے بتایا کہ جن درختوں کے بیجوں میں ایک دال ہوتی ہے۔ اُن کے پتے متوازی نسوں کے ہوتے ہیں اور جن میں دو دالیں ہوتی ہیں ان کے پتوں میں جال دار نسیں ہوتی ہیں۔

دوسرے دن مکئی کے کھیت میں جاکر اس کا مشاہدہ کیا۔ املی کی پتیاں بھی دیکھیں۔ بھائی صاحب کی بات ٹھیک نکلی۔

ماسٹر صاحب نے بتایا تھا کہ پتیاں درخت کے واسطے بہت ضروری ہیں، اور ان کی غذا کا کچھ حصہ بھی یہی پتیاں مہیا کرتی ہیں۔ آج مدرسے میں پتیوں کے بارے میں کچھ اور باتیں پوچھیں تو ماسٹر صاحب نے کہا "ایک پتی لادو تو پھر میں تمھیں بتاؤں۔" ہم اسی وقت جاکر بیلے کی ایک ٹہنی توڑ لائے۔ پھر ماسٹر صاحب نے بیلے کے پھول سونگھتے ہوئے مجھے حکم دیا "اب ایک چھوٹا بے کار پودا جڑ سمیت لے آؤ۔" میں مکئی کا ایک چھوٹا سا پودا جڑ سمیت اکھاڑ لایا اتنی دیر میں ماسٹر صاحب نے بلیک بورڈ پر اس طرح کی شکل بنالی تھی۔



ہم نے اس شکل کو دیکھ کر ماسٹر صاحب سے پوچھا "ماسٹر صاحب یہ شکل کس چیز کی ہے۔ جیسے شہد کی مکھی کا چھتا۔"

ماسٹر صاحب نے کہا "یہ تصویر پتیوں کے مسامات کی ہے۔" "ہمیں تو پتیوں میں دکھائی نہیں دیتے۔" میں نے حیرت سے پوچھا "یہ اتنے بڑے بڑے ہوتے ہیں؟" ماسٹر صاحب نے کہا "نہیں میاں یہ ۲۰۰ گنا بڑا کر کے دکھائے گئے ہیں۔ یہ تمھارے جسم کے مسامات کے مشابہ ہیں۔ یہ سانس لینے اور درخت

کا زائد پانی خارج کرنے کے کام آتے ہیں۔" اب ماسٹر صاحب نے ہمیں اس پودے کی جڑ دکھائی۔ پتلی پتلی جڑوں میں بہت باریک باریک بال نظر آ رہے تھے۔ ماسٹر صاحب نے بتایا کہ ان بالوں پر ایک ھیں گھنڈی ہوتی ہے۔ یہ خوردبین سے نظر آ سکتی ہے۔ یہ گھنڈیاں پانی میں گھلی ہوئی کھاد کو چوس لیتی ہیں اور یہ درختوں کی نسوں میں ہوتا ہوا پتیوں تک پہنچ جاتا ہے۔ پتیوں میں درخت کا کھانا بنتا ہے۔ یہ کہہ کر ماسٹر صاحب نے ایک پتی توڑ کر مجھے دی۔ میں نے ماسٹر صاحب کے کہنے پر پتی کے دو ٹکڑے کئے۔ ماسٹر صاحب نے کہا" اب دیکھو اس کی سطح کے کے حصے ہیں"، میں نے غور سے دیکھا اس کے تین حصے تھے۔ بیچ میں گودا اس کا رنگ گہرا ہرا تھا۔ نیچے اوپر دونوں طرف ایک شفاف جھلی تھی۔ پتی اوپر سے چکنی اور نیچے سے کھردری تھی۔ نیچے رنگ ہلکا ہرا اور اوپر گہرا ہرا تھا۔ یہ سب باتیں میں نے ماسٹر صاحب کو بتائیں۔ ماسٹر صاحب بولے" دونوں طرف رنگوں کے اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ اندر کی سبزی بھی دو تہہ والی ہوتی ہے۔ اوپری تہہ کا رنگ گہرا ہرا ہوتا ہے اور نیچے اس کا رنگ ہلکا ہرا۔ اور چونکہ جھلی شفاف ہے اس لئے یہ رنگ اوپر سے نظر آتا ہے۔ اندر کی سفیدی کو انگریزی میں (CHOLOROPHIL) کہتے ہیں کلوروفل میں سینکڑوں چھوٹے چھوٹے ہرے خلیے یا خانے (CEELS) ہوتے ہیں۔ پھر ماسٹر صاحب نے کھریا اٹھائی اور تختۂ سیاہ کی طرف چلے اور کہا کہ" اب ایک نہایت ضروری بات سمجھ لو۔" انھوں نے بلیک بورڈ پر لکھا:۔

پانی

آکسیجن	ہائڈروجن
(۱ حصہ)	(۲ حصہ)

کاربن ڈائی آکسائڈ

کاربن	آکسیجن
(۱ حصہ)	(۲ حصہ)

پھر ماسٹر صاحب نے کہا کہ" پانی ایک مرکب ہے جس میں دو گیسیں ہوتی ہیں اور کاربن ڈائی آکسائڈ بھی ایک مرکب گیس ہے جو کاربن اور آکسیجن سے مل کر بنتی ہے۔ یہ گیس ہوا میں ہمیشہ موجود رہتی ہے۔ آکسیجن ہوا کا ایک حصہ ہے۔ یہ چیزوں کے جلنے میں مدد دیتی ہے۔ کسی چیز کے جلنے کے بعد جو کالی چیز بچ رہتی ہے وہ کاربن ہوتی ہے۔ اگر اس کالی چیز (کاربن) کو جلایا جائے تو ایک گیس بنتی ہے اس کو کاربن ڈائی آکسائڈ کہتے ہیں۔ جب ہم سانس لیتے ہیں تو سانس لینے میں آکسیجن جذب کرتے ہیں۔ اور کاربن ڈائی آکسائڈ باہر نکالتے ہیں۔ اس گیس کی یہ

پہچان ہے کہ اگر اس کو صاف چونے کے پانی میں ملایا جائے تو وہ دودھیا رنگ کا ہو جاتا ہے۔ تجربے کے لئے ایک گلاس میں چونے کا پانی لو اور ایک شیشے کی نلکی کو پانی میں ڈال کر پھونکو۔ تھوڑی دیر پھونکنے کے بعد تم دیکھوگے کہ یہ دودھیا ہو جائے گا۔ کاربن ڈائی آکسائڈ جلنے میں رکاوٹ ڈالتی ہے۔ لو میں کہاں سے کہاں پہنچ گیا۔ مگر یہ سب تمھارے کام کی باتیں ہیں ہاں تو مجھے کیا بتانا تھا؟"

"پتیوں کے اندر کھانا کس طرح تیار ہوتا ہے"۔ میں نے جواب دیا۔ ماسٹر صاحب نے پھر شروع کیا۔ "پتیاں دن کے وقت کافی مقدار میں کاربن ڈائی آکسائڈ جذب کر لیتی ہیں۔ یہ گیس کلوروفل تک پہنچ جاتا ہے۔ وہاں پانی پہلے سے موجود رہتا ہے۔ کاربن ڈائی آکسائڈ اس پانی میں مل جاتا ہے اور سورج کی گرمی کی وجہ سے اس محلول (حل کیا ہوا) میں ایک زبردست کیمیائی تبدیلی پیدا ہوتی ہے اور ایک نئی چیز نشاستہ بن جاتی ہے۔ انگریزی میں اس کو (STARCH) کہتے ہیں۔ یہی نشاستہ درخت کی خوراک ہے۔ اب اس کے حصے بھی لکھ لو نشاستہ بھی مرکب ہے۔" ماسٹر صاحب نے بلیک بورڈ پر لکھا۔

نشاستہ

آکسیجن (۵ حصے) — کاربن (۶ حصے) — ہائڈروجن (۱۰ حصے)

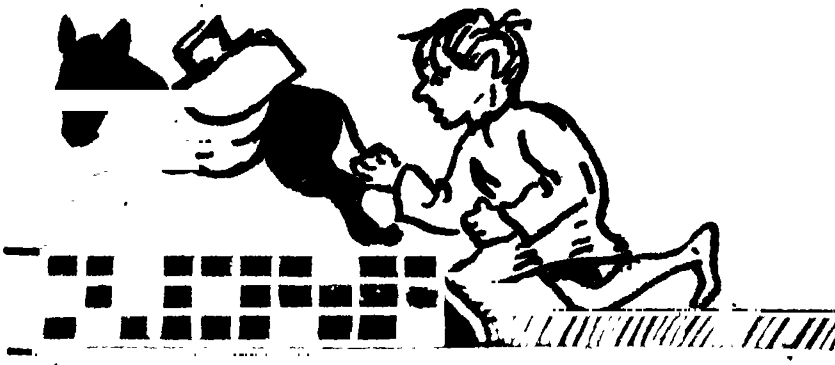
یہ سب لکھنے کے بعد ماسٹر صاحب بولے "اب میں تمھیں ایک بہت عمدہ بات بتاؤں گا۔ تم نے سنا ہوگا کہ رات کے وقت درخت کے نیچے نہ بیٹھنا چاہئے۔"

"جی ہاں" میں نے جواب دیا۔ "جانتے ہو لوگ کیوں منع کرتے ہیں؟" ماسٹر صاحب نے دریافت کیا۔

"مجھے تو معلوم نہیں" میں نے جواب دیا۔ "اچھا سنو" ماسٹر صاحب نے کہا۔ "تم کو یہ تو معلوم ہو گیا ہے کہ پتیاں بھی آدمی کی طرح زندہ رہنے کے لئے سانس لیتی ہیں اور ہوا میں سے کاربن ڈائی آکسائڈ جذب کرتی ہیں اور آکسیجن خارج کرتی ہیں اور یہ بھی معلوم ہو گیا ہوگا کہ دن کے وقت سورج کی گرمی اور روشنی میں بہت سی کاربن ڈائی آکسائڈ گیس جذب کر لیتی ہیں۔ نشاستہ بننے کا کام صرف دن کے وقت ہوتا ہے۔ رات کے وقت نہیں ہوتا کیونکہ رات کو سورج کی روشنی کہاں؟"

ماسٹر صاحب نے بلیک بورڈ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "پتیوں کو ۶ حصہ کاربن حاصل کرنے کے لئے ۶ حصہ کاربن ڈائی آکسائڈ جذب کرنا پڑتی ہے اور اس کے ساتھ ۱۲ حصہ آکسیجن بھی پہنچ جاتی ہے۔ اب پانی میں سے ۱۰ حصہ ہائڈروجن مل جاتی ہے اور ۵ حصہ آکسیجن بھی۔ نشاستہ کے واسطے صرف ۱۰ حصہ ہائڈروجن، ۶ حصہ کاربن، ۵ حصہ آکسیجن چاہئے لہٰذا ۱۲ حصہ آکسیجن بے کار بچی۔ اس آکسیجن کو پتیاں خارج کر دیتی ہیں۔ بس دن

میں زیادہ حصہ آکسیجن اور بہت کم کاربن ڈائی آکسائڈ خارج ہوتا ہے رات کو آکسیجن خارج ہونا بند ہوجاتا ہے۔ دن کے وقت یہ آکسیجن ہمارے سانس لینے کے کام آتی ہے۔" ماسٹر صاحب کرسی پر بیٹھ گئے اور پھر کہنا شروع کیا:" اب شاید تم یہ سوال کر بیٹھو کہ جب پتیاں گر پڑتی ہیں تو درخت اپنی خوراک کہاں سے حاصل کرتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جب پتیاں گرنے کا وقت آتا ہے تو درخت بہت سی خوراک پہلے سے جمع کرلیتا ہے اور وہ اندوختہ اس وقت اس کے کام آتا ہے۔ پتیوں کے درخت سے گرنے کی وجہیں کئی ہیں۔ ان میں سے ایک تمھیں بتاتا ہوں اور وہ یہ کہ پتیاں جب کام کرتے کرتے تھک جاتی ہیں اور بوڑھی ہوکر بے کار ہوجاتی ہیں تو درخت انھیں گرادیتا ہے اور اُن کے بدلے نئی پتیاں نکل آتی ہیں، جو پرانی پتیوں سے اچھا کام کرتی ہیں۔"



بہادری

(مدرسے کا گھنٹہ بج چکا ہے جغرافیے کے ماسٹر صاحب ابھی نہیں آئے ہیں۔ درجے میں شور ہو رہا ہے۔ چار شریر لڑکے رفیق کے چاروں طرف کھڑے اسے دِق کر رہے ہیں۔ اتنے میں ماسٹر صاحب کے پاؤں کی چاپ سنائی دیتی ہے۔ سب لڑکے جلدی جلدی اپنی جگہ آ بیٹھتے ہیں۔ اور درجے میں سنّاٹا چھا جاتا ہے۔ ماسٹر صاحب آ جاتے ہیں، اور سب لڑکے کھڑے ہو جاتے ہیں۔)

ماسٹر صاحب:- میں تم سے بار بار کہہ چکا ہوں کہ جب تک میں نہ آ جاؤں، چپکے بیٹھے اپنا کام کیا کرو، مگر تمہاری سمجھ میں نہیں آتا۔ آج ہیڈ ماسٹر صاحب کے کمرے تک تمہاری آوازیں جا رہی تھیں۔ دوسروں کا بھی ہرج ہو رہا تھا۔ بہت افسوس کی بات ہے۔ (رفیق کی طرف دیکھ کر) کیوں تم غمگین سے کیوں بیٹھے ہو۔ کسی نے پریشان تو نہیں کیا۔ (رفیق کچھ کہنے کے لئے سر اٹھاتا ہے کہ نصیر جلدی سے کھڑا ہو جاتا ہے۔)

نصیر:- ماسٹر صاحب، ان رفیق صاحب کی وجہ سے سارے درجے کو ذلیل ہونا پڑتا ہے۔

ماسٹر صاحب:- وہ کیسے؟

ارشاد:- جناب یہ عجیب بزدل لڑکا ہے۔

موہن:- کل ایک لڑکے نے اوندھے منہ گرا دیا۔

کرم چند:- آج ایک لڑکے نے چپت لگا دی۔

احمد:- ایک نے تھپڑ کھینچ مارا۔

نصیر:- اور یہ فلسفی صاحب (فلسفی کا لفظ سن کر سب لڑکے مسکرانے لگتے ہیں) ٹس سے مس نہ ہوئے۔

رفیق:- ماسٹر صاحب میں ان شریر لڑکوں سے الجھنا، ان سے بدلا لینا اور ان سے دھینگا مشتی کرنا، کوئی بہادری نہیں سمجھتا.........

(ماسٹر صاحب جیسے اس بات کو ٹالنا چاہتے ہیں۔ تھوڑی دیر کچھ سوچتے ہیں پھر رفیق کی بات کاٹ کر کہتے ہیں۔)

ماسٹر صاحب:- کل میں نے ایورسٹ پر مضمون

لکھنے کو دیا تھا، لکھ لائے ہو؟

سب لڑکے :- جی ہاں ماسٹر صاحب۔

ماسٹر صاحب :- دیکھو آج اخبار میں خبر تھی کہ جرمنی کے چند بہادر ننگا پربت پر چڑھ گئے۔ یہ چوٹی اتنی اونچی تو نہیں ہے مگر اس کا راستہ بہت مشکل ہے۔

(ماسٹر صاحب کو کوئی بات یاد آجاتی ہے اور ایکا ایکی وہ جگہ سے اٹھ کر چلے جاتے ہیں۔ سب لڑکے خاموش رہتے ہیں۔ تھوڑی دیر میں لوٹ آتے ہیں۔ ہاتھ میں اردو اخبار ہے اسے پڑھنے لگتے ہیں)

ماسٹر صاحب :- دیکھو ہمارے ملک کے پہاڑوں پر چڑھنے کی بہت سے لوگوں نے کوشش کی ہے۔ مگر ان میں سے کوئی بھی ہمارے ملک کا نہیں ہے۔ یہ کتنے شرم کی بات ہے۔

(ایک آدمی دروازے پر آکر کھڑا ہوجاتا ہے)

ماسٹر صاحب : اندر آجاؤ۔

(آدمی ایک خط دیتا ہے۔ ماسٹر صاحب اسے دیکھ کر پریشان سے ہوجاتے ہیں۔ لڑکوں سے کہتے ہیں۔)

ماسٹر صاحب :- بھئی سول ہسپتال سے یہ خط آیا ہے۔ کل اسلامیہ ہائی اسکول کا ایک لڑکا ہاکی کھیلنے میں سخت زخمی ہوگیا اور زخم سے بہت سا خون نکل گیا۔ اس کی وجہ سے اس کی حالت بہت خراب ہوگئی ہے۔ ڈاکٹر کہتے ہیں اگر تولہ بھر تازہ خون اس کے بدن میں داخل کردیا جائے تو بچ جائے گا۔ ہے تم میں سے کسی میں ہمت؟

(سب لڑکے دم بخود رہ جاتے ہیں جیسے خون خشک ہوگیا۔ مگر رفیق بڑے جوش سے اٹھتا ہے۔)

رفیق :- ماسٹر صاحب، میں اپنا خون دینے کو تیار ہوں۔

(سب لڑکے رفیق کی طرف غور سے دیکھنے لگتے ہیں۔)

ماسٹر صاحب :- میاں رفیق یہ کوئی معمولی بات نہیں۔ تولہ بھر خون نکل جانے کے بعد جانے تمہاری کیا حالت ہو۔ سوچ سمجھ کر بات کہو۔

رفیق :- کچھ بھی ہو، ماسٹر صاحب میرے خو[ن] سے کسی کی جان بچ سکتی ہو تو مجھے اپنی [پروا] نہیں۔ (جوش سے) ماسٹر صاحب [آپ] ا[س] کے لئے جلدی سے ڈاکٹر کو بلوائیے۔ ا[س] بچے کا جانے کیا حال ہوگا۔

ماسٹر صاحب :- (خوش ہوکر) شاباش۔

عزیز۔ کسی بچے کو تمھارے خون کی ضرورت نہیں۔ میں تم لوگوں کی بہادری کا امتحان لینا چاہتا تھا۔ اس آدمی کو میں نے ہی یہاں بھجوایا تھا۔ خیر آج معلوم ہوگیا کہ کون بہادر ہے، اور بہادری اصل میں کس چیز کا نام ہے۔

(سب لڑکوں کی گردنیں شرم سی جھک جاتی ہیں۔)

لالہ رُخ

شمسی عبادالرحمٰن

کسی ملک میں سمندر کے کنارے، ملّاحوں کا ایک گاؤں آباد تھا۔ اس گاؤں میں ایک بوڑھا ملّاح اور اس کی بیوی رہتے تھے۔ ان کے یہاں سفید بھولا سا ایک کبوتر پلا ہوا تھا۔ لالہ رُخ اسی کا نام تھا۔ گاؤں کے سب بچّے لالہ رُخ کو جانتے تھے۔ روز صبح کو اسکول جاتے وقت وہ اس کے لئے تھوڑا سا دانہ لے جاتے اور جب ملاح کی جھونپڑی سے گذرتے اور لالہ رُخ کو جھونپڑی کے چھپّر پر بیٹھا دیکھتے تو یہ دانہ اس کے سامنے ڈالتے۔ اس کی لال چمکدار آنکھیں اُنھیں بڑی اچھی معلوم ہوتی تھیں۔ وہ اکثر دھوکا دے کر اُسے پکڑنے کی کوشش کرتے، مگر لالہ رُخ کسی کے ہاتھ نہ آتا۔ بس اس کا کام یہ تھا کہ روز صبح کو جھونپڑی سے نکل کر ساحل پر جاتا اور سارا دن اِدھر اُدھر اُڑتا پھرتا۔ بھوک لگتی گودی پر اُتر کر کچھ چُگ لیتا پھر اُڑ جاتا۔ شام کو جب چاروں طرف اندھیرا چھا جاتا اور کچھ نظر نہ آتا تو گھر لوٹ آتا۔

لالہ رُخ کم عمر نہ تھا۔ کیونکہ اس کے سفید پَر پرانے مورچھل کی طرح مٹیالے اور چھدرے ہوگئے تھے، مگر آنکھیں جو ہر وقت سمندر پر کسی کو ڈھونڈتی رہتی تھیں خوب چمکدار اور لال تھیں۔ ساحل پر بہت سی سمندری چڑیاں بھی رہتی تھیں اور دانے کی تلاش میں گودی پر اُتر آتی تھیں، لیکن لالہ رُخ کسی کی طرف توجہ نہ کرتا۔

ایک دن لالہ رُخ اُداس بیٹھا سمندر کی سطح پر ٹکٹکی باندھے دیکھ رہا تھا اتنے میں ایک بڑی سی سمندری چڑیا اس کے پاس ہی گودی پر اُتری اور تعجب سے لالہ رُخ کو دیکھا پھر بولی "آج بڑے چپ چاپ بیٹھے ہو، کیا بات ہے؟" لالہ رُخ نے کہا "کچھ نہیں، مگر تم آج بڑی تھکی ہوئی معلوم ہوتی ہو!" چڑیا بولی "ہاں، میں بہت تھک گئی ہوں، مچھلیوں کی تلاش میں آج سمندر پر بڑی دور تک گئی تھی، مگر کچھ ہاتھ نہ آیا۔"

لالہ رُخ نے پوچھا "کیا تم کبھی، اُس

جہازوں تک بھی جاتی ہو جو دور اُفق پر نظر آتے ہیں؟" چڑیا نے کہا "کیوں نہیں، میں اکثر جایا کرتی ہوں کیونکہ ان جہازوں پر بڑی اچھی اچھی چیزیں کھانے کو ملتی ہیں۔" لالہ رُخ کے بازو بے چینی سے کانپنے لگے۔ اس نے جلدی سے پوچھا "تو کیا تم نے کبھی جہاز پر سنہرے بالوں والے ملاح کو دیکھا ہے، جس کی نیلی آنکھوں سے بہادری ٹپکتی ہے اور چہرے پر ہنسی کھیلتی رہتی ہے؟" چڑیا نے تیوری چڑھا کر جواب دیا "میں نے ایسا کوئی ملاح نہیں دیکھا ہے، میں آدمیوں کو غور سے نہیں دیکھتی بلکہ ان سے دور ہی دور رہتی ہوں" "اچھا! تو کیا تم اسی ملاح کی تلاش میں روز یہاں آتے ہو؟" لالہ رُخ نے کہا "ہاں، وہ میرا آقا ہے۔ ہم دونوں ساتھ کھیلے ہیں۔ وہ مجھے بہت چاہتا تھا۔ لیکن سات برس ہوئے ایک لمبے سمندری سفر پر گیا تھا پھر واپس نہ آیا۔ پہلے اس کے ماں، باپ دونوں اُسے ڈھونڈنے یہاں آتے تھے اب وہ بوڑھے اور کمزور ہو گئے ہیں اتنی دور نہیں آ سکتے اس لئے میں اپنے آقا کو دیکھنے آتا ہوں۔ مجھے یقین ہے کسی دن اس کے جہاز کے سفید بال ضرور اُفق پر نظر آئیں گے، پھر جہاز آہستہ آہستہ کنارے آ لگے گا اور میرا ہنس مکھ آقا مجھے مل جائے گا" چڑیا نے کہا "جب اُسے گئے ہوئے اتنا زمانہ ہو گیا تو وہ تمھیں بھول بھی گیا ہوگا؟" لالہ رُخ نے سر ہلا کر کہا "نہیں، وہ ہمیں کبھی نہیں بھول سکتا۔" چڑیا نے کہا "تو پھر تم نے یہاں بیٹھ کر اتنا وقت خواہ مخواہ ضائع کیا۔ اگر تم اُفق پر جانے والے جہازوں پر جا کر ڈھونڈتے تو شاید وہ اب تک مل جاتا؟" یہ سن کر لالہ رُخ نے کچھ سوچا۔ پھر خوشی سے اچھل کر بولا "تم ٹھیک کہتی ہو۔ مجھے اُن ہی جہازوں پر ڈھونڈنا چاہیئے۔" یہ کہہ کر اُڑنے ہی کو تھا کہ چڑیا نے مسکرا کر کہا "ٹھہرو، ٹھہرو، جلدی نہ کرو۔ تمھارے بازو ہمارے بازوؤں کی طرح طاقت ور نہیں ہیں۔ اتنی دور پانی پر کیسے اُڑ سکو گے۔ سمندر میں بڑے خوفناک طوفان آتے ہیں تم اُن کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ آندھی، پانی کے تھپیڑے دم کے دم میں تمھاری زندگی کا خاتمہ کر دیں گے۔" لالہ رُخ نے پکّے ارادے کے ساتھ کہا "کچھ پروا نہیں! زندہ رہوں گا تو آقا کو ڈھونڈھ لاؤں گا، نہیں سمندر ہی میں ڈوب مروں گا۔" یہ سُن کر چڑیا نے اپنے بڑے بڑے بازو ایک بار پھڑپھڑائے اور یہ کہتی ہوئی اُڑی "اچھا تو میرے ساتھ آؤ۔" لالہ رُخ اس کے پیچھے پیچھے ہو لیا۔

پہلا جہاز جس پر یہ دونوں اُترے تجارتی سامان کا تھا اس پر ریشم کی گٹھریاں لدی ہوئی تھیں۔ چھوٹا سا ایک بیڑا ملاحوں کا بھی تھا۔ لالہ رخ نے مستول پر بیٹھ کر سب ملاحوں کو غور سے دیکھا مگر بے سود! اس کا آقا ان میں نہ تھا۔ اتنے میں ایک اور جہاز

افق پر نظر آیا۔ یہ دونوں اس کی طرف اُڑے۔ مگر اب چڑیا نے لالہ رخ کا ساتھ یہ کہہ کر چھوڑ دیا کہ "میری روزی تو بس کنارے ہی کے پاس ہے میں آگے جاکر کیا کروں گی۔ تمھیں راستہ معلوم ہوگیا، جاؤ اور کوشش کرو۔ شاید کبھی تم اپنے سنہرے بالوں والے آقا کو ڈھونڈنے میں کامیاب ہوجاؤ۔" اب لالہ رُخ اکیلا سمندر پر اِدھر اُدھر اُڑنے لگا۔ جو جہاز نظر آتا اس پر اُتر پڑتا۔ ہر ملاح کو غور سے دیکھتا اور مایوس ہوکر پھر اُڑنے لگتا۔ رات کو کسی جہاز کے روشن دان میں گھس بیٹھتا یا کسی مستول پر بسیرا لے لیتا۔ زمین چھوڑتے ہوئے اُسے بہت دن ہوگئے تھے۔ لیکن کامیابی دور دور نظر نہ آتی تھی۔ کبھی سوچتا تھا کہ جب بازو اُڑتے اُڑتے تھک جائیں گے اور کوئی جہاز دم لینے کو نہ ملے گا تو کیا حال ہوگا! اُسے یہ معلوم نہ تھا کہ سمندر اتنا لمبا چوڑا ہوتا ہے۔ اتنے بہت سے جہاز آتے جاتے ہیں لیکن لالہ رُخ نے ہمت نہ ہاری اپنی دُھن میں لگا رہا۔

ایک دن گرم ہوا کے جھونکوں اور آسمان کے عجیب وغریب رنگ سے معلوم ہوا کہ طوفان آنے والا ہے۔ اتنے میں ایک لمبا سا جہاز تیزی سے آتا ہوا نظر آیا۔ لالہ رُخ طوفان سے پناہ لینے کو اس پر اُتر پڑا۔ یہ جہاز اُسے بڑا ڈراؤنا معلوم ہوا اس کے ملاحوں کا رنگ پیلا اور ناک نقشہ چپٹا تھا۔ لالہ رُخ نے ایک ہی نظر میں دیکھ لیا کہ اس کا آقا ان میں بھی موجود نہیں ہے اور رنجیدہ ہوکر ایک مستول پر بیٹھا ہی تھا کہ لمبا سا ایک بانس بازو پر زور سے لگا اور وہ لوٹ پوٹ ہوتا ہوا جہاز کے عرشے پر گر پڑا۔ ایک ملاح نے دوڑ کر پکڑ لیا۔ بہت سے ملاح اُس پاس جمع ہوگئے اور اپنی عجیب بولی میں باتیں کرنے لگے۔ ہر ایک اُسے اپنے ہاتھوں میں لے کر دیکھتا اور نہ جانے اس کے متعلق کیا کہتا۔ اتنے میں طوفان آندھی، پانی اور کڑک کے ساتھ آپہنچا۔ دم کے دم میں چاروں طرف گھٹا ٹوپ اندھیرا چھاگیا، سمندر میں تلاطم برپا ہوگیا۔ لہریں پہاڑوں کی طرح اُٹھنے لگیں۔ جہاز زور زور سے جھکولے کھانے لگا معلوم ہوتا تھا اب ڈوبا، اب ڈوبا۔ جہاز کے لوگ گھبرا گھبرا کر اِدھر اُدھر بھاگے۔ لالہ رُخ پھڑ پھڑا تو رہا تھا۔ طوفان کی گھبراہٹ میں ملاح کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ چھوٹنا تھا کہ اُڑا۔ مگر موسلا دھار بارش اور آندھی کے تیز جھونکوں نے جلد اُس کے بازو تھکا دئے اور اس نے بے جان ہوکر اپنے تئیں ہوا میں چھوڑ دیا اب وہ آندھی میں اس طرح اُڑتا چلا جا رہا تھا جیسے درخت سے ٹوٹ کر سوکھا ہوا پتہ! ایک گھنٹے سے زیادہ ہوگیا! اس کا دم گھٹنے لگا! وہ سمجھ رہا تھا کہ موت قریب ہے اتنے میں کسی اونچی سی چیز سے بڑے زور سے ٹکرا

بجاتے ہی بے ہوش ہوگیا۔ تھوڑی دیر میں ہوش ا تو دیکھا کہ آندھی ہے نہ پانی، مطلع صاف ہے ٹھنڈی ا کے ہلکے ہلکے جھونکے آرہے ہیں اور وہ تاڑ کے ر کے نیچے سنہرے بالوں والے ایک آدمی کے ھ پر بیٹھا ہے، جس کی نیلی آنکھوں سے بہادری ٹ رہی ہے اور چہرے پر ہنسی کھیل رہی ہے۔ وہ ہ رُخ کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیر کر کہہ رہا ہے۔ ہری آنکھوں کی چمک بتاتی ہے کہ تو ہی میرا لالہ رُخ ہے۔ اے پیارے کبوتر تو نے مجھے ڈھونڈھ ہی لیا! ں اتنے برسوں سے اس جزیرے میں اکیلا پڑا ہوں نگلی پھل کھا کر جی رہا ہوں۔ آج تک کوئی جہاز اس رف نہیں آیا کہ میں یہاں سے جا سکتا۔ میرے وہم گمان میں بھی نہ تھا کہ تو میری مدد کو آئے گا۔" لالہ رُخ پنے آقا کے کندھے پر بیٹھ کر خوشی سے غٹرغوں رنے لگا اور دل میں کہا کہ "اب میری مصیبتوں کا خاتمہ ہوا۔ اب آرام سے آقا کے ساتھ اسی خوب صورت زیرے میں رہوں گا۔" لیکن لالہ رُخ کو دیکھ کر لاح کے دل میں وطن، ماں اور باپ کی محبت ازہ ہوگئی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ بولا لالہ رُخ ابھی تمھارا کام ختم نہیں ہوا ہے۔ دو چار دن آرام کر کے وطن جاؤ۔ ماں باپ کو میرا سب حال بتاؤ۔" جب لالہ رُخ نے اچھی طرح آرام کرلیا تو ملاح نے جنگلی پھلوں کے عرق سے پتوں پر اپنا سارا حال لکھا اور جزیرے کا پتہ لکھ کر گھاس کے تنکوں سے پتوں کا پلندہ لالہ رُخ کے پاؤں میں مضبوط باندھ دیا اور ہوا میں اچھال کر اڑا دیا۔ تھوڑی دیر تک لالہ رُخ جزیرے پر چکر لگاتا رہا، پھر اپنے آقا کا اشارہ پا کر وطن کے لمبے سفر پر روانہ ہوگیا۔ کوئی تین ہفتے تک اڑنے کے بعد لالہ رُخ تھکا ماندہ اپنے گاؤں کے ساحل پر اسی جگہ اترا جہاں وہ آقا کے انتظار میں بیٹھا کرتا تھا۔ تھوڑی دیر ادھر ادھر پھر کر اڑا اور اپنی جھونپڑی کے چھپر پر اتر کر غٹرغوں کرنے لگا۔ بوڑھے ملاح اور اس کی بیوی نے پہچان کر چمکارا۔ لالہ رُخ پاس گیا تو دیکھا پاؤں میں کچھ بندھا ہے۔ کھول کر پڑھا۔ کھوئے ہوئے بیٹے کا حال لکھا تھا۔ اب کیا تھا! ملاح اور اس کی بیوی خوشی سے پھولے نہ سمائے۔ دوسرے ہی دن انھوں نے گاؤں والوں کی مدد سے ایک دخانی جہاز تیار کیا اور بہت سے ملاحوں کو ساتھ لے کر چل دیے۔ تھوڑے ہی دنوں میں اس جزیرے میں جا پہنچے اور سنہرے بالوں والے ملاح کو گھر لے آئے۔ بوڑھے ملاح اور اس کی بیوی کو کھویا ہوا بیٹا اور لالہ رُخ کو سنہرے بالوں والا ہنس مکھ آقا مل گیا۔

دانت میں چھید

ایک دن سلیم وقت سے پہلے مدرسے سے لوٹ آیا۔ بہت پریشان۔ رونی صورت بنائے۔ امّی نے گھبرا کر پوچھا کیوں بیٹا خیر تو ہے۔ آج اتنی جلدی کیسے چلے آئے"

سلیم نے منہ بسورتے ہوئے کہا۔ "امّی آج دانت میں بڑی تکلیف ہے۔ بہت درد ہو رہا ہے۔"

امّی:۔ اے ہے۔ جبھی میرے بچّے کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی ہیں۔ کب سے ہونے لگا نامراد۔



سلیم:۔ امّی درد تو کئی روز سے تھا۔ مگر ہلکا ہلکا تھا آج چوتھے گھنٹے سے بہت تکلیف بڑھ گئی۔

اُف۔ فوہ۔

سلیم کے ابّا:۔ (کتاب سے نظر اٹھا کر) ارے بھئی کیا بات ہے سلیم۔

ماں:۔ سلیم کے دانت میں بہت سخت درد ہے ذرا ڈاکٹر ناصر عباس کے پاس لے جاؤ۔

سلیم:۔ امّی جانے کیا بات ہے۔ میں تو روز دانت بھی مانجھتا ہوں اور کبھی کبھی مسواک بھی کرتا ہوں۔ پھر بھی یہ کم بخت درد اتنا ستا رہا ہے۔

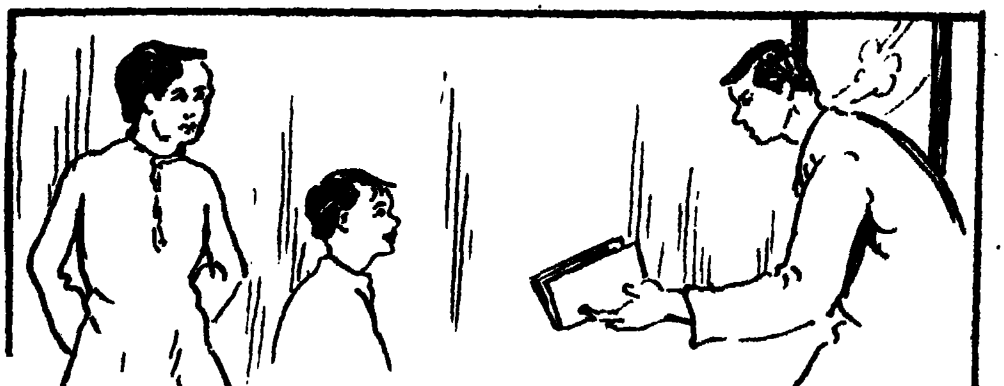
ماں:۔ جانے بیٹا کیا بات ہے۔ ڈاکٹر ہی بتلائے گا۔ تم ڈاکٹر کے پاس ہو تو آؤ وہ دوا بھی لگا دے گا جس سے تمہارا درد رک جائے گا۔

سلیم نے کتابیں الٹی سیدھی میز پر رکھیں اور ابّا کے ساتھ ڈاکٹر صاحب کے مطلب کو روانہ ہو گیا۔

صاحب پاس ہی رہتے تھے انھیں سلیم سے بہت
تھی سلیم اکثر کھیلتے کھیلتے اُن کے یہاں پہنچ جاتا تھا
اکٹر صاحب بھی اُسے مزے مزے کے قصے سناتے
آج میاں سلیم اچھے خاصے مریض بن کر اُن کے پاس
نھوں نے دیکھتے ہی قہقہہ لگایا اور بولے۔ "واہ بھئی
سے درد سے بے چین ہوگئے کیسے مرد ہو؟" پھر
ں نے دانتوں کو غور سے دیکھا اور بولے "ارے
پ کے دانت میں ایک ننھا سا سوراخ ہے۔ یہی

ڈاکٹر صاحب نے دانت کو دوبارا غور سے دیکھا اور اس میں کوئی دوا بھر دی۔

سلیم نے کہا "ڈاکٹر صاحب روز میں بلاناغہ منجن لگاتا ہوں کبھی کبھی مسواک بھی کرتا ہوں۔ پھر میرے دانت میں یہ سوراخ کیسے ہوگیا"۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا "منجن مسواک یا برش دانتوں کی صفائی کے لئے ہے لیکن اس صفائی کے باوجود کبھی کبھی دانتوں میں سوراخ ہوجاتے ہیں۔ اس کی وجہ ڈاکٹر بھی نہیں جانتے۔ ہاں اگر تم دانتوں



تمھیں تکلیف دے رہا تھا"

ڈاکٹر صاحب نے پہلے اس سوراخ کو صاف کیا پھر اس میں کوئی دوا لگا دی اس سے درد بالکل رُک گیا۔ سلیم میاں مسکرا دئے۔ ڈاکٹر صاحب ہنس کر بولے "اچھا اب آپ تشریف لے جاسکتے ہیں۔ کل اور پرسوں اور آئیے گا۔ اگر درد کی شکایت نہ ہوئی تو میں اُسے دوا سے بھر دوں گا۔ پھر کبھی تکلیف نہ ہوگی"

دوسرے دن سلیم پھر ڈاکٹر صاحب کے پاس آیا

کے ڈاکٹر کے پاس برابر آتے جاتے رہو تو وہ تمھارے دانت دیکھتا رہے گا۔ اور کسی دانت میں اسے سوراخ نظر آئے گا تو تکلیف شروع ہونے سے پہلے وہ اُسے بھر دے گا۔

ہاں کچھ اور چیزیں بھی ہیں جن سے تمھارے دانت خوب مضبوط اور صاف ستھرے رہیں گے"

سلیم:۔ وہ کیا ڈاکٹر صاحب۔

ڈاکٹر صاحب:۔ دودھ خوب پیو۔ تازہ پھل اور کچی

ترکاریاں کھاؤ۔ اس سے تمہارے دانتوں کی
ورزش بھی ہو جائے گی۔

سلیم :۔ ارے ورزش ڈاکٹر صاحب! ورزش تو
ہم اسکول میں کرتے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب :۔ اجی جناب کچی ترکاریاں اور ذرا سخت
قسم کی چیزیں کھانے سے آپ کے دانتوں اور
مسوڑھوں کی ورزش بھی ہوگی سمجھے۔ آپکے دانتوں
اور مسوڑھوں کو بھی ورزش کی ضرورت ہے اگر



آپ صرف نرم کھانا کھائیں گے تو دانتوں کی ورزش
کافی نہیں ہوگی اور یہ مضبوط اور تندرست نہیں رہ سکیں گے
اچھا لو میں تمہیں یہ خوب صورت سی کتاب دیتا
ہوں اس میں دانتوں کی حفاظت کا طریقہ بتایا گیا
ہے۔ یہ تمہیں یہ بھی بتائے گی کہ کون سی چیزیں کھانے
سے دانتوں اور مسوڑھوں کی ورزش ہوتی ہے۔

سلیم نے شکریے کے طور پر ڈاکٹر صاحب کو جھک
کر سلام کیا اور بولا۔ "ڈاکٹر صاحب میں اس کتاب
کو خوب غور سے پڑھوں گا اور اس میں جو کچھ لکھا ہوگا
بس اسی پر عمل کروں گا۔ اچھا اب اجازت دیجئے۔
آداب عرض ہے"

سلیم دوڑا دوڑا گھر گیا۔ اُسے کتاب پڑھنے کی
جلدی تھی۔ کتاب تھی تو چھوٹی سی مگر بہت خوبصورت
تھی اس میں طرح طرح کی تصویریں تھیں اور موٹے موٹے
حرفوں میں لکھی ہوئی تھی۔ سلیم نے اُسے بہت جلد
پڑھ ڈالا۔ اس میں لکھا تھا۔

اپنے دانت روز صبح کو ناشتے سے پہلے ناشتہ
کے بعد اور رات کو سونے سے پہلے۔ منجن، مسو
یا برش سے صاف کر لیا کرو۔

مسواک نیم یا کیکر کی روز تازہ ملے تو بہت ا
ہے۔ اگر برش کی عادت ہے تو اچھا برش استعما
اسے روز صاف پانی سے دھو کر صاف جگہ سو
کے لئے رکھ دو۔

کبھی کبھی نمک سے دانت مانجھ لیا کرو۔

ے مسوڑے اور دانت بالکل صاف رہیں گے۔
چبانے سے دانت اور مسوڑے کی ورزش
ہا ہے اور دونوں چیزیں خوب مضبوط اور اچھی
ت میں رہتی ہیں۔ گوشت، کچی ترکاریاں اور
لی خوب چبا کر کھاؤ۔ اخروٹ، بادام اور ہڈی
توں سے ہرگز نہ توڑو۔ نہ مصری یا اس قسم کی کوئی
ت چیز چباؤ۔
پہلے پہل جو دانت نکلتے ہیں دودھ کے دانت کہلاتے
ہ۔ اُن کی بھی اچھی طرح حفاظت کرنی چاہیے جب
یہ گر جاتے ہیں تو دوسرے دانت نکلتے ہیں۔ یہ آخر عمر
تک رہتے ہیں۔ ان دانتوں کی خوب حفاظت کرو اگر
یہ گر گئے تو ان کی جگہ دوسرے نہیں نکلیں گے۔

سلیم نے اپنی اُمّی اور ابا کو بھی کتاب دکھائی وہ بھی
بہت خوش ہوئے اور بولے "بیٹا یہ کتاب سچ مچ بہت قیمتی
ہے بس آج ہی سے اس پر عمل شروع کر دو میں روز بازار سے
تازہ پھل اور کچی ترکاریاں لایا کروں گا اور پھر ہم سب
اُنھیں خوب چبا کر کھائیں گے"۔

ہونہار

یہ ماہوار رسالہ اُردو، ہندی دونوں زبانوں میں لہریا سرائے (دربھنگہ) سے نکلتا ہے۔ رسالے کی زبان بچوں کے لئے بہت آسان اور انداز بیان عموماً بہت دلچسپ ہوتا ہے مضامین، معلومات، کہانیوں نظموں غرض ہر چیز کا معیار بہت اچھا ہوتا ہے۔ تصویریں بھی کافی ہوتی ہیں۔ رسالے کی لکھائی چھپائی خاص طور پر اچھی ہوتی ہے۔ اردو رسالے کی سالانہ قیمت ے ر ہے۔ ملنے کا پتہ لہریا سرائے دربھنگہ بہار۔

بکھرے پھول

یہ جناب کامل صاحب جون پوری کی نظموں کا مجموعہ ہے۔ یہ نظمیں انھوں نے بڑے لڑکوں کے لئے لکھی ہیں۔ ان میں کامل صاحب نے بہت عمدہ پیرائے میں بہت اچھی اچھی نصیحتیں کی ہیں۔ چھوٹی تقطیع پر کل ۳۲ صفحے ہیں۔ لکھائی چھپائی اور کاغذ معمولی۔ قیمت ۲
ملنے کا پتہ: مہتمم کتب خانہ اسلامیہ۔ ملا ٹولہ جون پور۔ یا حالی پبلشنگ ہاؤس کتاب گھر" دہلی۔



ہمارا سفر

چمن لال صاحب جرنلسٹ

سال گرہ نمبر والے مضمون میں تم پڑھ چکے ہو کہ کس طرح سات سال کی مسلسل کوششوں اور متواتر ناکامیوں کے بعد مجھے ۲۹ر اپریل ۱۹۳۳ء میں انگلستان کا پاسپورٹ ملا۔

پاسپورٹ ملتے ہی میں نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ مسرز تھامس کگ کمپنی کی معرفت انگلستان کا واپسی کا ٹکٹ خریدا اور اخبار ہندوستان ٹائمس سے چھ مہینے کی چھٹی لی۔ اس زمانے میں انگلستان میں ایک کانفرنس دنیا کی معاشی کانفرنس

(WORD ECONOMIC CONFERENCE)

اور پارلیمنٹری سب کمیٹی کے اجلاس ہو رہے تھے۔ مجھے ہندوستان ٹائمس نے ان کی کارروائیاں لکھنے کے لئے خاص طور پر مامور کیا۔

اگلے تین ہفتے دعوتوں اور جلسوں میں گذر گئے۔ بہت سے بزرگوں اور دوستوں نے جن میں ڈاکٹر انصاری مرحوم سابق امیر جامعہ مسٹر آصف علی بیرسٹر کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں پرتکلف دعوتیں کیں ہندوستان ٹائمس کے اسٹاف نے بھی دعوت کی اور معزز ساتھیوں نے وزٹنگ کارڈ رکھنے کا چاندی کا ایک ڈبہ پیش کیا۔ غرض تین ہفتے بہت دلچسپی سے گذر گئے۔

بمبئی سے اٹلی کا ایک جہاز کونٹی ورڈی ۲۵ر مئی کو روانہ ہونے والا تھا مجھے اسی جہاز سے جانا تھا۔ اس لئے میں دہلی سے سیدھا بمبئی پہنچا۔ دہلی سے روانگی کے وقت اسٹیشن پر بہت سے عزیزوں اور دوستوں نے الوداع کہا۔ اس وقت میری آنکھوں میں آنسو آگئے۔

۲۵ر مئی کی صبح کو میں تڑکے ہی اٹھ بیٹھا۔ نہایا دھویا، عبادت کی اور خدا کا شکر ادا کیا کہ اس نے میری پرانی آرزو کو پورا کیا۔ میرا دل مسرت سے لبریز تھا کہ تمام دنیا کے ملکوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے کا موقع ملے گا۔

ٹھیک ساڑھے دس بجے میں بلارڈ پیر (بندرگاہ) کے اسٹیشن پر پہنچ گیا۔ یہاں ہال

ہر صوبے کے مسافران کا مجمع تھا۔ ہال کے سامنے
بڑا پلیٹ فارم ہے۔ اس پلیٹ فارم پر ہمارا جہاز
ٹی ورو سے کھڑا تھا۔ یہ شنگھائی (چین) کا دور دراز
سفر طے کرکے آیا تھا اور بمبئی سے ہندوستان کے
افروں کو لے کر وینس (اٹلی کا مشہور بندرگاہ) کا
خ کرے گا۔

اب ڈاکٹری معاینے کی کٹھن منزل طے کرنا تھی۔
موڑی دیر میں ایک سفید ٹوپ والا صاحب چند
لر یز سارجنٹوں کے ساتھ ہماری طرف آیا۔ یہ ڈاکٹر تھا۔
سب مسافر ایک لائن میں کھڑے ہوگئے۔ اس نے باری
ری ایک ایک کی نبض دیکھی۔ میری باری آئی تو ڈاکٹر
نے "شمن لال" (چمن لال) پکارا۔ اور فوراً ہی دوبار
پس میں 'پوس' مین چلایا۔ میں چند سیکنڈ کے لئے
الکل سکتے میں آگیا۔ الٰہی خیر! گرفتاری کا حکم ہے
یا دہلی کا واپسی ٹکٹ ملے گا۔

ڈاکٹر کے رجسٹر میں میرے نام کے آگے سی۔ آئی
ڈی لکھا تھا۔ یعنی میرے متعلق سی۔ آئی۔ ڈی والوں
کو رپورٹ کرنا چاہئے۔ دو منٹ بعد ایک یورپین
انسپکٹر آیا۔ اس نے میرا پاسپورٹ بہت غور سے
دیکھا اور کہا "O.K." (بالکل ٹھیک)، اس کے بعد
ڈاکٹر نے میری نبض دیکھی۔ میرے بازو پر چیچک کا ٹیکا
دیکھا اور ڈاکٹری سرٹیفکٹ دے دیا۔ میں خدا کا شکر
ادا کرتا باہر پلیٹ فارم پر آیا۔ یہاں میرے دوستوں

اور رشتہ داروں نے ہاروں سے لاد دیا۔ مولانا
شوکت علی مرحوم۔ پرنس آف برار (ولی عہد حضور نظام)
کو الوداع کہنے آتے تھے۔ انھوں نے میرے گلے میں
بھی ایک ہار ڈالا اور نصیحت کی کہ ولایت میں ہندوستانی
بن کر رہنا۔ اب میں سب سے رخصت ہوکر جہاز کی
طرف روانہ ہوا۔ جہاز میں خوب چہل پہل تھی۔ تقریباً
تین سو مسافر دوسرے ملکوں۔ چین، جاپان، انگلینڈ
جرمنی، اٹلی، فرانس، امریکہ وغیرہ کے تھے۔ پھر تین سو
ہندوستانی -ان کے علاوہ پرنس حیدرآباد کو
رخصت کرنے بہت سے لوگ جہاز پر آئے تھے۔

یہ جہاز (کونٹی ورو سے) ایک اٹالین کمپنی کا
اچھا بڑا جہاز تھا۔ سب سے آگے کے حصے میں ڈیوڑھے
درجے کے مسافروں کے کمرے، کھانے اور سگرٹ
پینے کے ہال ہیں۔ پیچھے کے ایک حصے میں دوسرے
درجے کے لئے کھانے اور رہنے کے کمرے ہیں۔
درمیانی حصے میں اول درجے کے لوگوں کے لئے
رہنے کی جگہ ہے۔

جو مسافر کفایت شعاری کے ساتھ سفر کرنا
چاہتے ہیں۔ ان کے لئے ایک بہت بڑا ہال ہے جو تقریباً
پچاس فٹ لمبا اور اتنا ہی چوڑا ہے انھیں سونے کے
لئے لکڑی کے تخت دئے گئے ہیں۔ سب مسافر اپنا
کھانا خود پکاتے ہیں۔ اس درجے کا کرایہ بمبئی سے
وینس تک کل ۱۰۰ روپیہ ہے۔ کھانے کا خرچ شکل

سے ایک روپیہ روز ہوگا۔

بھائی پرمانند، مسٹر بی داس (ممبران لیجسلیٹو اسمبلی)، مسٹر عباسی انجینئر دہلی اور مشہور ہوا باز منموہن سنگھ بھی اس جہاز پر سفر کر رہے ہیں۔ اور بھی کئی مسافر ہیں جنھیں میں پہلے سے جانتا ہوں۔ اس لئے اطمینان ہو گیا کہ جہاز پر اچھی گذرے گی۔

جہاز کی روانگی کا وقت ۱۲ بجے مقرر تھا مگر ایک بج گیا اور جہاز نہیں چلا۔ سب حیران کہ یہ معاملہ کیا ہے۔ تھوڑی دیر میں نائب کپتان ہمارے کھانے کے ہال میں آیا اور پکارا "رستم رستم" میری میز پر ایک نوجوان بیٹھا تھا۔ اس نے کہا "میں ہوں"۔ نائب کپتان نے کہا "تم نے سارا جہاز روک رکھا ہے، چلو ڈاکٹر کا سرٹیفکٹ لاؤ" نوجوان کھانا چھوڑ کر باہر بھاگا اور سرٹیفکٹ لایا۔ نہ جانے وہ ڈاکٹری سرٹیفکٹ سے ڈرتا تھا یا کیا بات تھی کہ بجائے ڈاکٹری سرٹیفکٹ کے وزیٹر کا ٹکٹ لے کر جہاز پر چلا آیا۔ حالانکہ جہاز پر چڑھنے والے ہر مسافر کے لئے بندرگاہ کے ڈاکٹر کا سرٹیفکٹ حاصل کرنا بہت ضروری ہے۔ خیر اس کی واپسی پر جہاز نے لنگر اٹھایا اور خراماں خراماں پچھم کی طرف چلنے لگا۔ ساحل کی طرف کی شاندار عمارتیں ہم سے دور ہونے لگیں۔ پانی کی وسیع چادر پر یہ چلتی ہوئی تصویریں معلوم ہو رہی تھیں۔ جہاز اب پوری یعنی تقریباً ۲۲ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چلنے لگا۔

ان مسافروں نے جو میری طرح بمبئی سے سوار ہوئے تھے اب اپنے اپنے کمروں کا رخ کیا میں اپنے کمرے میں آیا تو وہاں تین اور مسافر اپنا اپنا سامان درست کر رہے تھے۔ ایک صاحب مسٹر جے کرکٹ کے مشہور کھلاڑی اور تاجر تھے۔ یہ چوتھی مر ولایت جا رہے تھے۔ دوسرے صاحب پروفیسر عبدالغفار تعلیم حاصل کرنے اور ڈگری لینے ولایت جا رہے تھے۔ تیسرے صاحب مسٹر شیام پور بنگلو کے رئیس اور رنگ کے کارخانے دار ہیں۔ یہ امر کی سیاحت کو روانہ ہوئے ہیں۔ ساتھیوں سے تعارف کے بعد میں تختہ جہاز پر گیا۔ اپنے دیس سے پہلی مرتبہ جدائی پر جی کچھ اداس اداس تھا۔

اب چاروں طرف سوائے پانی کی وسیع چا کے کچھ نظر نہیں آتا۔ جہاز پانی کاٹتا ہوا چلا جا ہے سمندر میں ہلکی ہلکی موجیں اٹھ رہی ہیں ہیں د تک کھڑا یہ منظر دیکھتا رہا۔ شام کو ساڑھے چھ بجے ہوں گے کہ ہمیں کھانے پر بلایا گیا۔ میری طرح گوشت سے پرہیز کرنے والوں کے لئے پوری، چاول، د سبزی اور پھلوں کا انتظام ہے۔

کھا پی کر فارغ ہوئے تو سونے کی تیا شروع ہوئی۔ کمروں میں باوجود بجلی کے پنکھ اس قدر گرمی ہے کہ رات بھر نیند نہ آئی۔ میں

نچ ہی بجے اٹھ بیٹھا اور ہوا خوری کے لئے جہاز کے عرشہ
ـ چلا گیا اور ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں نے آرام کرسی
ـلٹا دیا۔

آج ۲۶ رمئی، سمندر میں کل کی سی خاموشی نہ تھی
ـا تیز چل رہی تھی، لہریں اتنی اونچی اٹھ رہی تھیں کہ
ـدن کے روشن دانوں سے پانی آ جاتا تھا۔ اس لئے
ـ وشندان بند کر دئے گئے۔ جہاز کچھ عجیب انداز
ـے ہچکولے کھا رہا تھا۔ ان پیہم ہچکولوں کا اثر قریب
ـریب پچانوے فی صدی مسافروں پر پڑا۔ جسے
ـدیکھئے اس کا سر چکرا رہا ہے یا قے یا متلی کی شکایت
ـیں مبتلا ہے۔ خوش قسمتی سے میں اس سمندری بیماری
ـسے محفوظ رہا۔

اب پانی کا رنگ جامن کی طرح کا ہوتا جا رہا
ـہے۔ کوئی سمندری پرند بھی دکھائی نہیں دیتا
ـیں شام کو کوئی دو گھنٹے تک جہاز کے اگلے سرے
ـپر جنگلے کے کنارے طوفانی سمندر کا منظر دیکھتا
ـرہا۔ پچھلی رات کے تلخ تجربے کی وجہ سے کمرے میں
ـجانے کی ہمت نہ ہوئی۔ باہر ہی آرام کرسی پر
ـسو گیا۔

ہمارے چینی ساتھیوں میں سے کچھ لوگ پوپ
ـسے ملاقات کے لئے روم جا رہے ہیں۔ ایک چینی
ـلڑکی کو ہندوستان کے حالات کی اچھی واقفیت
ـہے۔ اس نے رابندرناتھ ٹیگور کے بارے میں بھی

بہت سے سوالات کئے۔ آج (۲۷ رمئی) بھی میں تختۂ
جہاز پر سو گیا۔ ہوا اس زور کی چل رہی تھی کہ آدھی
رات کو لوہے کی دو خالی چارپائیاں اڑ کر میرے
اور ایک امریکن خاتون کے سر پر گریں۔ ان خاتون
کا تکیہ اور چادر اڑ گئی۔ اگر ایک صاحب لپک کر
پکڑ نہ لیتے تو دونوں چیزیں سمندر کی نذر ہوتیں۔

آج (۲۸ رمئی) سمندر میں سکون تھا۔ جہاز کے
ہچکولے بھی ختم ہو گئے۔ اس لئے مسافروں میں ایک
نئی زندگی پیدا ہو گئی۔ جو لوگ تین دن سے بستروں
اور آرام کرسیوں پر پڑے تھے آج گھومنے نکلے ہیں
ہر طرف چہل پہل ہے۔ پانی کے تالاب تیراکوں سے
بھرے ہیں۔ میں بھی دو گھنٹہ تک نہاتا اور بچوں کو
تیرنا سکھاتا رہا۔

آج (۲۹ رمئی) کا موسم بھی نہایت خوشگوار
ہے۔ اس لئے کھانے کا ہال کھچا کھچ بھرا ہے۔ بیمار
آدمی بھی پیٹ بھر کر کھا رہے ہیں۔ ان دنوں مہاتما
گاندھی برت (روزہ) رکھ رہے تھے آج ان کے
برت کا آخری دن تھا۔ اس خبر سے تمام ہندوستانیوں
میں ایک خاص قسم کی خوشی تھی۔ ہریجنوں کی مدد کے
لئے ایک سو تیس شلنگ چندہ کیا گیا۔ اس کے
علاوہ اس خوشی میں دن بھر رنگ رلیاں منائی گئیں۔
شربت، مٹھائی اور حلوا سوہن وغیرہ کی خوب
دعوتیں اڑیں۔ رات کو ڈیوڑھے درجے کے مسافروں

ہنے فینسی ڈریس کیا۔ ناچ میں چینی، ہندوستانی، فرانسیسی امریکن سب شریک ہوئے عرشۂ جہاز پر شامیانہ لگایا گیا۔ اسے خوب آراستہ کیا گیا۔ رنگ برنگی روشنی کی گئی۔ مرد اور عورتیں نہایت دلچسپ دلچسپ لباس پہن کر ناچ میں شامل ہوئیں۔ میں نے بھی کاغذ کے ترکی، فرانسیسی اور فوجی ٹوپیاں پہن کر دل بہلایا۔

آج صبح چار بجے جہاز عدن سے کچھ فاصلے سے گذر گیا۔ عدن کے بندرگاہ میں نہیں ٹھہرا۔ پھر بھی سمندر کا کنارا اور پہاڑ نظر آتے تھے۔ دائیں جانب کو عرب کا اور بائیں طرف افریقہ کا ساحل تھا۔ سب مسافر کمروں سے نکل آئے اور پانچ دن کے بعد زمین کی صورت دیکھی۔

آج تالاب میں نہاتے وقت ایک پنجابی اور یوروپین میں جھگڑا ہو گیا۔ یوروپین نے بہت غرور سے کہا: "یہ ہندوستان نہیں ہے"۔ میں نے اس سے کہا۔ "تم ہندوستان کا نمک کھا کھا کر تو اس قابل ہوئے ہو کہ جہاز کا سفر کرتے ہو اور ہندوستان کو اس قدر حقارت کی نظر سے دیکھتے ہو"۔ یہ سن کر وہ خاموش ہو گیا۔

راشد میاں

انعامات علی صاحب - نگران ورزش جسمانی - جامعہ

دو تین روز ہوئے ہمارے بورڈنگ میں ایک نیا لڑکا داخل ہوا۔ بہت نیک اور شریف تھا مگر اتنا موٹا کہ بے چارے کو چلنا پھرنا دوبھر، دو چار روز تو گویا مہمان سمجھ کر کسی لڑکے نے اس سے کچھ نہیں کہا مگر پھر آپ جانئے لڑکے تو لڑکے ہی ہیں انھیں ایک مشغلہ ہاتھ آگیا۔ شروع شروع میں انھیں دیکھ کر مسکرا دیتے اور کنکھیوں سے ایک دوسرے کی طرف اشارے کرنے لگتے۔ پھر چند شریر لڑکوں نے موٹے میاں موٹے میاں کہہ کر چڑانا بھی شروع کر دیا۔ یہ غریب خون کے گھونٹ پی کے رہ جاتا اور کچھ نہ کہہ سکتا۔

صبح کو ہم سب ورزش کے لئے میدان کو جاتے اور راشد میاں کوئی نہ کوئی بہانا کر دیتے۔ ایک دن ورزش کے ماسٹر صاحب ہمیں ورزش کرا کے سیدھے اُن کے کمرے میں پہنچے ہم کئی لڑکے بھی ان کے ساتھ تھے۔ راشد کوئی کتاب پڑھ رہے تھے۔ ماسٹر صاحب نے پوچھا کیوں میاں راشد میں تمھیں ورزش کے وقت نہیں دیکھتا ہوں کیا بات ہے"۔ راشد نے کہا "ماسٹر صاحب میدان بہت دور ہے۔ میں زیادہ چلتا ہوں تو تھک جاتا ہوں اور ہانپنے لگتا ہوں۔ اس لئے ہمت نہیں ہوتی"۔

ماسٹر صاحب:۔ یہ تم ٹھیک کہتے ہو مگر بھائی کچھ ہلنا جلنا تو چاہئے ورزش نام بھی اسی کا ہے کہ جسم کو حرکت دی جائے تم سے زیادہ نہ چلا جائے تو شروع شروع میں تھوڑی دور تک یہیں بورڈنگ کے آس پاس گھوم لیا کرو۔ پھر عادت ہو جائے تو میدان تک ہو آیا کرنا۔ اگر تم یہ برابر کرتے رہے تو ایک دن ورزش بھی کرنے لگوگے (مسکرا کر) تمھارا موٹاپا بھی اسی طرح دور ہو گا۔

میں:۔ مگر ماسٹر صاحب آپ تو کہتے ہیں کہ بدن کو ہلانے جلانے اور حرکت دینے کا نام ورزش ہے۔

ماسٹر صاحب :۔ ہاں اور کیا۔ پہلے زمانے میں لوگ اس طرح تھوڑی ورزش کرتے تھے جس طرح تم کرتے ہو۔ دور کیوں جاؤ اپنے یہاں کے دیہاتوں میں دیکھ لو کسان لوگ کتنے مضبوط ہوتے ہیں۔ ان بے چاروں کو تمہاری طرح ورزش کرنے کا موقع کب ملتا ہے۔ ہاں یہ ہے کہ دن بھر خوب محنت مزدوری کرتے ہیں، کھلی ہوا میں رہتے ہیں، کم سے کم کپڑا پہنتے ہیں بس یہی وجہ ہے کہ وہ اتنے تندرست ہیں۔

رشید :۔ تو ماسٹر صاحب اس ورزش کا رواج کب سے ہوا؟

ماسٹر صاحب :۔ پہلے مجھے بات تو پوری کر لینے دو۔ ہاں تو اسی طرح ہزاروں برس پہلے ہمارے بڑے بوڑھے بالکل وحشی جاہل اور ناسمجھ تھے۔ اپنی بھوک مٹانے کے لئے انھیں سخت محنت کرنا پڑتی تھی۔ جنگلوں جنگلوں مارے مارے پھرتے تھے مگر بھائی ان کی تندرستی کا کیا پوچھنا۔ اس زمانے کا ایک آدمی آج کل کے دس دس آدمیوں پر بھاری تھا۔

نذر احمد۔ ماسٹر صاحب، بڑے مضبوط ہوتے تھے؟

ماسٹر صاحب :۔ ہاں مگر جوں جوں زمانہ گذرتا گیا ان میں عقل و تمیز اور تہذیب آتی گئی۔ پہلے پہلے انھوں نے رہنے سہنے کے لئے جھونپڑے بنائے اس کے بعد کچی اور پھر پکی اینٹوں کے مکان بنائے۔ گاؤں بسے، قصبے بنے اور پھر بڑے بڑے شہر آباد ہوئے۔ انھوں نے اپنے آرام و آسائش کے لئے ضرورت کی اور چیزیں ایجاد کیں۔ غرض ہمارا تمدن و تہذیب روز بروز آگے ہی بڑھتے رہے۔ ہاتھ سے کام کرنے کی جگہ مشینیں اور کلیں ایجاد ہوئیں۔ سواری کے لئے یکہ تانگا اور پھر موٹر ریل اور ہوائی جہاز بن گئے۔ اب ہم جسم سے زیادہ اپنی عقل سے کام لیتے اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہماری تندرستی پہلی جیسی نہ رہی۔ لوگ عیش و آرام میں پڑ گئے۔ ہر جگہ نئی نئی بیماریاں پیدا ہونے لگیں۔ اس لئے سمجھ دار لوگوں نے ورزش کی ضرورت محسوس کی اس کے نئے نئے طریقے بنائے گئے۔ اور سب جگہ اسے رواج دینے کی کوشش کی گئی۔

اکرم :۔ سچ مچ ماسٹر صاحب تب تو ہماری تندرستی کو بہت نقصان پہنچا۔ ایک راشد صاحب ہی کو دیکھ لیجئے۔

(سب ہنسنے لگتے ہیں)

رشید :۔ تو ماسٹر صاحب اس قسم کی ورزش کا رواج ابھی تھوڑے دنوں سے ہوا ہے؟

ماسٹر صاحب :۔ بھئی ورزش کے رواج کو تو بہت دن ہوگئے۔ ہاں اس کے طریقے بدلتے رہتے ہیں۔

اکرم :۔ بہت دن کیا ماسٹر صاحب ابھی تلو پچاس برس ہوئے ہوں گے؟

ماسٹر صاحب :۔ نہیں جی حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش سے کئی سو برس پہلے بھی اس کا رواج تھا۔

رشید :۔ تو یوں سمجھئے کہ دو ہزار برس سے بھی زیادہ ہوگئے۔

ماسٹر صاحب :۔ اور کیا۔ تم نے یونان کا نام تو سنا ہوگا۔

اکرم :۔ جی ہاں ماسٹر صاحب یورپ کے جنوب میں ہے۔

رشید :۔ ہاں تو اب اس کی کوئی خاص حیثیت نہیں ہے۔ مگر اب سے دو ہزار برس پہلے وہاں کے لوگ بہت پڑھے لکھے اور سمجھ دار ہوتے تھے۔ تم نے ارسطو اور افلاطون کا نام سنا ہوگا۔ اسکندر بھی یونانی تھا۔

نذر احمد :۔ ہاں ماسٹر صاحب ان تینوں کا حال ہم نے ریڈروں میں پڑھا ہے۔

ماسٹر صاحب :۔ تو یونان کے لوگوں نے دیکھا کہ ہماری تہذیب تو ترقی کر رہی ہے۔ مگر لوگوں کی تندرستی اتنی اچھی نہیں رہی ہے۔ اُن کے اخلاق بھی رفتہ رفتہ خراب ہوتے جا رہے ہیں انھیں سب سے اچھا علاج ورزش ہی نظر آیا۔ کیونکہ جب تندرستی اچھی ہوتی ہے تو انسان میں اخلاقی خوبیاں بھی پیدا ہو جاتی ہیں۔

یونان کے دو بڑے شہروں ایتھنز اور اسپارٹا میں ورزش یا تربیتِ جسمانی کا بہت زور تھا۔ اسپارٹا میں حکومت سات سال کے بچے کو ماں باپ سے لے لیتی اُس سے سخت محنت اور ورزش کراتی اور انھیں ملک کا بہترین سپاہی بنا دیتی۔ اور ایتھنز میں یہ طریقہ تھا کہ سات سال کے بچے کی دیکھ بھال اچھے خاندان کا غلام کرتا بچے کو جمناسٹک اور دوسری چیزیں حکومت سکھاتی۔ اٹھارہ برس کی عمر میں وہ حکومت کے فرائض انجام دینے کے قابل ہو جاتا تو اس سے قومی خدمت کے لئے قسمیں لی جاتیں۔ حکومت اسے دو سال اور تعلیم دیتی پھر اسے اختیار ہوتا چاہے فلسفی بنے یا شاعر۔ یا ڈراما نویس یا مورخ یا بُت تراش یا سوداگر یا سیاست داں۔ سقراط، ارسطو اور افلاطون ایتھنز ہی کے رہنے والے تھے۔

ویسے یونان میں کھیل بھی ایسے رائج تھے
جن سے تندرستی پر بہت اچھا اثر پڑتا تھا۔ مثلاً
نیزے بازی، دوڑ، وزن اُٹھانا، کشتی لڑنا
گھونسہ بازی، گھوڑ دوڑ، گاڑی کی دوڑ وغیرہ

اکرم:۔ ماسٹر صاحب یہ کھیل تو اب بھی کھیلے جاتے
ہیں اور شاید ہر ملک میں۔

ماسٹر صاحب:۔ یہ ہیں ہی اتنے اچھے اور
دلچسپ کھیل۔ ہاں تو تھوڑے دنوں
بعد یونان کی ترقی کا ستارہ ماند پڑنے لگا۔
اب ایک اور قوم اُٹھی یہ رومی تھے انہوں
نے یونان کو فتح کر لیا۔ اُن کا رہن سہن
اسپارٹا والوں سے ملتا جلتا تھا۔ ورزش
کو بھی یہ بہت اہمیت دیتے تھے۔ آخر
حضرت عیسیٰ کی پیدائش سے کوئی پونے
چار سو سال بعد یہ حکومت بھی ختم ہوئی
اور اب حضرت عیسیٰ کا مذہب پھیلنے لگا۔
عیسائی لوگوں اور ان کے بادشاہوں کو
ورزش اور کھیل کود سے زیادہ دلچسپی نہ
تھی۔ ایک عیسائی بادشاہ نے اولمپک
کھیل بند کرا دیئے۔

نذیر احمد:۔ ماسٹر صاحب بڑا منحوس تھا۔

ماسٹر صاحب:۔ رفتہ رفتہ اور کھیل بھی بند
ہو گئے۔ اس مذہب کے ماننے والوں
میں رہبانیت یعنی اس دنیا سے بے [illegible]ی
کی طرف زیادہ رجحان تھا۔ کہیں چودھویں
اور پندرھویں صدی میں جاکر یورپ
والوں نے یونانی ورزشوں اور کھیلوں
کی خوبیوں کو سمجھا اور اُن پر مضمون لکھے
اٹھارھویں صدی سے جسمانی تربیت پر
بہت زور دیا جانے لگا لوگوں میں اپنے
ملک و قوم کی عزت کو قائم رکھنے اور دشمن
سے ملک کی حفاظت کے خیال سے جسمانی
تربیت سے دلچسپی بہت بڑھ گئی۔ اب
بچوں کو بچپن ہی سے ورزش کرائی جاتی ہے
کہ اُن کے جسم مضبوط ہوں اور جوان ہو کر
وہ ملک و قوم کے مفید سپاہی بنیں۔ آج
کل جسمانی تربیت کے میدان میں امریکہ انگلستان
جرمنی، سوئیڈن اور ڈنمارک پیش پیش
ہیں۔ خیر اب ساری دنیا کی طرح ہم نے
بھی ورزش اور جسمانی تربیت کی اہمیت
کو سمجھ لیا ہے اور ہمارے دیس میں بھی
لوگ اس کی طرف بہت توجہ کر رہے ہیں
اس لئے کہ جس قوم کی صحت اچھی نہیں ہے
اس میں بس یہی ایک بیماری نہیں ہوتی
بلکہ اور بھی بہت سی اخلاقی برائیاں
ہو جاتی ہیں۔ اس لئے جوں جوں ب

تندرستی اچھی ہوگی ہم میں جراُت، دلیری
سچائی خوش اخلاقی ، غلامی سے نفرت
اور آزادی سے سچی محبت پیدا ہوگی۔

اکرم:۔ ماسٹر صاحب بے چارے راشد صاحب کا تو کھڑے کھڑے برا حال ہو گیا دیکھئے کتنا پسینہ آرہا ہے۔

ماسٹر صاحب :۔ ارے بھئی مجھے خیال نہیں رہا تھا۔ اوہو اب اسکول کی گھنٹی میں پندرہ منٹ رہ گئے۔ جاؤ جلدی سے ناشتہ کرو ۔

معلومات

دنیا کا سب سے چھوٹا آدمی مدراس میں ہے۔ اس کا نام ادبالا راؤ ہے ۔ اس کا قد صرف دو فٹ چھ انچ ہے اور وزن کل اُنیس پونڈ۔ اس کی عمر اکیس سال ہے ۔ پچھلے دس سال میں وہ صرف ایک انچ بڑھا ہے۔

کاربن ڈائی اوکسائڈ کا تھوڑا سا حال تم پیتوں کے البم والے مضمون میں بھی پڑھ چکے ہو لوگ اسے سوکھی برف بھی کہتے ہیں۔ یوں تو اس سے اور بہت سے کام لئے جاتے تھے۔ مگر اب سائنس داں مینہہ برسانے میں بھی اس سے مدد لینے کی کوشش کر رہے ہیں۔ تجویز یہ ہے کہ کاربن ڈائی اوکسائڈ یا سوکھی برف ہوائی جہازوں کے ذریعے بادلوں پر بکھیری جائے۔ کہتے ہیں کہ ہالینڈ میں ایک جگہ زوئیڈرزی میں اس کا تجربہ بھی کیا گیا ہوائی جہازوں کے ذریعے یہ سوکھی برف کوئی ۷۵ من بادلوں پر بکھیری گئی اس سے بادلوں میں گرمی پیدا ہوئی اور وہ نیچے اُترنے لگے۔ بارش شروع ہوگئی اور تھوڑی دیر میں تمام علاقہ جل تھل ہو گیا۔

زنجبار کا نام تو تم نے سنا ہوگا۔ یہ جزیرے گرم مسالے اور لونگوں کے لئے مشہور ہے۔ یہاں کے ایک بادشاہ نے اپنے ملک کے تمام بے کار درخت کٹوادئے اُن کی جگہ اس نے پھل والے اور کارآمد درخت لگائے۔ اب ہر جگہ انہی درختوں کی کثرت ہے اگر کوئی پھل خریدنا چاہے تو پانچ روپے مہینے دے تو مالی ہر طرح کی ترکاریاں اور پھل اس کے گھر پہنچا دے گا۔



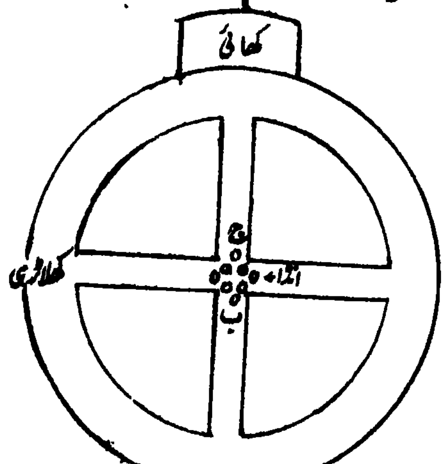
انڈوں کی مرغی

تعداد :۔ ۵ سے ۲۰ تک

جگہ :۔ میدان ، صحن ، کشادہ جگہ

طریقہ :۔ ذیل میں دیئے ہوئے نقشے کو زمین پر ٹھیکری یا کوئلہ یا لکڑی سے کھینچ لو۔ اس کا سائز

ہوں (جتنے کھلاڑی ہوں۔ اتنے ہی انڈے ہوں) کھلاڑیوں میں سے ایک انڈوں کی مُرغی چُنی جائے باقی کھلاڑی گلیوں میں منتشر ہو جائیں۔ کھیل شروع ہونے پر انڈوں کی مرغی' دوسرے



کھلاڑیوں کی تعداد کے لحاظ سے رکھا جائے مختلف گلیوں کی چوڑائی تین فٹ اور کھائی (گڑھے) کی چوڑائی چار فٹ کے قریب رہے۔ دائرے کے مرکز 'ب' میں انڈوں کی صورت میں پتھر رکھے

کھلاڑیوں سے انڈے کی حفاظت کرتی ہے اور اُ کو چھوتی بھی ہے۔ کھلاڑی بیک وقت ایک اُ اُٹھا کر صرف گلی 'ج' سے ہوتے ہوئے کھا کے اس پار چھلانگ لگاتے ہیں جو گلی 'ج' سے

بھاگے یا کھائی کو نہ کود سکے۔ وہ پکڑا ہوا سمجھا جائے آخری انڈے کے لئے (اور آخری کھلاڑی کو بھی) صرف حق ہے۔ کہ انڈا اٹھاکر جس جانب سے چاہے بھاگ نکلے۔

جو کھلاڑی کامیابی کے ساتھ انڈا اُٹھاکر بھاگ نکلیں۔ وہ ایک طرف ایک گروپ میں باہر بیٹھ جائیں اور جو اس کوشش میں ناکامیاب رہے اور پکڑا جائے۔ وہ دوسرے گروپ میں دوسری طرف۔ اور چھینے ہوئے انڈے کو واپس رکھ دے۔ کھلاڑی صرف گلیوں میں بھاگیں گے۔ کھیل کے نقشے کی کسی لائن کو چھو نہیں سکتے۔ اگر چھو لیں تو باہر ناکامیاب گروپ میں بیٹھیں۔

جب کھیل کے دائرے میں کھلاڑی کوئی نہ رہے تو پھر انڈوں کی مرغی، ناکامیاب کھلاڑیوں کو دائرے سے بیس گز پر کھڑا کرے اور کامیاب کھلاڑیوں کو دائرے کے پاس کھڑا کرے۔

اب انڈوں کی مرغی، تالی بجائے۔ جس پر دائرے والے کھلاڑی باہر والوں کو چھوئیں گے اور باہر والوں کی کوشش ہوگی۔ بغیر پکڑے دائرے میں پہنچ جائیں۔ جہاں وہ محفوظ ہیں۔ اگر کوئی دائرے سے باہر پکڑا گیا۔ تو وہ پکڑنے والے کو وہیں سے پیٹھ پر اٹھاکر دائرے تک لائے۔

ناکامیاب کھلاڑیوں میں سے جو دائرے میں آخر میں پہنچے وہ کھیل کو دوسری مرتبہ شروع کرنے میں انڈوں کی مرغی بنتا ہے۔

احتیاط:-

(۱) پتھر انڈوں کے سائز کے لینے چاہئیں۔

لطیفے

مالکہ:- (ماما سے جو ملازمت چاہتی ہے) جہاں تم پہلے ملازم تھیں وہاں سے کیوں چلی آئیں۔

خادمہ:- میں کبھی بچوں کو نہلانا بھول جاتی تھی۔

سب بچے:- تو اماں - اماں اسی کو رکھ لو۔

مجسٹریٹ:- (ملزم سے) تمھارا کوئی گواہ ہے؟

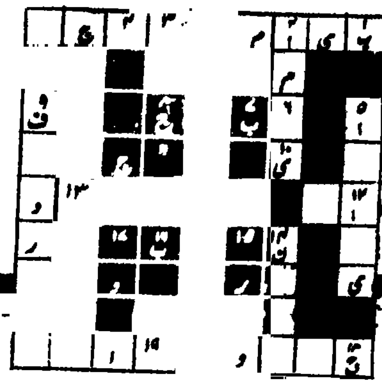
ملزم:- میرا گواہ سوائے خدا کے اور کوئی نہیں ہے

مجسٹریٹ:- اچھا اسی کو بلاؤ۔

ملزم:- (دو روپے میز پر پھینک کر) سمن کے لئے کورٹ فیس میں ادا کرتا ہوں اور سمن سرکار جاری فرمائیں۔

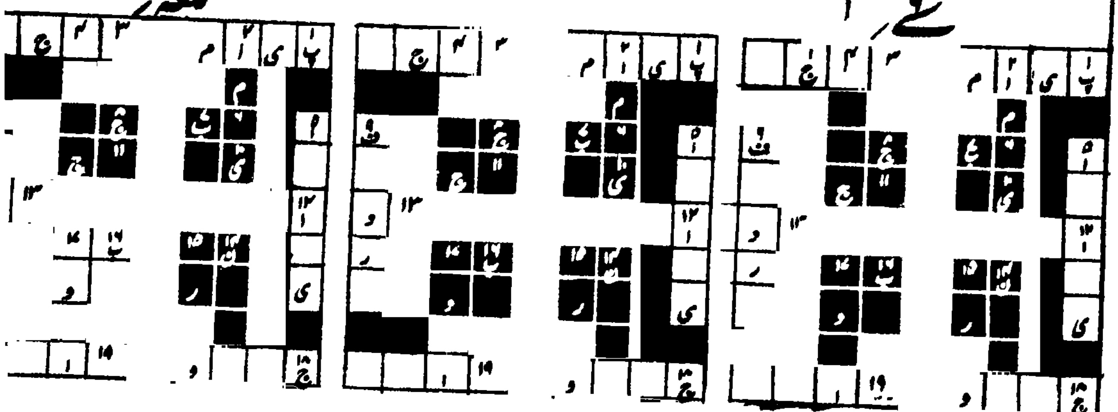
(مصطفےٰ کمال دسنوی)

معمّا



دوسرا انعام

پہلا انعام



اشارات

دائیں سے بائیں

۱۔ .... تعلیم بچوں کا سب سے اچھا رسالہ ہے۔

۳۔ اس میں عبادت کی جاتی ہے۔

۶۔ لگ لگ کہیں تو نہ لگے اور مت لگ کہیں تو لگ جائے

۸۔ نہر

۱۰۔ جاپان کا سکہ .... کہلاتا ہے۔

۱۱۔ .... کا کام کل پر نہ چھوڑو۔

۱۳۔ سناؤں تمہیں بات ایک رات کی + کہ وہ رات اندھیری تھی برسات کی

اوپر سے نیچے

۲۔ اس کی چٹنی مزے دار ہوتی ہے۔

۴۔ سورج (بے ترتیب)

۵۔ اکثر انسان .... پسند کرتے ہیں۔

۷۔ جنگل

۹۔ انگریزی مہینے کا نام

۱۴۔ اس کی روٹی کھاتے ہیں (بے ترتیب)

۱۵۔ .... ایک پیڑ کا اک نیا ڈھنگ

۱۳۔ .... چیز خدا نے ہے بنائی
اس میں ظاہر ہے خود نمائی

۱۴۔ تارے رہے صبح تک ... وہ چاند
آگے سورج کے ہوگئے سب ماند

۱۶۔ .... اچھا۔ بدنام بُرا۔

۱۸۔ پیامیوں کے نعرے کا ایک لفظ۔

۱۹۔ ایک رشتہ دار عورت

ہراک پھول کا اک نیا رنگ ہے

۱۷۔ اس درخت کی عمر بہت زیادہ معلوم ہوتی ہے

قواعد

۱۔ تمام مدرسوں کے بچے حل کرنے میں حصہ لے سکتے ہیں۔ اُستاد کی تصدیق ضروری ہے۔ معمے کے ساتھ کوئی خط وغیرہ نہ بھیجا جائے۔

۲۔ ایک حل کے ساتھ ایک آنے کا ٹکٹ آنا ضروری ہے۔

۳۔ ایک سے زائد حل بھی بھیجے جا سکتے ہیں۔

۴۔ دونوں انعام تقسیم کر دئے جائیں گے۔ قرعہ اندازی نہیں ہوگی۔

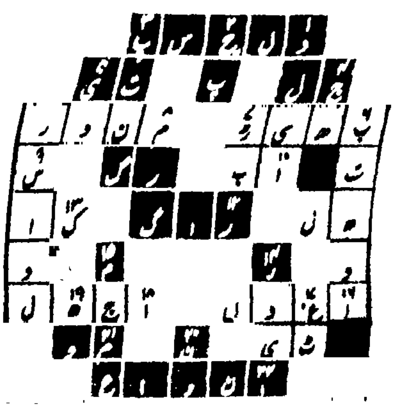
۵۔ تمام حل ۱۰ فروری تک دفتر پیام تعلیم مکتبہ جامعہ دہلی پہنچ جانا چاہئے۔

۶۔ ایڈیٹر کا فیصلہ قطعی ہوگا۔

۷۔ لفافے کے بائیں کونے پر لفظ معما لکھ دیا جائے۔

۸۔ نام اور پتہ پورا اور صاف لکھو۔

جنوری کے معمّے کا حل



پیام برادری



پیاری بچیو اور بچو! تندرست رہو اور خوش۔ جس وقت یہ پرچہ تمھارے پاس پہنچے گا۔ تم عید منا چکے ہوگے تاہم میں تمھیں عید کا دن ہنسی خوشی گذارنے پر مبارک باد دیتی ہوں۔ ایسی عیدیں ہزار دیکھو تم۔

کل میں اپنی برادری کے بارے میں کچھ سوچ رہی تھی اور اپنے دل میں اس بات کا جائزہ لے رہی تھی کہ ہم نے اب تک کیا کام کیا ہے اور جس مقصد کے لئے ہم نے اپنی برادری قائم کی ہے اس مقصد میں ہمیں کہاں تک کامیابی حاصل ہوئی ہے۔

ہمارا مقصد کیا تھا؟

یہ برادری ہم نے اس لئے قائم کی تھی کہ بچے اپنا وقت صحیح گذارنا سیکھیں۔ ان میں اپنے ہاتھ سے کام کر… میں دلچسپی پیدا ہو۔ ان میں سیر و تفریح کا شوق پیدا ہو۔ مل جل کر کام کرنا سیکھیں۔ انھیں اپنے اوپر بھر… کرنا آجائے اور آپس میں اپنے شہر یا دوسرے شہروں اور ملکوں کے ہم عمر بچوں سے دوستی اور بھائی چار… پیدا ہو۔

میں ان دو تین سال کے کاموں پر غور کرتی ہوں تو مجھے ایک خوش گوار مسرت سی ہوتی ہے۔ اردو جا… والے بچوں کے لئے ہماری برادری ایک نئی چیز تھی اور اب اس برادری کے قائم ہونے کے بعد ملک میں ا… قسم کی کئی انجمنیں بن گئی ہیں اور یہ پیام برادری کی بہت بڑی کامیابی ہے مجھے یہ دیکھ کر بہت خوشی ہوتی کہ لوگ اب ان چیزوں کی ضرورت سمجھنے لگے ہیں۔

اس عرصے میں برادری کی بہت سی شاخیں کھلیں اور اب تک کھل رہی ہیں۔ انھوں نے جیسا کچھ ب… بن پڑا کام کیا اور کر رہی ہیں ان میں سے چند نے اپنا قدم ذرا تیزی سے آگے بڑھایا۔ بعض نے کچھ س… کیا کبھی کبھی یہ بھی ہوا کہ کسی شاخ نے شروع شروع میں بہت سرگرمی دکھائی۔ مگر بعد میں وہ جوش…

پھر بھی کچھ نہ کچھ کام بہرحال سبھی نے کیا اس معاملے میں بے قصور میں بھی نہیں ہوں۔ میں اپنی برادری پر اتنی توجہ نہ کر سکی جتنی کرنی چاہیے تھی۔ اس کی وجہ زیادہ تر میری مشغولیت ہے۔ میں مشغول اب بھی ہوں۔ مگر کوشش کر رہی ہوں کہ اپنی برادری کے لئے جتنا وقت بھی نکال سکتی ہوں نکالوں۔

مجھے امید ہے کہ برادری کی تمام خصوصاً علی گڑھ، میرٹھ، ساگر، بریلی، کان پور، بھوپال، حیدر آباد، گلبرگہ اور دہلی کی شاخیں نئے سال سے پوری دلچسپی اور نئی سرگرمی سے اپنا کام شروع کر دیں گی۔

نئے سال کے لئے تمام برادریاں (سوائے سہارن پور کے جو ابھی قائم ہوئی ہے) زیادہ سے زیادہ پانچ چھ فروری تک اپنی مجلس کا انتخاب کر لیں۔ ان انتخابات کا حال مجھے دس فروری تک بھی مل جائے تو میں مارچ کے پرچے میں شائع کر دوں گی۔ بچوں کو برادری کا ممبر بناتے وقت عمر کا لحاظ خاص طور پر رکھا جائے۔

اس مرتبہ برادریاں یہ بات خاص طور سے اپنے پروگرام میں شامل کر لیں کہ برادری کا ہر ممبر اپنے محلے یا آس پڑوس کے ایک اَن پڑھے لکھے آدمی کو پڑھنا لکھنا سکھاوے۔

اس مرتبہ معمے بہت کم تعداد میں یعنی کل پچاس آئے ہیں ان میں سے کوئی حل صحیح نہیں ہے۔ یہ بڑے تعجب کی بات ہے۔ صرف محمد عبدالغفور حیدر آباد کا حل ایسا ہے جس میں ایک غلطی ہے۔ ظفر حسین خاں بریلی۔ تصدیق امین خان فیض آباد۔ ظفر علی، جامعہ دہلی کے حلوں میں دو دو غلطیاں ہیں ان سب کو انعام بھیج دیا جائے گا۔

شاید اب کی معمّا کچھ مشکل ہو گیا تھا اسی لئے بہت سے بچوں نے ہمت نہیں کی اور جن بچوں نے ہمت کی ان کے حل غلط ہو گئے۔ میں نے معمّا بنانے والے صاحب کو تاکید کر دی ہے کہ معمّا بہت آسان اور دلچسپ بنائیں۔ اس مہینے کا معمّا انھوں نے بہت آسان بنایا ہے آیندہ وہ اور بھی آسان بنائیں گے مجھے پوری توقع ہے کہ اب کی سب بچے اپنے حل بھیجیں گے۔

ایڈیٹر صاحب کو شکایت ہے کہ پیامی خصوصاً برادری کے ممبر رسالے کی اشاعت بڑھانے کی کوشش نہیں کرتے۔ اگر ہر پیامی اپنے پرچے کا ایک ایک خریدار بھی پیدا کر دے تو پیام تعلیم کی اشاعت کہیں سے کہیں پہنچ جائے۔ مجھے امید ہے کہ تم ان کی یہ شکایت دور کر دوگے۔ تم اگر ذرا سی توجہ کرو تو کم سے کم ایک ساتھی کو خریدار بنا سکتے ہو۔ علاوہ اس کے بچوں کے والدین۔ استادوں اور اپنے مدرسے کے ہیڈ ماسٹر صاحب کو مجبور کرو کہ وہ اپنے یہاں پیام تعلیم جاری کرائیں۔ اچھا اب رخصت

تمھاری آپا جان

Regd. No. L. 1961

Only Cover Printed at the Calcutta Art Press, Katra Bariyan, Delhi

پیام تعلیم

شمارہ

چھوٹے بچوں کی کتابیں

ہمارے نبی:- ہمارے پیارے نبی کی پاک زندگی کی کہانیاں آسان اور دلچسپ زبان میں لکھی گئی ہیں۔ قیمت ۳ر

آخری نبی:- رسول مقبول کے مختصر مگر جامع حالات۔ چھوٹے چھوٹے جملے۔ اور ہلکے پھلکے الفاظ میں لکھے گئے ہیں۔ قیمت ۲۰ر

رسول پاک:- اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ رسول پاک کون تھے۔ کیسے تھے اور کیا سکھایا۔ قیمت ۵ر

چاریار:- حضرات خلفاء راشدین یعنی حضرت ابوبکر، عمر، عثمان، علی رضوان اللہ علیہم کے سبق آموز اور دلچسپ حالات۔ قیمت ۴ر

عقائد اسلام:- یہ رسالہ اسلامی عقائد سکھانے کے لیے آسان زبان میں لکھا گیا ہے۔ قیمت ۱ر

ارکان اسلام:- اس میں اسلام کے پانچوں ارکان آسان زبان میں سمجھائے گئے ہیں۔ قیمت ۲۰ر

پیام تعلیم

دہلی



ایڈیٹر
محمد حسین حسان

پیام تعلیم
یوپی، سی پی، برار، میسور
اور حیدر آباد کے لئے سرکاری
طور پر منظور شدہ

جلد ۲۳ | مارچ سنہ ۴۴ء | نمبر ۳

فہرست مضامین

قیمت سالانہ [illegible]

بچوں سے باتیں

(ایڈیٹر)

پچھلے پرچے کے چند مضمون ’لالہ رُخ‘، ہمارا سفر پتیوں کا البم اور نظم چڑیا اور بلی۔ بچوں نے بہت پسند کئے اس پرچے کے مضمون انشاءاللہ انھیں اور بھی پسند آئیں گے۔

اس پرچے میں گلشن کی آزادی اور آب دوز کشتی ہم نے خاص طور سے لکھوائے ہیں۔ ان کے علاوہ "ہمارا سفر" کا تیسرا حصہ شائع ہو رہا ہے۔ یہ بھی بہت دلچسپ ہے اور ہاں وہ نظم "چڑیا اور باز" اسے تم بہت ہی پسند کروگے۔ اس قسم کی باتصویر نظمیں اب ہر پرچے میں چھپیں گی۔ کبھی ایک کبھی دو۔

اس مرتبہ آب دوز کشتی والا مضمون بہت لمبا ہو گیا اس کی وجہ سے کئی اچھے اچھے مضمون شائع نہ ہو سکے یہ اگلے پرچے میں چھپیں گے۔ مضمون نگار بھائیوں سے ہماری درخواست ہے کہ جہاں تک ممکن ہو مضمون مختصر لکھا کریں۔

آب دوز کشتی والا مضمون اثر صاحب نے بہت محنت سے اور دلچسپ انداز میں لکھا ہے۔ ہمیں امید ہے کہ تم اسے توجہ سے پڑھوگے۔ آیندہ پرچے کے لئے انھوں نے دخانی جہاز پر مضمون لکھنے کا وعدہ کیا ہے۔

بہت سے بچوں اور بہت سے استادوں نے ہم سے شکایت کی ہے کہ گتے والا مضمون کیوں بند کر دیا گیا۔ بچوں میں گتے کی چیزیں بنانے کا شوق برابر بڑھتا جاتا ہے۔ بہت سے بچوں نے پیام تعلیم میں ترکیبیں پڑھ کر چیزیں بنائیں اور انعام حاصل کیا۔ اصل میں مضمون نگار صاحب کو فرصت بالکل نہیں ملی۔ اب انھوں نے آیندہ مہینے سے مضمون کا سلسلہ دوبارہ شروع کرنے کا وعدہ کیا ہے۔

خاص حیدرآباد کے لئے حیدرآباد ایڈیشن دو مہینوں سے چھپ رہا ہے۔ ہم نے حیدرآباد کے مدرسوں کے استادوں اور دوسرے حضرات سے درخواست کی تھی کہ وہ اپنے یہاں کی تعلیمی سرگرمیوں کا حال ہمیں لکھ بھیجا کریں۔ ہمیں شکایت ہے کہ ان بزرگوں نے ہماری درخواست پر ابھی تک توجہ نہیں کی اور ہمیں بڑی دقتوں سے حیدرآباد کے متعلق اس قسم کی معلومات فراہم ہوتی ہیں۔

تن اور من صاف رہے

مولوی محمد شفیع الدین صاحب نیّر

دنیا میں اگر خوش رہنا ہے، تن صاف رہے من صاف رہے
مجھ کو تو یہی بس کہنا ہے، تن صاف رہے من صاف رہے

ہو بیماری کا دور اثر، ہو بے کاری کا دور خطر
اس طرح کرو تم عمر بسر، تن صاف رہے من صاف رہے

یہ جسم ہمارا چیز ہے کیا، اک کل کہنا ہے اس کو بجا
اس کل کو رکھو تم ٹھیک سدا، تن صاف رہے من صاف رہے

ہر حصّہ جسم کا پاک رکھو، ہرگز نہ بدن پر خاک رکھو
دل کو نہ کبھی غمناک رکھو، تن صاف رہے من صاف رہے

میلے ہوتے ہی نہالو تم، کپڑے اپنے دھوڈالو تم
یہ کام نہ کل پر ٹالو تم، تن صاف رہے من صاف رہے

دل میں نہ کسی کے کینا ہو، ہاں پاک سبھی کا سینہ ہو
یوں جینا ہو یوں جینا ہو، تن صاف رہے من صاف رہے

ستھرا رہنے میں ہرج ہے کیا، بتلاؤ تو اس میں خرچ ہے کیا
ہے نیّر کا یہ قول بھلا، تن صاف رہے من صاف رہے

ستارے

سندر نیارے پیارے پیارے | جھلمل جھلمل کرتے تارے
سب کے پیارے پیارے ہمارے | کتنے سندر ہیں یہ ستارے

سونے دیس میں بستے کیوں ہو | دیکھ کے ہم کو ہنستے کیوں ہو
چپکے کیوں ہو کچھ تو بولو | دیکھتے کیا ہو آؤ کھیلو
نیچے آؤ مل کے کھیلیں | گانا گائیں جھولا جھولیں
آؤ کھلونے تم کو دکھاؤں | میٹھے میٹھے گیت سناؤں

اچھے اچھے میوے کھلاؤں
گدگدی کر کے خوب ہنساؤں

(الہام)

ایک دو شریر بچے

جمیلہ عبداللہ

ایک تھے ننھے میاں اور ایک تھیں منی بائی۔ یہ دونوں بہن بھائی تھے اور ہر وقت ساتھ ساتھ رہتے تھے۔ منی بائی ننھے میاں سے دو سال چھوٹی تھیں اور ننھے میاں کی عمر کوئی سات سال تھی۔ یہ دونوں بہن بھائی بہت شریر تھے اور اپنی امی اور ابا کا کہنا نہیں مانتے تھے۔ اس لئے ابا انھیں اچھے اچھے کھلونے لاکے نہیں دیتے تھے اور امی اچھی اچھی کہانیاں نہیں سناتی تھیں۔ ایک دن جب اُن کے ابا دفتر سے آئے تو ننھے میاں کھڑے سگرٹ پی رہے تھے اور منی بائی پاس کھڑی ہوئی تالیاں بجا رہی تھیں۔ ننھے میاں اور منی بائی نے ابا جان کو دیکھا تو بھاگ کر چھپ گئے۔ مگر ابا جان اُنھیں پکڑ کر اپنے کمرے میں لے آئے دونوں کو بہت پیار کیا۔ پھر ننھے میاں کو گود میں بٹھا کر کہنے لگے "دیکھو بیٹا سگریٹ بڑی بری چیز ہے چھوٹے بچے اسے نہیں پیا کرتے۔ اس کے پینے سے پیٹ میں دھواں بھر جاتا ہے اور پھر وہ بیمار ہو جاتے ہیں۔ بہت سے تو مر بھی جاتے ہیں۔" یہ کہہ کر ابا جان نے دونوں کو مٹھائی دی اور کہا۔ "اب تم جا کر کھیلو" اور ننھے میاں سے کہنے لگے کہ اب تم پھر سگرٹ نہ پینا اس وقت تو ننھے میاں چپ چاپ سنتے رہے۔ لیکن دوسرے ہی دن وہ ابا کی نصیحت بھول گئے اور شرارتیں کرنے لگے۔

ایک دن اُن کی پیاری امی بہت بیمار ہو گئیں ڈاکٹر نے ننھے میاں اور منی بائی کو بلا کر کہا کہ وہ اپنی امی کے کمرے میں نہ جائیں کیونکہ شور و غل سے امی کی طبیعت زیادہ خراب ہو جائے گی۔ لیکن یہ دونوں کب ماننے والے تھے۔ ڈاکٹر کے جاتے ہی چپکے سے دروازہ کھول کر امی کے کمرے میں چلے گئے۔ ننھے کی نظر میز پر جو پڑی تو اُسے ایک سگرٹ دکھائی دیا اس نے لپک کر سگرٹ لے اپنی جیب میں چھپا لیا اور پھر دونوں کھیلنے اور شور مچانے لگے۔ امی سو رہی تھیں چونک کر اُٹھ بیٹھیں۔ جب ننھے میاں اور منی بائی نے اُنھیں اُٹھتے دیکھا تو دونوں باہر بھاگ آئے اور پھر سارے گھر میں گھومنے لگے۔ پھرتے

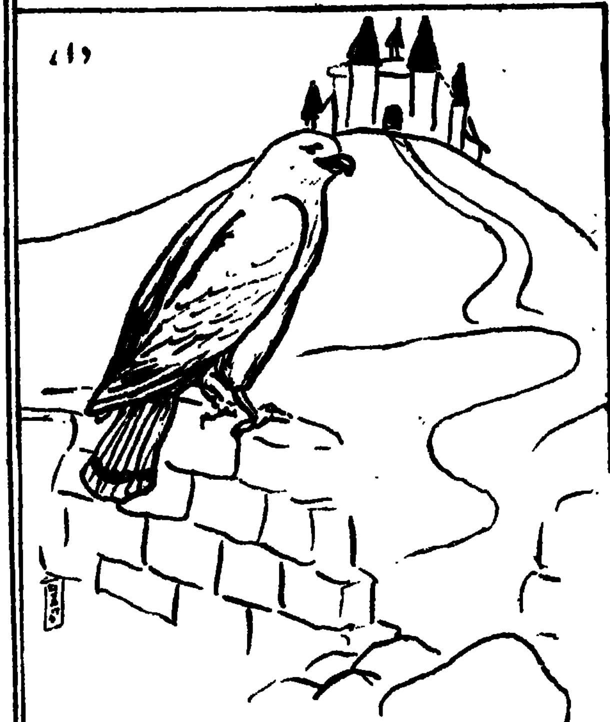
پھراتے وہ ایک اور کمرے میں پہنچے۔ اس کمرے میں اُمّی کی بڑی اچھی اچھی ساڑھیاں رکھی تھیں۔ منی بائی کو جو شرارت سوجھی تو ایک اچھی سی ساڑھی بدن پر لپیٹ لی اور کہنے لگی "اہا جی۔ آہاہا ہم رانی بن گئے۔ ہم رانی بن گئے۔" ننھے میاں نے جب یہ دیکھا تو ابا جان کا ایک نیا ٹوپ پہن لیا اور کہنے لگے "ہم راجہ بن گئے، ہم راجہ بن گئے۔" اتنے میں ننھے میاں کو سگرٹ کا خیال آیا اور وہ مُنّی بائی سے کہنے لگے "ارے مُنّی، مُنّی دیکھو تم بڑی اچھی لڑکی ہو۔ جاؤ جاکر راجہ کے لئے دیا سلائی کی ڈبیہ لے آؤ۔ پھر راجہ تمھیں گاڑی میں بٹھاکے گاڑی چلائے گا۔" مُنّی بائی کو یہ بات بہت اچھی لگی۔ بھاگم بھاگ باورچی خانے گئی اور دیا سلائی کی ڈبیا اُٹھا لائی۔ خیر ہوئی کہ "بڑی بی" نے اُسے نہیں دیکھا ورنہ منی بائی کو اسی وقت سزا ملتی۔ ننھے میاں کہنے لگے "مُنّی ذرا دروازہ بند کردو۔" منّی نے دروازہ بند کردیا پھر کہنے لگے "منی زنجیر بھی چڑھادو کہیں ابّا جان نہ آجائیں۔" لیکن منّی کا ہاتھ زنجیر تک نہیں پہنچتا تھا۔ اس لئے ننھے میاں نے ایک اسٹول دروازے کے پاس رکھا اور زنجیر لگادی۔ منّی بائی بولیں "بھیّا۔ بھیّا میری گاڑی کہاں ہے" ننھے میاں پہلے تو کچھ سوچتے رہے پھر اسٹول کو الٹا کیا اور کہنے لگے "لے بیٹھ جا منّی اس میں میں اسے دھکیلوں گا۔ جیسے راجہ رانی کی گاڑی چلاتا ہے۔"

منّی بائی۔ "بھیّا یہ اسٹول تو بہت چھوٹا ہے۔ میں اس میں کیسے بیٹھوں۔" ننھے میاں "اچھا ٹھہر میں بٹھاتا ہوں۔" یہ کہہ کر ننھے میاں نے منّی بائی کو اسٹول کے اندر گھسیڑ دیا اور اسٹول کو دھکیلنے لگے جب تھک گئے تو کہنے لگے "میں ذرا سگرٹ پی لوں، پھر گاڑی چلاؤں گا" اور سگرٹ پینے لگے۔ منّی بائی اسٹول میں بہت پھنسی ہوئی اور تکلیف سے بیٹھی تھی کہنے لگی "بھیّا مجھے نکالو۔" ننھے میاں نے کہا "ٹھہر جاؤ میں سگرٹ پی کر نکالتا ہوں" لیکن منّی بائی کی پیٹھ میں تو درد ہو رہا تھا وہ رونے لگی۔ ننھے میاں نے جب اُسے روتے دیکھا تو سگرٹ پھینک کر اسے نکالنے لگے۔ لیکن منّی بائی تو اسٹول میں بری طرح پھنسی ہوئی تھی۔ وہ نکل نہ سکی۔ ابھی ننھے میاں اُسے نکالنے میں لگے ہوئے تھے کہ دیکھتے کیا ہیں کہ منّی بائی کی ساڑھی کے کنارے میں آگ لگی ہوئی ہے۔ اب تو وہ بہت ہی گھبرائے اور دروازے کی طرف بھاگے۔ مگر دروازے پر زنجیر چڑھی تھی۔ اب کیا کرتے۔ اُدھر آگ اور بھڑک اُٹھی۔ منّی بائی نے رونا شروع کردیا۔ ننھے میاں بھی چلانے لگے۔ "آ.......آ.......آگ ....آ۔آ.......آگ" گھر کے سارے نوکر دروازے پر آگئے اور کہنے لگے "ننھے میاں دروازہ کھولو۔ دروازہ کھولو۔" لیکن ننھے میاں

دروازہ کیسے کھولتے اسٹول میں تو ننھی پھنسی ہوئی تھی اتنے میں ابا جان بھی دفتر سے واپس آگئے جب انھوں نے یہ دیکھا تو کلہاڑی لے کر دروازہ توڑنے لگے امّی نے ننھے میاں اور منی بائی کی چیخیں سنیں تو وہ بھی گرتی پڑتی باہر نکل آئیں لیکن بے ہوش ہو کر گر پڑیں منّی بائی بھی بے ہوش ہو گئی۔ اس کی ساڑھی اور بال جل گئے۔ ابا جان نے دروازہ توڑ ڈالا۔ نوکروں نے آگ بجھائی اور منّی بائی کو باہر نکالا۔ ننھے میاں تو اچھے خاصے تھے مگر منّی بائی کا بدن بُری طرح جل گیا تھا۔ ابا جان نے جلدی سے ڈاکٹر کو بلوایا۔ ڈاکٹر نے منّی بائی کے دوا لگائی اور پٹی باندھی۔ امّی کے بھی دوا پلائی۔ اور دونوں کو ایک ہی کمرے میں لٹا دیا۔ ننھے میاں کو اُن کے پاس جانے کی اجازت نہ تھی وہ بچارے سارا دن اکیلے پھرتے رہتے۔ بہت ہی اداس رہتے۔ اور اپنے کئے پر بہت پچھتاتے۔ رات کے وقت جب سب سو جاتے تو اپنی پیاری امّی اور منی کے اچھے ہو جانے کی دعا کرتے۔ بہت دنوں کے بعد امّی اور منّی اچھی ہو گئیں۔ مگر منی بائی گنجی ہو گئی تھیں۔ ایک دن ابا جان نے دونوں بچوں کو اپنے پاس بلا کر پوچھا "میرے بچو سچ سچ بتاؤ اس دن آگ کیسے لگی تھی"۔ ننھے میاں نے سب کچھ سچ سچ کہہ دیا۔ اور پھر دونوں نے ابا جان سے معافی مانگی اور کہنے لگے "ہم آپ کا کہنا ضرور مانیں گے"۔ ننھے میاں بولے "اب میں کبھی سگرٹ نہیں پیوں گا"۔ اباجی نے دونوں کو گلے سے لگا لیا اور کہنے لگے "تم نے بہت اچھا کیا جو سچ سچ کہہ دیا مگر اب تم دونوں اللہ میاں سے معافی مانگو اور اس کے آگے توبہ کرو"۔ ننھے میاں اور منّی بائی نے پھر اللہ میاں سے معافی مانگی اور رو رو کر توبہ کی اس دن کے بعد وہ دونوں بڑے اچھے بچے بن گئے۔ سب کا کہنا مانتے تھے۔ ابا جان اُنھیں نئے نئے کھلونے لاکر دیتے اور امّی انھیں اچھی اچھی کہانیاں سناتیں

چڑیا اور باز

(۲)



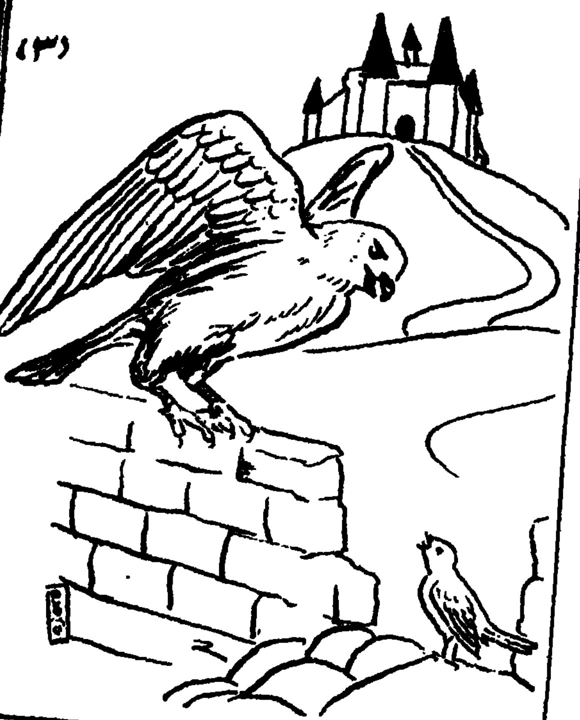
۱

دیوار اک تھی ٹوٹی پھوٹی
آکر بیٹھا باز وہاں پر
بھوک کے مارے سٹّی گم تھی
سوچ رہا تھا جھپٹے کس پر



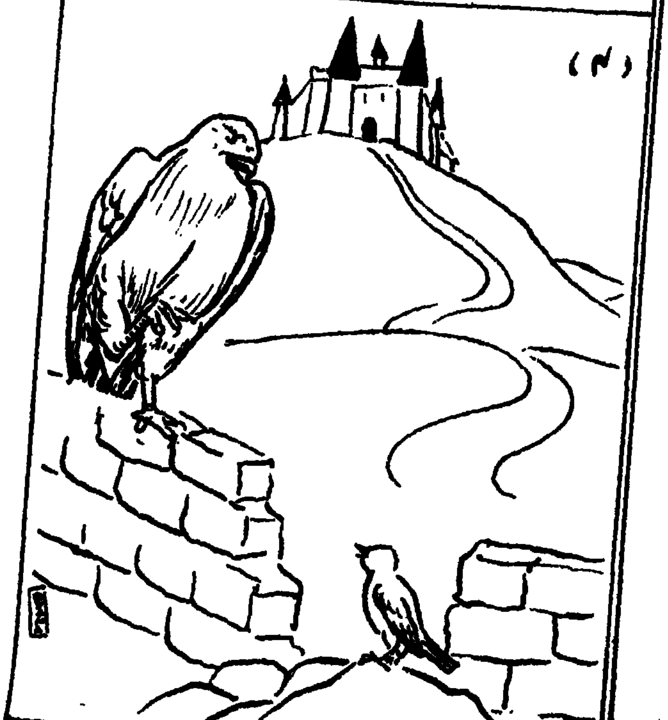
۲

آئی چڑیا چوں چوں کرتی
چوں چوں کرکے اینٹ پہ بیٹھی
باز نے اس کو غور سے دیکھا
خوش ہوکر یہ اس سے بولا



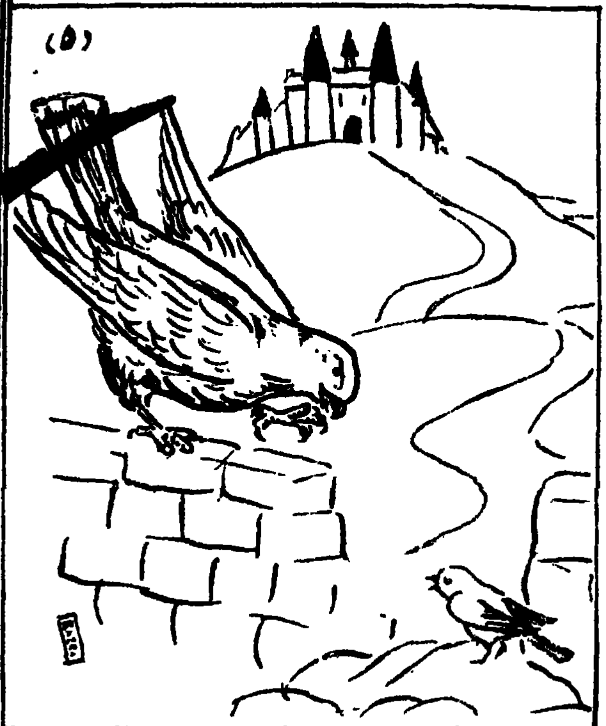
۳

"اچھی تو ہو اے بی چڑیا
ننھی منّی پیاری چڑیا
بیٹھو بھی اب جاتی کیوں ہو
آئی ہو تو کچھ دم لے لو"



۴

چوں چوں کر کے چڑیا بولی
"راجہ کے گھر جاتی ہوں میں
رانی اس کی پیاری پیاری
اس کو گیت سناتی ہوں میں



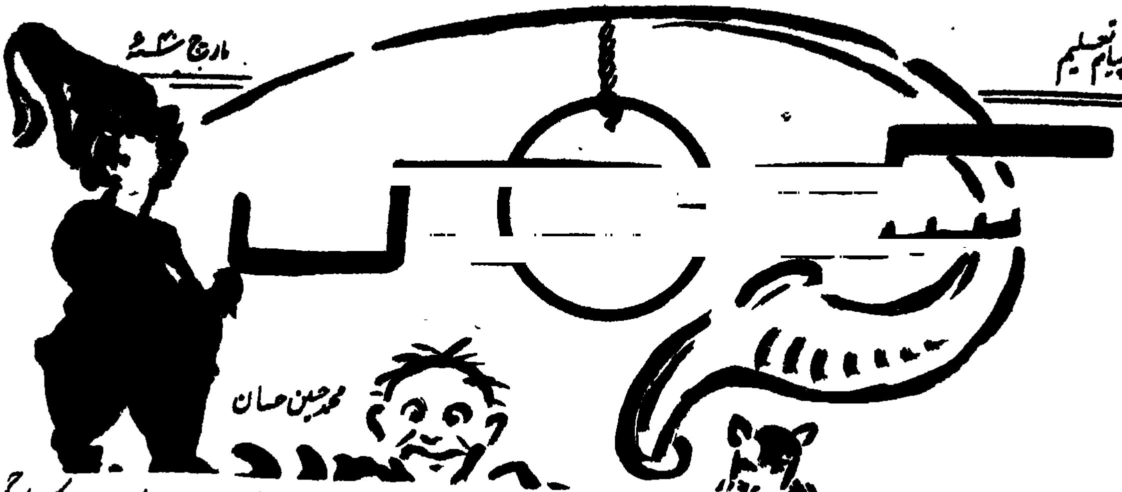
۵

بولا باز "وہاں مت جاؤ
پیار کروں میں تم کو آؤ
میری چونچ ہے ایسی اچھی
جیسے ریشم کی ہو لچھی"



۶

بولی چڑیا بخشو حضرت
تم سے تو بس دور کی الفت
مجھ سے ایسا پھر مت کہنا
اوروں سے یہ باتیں کرنا
اُڑ گئی چڑیا اتنا کہہ کر
رہ گئے حضرت پر پھیلا کر



ابراہیم، رشید، احسن، محسن اپنے قصبے کے مدرسے میں پڑھتے ہیں۔ ایک دفعہ چھٹیوں میں اُن کے ابا انھیں سرکس دکھانے لے گئے۔ بچوں کو بڑا مزا آیا۔ انھوں نے ایسے تماشے کبھی کاہے کو دیکھے تھے۔ سائکل کی سواری۔ ورزشی کھیل۔ مسخروں کے ناچ گانے گھوڑوں

آیا۔ یہ اُن کا ماموں زاد بھائی تھا۔ شام کو سب کی صلاح ہوئی کہ کہیں ٹہلنے چلیں۔ مگر تھوڑی دیر میں آسمان پر بادل گھر آئے۔ رشید نے کہا "اب کیسے جائیں۔ اے لو ہلکی ہلکی بوندیں بھی پڑنے لگیں"۔ ابراہیم نے کہا "آؤ یہیں گھر میں سرکس سرکس کیوں نہ کھیلیں"۔ سب نے



ہاتھیوں، شیروں وغیرہ کے کرتب اور جانے کیا کیا۔
کھیل دیکھ کے لوٹے تو اُن کے دماغ میں بس سرکس ہی سرکس تھا۔ گھر پہنچ کر تو رات دن اُسی کی نقلیں کرتے۔

ایک دن احمد پاس کے قصبے سے اُن سے ملنے

اس رائے پر صاد کیا۔

اب تیاری شروع ہوئی۔ چاروں طرف سے نئے پرانے کپڑے تلاش کئے گئے۔ ان ڈھیلے ڈھالے کپڑوں کو پہن کر سب کی شکلیں عجیب وغریب ہو گئیں دیکھ کر ہنسی آتی تھی

ابراہیم اپنی پونی پکڑ لائے۔ اور اُسے کبھی دُلکی کبھی پویا بھگایا۔ پونی بھی خوب سدھا ہوا تھا۔ ذرا سے اشارے سے فوراً رک جاتا تھا۔ احسن محسن نے ایک خوب مضبوط رسی کی الگنی بنائی اور اس پر اُلٹے لٹکے۔ سر کے بل کھڑے ہو گئے اور عجیب عجیب ورزشیں کیں۔ احمد بھی ان دلچسپیوں میں کھویا ہوا تھا۔ اس نے بھی احسن محسن کی نقل شروع



کی۔ الگنی میں الٹا لٹکنا تو آ گیا مگر بھائی سر کے بل کھڑا ہونا ذرا ٹیڑھی کھیر تھا۔ مگر حمید نے ہمت نہیں ہاری۔ برابر کوشش کئے گیا آخر کار کامیاب ہو گیا۔ اتنا خوش تھا، اتنا خوش تھا کہ کچھ پوچھو مت۔

اِدھر میاں رشید نے اپنے اوپر اتنے کپڑے لاد لئے تھے کہ اچھے خاصے لالہ جی بن گئے تھے۔ یہ ایک بکس پر خوب اچھل کود رہے تھے اور ناچ رہے تھے اور مذاقیہ گانے گا رہے تھے۔ انھیں دیکھ کر سب کے پیٹ میں ہنستے ہنستے بل پڑ گئے اور اپنا کھیل چھوڑ چھاڑ سب انھی کا تماشا دیکھنے لگے۔

دوسرے دن احمد سو کر اُٹھا تو اس کے تمام بدن میں درد تھا۔ اس کے پھوپھا نے کہا۔ "معلوم ہوتا ہے کل تم نے بہت زیادہ محنت کی ہے اور شاید تمھیں روزانہ ورزش کی عادت نہیں ہے اگر عادت ہوتی تو تمھیں اتنی تکلیف نہ ہوتی۔ ورزش کرنے سے رگ پٹھوں میں خوب طاقت آ جاتی ہے۔ ورزش کرنے والا آدمی کسی دن زیادہ محنت بھی کرلے تو اس کے جسم میں درد نہیں ہوتا۔ اب تم خود ہی دیکھو کہیں ابراہیم، رشید اور احسن محسن نے بھی درد کی شکایت کی! تو بات کیا ہے! بات یہ ہے کہ یہ لوگ روز صبح کو دور تک ٹہلنے جاتے ہیں۔ اسکول

میں ورزش کرتے ہیں۔ اور جب چھٹی ہوتی ہے تو گھر پر خوب کھیلتے کودتے ہیں۔

دو دن کے بعد احمد میاں ٹھیک ہو گئے۔ درد بالکل جاتا رہا۔ گھر جاتے وقت رشید سے بولے۔ اب میں پھوپھا میاں کی نصیحت پر عمل کروں گا۔ بس روز ورزش کروں گا کہ دوسری بار سرکس میں کھیلتے وقت بدن میں درد نہ ہونے لگے۔"

رشید نے کہا۔ "ہاں بھائی ضرور اور دیکھئے اب کے آیئے گا نا! تو کوئی نیا کرتب ضرور سیکھے آیئے گا۔ بڑا مزا آئے گا۔"

گلش کی آزادی

از حامد حسین صاحب متعلم جامعہ

(۴۵۰۰ ق م کی ایک کہانی)

تیموز بابل میں رہتا تھا۔ اس کا باپ گلش ایک غلام تھا اور اس کی ماں مرچکی تھی۔ گلش کا مالک مرابی بہت امیر آدمی تھا۔ اس کے محل میں ۲۵ کمرے تھے۔ آس پاس خوب صورت باغ تھا۔ گلش اس باغ کا مالی تھا۔ وہ اسی جھونپڑے میں رہتے تھے۔ مرابی کے شاندار باغ کے ایک کونے میں چھوٹی چھوٹی اینٹوں کا ایک جھونپڑا بنا ہوا تھا۔

محل کے آس پاس چھوٹے بڑے تمام مکان اونچی زمین پر بنے ہوئے تھے۔ بابل سے گذرنے والی بڑی ندی میں اکثر سیلاب آجاتا تھا اور شہر میں پانی ہی پانی ہو جاتا تھا۔ لوگ مکان بنانے کے لئے اونچی زمین تلاش کرتے تھے۔

تیموز باغ کے کاموں میں اپنے باپ کا ہاتھ بٹاتا تھا۔ وہ غلام کی اولاد تھا اسی لئے وہ بھی غلام تھا۔ گلش دنیا میں سب سے زیادہ اپنے بیٹے سے محبت کرتا تھا

اکثر اس سے کہتا "تیموز مجھے تمھاری مدد کی ضرورت نہیں۔ جاؤ بیٹا کھیلو۔"

تیموز کے لئے وہ بڑی خوشی کا زمانہ تھا۔ کیونکہ اس بڑے شہر میں روزانہ کوئی دلچسپ اور مزے دار بات ہوتی ہی رہتی تھی۔

کبھی کبھی تیموز بابل کے بڑے مندر برس نمرود کے صحن میں چلا جاتا تھا۔ وہاں ہمیشہ بھیڑ لگی رہتی تھی خریدنے اور بیچنے والے پھیرے سپاہی، تاجر، پادری، وکیل خط لکھنے والے سب ہی ہوتے۔ کتے، بلیوں اور بچوں کا جمگھٹا بھی ہوتا جو کام میں مشغول لوگوں کے پیروں میں کھیلتے پھرتے اور ہاتھا پائی کرتے رہتے۔

تیموز کو ان لوگوں کے دیکھنے میں بہت مزا آتا جو قربانی کے لئے جانور اور پرندے مندر میں لاتے تھے۔ کبھی غراتا ہوا سؤر یا بھیں بھیں، میں میں کرتی ہوئی بھیڑ یا بکری مالک کے ہاتھ میں سے چھوٹ جاتی اور د

اس کے پیچھے دوڑتا اور اس کو تمام بُرے بُرے ناموں سے پکارتا اور گالیاں دیتا۔ اس پر لوگ اس کا مذاق اُڑاتے اس پر ہنستے اور ٹھٹھے مارتے۔ لڑکے اور کتے ایک دوسرے کے پیچھے دوڑتے بھاگتے رہتے کتوں کے بھونکنے، چلّانے اور چیخنے سے تیموز خوب ہنستا تھا اور ان کے پیچھے دوڑتے دوڑتے وہ بے دم ہوجاتا تھا۔

وہ خط لکھنے والوں اور وکیلوں کو غور سے دیکھتا رہتا۔ اس زمانے میں ایک چھوٹی سی لکڑی سے لکھتے تھے جس کی نوک میخ کی ہم شکل ہوتی تھی۔ نم دار مٹی کے تختے کاغذ کا کام دیتے تھے۔ کوئی وکیل یا پادری کوئی معاہدہ لکھ لیتا تو دونوں فریق اس پر اپنی مہریں لگا دیتے۔ پھر تختی بھٹی میں رکھ کر پکالی جاتی تھی تاکہ لکھا ہوا نہ مٹ سکے

تیموز کو وکیلوں سے زیادہ خط لکھنے والے پسند تھے۔ یہ بھی لکھنے کے لئے مٹی اور چھوٹی چھوٹی تیلیاں ہی استعمال کرتے تھے۔ مگر غیر دلچسپ تجارتی معاہدوں کی جگہ وہ اُن لوگوں کے خط لکھتے جو لکھنا نہیں جانتے تھے وہ ماؤں کے خط ان کے اُن بیٹوں کے نام لکھتے جو لڑائی پر ہوتے تھے، بیویوں کے خط اُن کے شوہروں کے نام لکھتے جو بہت دور دریاؤں پر ہوتے۔ یا پھر ایسے لوگوں کے خط لکھتے جو کسی سے محبت کرتے ہوں اور کچھ دنوں کے لئے اس سے الگ ہوگئے ہوں خط لکھنے والے لکھتے وقت مذاق کرتے جاتے۔ عجیب باتیں بناتے اور خوب ہنستے تھے تاکہ اُن کا لکھنا دیکھنے والے بھی ہنسیں۔ ایک دوسرے کی پیٹھ پر ٹھکے لگائیں اور ایک دوسرے کی چٹیاں توڑیں۔

تیموز کبھی بازار کی طرف نکل جاتا۔ وہاں بڑے بڑے قافلے، قالینوں، ریشم کے کپڑوں، کھجوروں، انجیروں اور ہر قسم کے سوکھے پھلوں کا ڈھیر کا ڈھیر اونٹوں پر سے اتارنے کے لئے پڑاؤ ڈالتے تھے۔ بازار میں بہت سی دُکانیں تھیں اور دکان دار اپنے یہاں کے سامان کا نام لے کر چلا رہے تھے۔ مثلاً تازہ مچھلی، سوکھی مچھلی، انڈے مکھن، بکری کا گوشت، پھل، ان کے علاوہ سونا، چاندی اور ہیرے، جواہر، انگوٹھیاں اور آرائش کا تمام سامان اور باورچی خانے کے لئے ہر قسم کے برتنوں کی آوازیں ہر طرف سے آتی رہتی تھیں۔

بابل میں بہت سے مدرسے تھے۔ مگر تیموز تو غلام کا لڑکا تھا۔ مدرسے کیسے جاتا۔ وہ اس بات سے خوش بھی تھا جس دن صبح کو دھوپ نکلتی اور اُسے کھیلنے کا موقع ملتا اس دن تو وہ بہت ہی خوش ہوتا تھا۔

تیموز کو سب سے زیادہ لطف شہر کے باہر کھلے میدانوں اور درختوں کے جھنڈ میں پھرنے میں آتا تھا۔ وہ باریک اور لانبی گھاس پر بیٹھ جاتا۔ چڑیوں کے گیت اور کیڑے مکوڑوں کی بھنبھناہٹ سنتا۔ وہ پرندوں، کیڑے مکوڑوں کی حرکتوں اور عادتوں سے اچھی طرح واقف ہوگیا تھا بغیر دیکھے چڑیوں کے صرف گیت سُن کر اُن کو پہچان جاتا اور اسے یہ بھی معلوم ہوگیا تھا کہ وہ کب اور کہاں گھونسلا بناتی

ہیں۔ کبھی کبھی اس کا باپ اس کے اِدھر اُدھر گھومنے پر بُرا بھلا بھی کہتا مگر خفگی کی نوبت مار پیٹ تک نہ پہنچی۔ حالانکہ گلشن خود اس لئے پیٹا جاتا محض اس لئے کہ باغ کے پھول مالک کی منشا کے مطابق خوب صورت کیوں نہیں ہیں۔ ہاں جب تیموز نافرمانی کرتا تو گلشن غصے میں آکر کہتا "تیموز اب تم کوڑے کھانے ہی والے ہو"

اس رئیس یعنی مرابی کا بھی ایک لڑکا تھا۔ اس کا نام حمیش تھا۔ مرابی سب سے زیادہ اپنے اس اکلوتے بچے سے محبت کرتا تھا۔ وہ لڑکے کی حفاظت اپنے گھر بار اپنے تنّو غلاموں، اپنے خوب صورت باغ، اپنے اونٹوں بیلوں، بھیڑوں، گدھوں اور اپنے تمام سونے سے زیادہ کرتا تھا۔ تیموز دس برس کا تھا اور حمیش اس سے ایک سال چھوٹا۔ وہ تقریباً ۳ سال سے اسکول جاتا تھا حمیش کا مدرسہ بڑے مندر کے پیچھے تھا۔ اس کے تمام استاد پجاری تھے۔ اسکول سے حمیش کا گھر کا راستہ صرف دس منٹ کا تھا۔ مگر اس کے ساتھ ہمیشہ ایک غلام اس کی دیکھ بھال کے لئے جاتا تھا اور جب مدرسے کی چھٹی ہوتی تو اس کو واپس گھر لاتا تھا۔

جب حمیش چھوٹا تھا تو اُسے غلام کے ساتھ مدرسے جانا اچھا لگتا تھا۔ مگر اپنی نویں سال گرہ پر وہ اپنے باپ مرابی کے پاس گیا اور کہا "ابا جان، اب میں یہ نہیں چاہتا کہ میرے ساتھ یعنی (غلام) اسکول جائے۔

مرابی نے یہ سنا تو اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا لئے اور چلّایا "ارے بیٹا تم کو راستے میں اونٹ چبا جائے گا یا کوئی بیل کسی چھت پر اُچھال دے گا۔" حمیش نے بہت سی چالیں اکیلے مدرسے جانے کے لئے چلیں مگر مرابی نے ایک نہ سنی اور کہا " بارھویں سال گرہ کے بعد تم کو اکیلے مدرسے جانے کی اجازت ملے گی۔"

دوسرے دن دوپہر کو حمیش نے مدرسے کے پجاری سے جلدی چھٹی لے لی اور غلام کے آنے سے پہلے ہی وہ گھر کی طرف اکیلا روانہ ہو گیا۔ لیکن اس ڈر سے کہ راستے میں غلام نہ مل جائے۔ اُس راستے سے نہیں گیا جس سے وہ روز گھر جاتا تھا۔ وہ شہر سے باہر نکل کر کھیتوں کھیتوں ٹیڑھی ترچھی پگڈنڈی پر ہو لیا ...... اور یہ سمجھا کہ ٹھیک راستے پر جا رہا ہے۔

لیکن تھوڑی دیر بعد ہی اسے پتہ چل گیا کہ وہ راستہ بھول گیا ہے۔ فوراً بُرے بُرے ڈراؤنے خیال اس کے دل میں آنے لگے۔ وہ بہت سے چھوٹے چھوٹے جنگلوں سے گذر چکا تھا۔ اب جو اُسے ہوش آیا تو واپس ہونے کی ٹھانی مگر پیچھے مڑا تو شہر کے میناروں کا کہیں پتہ تک نہ تھا۔ اب اُس نے دوڑنا شروع کیا۔ وہ خوفناک جنگلی جانوروں، چوروں اور بھوتوں کے ڈر سے روتا بھی جاتا تھا۔ جب اس کا ڈر اور خوف بڑھنے لگا تو وہ لانبی گھاس کے ایک بڑے سے میدان میں لیٹ گیا اور روتے روتے وہیں سو گیا۔

حمیش کے کھو جانے کی وجہ سے مرآبی کے شاندار محل میں ہل چل مچی تھی۔ رونے، چلانے اور چیخنے کی آوازیں حشر کا سماں تھا۔ اور ان آوازوں میں سب سے بڑی مالک مکان کے گرجنے کی آواز تھی جو کہہ رہا تھا "او گدھو میرا لڑکا کہاں ہے؟ تمھاری جانیں اُس کے بدلے میں لی جائیں گی۔ جاؤ شہر میں ڈھونڈو..... ہائے حمیش میرے پیارے بیٹے"

تیموز محل کی اس گڑبڑ اور ہل چل سے گھبرا کر کچھ دیر شہر کی سڑکوں پر گھوما کیا۔ پھر بابل کے باہر کھیتوں کی طرف نکل گیا۔ اس وقت سورج غروب ہو چکا تھا۔ اندھیرا چھا رہا تھا۔ چڑیاں گھونسلوں میں گھس چکی تھیں۔ آسمان پر ایک دھندلا سا ستارہ چمک رہا تھا۔ تیموز کھیتوں میں گھوما کیا اور کچھ دیر بعد اس کی نظر دو چڑیوں پر پڑی جو تیموز کی دائیں طرف بہت دور کھیت کے بیچ میں ایک جگہ پر پھیلائے کبھی نیچے آتیں کبھی اوپر جاتیں اور کبھی ایک دوسرے کی طرف جھپٹتی تھیں۔ دونوں چڑیاں غصے اور خوف سے بھری ہوئی چوں چوں کی آواز بھی نکال رہی تھیں۔ تیموز پہچان گیا کہ وہ جنگلی چڑیاں ہیں۔ گھاس میں اپنا گھونسلا بناتی ہیں وہ سمجھا کہ اُن کے گھونسلے کے پاس سانپ ہے۔ اس سے ڈر رہی ہیں۔ پھر اُس کے دل میں کوئی خیال آیا اور وہ اس لانبی گھاس میں چڑیوں کی طرف بہت تیزی سے لپکا۔ قریب پہنچا تو چڑیاں خوف اور غصے سے اسی طرح چوں چوں کرتی اُڑ گئیں۔ تیموز کی آنکھیں غصے سے کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ حمیش پڑا سو رہا تھا۔ اس نے حمیش کو جھنجھوڑا۔ وہ خوف سے چلا اُٹھا۔ تیموز نے کہا "ڈرتے کیوں ہو؟ میں ہوں میں۔ تمھاری وجہ سے گھر والے بہت پریشان ہیں۔ سب تمھیں ڈھونڈھ رہے ہیں۔ اور تمھارے لئے سر پیٹ رہے ہیں۔ آؤ جلدی چلو" اس نے حمیش کو کھڑا کیا اور دونوں گھر کی طرف روانہ ہوئے۔

حمیش نے آستین سے اپنے آنسو پوچھتے ہوئے پوچھا۔ کیا گھر مل جائے گا ہم تو کھو گئے ہیں؟"

"کھو گئے ہیں، واہ" تیموز نے ہنستے ہوئے کہا "میں ایک آنکھ بند کر کے واپس گھر جا سکتا ہوں"

جب وہ دونوں مرآبی کے محل کے قریب پہنچے تو تیموز چپکے سے اپنی کوٹھری میں چلا گیا اور اپنے باپ کو یہ قصہ سنانے لگا۔

وہ بمشکل چند لفظ کہنے پایا ہوگا کہ بڑے زور سے کوٹھری کا دروازہ کھلا اور مرآبی اندر داخل ہوا اس نے تیموز کو اپنے ہاتھوں میں اُٹھا لیا اور خوشی میں باربار پیار کرنے لگا۔ تیموز اس کی لمبی ڈاڑھی سے گھبرایا اور اُس کے ہاتھوں سے نکلنے کی کوشش کرنے لگا مرآبی نے پوچھا "بیٹا اس بہادری کا جو انعام چاہو مانگو۔ میں دینے کو تیار ہوں"

تیموز نے کہا "[illegible]

"میں پاک بیل کے سینگوں کی قسم کھا کر کہتا ہوں" مرابی نے ایک قہقہہ لگاتے ہوئے چلا کر کہا۔

"بس ؟" مرابی نے آنکھیں جھپکاتے ہوئے سوال کیا۔



حمیش کی واپسی

"اچھا تو میرے باپ گلش کو آزاد کر دیجیے!" تیمور ہمت کر کے بولا۔

"جی ہاں" "جناب کا بہت شکریہ" تیمور نے جواب دیا

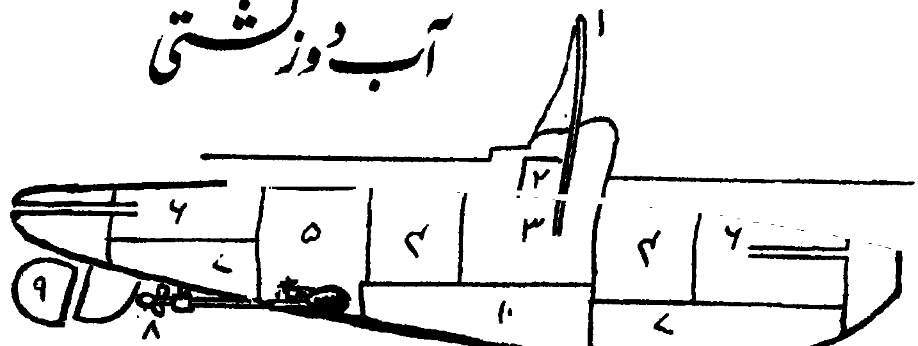
مرابی اپنے غلام کی طرف متوجہ ہوا اور کہا "گلشن تم آج سے آزاد ہو۔ کل سے تم میرے باغ کے نگراں مقرر کیے جاتے ہو۔ میں تمھارے لئے اس ڈربے کی جگہ ایک بہترین گھر بنوا دوں گا۔"

پھر مرابی نے تیموز کی طرف رُخ کیا اور ہنس کر کہا "تم بھی آزاد ہو۔ اسکول جانے کے لئے حبشی کا کوئی نہ کوئی ساتھی ہونا چاہیئے۔ اچھا تم آج سے اُس کے بھائی ہو اور میرے بیٹے۔"

جب تیموز بڑا ہوا اور ایک دولت مند تاجر بنا تو وہ اپنے غلاموں سے صرف پانچ سال کام لیتا اور اس کے بعد اُن کو آزاد کر دیتا تھا۔ وہ اپنے دوستوں سے اکثر ذکر کرتا "میں ایک زمانے میں غلام کا لڑکا تھا اور خود بھی غلام۔ میں نے کوڑوں اور زنجیروں کی مار دیکھی ہے اور میں جانتا ہوں کہ انسان کے لئے آزادی کتنی ضروری چیز ہے۔"



آج کل تم صبح کو کوئی اخبار پڑھو یا شام کو یا کسی
ریڈیو اسٹیشن سے خبریں سنو۔ تمھیں یہ ضرور بتایا
جاتا ہے کہ فلاں آب دوز کشتی نے فلاں مسافروں
کا یا مال کا یا جنگی جہاز تارپیڈو (TORPEDO) مار کر
تباہ کر دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ سائنس کی ایجادوں نے
لڑائی کا خاکہ ہی بدل دیا ہے۔ ایک زمانہ تھا جب
انسان آمنے سامنے لڑا کرتے تھے اُن میں جو زیادہ
طاقت ور یا اچھا شمشیر زن ہوتا تھا وہ اپنے دشمن



(۱) پیرسکوپ اور ایریل (۲) کپتان کا کمرہ آب دوز کشتی میں یہیں سے داخل ہوتے ہیں) (۳) انجن چلانے کا کمرہ (۴) ملاح اور جہازراں (۵) انجن (۶) تارپیڈو (۷) وہ حوض جس میں پانی اس غرض سے بھر لیا جاتا ہے کہ آب دوز اس کے وزن سے نیچے چلی جائے اوپر آنے کے لئے ان حوضوں سے پانی نکال دیا دیا جاتا ہے (۸) آب دوز کو آگے لے جانے والے پنکھے (۹) وہ پنکھا جو آب دوز کا رخ بدل دیتا ہے (۱۰) تیل پٹرول وغیرہ۔

غالب آجاتا تھا۔ پھر بندوق کی ایجاد نے بہادری اور دلیری دکھانے کے موقع بہت ہی کم کر دیئے۔ اگر ایک بچہ بھی تلو، دو سو گز کے فاصلے سے رائفل کا گھوڑا دبا دے تو نہ تمہارا رستم کچھ کر سکے گا نہ گاما۔ آگے چل کر جنگ کے طریقوں میں اور بھی تبدیلیاں ہوئیں۔ لوگ زمین کے علاوہ ہوا اور پانی پر بھی لڑنے لگے۔ اگر ہوائی لڑائی کے سلسلے میں وہ ہوائی جہاز ایجاد ہوئے جو بادلوں سے اونچے اڑ کر بم برسا سکیں تو سمندر پر لوگوں نے ایک دوسرے کے جہاز کو سامنے سے یا اوپر سے مار کر ڈبونے کا طریقہ نکالا علاوہ اس کے یہ بھی چاہا کہ نیچے سے پانی کے اندر ہی اندر دشمن کے جہاز کے نیچے پہنچیں اور اسے بارود سے اڑا دیں۔ بس اس ضرورت کا نتیجہ وہ آب دوز کشتیاں ہیں جن کی تباہ کاریوں کا حال روز دنیا دیکھتی اور سنتی ہے۔

آب دوز کشتی کی ایجاد کا خیال آج سے ۱۶۵ برس پہلے امریکہ والوں کو ہوا تھا اس وقت انگریزوں کا ایک جنگی جہاز "ایگل" (EAGLE) امریکہ کے مشرقی ساحل پر نیو یارک (NEW YORK) کی جانب اپنی بندوقوں کا رخ کئے کھڑا تھا۔ ایک طرف امریکہ والے انگلستان سے بغاوت کا اعلان کر چکے تھے اور دوسری طرف انگلستان توپوں اور بندوقوں کے ذریعے اپنی حکومت قائم رکھنے کا فیصلہ کر چکا تھا

ایک امریکن نے جس کا نام ڈیوڈ بشنیل (DAVID BUSHNELL) تھا۔ قومی غیرت سے مجبور ہو کر ایک چھوٹا سا جہاز بنایا اور اس کا نام ٹرٹل (TERTLE) رکھا۔ ٹرٹل جیسا کہ نام سے ظاہر ہے کچھوے کی شکل و صورت کا جہاز تھا اس کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ یہ پانی میں سیدھا یعنی اپنی پونچھ پر کھڑا ہو سکتا تھا۔ اس میں صرف ایک آدمی بیٹھ سکتا تھا یہی اس کا کپتان ہوتا تھا اور یہی اس کا جہاز راں۔ ٹرٹل دو چپوؤں کی مدد سے چلتا تھا۔ یہ چپو جہاز کے اندر سے چلائے جاتے تھے۔ ٹرٹل پانی کے اندر آدھ گھنٹے سے زیادہ نہیں رہ سکتا تھا۔ ٹرٹل کے جہاز راں کے لئے لازمی تھا کہ وہ ٹرٹل کو پانی میں لے جانے کے لئے پیندے کا حوض کھول دے تاکہ اس میں سمندر کا پانی بھر جائے اور پانی کے اس وزن کی وجہ سے جہاز پانی میں رہ سکے۔ اوپر آنے کے لئے اس حوض سے پانی نکال دینا ہوتا تھا۔ آج کل یہ پانی پمپ کے [illegible] بہت جلد نکال دیا جاتا ہے۔ لیکن ٹرٹل میں کوئی انتظام نہ تھا۔ ٹرٹل کے پیندے میں ناک سے پونچھ تک سیسے کا دو من سے زیادہ وزنی دُم [illegible] گیا تھا تاکہ وہ سمندر میں پانی کے زور سے الٹ [illegible] شاہ بلوط کی لکڑی کے دو [illegible] بھرے رکھے تھے۔ مقصد یہ تھا کہ [illegible] جہاز کے پیندے میں سوراخ کر کے [illegible] تارپیڈو لگائے اور جہاز کو اڑا دے۔ [illegible]

اُمیدوں کے ساتھ ٹرٹل انگریزوں کے "ایگل" جہاز کے نیچے پہنچا۔ لیکن ایگل پر تانبا چڑھا ہوا تھا اور اسی لئے ٹرٹل اپنے ارادوں میں کامیاب نہ ہو سکا اور تھوڑے عرصے بعد مع اپنے ایک ساتھی جہاز کے غرق ہو گیا۔

دُخانی جہاز کے موجد رابرٹ فلٹن (ROBERT FULTON) نے بھی آب دوز کشتی بنائی تھی لیکن وہ بھی کامیاب نہ ہو سکا۔ اس نے اپنی سب سے پہلی آب دوز کشتی نوٹیلس (NAUTILUS) کے نام سے ۱۸۰۰ء میں بنائی تھی۔ دوسرے سال فلٹن نے اسی نام سے ایک اور بہتر آب دوز کشتی بنائی اور تجربے کے لئے ایک ملاح کے ساتھ خود ہزاروں تماشائیوں کے سامنے اس میں بند ہو کر پانی کے نیچے اُترا۔ فلٹن کی یہ آب دوز کشتی بیس منٹ پانی کے اندر ہی رہی اور اسی دوران میں تجربے کے لئے اس نے ایک تارپیڈو بھی چلایا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب فرانس میں نپولین انگلستان سے لڑ رہا تھا اور انگلستان کے جنگی جہاز فرانس کے ساحل کی ناکہ بندی کئے ہوئے تھے۔ نپولین نے فلٹن کی ایجاد سے فائدہ اُٹھانا چاہا چنانچہ اس نے اعلان کیا کہ اگر فلٹن اپنی آب دوز کشتی سے انگریزوں کا دس توپوں والا سمندری جنگی جہاز تباہ کر دے گا تو اس کو ساٹھ ہزار فرینکس انعام دئے جائیں گے اور اگر وہ تیس توپوں سے زیادہ والے جہاز کو غرق کرے گا تو اُسے چار لاکھ فرینکس نذر کئے جائیں گے۔ چنانچہ فلٹن اپنی آب دوز کشتی میں مہینوں انگریزی جہازوں کا پیچھا کرتا رہا لیکن مسلسل ناکامیابی نے فلٹن کا جوش اور فرانسیسیوں کا اعتماد ختم کر دیا۔

بالآخر فلٹن نے انگلستان جا کر سرکاری حلقوں میں اپنی ایجاد کی نمائش کی۔ ولیم پٹ (WILLIAM PITT) جو اس وقت انگلستان کا وزیر اعظم تھا اس ایجاد سے بہت متاثر ہوا اور اسے یقین ہو گیا کہ وہ تباہ کاری کے اس آلے سے دنیا کا ہر سمندری بیڑا غارت کر سکتا ہے۔ پٹ کو اطمینان دلانے کے لئے فلٹن نے پٹ ہی کے گھر کے پاس پانی میں ایک بڑے مگر پرانے جہاز پر تارپیڈو آزما کر دکھایا۔ اس تارپیڈو میں صرف ۴۵ سیر بارود تھی۔ لیکن ایک دھماکے کے ساتھ پورا جہاز پانی سے اُٹھا اور دو ٹکڑے ہو کر ختم ہو گیا۔

پٹ کے مرنے کے بعد انگلستان والوں کو فلٹن سے کچھ زیادہ دلچسپی نہ رہی۔ انگریزی حکومت نے اتنا ضرور چاہا تھا کہ فلٹن اپنی ایجاد کو انگلستان کے ہاتھ فروخت کر دے۔ لیکن جواب میں فلٹن نے کہا "ممکن ہے کسی وقت میرے ہی ملک کو میری ان ایجادوں کی ضرورت پڑے اس لئے میں الفیں ۲۰ ہزار پونڈ کے عوض بھی فروخت کرنا گوارا نہیں کرتا۔"

۱۸۶۳ء میں امریکہ میں خانہ جنگی شروع ہو گئی۔ جنوبی ریاستوں کی طرف سے ایک آب دوز کشتی ہنڈلے (HUNDLEY) کے نام سے بنائی گئی۔ یہ کشتی سطح

کے قریب ہی صرف تھوڑی دیر تک پانی میں رہ سکتی تھی۔ ۱۸۶۴ء میں فروری کی ایک سرد رات کو اس آب دوز نے چارلس ٹاؤن کے بندرگاہ میں گھس کر دشمنوں کے ایک جنگی جہاز ہاؤساٹانک (HOUSATONIC) پر تارپیڈو مارا۔ تاریخ میں آب دوز کشتی کی سب سے پہلی کامیابی یہی تھی مگر ہنڈلے بھی سمندر کی تہہ میں اپنے ہی مارے ہوئے تارپیڈو کی زد سے باہر نہ نکل سکا اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے غرق ہوگیا۔

خانہ جنگی ختم ہو جانے کے بعد امریکہ میں کسی نے آب دوز کشتی کی طرف زیادہ توجہ نہ کی۔ آب دوز کشتی بنانے والوں کی راہ میں ایک بڑی مشکل یہ تھی کہ وہ پانی کے اندر کشتی کو آگے پیچھے چلانے کا کوئی انتظام نہیں کر سکتے تھے۔ دوسری مشکل یہ تھی کہ وہ آب دوز کشتی میں دُخانی یعنی بھاپ کا انجن استعمال نہیں کر سکتے تھے۔ بھاپ کا انجن چلانے کے لئے کافی ایندھن اور ہوا کی ضرورت ہوتی ہے اور کافی ایندھن اور ہوا کے لئے اس چھوٹی سی کشتی میں جگہ نکالنا مشکل تھا۔

لیکن ایک وقت آیا جب یہ مشکلیں بھی آسان ہوگئیں بھاپ کے انجنوں کی جگہ تیل کے انجنوں نے لے لی۔ تیل کے انجن زیادہ وزنی نہیں ہوتے اور جہاز میں تیل رکھنے کے لئے زیادہ جگہ کی بھی ضرورت نہیں ہوتی چنانچہ آب دوز کشتی سطح پر اوپر رہنے کے لئے یہی تیل کے انجن استعمال کرنے لگی۔ اب رہا سطح کے نیچے رہ کر کشتی چلانے کا سوال تو اس کا بھی ایک حل نکل آیا۔ لوگوں نے معلوم کیا کہ اگر وہ پانی کے اندر کشتی چلانے کے لئے بیٹری سے چلنے والا بجلی کا موٹر استعمال کریں تو انھیں زیادہ ہوا فراہم کرنے کی بھی ضرورت نہیں رہے گی۔

ان سہولتوں کے فراہم ہو جانے پر ایک شخص سائمن لیک (SIMON LAKE) نے اس مال واسباب کو باہر نکالنے کا فیصلہ کیا جو جنگ کے دوران میں سمندر کی نذر کیا جا چکا تھا۔ اس مقصد کے لئے اس نے ۱۸۹۴ء میں آرگوناٹ جونیئر (ARGONAUT JUNIOR) کے نام سے چودہ فیٹ لمبی ایک آب دوز کشتی بنائی اور اس غرض سے کہ وہ سمندر کی تہہ پر بآسانی چل سکے اس میں پہیے بھی لگا دئے اس کے پیندے میں ایک ایسا راستہ بھی بنا دیا گیا تھا جس سے غوطہ خور نکل کر سمندر کی تہہ میں اپنا کام کر سکے۔ تجربے پر گو یہ آب دوز کشتی ۲۰ فیٹ سے زیادہ نیچے نہیں پہنچ سکی تاہم اپنی جگہ بہت کامیاب تھی۔ لیک نے دو کشتیاں اور بنائیں اور یہ اتنی بڑی تھیں کہ ان میں ملاحوں کے سونے کے لئے بھی جگہ تھی اور اتنی ہوا کی بھی اُن میں گنجائش تھی کہ ۴۸ گھنٹے کے لئے کافی ہو سکے۔ ان میں سے ایک آب دوز کشتی روس نے خرید کر دلاڈیسواسٹک منگوا لی۔

لیکن موجودہ آب دوز کشتی کا حقیقی موجد جان پی ہالینڈ (JOHN. P. HOLLAND) تھا۔ یہ آئرلینڈ کا

باشندہ تھا اور ۱۸۴۱ء میں پیدا ہوا تھا۔ جوانی ہی میں ہالینڈ امریکہ چلا گیا تھا یہاں اس نے سات آب دوز کشتیاں بنائیں۔ لیکن زیادہ کامیاب نہ ہو سکا۔ آخر ۱۸۹۸ء میں اس نے اپنے ہی نام پر "ہالینڈ نمبر ۸" (HOLLAND No 8) ایک آب دوز کشتی بنائی۔ یہ کشتی پانی میں بالکل ایک مچھلی کی طرح تیر سکتی تھی اور بہ یک وقت پندرہ سو میل کے لئے ایندھن اپنے ساتھ رکھ سکتی تھی۔ اب لوگ سمجھ گئے کہ آب دوز کشتی کا زمانہ آگیا ہے۔ چنانچہ ریاستہائے متحدہ امریکہ، انگلستان، جاپان اور جرمنی نے ہالینڈ سے آب دوز کشتیوں کی تجاویز اور انھیں بنانے کا حق خرید لیا اور بہتر سے بہتر آب دوز بنانے کی کوشش کرنے لگے ۱۹۱۴ء میں جنگ عظیم شروع ہوئی اور اسی کے ساتھ ساتھ آب دوز کشتیاں بھی اپنا حق ادا کرنے لگیں۔ ہالینڈ اپنی ایجاد کی یہ ترقی یافتہ صورتیں نہ دیکھ سکا اعلانِ جنگ سے دو ہفتے پیشتر وہ ہماری دنیا چھوڑ چکا تھا۔

آب دوز کشتیوں میں پٹرول کا انجن بہت زیادہ خطرے کی چیز تھا کیونکہ پٹرول میں آگ بہت جلد لگ جاتی ہے لیکن یہ خطرہ بہت جلد مٹ گیا۔ جرمنی میں ایسے انجن ایجاد ہو گئے جو بہت ادنیٰ درجے کے تیل سے بہت زیادہ طاقت پیدا کر سکیں یہ انجن "DIESEL OIL ENGINE" کہلاتے ہیں

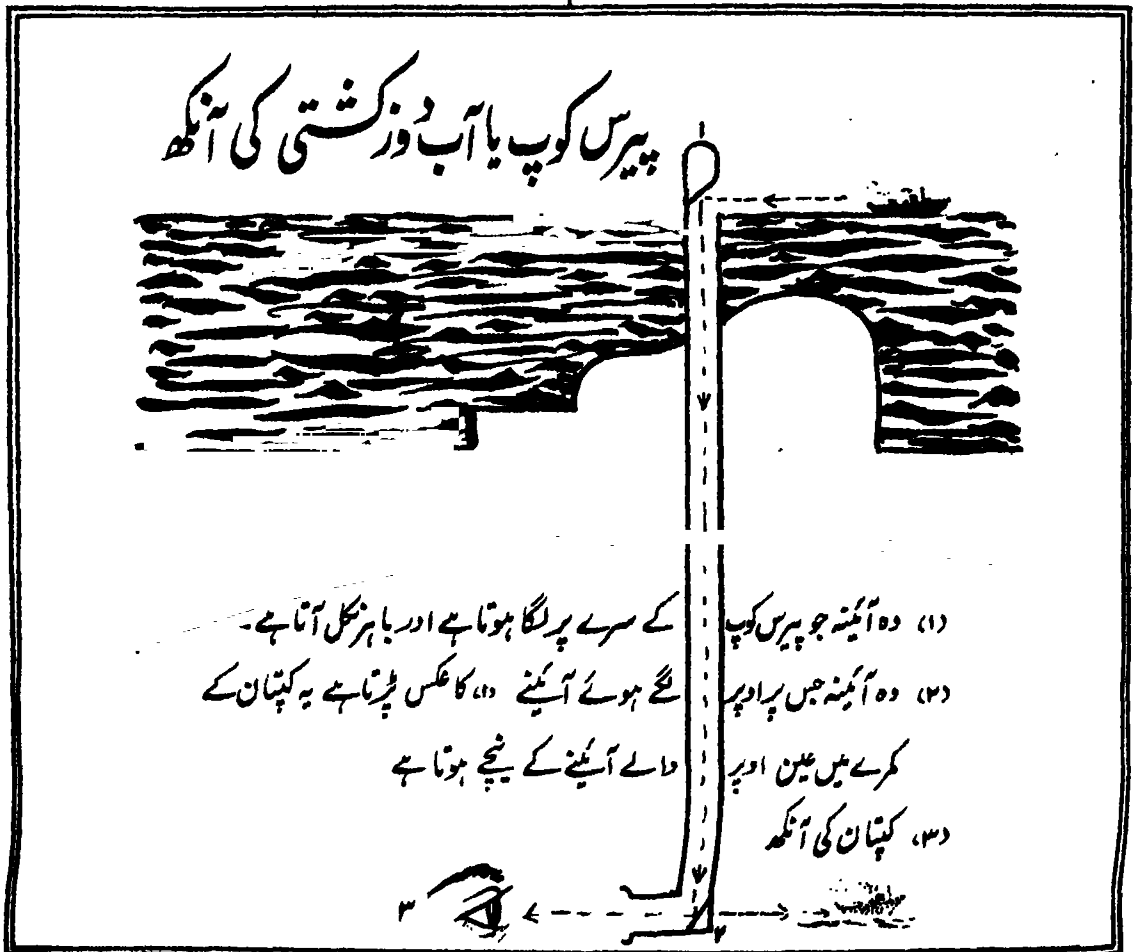
پچھلی جنگ میں جرمنی کو برطانیہ کا مقابلہ کرنا تھا۔ برطانیہ کی سمندری طاقت جرمنی سے بہت بڑھی چڑھی تھی اس لئے جرمنی نے اپنی تمام تر توجہ آب دوز کشتیوں پر صرف کی۔ لڑائی میں جتنا وقت گذرتا گیا اتنی ہی بڑی اور تیز رفتار آب دوز کشتیاں بھی بنتی گئیں۔ جرمنی کی آب دوز کشتیاں عموماً سو گز لمبی ہوتی تھیں۔ اُن کی رفتار کوئی ۲۰ میل فی گھنٹہ ہوتی تھی

آب دوز کشتیوں کے لئے ایک خطرہ یہ بھی تھا کہ وہ پانی میں نیچے اُترتے اُترتے کہیں پانی کے دباؤ سے وہیں دب کر نہ رہ جائیں۔ چنانچہ انھیں سگار کی شکل کا بنایا گیا تاکہ پانی کا دباؤ ان پر زیادہ اثر نہ کر سکے۔ پیندے میں ایک وزنی دھرا بھی لگا دیا گیا تھا تاکہ یہ سمندر میں آسانی سے الٹ نہ جائیں۔ ساتھ ہی ساتھ آب دوز کشتی اپنے وہ پنکھ برابر چلاتی رہتی ہے جو اسے پانی میں دائیں بائیں یا اوپر نیچے لیجا سکتے ہیں کیونکہ کشتی ۲۰۰ فیٹ سے زیادہ گہرائی پر پہنچ کر پانی کے دباؤ کے باعث خطرے میں پڑ جاتی ہے۔

جرمن آب دوز کشتی ایک دن میں اوسطاً تین گھنٹے پانی کے اندر رہ سکتی تھی اُسے بار بار سطح پر آکر تیل کا انجن چلانا پڑتا تھا تاکہ وہ پانی کے اندر بجلی کا موٹر چلانے کے لئے اپنی بیٹری دوبارہ بھر سکے

بعد میں اتنی بڑی بڑی آب دوز کشتیاں بنائی جانے لگیں کہ ان میں چالیس چالیس آدمی بیٹھ سکیں۔ ایک لطف کی بات یہ ہے کہ آب دوز کشتیوں کے لئے

موٹے تازے آدمی کبھی پسند نہیں کئے گئے۔ آب دوز کشتی میں بیٹھنے والوں کو بالخصوص سردی کے موسم میں یا اس وقت جب انھیں برف سے ڈھکے ہوئے پانی میں جانا ہوتا ہے بہت سے گرم کپڑے پہننے پڑتے



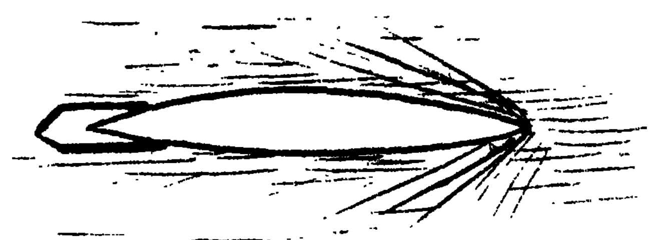
ہیں اور موٹا آدمی اتنے کپڑے پہن کر اتنا موٹا ہو جاتا ہے کہ وہ آب دوز کشتی کے دروازے سے گذر بھی نہیں سکتا۔

کپتان کے کمرے میں تین چار اور لوگ بھی بیٹھ سکتے ہیں اسی کمرے میں سمتیں معلوم کرنے کے لئے قطب نما ہوتا ہے اور یہیں عموماً آب دوز کشتی کی آنکھیں ہوتی ہیں۔ یہ آنکھیں پندرہ پندرہ۔بیس بیس فیٹ لمبی نالیاں ہوتی ہیں ان کے سرے پر ایسے شیشے لگے ہوتے ہیں جو پانی سے باہر نکلتے ہیں اور آب دوز کے اندر بیٹھنے والوں کو باہر کی تیرہ تیرہ میل کی تمام چیزیں دکھا دیتے ہیں۔ ان آنکھوں کو "پیرس کوپس" (PERISCOPES) کہتے ہیں۔

جب تک پیرس کوپ پانی کے اندر رہتا ہے اس وقت تک آب دوز کشتی سمندر کی سطح کے اوپر کی دنیا سے بالکل بے خبر رہتی ہے اور وہ وقت جب آب دوز کشتی اپنی پیرس کوپ سطح تک پہنچانے کے لئے اوپر اٹھتی ہے بہت خطرناک ہوتا ہے یہ ہر وقت ممکن ہے کہ پیرس کوپ کسی جہاز کے پیندے سے ٹکرا جائے یا کسی جنگی جہاز سے اس قدر قریب نکلے کہ وہ فوراً اسے دیکھ کر آب دوز کشتی پر بم پھینک دے جب پیرس کوپ سطح سے باہر نکل آتا ہے اس وقت بھی خطرہ ہی خطرہ رہتا ہے۔ کیونکہ پیرس کوپ سمندر میں ایک لکیر بناتا چلتا ہے جسے دوسرے جہاز دیکھ کر آب دوز کشتی کے موجود ہونے کا پتہ لگا لیتے ہیں اور پھر ڈوبنے سے پہلے ہی اس کا قلع قمع کر دیتے ہیں۔ ان خطروں سے محفوظ رہنے کے لئے جرمنوں نے ایک ایسی پیرس کوپ بنائی جو ضرورت کے وقت تو ایک لیور (LEVER) کی مدد سے اٹھ جاتی تھی اور خطرے کے وقت نیچے گر جاتی تھی۔

آب دوز کشتی کی اغل بغل میں وہ نالیاں ہوتی ہیں جن سے تارپیڈو مارا جاتا ہے۔ ان نالیوں میں سے دو چار ہر وقت بھری رہتی ہیں پانی روکنے کے لئے ان نالیوں کے سرے پر ایک ٹوپی لگی ہوتی ہے ضرورت کے وقت ٹوپی ہٹا کر ہوا کے دباؤ کے ذریعے تارپیڈو چلا دیا جاتا ہے۔

تارپیڈو



تارپیڈو پندرہ فیٹ سے بیس فیٹ تک لمبا ہوتا ہے۔ اور بالکل سگار کی شکل کا ہوتا ہے درحقیقت تارپیڈو بذاتِ خود ایک چھوٹی سی موٹر سے چلنے والی کشتی ہوتی ہے۔ آب دوز کشتی سے نکلتے ہی اس کا اپنا انجن کام کرنے لگتا ہے اور یہ سمندر میں

سطح سے پندرہ فیٹ نیچے چالیس میل فی گھنٹہ کی رفتار سے سفر کرتا ہے۔ انجن کے ساتھ تارپیڈو میں دو پنکھے بھی اسے پانی میں آگے بڑھانے کے لئے لگے ہوتے ہیں۔ تارپیڈو کے اگلے حصے میں قریب پانچ من بارود بھری ہوتی ہے

تارپیڈو چونکہ بہت قیمتی ہوتا ہے اس لئے بعد کے زمانے میں آب دوز کشتیاں چھ چھ انچ چوڑی نال رکھنے والی توپیں بھی اپنے ساتھ رکھنے لگیں تاکہ اگر سطح کے اوپر ہی جنگ کا موقع آجائے تو تارپیڈو کی جگہ ان توپوں کو استعمال کیا جا سکے۔

یہ آب دوز کشتیاں ریڈیو کے ذریعے اپنے اڈوں سے ہدایات منگا لیتی ہیں۔ رات کو سطح پر آکر ایریل وغیرہ لگا کر انھیں لاسلکی پیغام بھیجنے اور منگانے کی آزادی ہے۔ دوبارا غوطہ مارتے وقت ایریل وغیرہ گرا لئے جاتے ہیں۔ بعض کشتیوں کی نعقوں میں تیز چاقو بھی لگے ہوتے ہیں تاکہ یہ کشتیاں تاروں کے اس جال کو کاٹ کر گذر سکیں جو دشمن سمندر میں انھیں روکنے کے لئے لگا دیتا ہے۔

آب دوز کشتیوں کی کاریگری میں انگریز بھی کچھ پیچھے نہیں رہے۔ انھوں نے ایک کشتی ۱۹۰ فٹ لمبی بنائی تھی۔ یہ کشتی پانی کی سطح پر بھاپ کے انجنوں سے چلتی ہے اور غوطہ لگاتے وقت دھواں نکالنے کی چمنیاں موڑ لیتی ہے۔ پانی کے اندر یہ کشتی دوسری کشتیوں کی طرح بجلی کے موٹر سے چلتی تھی۔ انگریزوں نے اس سے بھی زیادہ ایک اور حیرت ناک آب دوز کشتی ساحلی قلعوں پر بمباری کے لئے بنائی تھی اس آب دوز کشتی پر ایک فٹ چوڑی نال کی توپ چڑھائی گئی تھی۔

ترقی کرتے کرتے اب آب دوز کشتی اس منزل پر پہنچ گئی ہے کہ دو دو دن پانی کے نیچے پڑی رہتی ہے۔ اور اب سانس لینے کے لئے ہوا فراہم کرنے میں بھی کوئی دشواری نہیں ہوتی۔ ہم سانس کے ذریعے جب ہوا اندر سے کر باہر خارج کرتے ہیں تو ہوا کی کچھ آکسیجن (OXYGEN) ہمارے پھیپھڑوں میں خون صاف کرنے میں صرف ہوجاتی ہے یہ پہلے ہی معلوم ہوچکا تھا کہ پوٹاش (POTASH) ناک سے نکلی ہوئی ہوا میں سے کاربن ڈائی آکسائڈ (CARBON DIOXIDE) جذب کرلیتی ہے۔ چنانچہ صاف ہوا فراہم کرنے کے لئے آب دوز کشتیوں میں پوٹاش رکھا جانے لگا۔ اور ساتھ ہی ساتھ ٹنکیوں میں کچھ آکسیجن گیس بھی بھرنے لگے۔ اب ہوتا یہ ہے کہ ناک سے باہر نکلی ہوئی ہوا کے زہریلے اثرات تو پوٹاش ختم کر دیتی ہے اور آکسیجن کی کمی پوری کرنے کے لئے آکسیجن کی ٹنکیوں سے مدد لے سکتے ہیں۔ اس طرح آب دوز کشتی میں دم گھٹ کر مرجانے کا امکان بالکل ختم ہوگیا۔ غوطہ خور کو بھی اب کوئی دشواری نہیں رہی۔ پہلے غوطہ خور کو پانی کے نیچے آب دوز کشتی کی مرمت کے لئے نکلتے وقت ایک

ایسی نلی ناک پر لگانی پڑتی تھی جس کا دوسرا سرا آب دوز کشتی میں ہوا کی ٹنکی سے ملا ہوا ہوتا تھا ۔ لیکن اب یہ جھنجھٹ باقی نہ رہا۔ غوطہ خور اس ٹوپ میں جو اسے پہننا پڑتا تھا یہی پوٹاش کی تھیاں رکھ کر پانی میں اُتر جاتا تھا اور وہ ہوا جو ایک مرتبہ ناک سے خارج ہو جاتی تھی پھر دوبارہ پوٹاش سے صاف ہو کر اس قابل ہو جاتی تھی کہ سانس لینے کے لئے استعمال ہو سکے۔

جنگ عظیم کے ابتدائی زمانے میں تو آب دوز کشتی کی خوب مزے میں گذری ۔ لیکن تھوڑے دنوں میں آب دوز کشتی کے بھی دشمن پیدا ہو گئے اور تمھیں تعجب ہوگا کہ آب دوز کشتیوں کی دشمن آب دوز کشتیاں ہی تھیں ۔ یہ کشتیاں بہت چھوٹی اور بہت زیادہ تیز رفتار تھیں ۔ آب دوز کشتیاں ان چھوٹی چھوٹی دشمن آب دوز کشتیوں پر تار پیڈو مارنا تو یوں بے کار سمجھتی تھیں کہ تار پیڈو اکثر ان پر صحیح نہیں لگتا تھا ۔ پھر یہ چھوٹی چھوٹی اور ہلکی کشتیاں سمندر کے اوپر ہی اوپر تیرتی رہتی تھیں اور تار پیڈو اپنا کام پانی کے اندر کم سے کم ۱۵ فیٹ کی گہرائی میں کر سکتا ہے ۔ اگر وہ پانی میں زیادہ اوپر اُٹھ آئے تو موجوں کے زور سے اُلٹ پلٹ ہو جاتا ہے ۔ یہی نہیں بلکہ ان دشمن کشتیوں کے خوف سے آب دوز کشتی کو اپنی آنکھیں یعنی پیرِسکوپ استعمال کرنے کی بھی ہمت نہ ہوتی تھی کیونکہ جہاں قریب کی کسی کشتی نے پیرِسکوپ دیکھا اور بس وہیں بم مار دیا

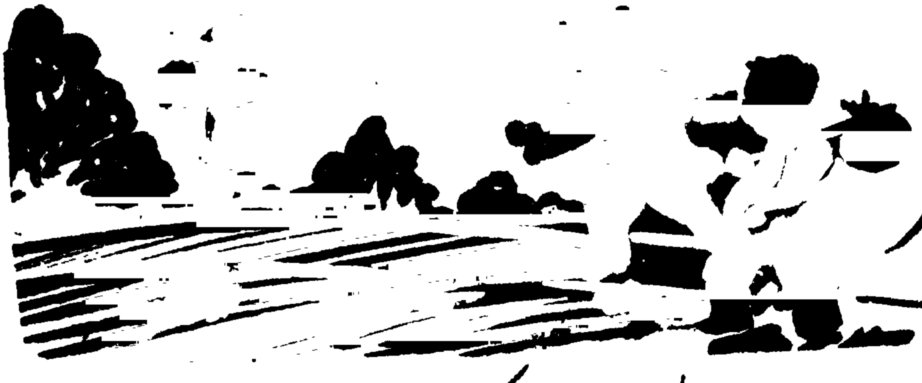
جنگ عظیم میں آب دوز کشتیوں کے شکار کے لیے انگریزوں نے ایک بڑی دلچسپ حرکت کی تھی ۔ انھوں نے بعض سمندری پرندوں کو آب دوز کشتیوں کا پیچھا کرنا سکھا دیا تھا ۔ پرند یا ہوائی جہاز اوپر سے پانی میں ۵۰ فیٹ کی گہرائی تک صاف دیکھ سکتے ہیں ان چڑیوں کو جاسوسی سکھانے کا طریقہ بھی عجیب و غریب تھا ۔ انگریز سطح پر آکر اپنی آب دوز کشتیوں کے باہر کے حصے پر ان چڑیوں کے کھانے کے لئے کچھ چیزیں ڈال دیتے تھے ۔ چڑیاں کھانے کے لالچ میں ہر آب دوز کشتی کے ساتھ ساتھ اُڑنا سیکھ گئیں اسی طرح انگریز ملاحوں نے سیل مچھلیوں کو بھی آب دوز کشتیوں کا پیچھا کرنا سکھا دیا تھا ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پرند اور مچھلیاں آب دوز کشتیوں کی جاسوسی میں مدد دینے لگے اور ان جہازوں کا تو کہنا ہی کیا جو کنارے کے قریب آب دوز کشتیوں کو تاکنے کے لئے اُڑا کرتے تھے ۔ یہ جہاز آب دوز کشتی کو دیکھتے ہی چھوٹی چھوٹی پیچھا کرنے والی کشتیوں کو اشارہ کر دیتے تھے اور اس طرح آب دوز کشتی کی زندگی اب واقعی بڑی مصیبت کی زندگی ہو گئی۔

مال کے جہازوں نے بھی آب دوز کشتیوں سے محفوظ رہنے کی عجیب عجیب ترکیبیں نکالیں ۔ اول تو مال کے جہازوں نے سمندر میں سیدھ باندھ کر چلنا چھوڑ دیا بلکہ سانپ کا سا راستہ بنا کر چلنا سیکھا جس کی وجہ سے تار پیڈو کا نشانہ پر لگنا دشوار ہو گیا

پھر ان جہازوں نے اپنے پیچھے دھوئیں کے بادل اُڑانے کی سوچی جس کی وجہ سے آب دوز کشتی پیچھے سے انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی تھی۔ اس سے بھی دلچسپ یہ کہ اپنے پیچھے سمندر کی سطح پر دھوئیں کے ساتھ ساتھ تیل اور کولتار بچھاتے چلتے تھے چنانچہ آب دوز کشتی جب بھی اپنی آنکھیں یا پیریس کوپس اُوپر اُٹھاتی تو یہ تیل اور کولتار اس پر چپک جاتا اور آب دوز کشتی اندھی ہو جاتی تھی۔ لیکن اس اندھے پن سے محفوظ رہنے کے لئے آب دوز کشتی نے اپنی آنکھوں کے قریب ایک ایسا فوارہ لگا لیا جو تیل وغیرہ کو دھو کر پھر شیشوں کو صاف کر دیتا ہے

آب دوز کشتیوں کو تباہ کرنے کے لئے ایسے بم بھی ایجاد کئے گئے جو پانی میں اِدھر اُدھر ہٹے بغیر سیدھے اُترتے چلے جائیں۔ ان بموں میں ایک خاص بات یہ بھی ہے کہ جس جگہ یہ پھٹتے ہیں وہاں سے سو سو فیٹ دائیں بائیں اوپر نیچے آب دوز کشتی کے لئے خطرہ ہی خطرہ ہے۔

آب دوز کشتیوں کا پتہ لگانے کی ترکیبوں پر ہمیشہ دنیا والے غور کرتے رہے ہیں۔ چنانچہ اس سلسلے میں امریکہ کے موجدوں نے پانی میں آواز پکڑ لینے والے آلے (HYDROPHONES) ایجاد کر کے دنیا کی غارت گری کو کم کرنے کی بہت کچھ کوشش کی ہے۔ یہ آلے میلوں سے آب دوز کشتی کے انجن کی آواز معلوم کر لیتے ہیں اور یہ پتہ بھی لگا لیتے ہیں کہ آب دوز کشتی کس طرف جا رہی ہے ٭



میرا سفر

چمن لال صاحب جرنلسٹ

(دہلی سے نیویارک)

(۳)

پہلی جون کی صبح کو ۷ بجے ہمارا جہاز بندرگاہ سوئز پر پہنچ گیا بمبئی کے بعد پہلی بار ہمارا جہاز یہاں دو گھنٹے ٹھہرا۔ جہاز کے لنگر ڈالتے ہی درجنوں کشتیاں آس پاس آگئیں ایک کشتی رسوں کے ذریعے جہاز پر چڑھائی گئی یہ پورٹ سعید تک جہاز ہی میں رہی۔ کشتیوں میں اخبار تصویریں اور دوسرا سامان بیچنے والے تھے۔ یہ ہر چیز کے دام چار گنا مانگتے تھے مگر دو ہی منٹ میں چار شلنگ سے ایک شلنگ پر آجاتے تھے۔ میں نے کئی درجن تصویریں خریدیں بہت جھگڑنے پر ایک شلنگ فی درجن قیمت طے ہوئی۔ مگر پورٹ سعید پر آکر معلوم ہوا کہ میں نے اُن کے چار گنے دام دئے ہیں۔

یہاں ہندوستانی سکوں کو انگریزی سکوں سے بدلنے والے بہت سے صراف بھی آئے۔ پولیس بھی آئی ایک ڈاکٹر بھی معائنے کے لئے آیا اگرچہ اس نے معائنہ نہیں کیا اور چائے پی کر چلا گیا۔

ہم لوگوں کو جہاز سے اُترنے کی اجازت نہیں ملی مجبوراً جہاز کے عرشے ہی سے شہر سوئز پر نظر ڈالی۔ بہت اچھا اور خوب صورت شہر معلوم ہوتا ہے۔ یہاں سے پورٹ سعید تک جہاز کو نہر میں سے گذرنا پڑتا ہے اور کوئی دس گھنٹے میں یہ فاصلہ طے ہوتا ہے۔ مصر کا مشہور شہر قاہرہ جو اس ملک کا دارالسلطنت ہے یہاں سے کل ۸۰ میل کے فاصلے پر ہے ہمارے بہت سے ساتھی یہاں اُتر گئے اور ریل یا موٹر کے ذریعے قاہرہ پہنچ گئے۔ وہاں انھوں نے قاہرہ اور اہرام مصری کی سیر کی اور شام کو پورٹ سعید میں ہم سے آملے۔ اکثر مسافر آتے یا جاتے پورٹ سعید یا سوئز اُتر کر قاہرہ چلے جاتے ہیں۔ اور دوسرے بندرگاہ پر آجاتے ہیں۔ اس طرح صرف تھوڑے سے داموں (کوئی ۶ پونڈ) میں انھیں مصر اور اہرام مصر دیکھنے کا موقع مل جاتا ہے۔

سوئز سے قاہرہ تک پکی سڑک بھی ہے اور چند میل تک نئی دہلی کی سڑکوں کی طرح اسفالٹ کی ہے۔ باقی سڑک بھی اسفالٹ کی بنی ہوئی ہے یہ ایک ریتلے میدان سے ہو کر گذرتی ہے

درخت کا کہیں نام نشان نہیں۔ نہ آبادی ہے۔ سڑک پر کام کرنے والے مزدوروں کے لئے کھانے کا سامان اور پینے کا پانی قاہرہ سے آتا ہے کوئی ۷۰، ۸۰ سال ہوئے یہ سڑک خدیو اسمٰعیل پاشا نے حاجیوں کے لئے بنائی تھی جب نہر سوئز نکالی گئی تو اسے پختہ کر دیا گیا اور برابر اچھی حالت میں رکھی جاتی ہے۔ اب ہر ۸ میل پر پولیس کی چوکی بھی ہے اس لئے آنے جانے والوں کے لئے کسی قسم کا خطرہ نہیں ہے۔

اس نہر کی تاریخ بہت پرانی ہے۔ سب سے پہلے تیرھویں صدی قبل مسیح یعنی آج سے کوئی ۳۲۴۰ سال پہلے فرعون ثانی نے اس کی بنیاد ڈالی اور دریائے نیل سے بحر احمر تک نہر کھودنا شروع کی مگر کام یکایک بند کر دیا گیا پھر چھٹی صدی قبل مسیح فرعون "نیکو" نے ایک لاکھ مزدور لگا کر اس کام کو دوبارا شروع کیا۔ پانچویں صدی قبل مسیح میں دارا شاہِ فارس نے مصر فتح کرنے کے بعد اسے مکمل کیا لیکن ایک زمانے کے بعد یہ ریت سے بھر گئی۔ پہلی صدی عیسوی میں رومن شہنشاہ طرجان نے اسے صاف کرایا۔ دسویں صدی عیسوی میں وینس کی حکومت نے اس نہر کو صاف کرایا اس کے بعد یہ پھر ریت سے بھر گئی اٹھارھویں صدی میں نپولین نے اس کی پیمائش ایک فرانسیسی انجینیر سے کرائی آخر ۱۸۵۴ء میں شاہِ مصر نے ایک فرانسیسی انجنیر موسیو فرڈی نینڈ کو موجودہ نہر بنانے کی اجازت دی۔

سوئز نہر کی وجہ سے اب اس قدر مشہور اور اہم بندرگاہ ہے لیکن نہر بننے سے پہلے یہاں ایک معمولی سا گاؤں تھا۔ گاؤں والوں کا پیشہ مچھلیاں پکڑنا تھا پینے کے پانی کی بہت دقت تھی۔ سوئز سے قریب چند کنوئیں تھے گاؤں والوں کو یہاں سے پانی خریدنا پڑتا تھا۔ اب یہاں پانی پینے کی ایک نہر ہے جو قاہرہ سے اسمٰعیلیہ (شہر) ہوتی ہوئی یہاں آتی ہے اور یہاں سے نہر سوئز کے ساتھ ساتھ پورٹ سعید تک جاتی ہے۔ اس نہر کی وجہ سے پانی کی افراط ہو گئی ہے اب سوئز کی آبادی کوئی ۴۰ ہزار ہوگی

سوئز میں ہمیں ایک بڑا سا مجسمہ نظر آیا دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ لفٹنٹ وگھارن ایک برطانوی افسر کا مجسمہ ہے۔ اس نے ۱۸۳۷ء میں یہاں ہندوستان کے لئے پہلی بار خشکی کی ڈاک کا راستہ معلوم کیا اس نے حکومت برطانیہ سے درخواست کی کہ سوئز سے ایک نہر نکالی جائے۔ مگر انگریزی حکومت نے اس کی سخت مخالفت کی تمھیں یہ سن کر بہت تعجب ہو گا کہ انگریزی حکومت جو آج کل اس نہر سے سب سے زیادہ فائدہ اٹھا رہی ہے پہلے سوئز میں نہر بنانے کی سخت مخالف تھی۔ وگھارن بے چارا اپنے مقصد میں ناکام بہت کس مپرسی کی حالت میں مرا۔ مگر موسیو فرڈی نینڈ ایک فرانسیسی انجینیر نے ۱۸۶۹ء میں یہ نہر مکمل کی تو اس برطانوی افسر کا مجسمہ بھی بنایا۔ وگھارن واقعی اس عزت و عظمت اور ناموری کا مستحق تھا لیکن یہ عزت اسے اپنے ملک والوں سے نہیں بلکہ ایک غیر ملک کے قدر دان کی بدولت نصیب ہوئی۔

۱۸۵۵ء میں موسیو فرڈی نینڈ خود انگلستان گیا

انگریزوں کے سامنے اس نہر کے فائدے بیان کئے۔ اور نہر بنانے والی کمپنی کے حصے خریدنے کی درخواست کی لیکن اس کی درخواست نامنظور کر دی گئی۔ آخر سعید پاشا بادشاہِ مصر اور فرانسیسی حکومت کی مدد سے موسیو فرڈی نینڈ نے یہ کام شروع کر دیا۔ ۱۸۶۹ء میں نہر مکمل ہوئی ۱۷ نومبر ۱۸۶۹ء کو ۸ بجے صبح اس کا افتتاح کیا گیا۔ ۸۰ جہازوں کا ایک شاندار جلوس پورٹ سعید سے نہر میں داخل ہوا آگے فرانسیسی شاہی جہاز تھا اس میں ملکہ فرانس سوار تھی پیچھے شاہانِ آسٹریا، جرمنی، ہالینڈ۔ امیر عبدالقادر اُمرائے آسٹریا، ہنگری، روس اور سب سے آخر میں خدیو مصر کے جہاز تھے۔

غرض انیسویں صدی کا یہ سب سے بڑا اور سب سے مفید کارنامہ ایک مشرقی بادشاہ کی امداد کی بدولت ایک فرانسیسی انجینیر کے ہاتھوں تکمیل کو پہنچا۔ موسیو فرڈی نینڈ کا شاندار مجسمہ پورٹ سعید میں ہے۔ جو سفر میں آج دس دن میں کر رہا ہوں یہ اسی جہاز سے پہلے کئی مہینوں میں طے ہوتا تھا۔ پہلے راستے سے لنڈن اور کلکتہ کے درمیان تیرہ ہزار میل کا فاصلہ تھا اب کل آٹھ ہزار میل رہ گیا ہے پہلے وینس سے بمبئی چھ ہزار میل تھا اب سوئز کے راستے سے تقریباً چار ہزار میل ہے۔

نہر سوئز کی کل لمبائی ۱۰۰½ میل ہے چوڑائی ۲۰۰ فٹ سے لے کر ۳۲۵ فٹ تک ہے۔ گہرائی ۳۵ اور ۴۰ فٹ کے درمیان ہے نہر کی آمدنی تمام خرچ نکالنے کے بعد ۵ اور ۶ کروڑ کے درمیان ہے۔ جو جہاز نہر سے گذرتا ہے اُسے ۸½ گولڈ فرانک فی ٹن کے حساب سے کمپنی کو دینا پڑتا ہے ہمارا جہاز سترہ ہزار ٹن کا ہے اور اس پر ۲۳۰ مسافر ہیں اس جہاز سے کمپنی کو دو ہزار پونڈ یعنی چھبیس ہزار پانچ سو روپیہ ملا ہے سالانہ چھ، سات ہزار جہاز اس نہر سے گذرتے ہیں اس سے آمدنی کا اندازہ کر لو۔ نہر کا انتظام ایک کمپنی کے ہاتھ میں ہے مگر جب انگریزوں نے دیکھا کہ نہر کی آمدنی اس قدر زیادہ ہے تو خدیو مصر سے مصر کے حصے خرید لئے اور آہستہ آہستہ نہر کا انتظام بھی اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ نہر کے بارے میں بادشاہِ مصر اور کمپنی کے درمیان جو معاہدہ ہوا تھا اس کی رو سے نہر ۹۹ برس کے بعد مصری حکومت کے قبضے میں چلی جائے گی۔ مصری حکومت کو نہر کا معاوضہ دینا ہوگا یہ مدت ۱۹۶۸ء کے بعد ختم ہو جائے گی۔ اب مصری حکومت چاہتی ہے کہ نہر اس کے قبضے میں آ جائے اور کمپنی چاہتی ہے کہ معاہدے کی میعاد اور بڑھ جائے۔

مصر کی تاریخ بہت پرانی ہے۔ تم نے فرعون مصر کا نام سنا ہوگا۔ یہ یہیں کا بادشاہ تھا مصر میں بہت سے فرعون ہوئے۔ یہ آج سے ۸، ۹ ہزار برس پہلے کی بات ہے۔ فرعونوں کے بعد مصر بہت دنوں تک حضرت موسیٰؑ کی قوم کے قبضے میں رہا۔ کچھ عرصے تک شاہِ ایران دارا کی حکومت رہی پھر اسے رومیوں نے فتح کر لیا چھٹی صدی عیسوی میں یہ مسلمانوں کے پاس آ گیا اور جب سے اب تک کسی نہ کسی صورت سے یہ مسلمانوں کے پاس ہے



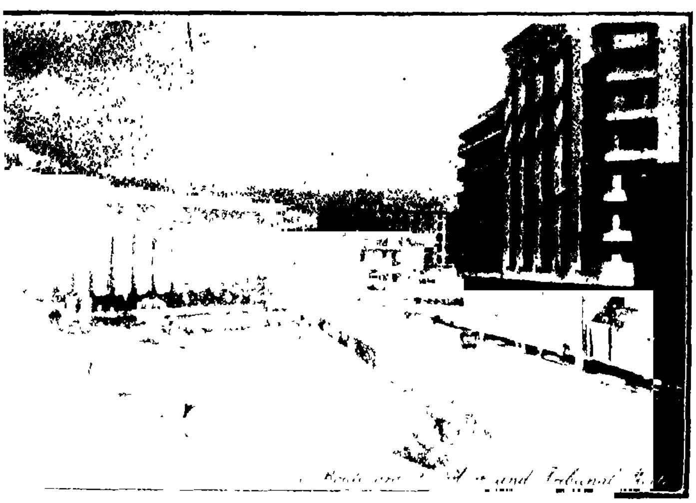
نہر سوئز (مصر)



ابوالہول



اہرام مصر



قاہرہ کا ایک بازار



جناب خان بہادر حاجی محمد جان صاحب
ام- ال- سی- (کلکتہ) نے جامعہ کے لئے ماہانہ
دو سو روپے کی مستقل امداد جاری فرمائی ہے-
پار سال اپنے بچے کے پیدا ہونے پر جامعہ کو
دو ہزار روپے عنایت فرمائے تھے-

پیام برادری کے ممبر



[illegible] (کلکتہ) [illegible] ساتھ



عبدالغنی چمن

لیکن کچھ عرصے سے یہاں انگریزوں کا عمل دخل بہت زیادہ ہوگیا تھا۔ اور اس کی حیثیت ایک غلام ملک کی سی ہوگئی تھی اب تھوڑے دنوں سے اسے کچھ کچھ آزادی ملی ہے۔ اس ملک میں یورپ کے تمدن کا اثر بہت زیادہ ہے۔ قاہرہ تو یورپ ہی کا ایک شہر معلوم ہوتا ہے۔

آبادی زیادہ تر مسلمانوں کی ہے تھوڑے سے قبطی عیسائی بھی ہیں یہاں کی کھیتی باڑی کا دار مدار دریائے نیل پر ہے۔ روئی یہاں کی خاص پیداوار ہے۔ تمباکو بھی بہت اچھا پیدا ہوتا ہے یہاں کی تجارت دوسرے ملک کے لوگوں، انگریزوں، فرانسیسیوں، یہودیوں وغیرہ کے ہاتھ میں ہے۔

نہر سوئز کو پار کرنے میں ہمارے جہاز نے دس گھنٹے لگائے۔ ساڑھے آٹھ بجے سوئز سے چلے تھے اور چھ بجے پورٹ سعید پہنچے۔ راستے میں سیدھی طرف ریگستان اور بائیں طرف میٹھی نہر اور موٹر کی سڑک تھی۔ عجیب نظارہ تھا۔

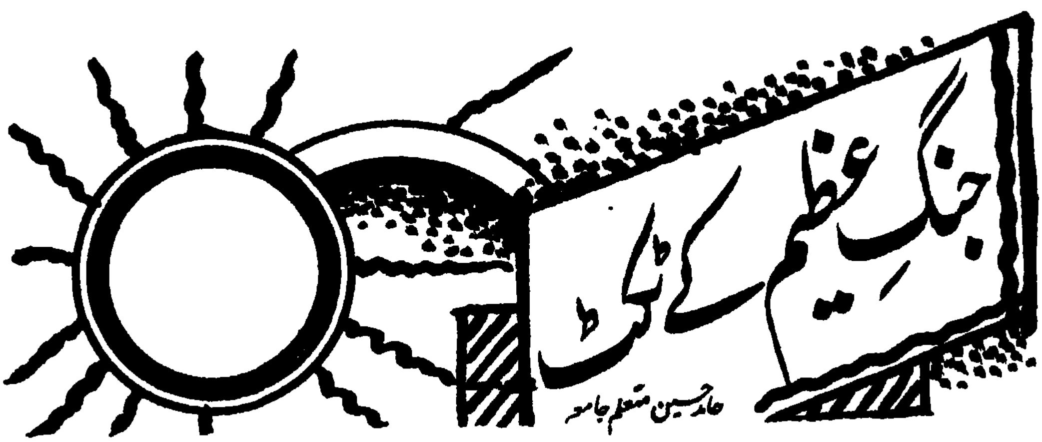
جہاز نے بندرگاہ سے ایک میل ادھر لنگر ڈالا۔ سوئز کی طرح یہاں بھی بہت سی کشتیاں جہاز کے آس پاس جمع ہوگئیں۔ ان میں سوداگر ہوٹلوں کے ایجنٹ پولیس کے افسر، اخبار بیچنے والے، غرض طرح طرح کے لوگ تھے۔ بہت بڑا زینہ لگا دیا گیا اور کشتیوں سے لوگ جہاز پر آگئے۔ پاسپورٹ افسر نے ہمیں ایک گھنٹے کے بعد اترنے کی اجازت دی اور کوئی سات بجے

ہم لوگ چھوٹی چھوٹی پارٹیوں میں جہاز سے اتر کر اگن بوٹ میں سوار ہوئے اور پندرہ منٹ میں بندرگاہ پہنچ گئے یہاں بے شمار گائڈ، ہوٹل والے اور معمولی بیوپاری ہمارے گرد جمع ہوگئے ہم نے شہر کے بازاروں کا آدھے گھنٹے تک پیدل چکر لگایا۔ یہاں کی عمارتیں بہت عالی شان تھیں۔ دکانیں بہت بڑی اور خوب صورت۔ تمام چیزیں یہاں تک کہ پھل اور سبزیاں بھی نہایت قرینے سے چنی ہوئیں۔ بڑے بڑے ہوٹل اور ریسٹورنٹ ہر بازار میں

ایک یہودی کی دکان اتنی بڑی تھی کہ اس میں لاہور اور دہلی کی پچاس دکانیں سما جائیں۔ ساٹھ آدمی اور عورتیں تو چیزیں بیچنے پر ملازم تھیں۔ رات کو ہم نے ایک مصری ہوٹل میں کھانا کھایا۔ روٹی گول، موٹی اور لذیذ تھی پھر ایک ٹیکسی پر ایک گھنٹے میں ہم نے سارے شہر کا چکر لگایا۔ رات کے دس بجے تک بازاروں میں خوب چہل پہل اور رونق تھی مصری جبہ اور عمامہ باندھے اور عورتیں خوب صورت کالا لباس پہنے ادھر ادھر گھوم رہی تھیں۔ یہاں کی عورتیں بہت سخت پردہ کرتی ہیں۔

ساڑھے دس بجے ہم جہاز پر واپس آئے ۲ جون کی صبح کو ہمارا جہاز پورٹ سعید سے روانہ ہوا اور اب ہم ہیں اور ہمارا جہاز۔

"پھر وہی زندگی ہماری ہے"



آج کل جنگ چھڑی ہوئی ہے اس لئے قدرتی طور پر ہر جمع کرنے والے کو جنگ کے ٹکٹوں سے دلچسپی ہونا چاہیئے۔ اس سلسلے میں جنگِ عظیم (۱۹۱۴ - ۱۹۱۸) کے ٹکٹ بڑے دلچسپ ہیں۔ یہ ٹکٹ "ریڈ کراس" "لڑائی کا ٹیکس" "لڑائی کے لئے چندہ" "قبضہ" اور "یادگاری" ٹکٹوں کے نام سے جاری ہوئے تھے ابھی تک اس قسم کے ٹکٹ جرمنی اور فرانس کی لڑائی کے سلسلے میں جاری نہیں ہوئے ہیں۔ لیکن امید ہے کہ جلد ہی جاری ہو جائیں گے۔ ان کے شائع ہونے سے پہلے ہمیں گذشتہ جنگ کے ٹکٹوں پر ایک نظر ڈالنا چاہئے تاکہ آئندہ کے ٹکٹوں کے مطالعہ میں آسانی ہو۔

"ریڈ کراس" کے سلسلے میں پہلا ماس میں ۱۹۱۶ء میں تین بڑے اور تصویروں والے ٹکٹ چھپے تھے لندن میں مختلف ٹکٹوں پر "لڑائی کا ٹیکس" ۲۱ فروری ۱۹۱۸ء اور جون ۱۹۱۸ء سے ۴ جولائی ۱۹۱۹ء تک دوبارہ کالے اور لال رنگ میں چھاپا گیا۔

ملکہ کے زینے والے ٹکٹوں پر "لڑائی کے لئے چندہ" دوبارہ جنوری ۱۹۱۹ء میں چھاپا گیا۔
یکم مارچ ۱۹۲۰ء میں امن کی خوشی میں ٹکٹ جاری ہوئے۔

"برطانوی قبضہ" جن ٹکٹوں پر چھپا ہے اس کی کئی مثالیں ملتی ہیں۔ دو روسی ٹکٹوں پر "برطانوی قبضہ" دوبارہ چھاپا گیا۔ ایران کی ایک بندرگاہ بوشہر میں جس پر ۸ راگست ۱۹۱۵ء میں برطانیہ کا قبضہ ہوا تھا۔ تمام ٹکٹوں پر "بوشہر برطانیہ کے قبضے میں" دوبارہ چھپا ہوا ہے۔
"یادگاری ٹکٹ" کی سب سے اچھی مثالیں ہمیں نیوفاؤنڈ لینڈ میں ملتی ہیں۔ یہ ٹکٹ ۲ جنوری ۱۹۱۹ء میں جاری ہوئے تھے۔ ان میں یہ بتایا گیا ہے کہ نیوفاؤنڈ لینڈ

نے لڑائی میں کس طرح حصہ لیا اور مدد کی۔

۲۷ جنوری ۱۹۲۰ء میں نیوزی لینڈ میں "فتح" کے ٹکٹ جاری ہوئے

ہندوستان میں جنگ کے سلسلے میں کوئی ٹکٹ جاری نہیں ہوا۔ ہاں یہ ضرور ہوا کہ ہندوستانی فوج نے ہندوستانی ڈاک کے ایسے ٹکٹ استعمال کئے جن پر I.E.F. (یعنی ہندوستان سے متعلق مہم) دوبارہ چھپا تھا۔ یہ ٹکٹ ۱۹۱۴ء سے ۱۹۲۲ء تک کام میں لائے گئے۔

لڑائی کے ٹکٹ مخالف دشمن کی طرف سے بھی جاری کئے گئے تھے۔ یکم مارچ ۱۹۱۷ء میں آسٹریا میں ایک ٹکٹ چندے کے لئے شائع ہوا جرمنی نے ایسے ٹکٹ شائع کئے جو اس جگہ کی یاد دلاتے ہیں۔ جس پر اس کی فوج نے کچھ عرصے کے لئے قبضہ کیا تھا

پولینڈ پر حال میں روس اور جرمنی کا جو قبضہ ہوا ہے اس سلسلے میں ابھی تک ہمارے خیال میں کوئی ٹکٹ جاری نہیں ہوا ہے۔ اگر کوئی ٹکٹ جاری ہوا ہو تو اس کی تفصیل ہمیں بھیجئے اور اس جنگ کے دوران میں کوئی خاص ٹکٹ جاری ہوئے ہوں اور آپ کو ان کا علم ہو تو وہ بھی لکھئے۔

نئے نئے کھیل

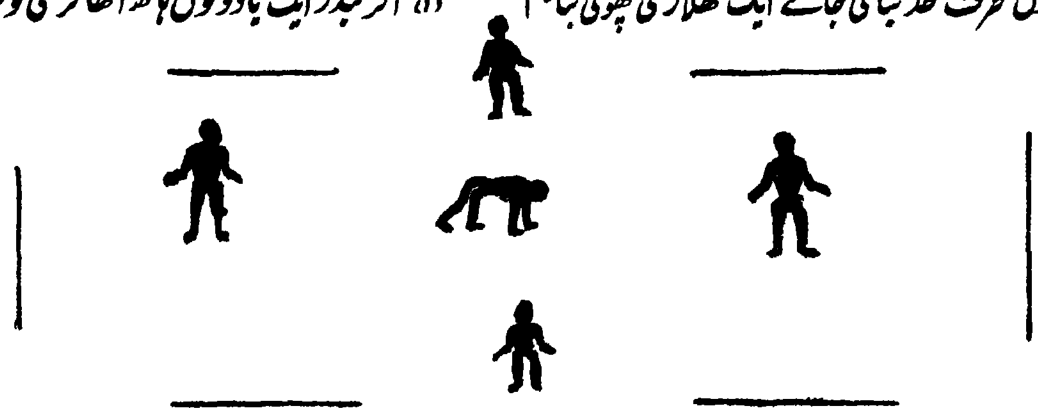
بندر بندر

از جناب الطاف علی صاحب۔ استاد ورزش جسمانی جامعہ نگر اوکھلا

تعداد:- ۴ سے ۴۰ تک

جگہ:- کمرا۔ آنگن یا کھیل کا میدان

طریقہ:- کھلاڑیوں کی تعداد کے مطابق میدان کے چاروں طرف حد بنا لی جائے ایک کھلاڑی چھوتی بنایا



جائے۔ وہ مقررہ حد کے بیچوں بیچ بندر کی طرح ہاتھوں پیروں پر کھڑا ہو جائے۔ باقی لڑکے ادھر ادھر کھڑے ہو جائیں۔ کھیل شروع ہوتے ہی چھوتی اپنے ہاتھوں پیروں پر بندر کی طرح کھلاڑیوں کے پیچھے بھاگے اور انھیں چھوئے۔ لیکن ہاتھ زمین سے نہ اٹھیں۔ صرف ٹانگوں سے چھوئے۔ جو کھلاڑی چھو جائے یا حد سے باہر نکل جائے وہ چھوتی کی جگہ لے گا۔ یعنی بندر بنے گا۔ اور چھوتی یعنی بندر کھلاڑیوں میں شامل ہو جائے گا۔

احتیاط:-

(۱) اگر بندر ایک یا دونوں ہاتھ اٹھا کر کسی کو چھوئے تو نہیں مانا جائے گا۔

(۲) کھلاڑی وقتاً فوقتاً بندر کو دق کرنے کے لئے آہستہ آہستہ اس کے چپت لگا سکتا ہے۔

(۳) اگر کھلاڑیوں کی تعداد زیادہ ہو تو ایک سے زیادہ بندر بنائے جاسکتے ہیں اور جس کو چھوئے وہ ایک دوسرے کی حالت اختیار کرلے یعنی چھونے والا کھلاڑی اور جو چھو گیا ہے وہ بندر



امریکہ میں جنگلوں کے علم کے ماہروں کی انجمن نے اپنی نئی تحقیقات کے بعد اعلان کیا ہے کہ اہمیت کے لحاظ سے دنیا کے دس خاص درخت یہ ہیں۔

(۱) کھجور :۔ اس سے کھجوریں، تیل، لکڑی، پتے اور شکر حاصل ہوتی ہے۔

(۲) ناریل :۔ اس سے گولا اور ناریل حاصل ہوتا ہے اور لکڑی وغیرہ بھی کام میں آتی ہے

(۳) بادام :۔ اس سے بادام، بادام کا تیل اور پتے وغیرہ حاصل ہوتے ہیں۔

(۴) سیب :۔ یہ ایک دل پسند پھل ہے۔

(۵) انجیر :۔ یہ بھی اکثر ممالک کے باشندوں کا مرغوب پھل ہے۔

(۶) شہتوت :۔ اس کی پتیاں ریشم کے کیڑوں کی غذا ہیں۔

(۷) زیتون :۔ اس سے تیل نکالا جاتا ہے۔ لکڑی وغیرہ بھی کام آتی ہے۔

(۸) لیموں :۔ پھل بھی حاصل ہوتا ہے اور تیل بھی نکالا جاتا ہے۔

(۹) سنکونا :۔ اس سے کونین حاصل ہوتی ہے۔

(۱۰) ربر :۔ اس سے ربر حاصل ہوتا ہے جو ہزارو[ں] کام آتا ہے۔

سترویں صدی کے ۱۴ سالہ ۲۰۰۰ لڑکوں [کے] اوسط وزن اور لمبائی کے ریکارڈ کا مقابلہ آج کے ۱۴ سالہ لڑکے کے وزن اور لمبائی سے کیا گیا [اس] سے معلوم ہوتا ہے کہ بیسویں صدی میں لڑکے کی [لمبائی] ۳ انچ اور وزن ۱۸ پونڈ بڑھا ہوا ہے۔ سولہ س[و] ۰۰ لڑکوں کے ریکارڈ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ آج کا لڑکا اوسطاً ۳½ انچ لمبا اور ۲۸ پونڈ وزنی ہو[تا ہے]

دنیا میں سب سے زیادہ چار برطانیہ میں پی جاتی [ہے] ۱۹۳۷ء میں یہاں اتنی ہی چار صرف میں لائی گئی جتنی برطانیہ کو چھوڑ کر پوری دنیا میں لائی گئی تھی۔

تمباکو کے ایک پودے میں ۹۲۴۴۵ بیج ہو[تے] ہیں جن سے ۶۶ ایکڑ زمین میں تمباکو کی کاشت کی جا سکتی [ہے]

مرغی خانہ

خالد حسن قادری آگرہ

ہندوستان میں ہر جگہ اور خصوصاً دیہاتوں میں مرغیاں پالنے کا عام رواج ہے۔ اور ہے بھی واقعی مفید چیز۔

مرغیوں کو بند کرنے کے لئے ہندوستان میں عام طور پر بید کی قسم کی لکڑی کا بنا ہوا خانہ ہوتا ہے۔ جس کو ڈابہ کہتے ہیں۔ لیکن جو لوگ شوقیہ مرغیاں پالتے ہیں وہ خوب صورت ڈربہ بنواتے ہیں۔ ایک کاغذ کا ڈربہ تم بھی بنا ڈالو۔

سامان:۔

وہی یعنی کاغذ، گتا، چاقو اور قینچی۔

خاکہ:۔

خاکے کا عکس موٹے کاغذ پر اتار لو اور نہایت صفائی سے

بنانے کی ترکیب

جہاں لائنیں پوری ہیں وہاں سے کاٹ دو اور جہاں نقطہ دار ہیں وہاں سے کاغذ موڑ دو۔

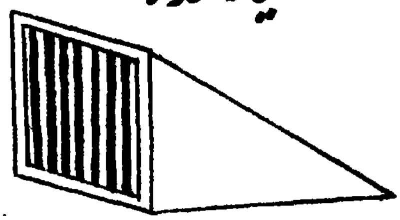
ا'ب'ج'د کو پیچھے کی طرف موڑو۔ ح'خ اور ع'غ کو ا'ج اور ب'د پر چپکا دو۔

اب مرغی خانہ بالکل تیار ہوگیا

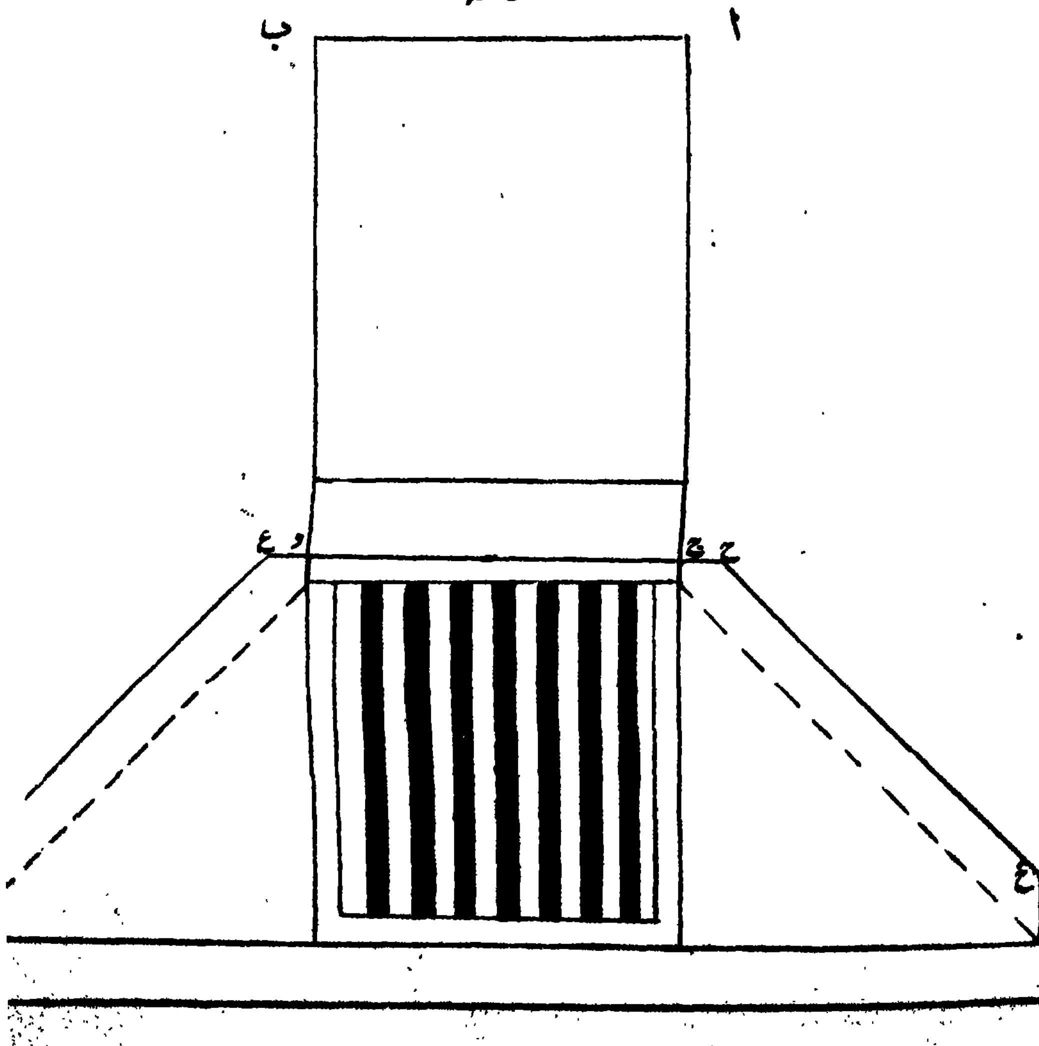
جالی کو چاقو سے ہوشیاری سے کاٹ کر نکال دو۔

مرغی خانہ

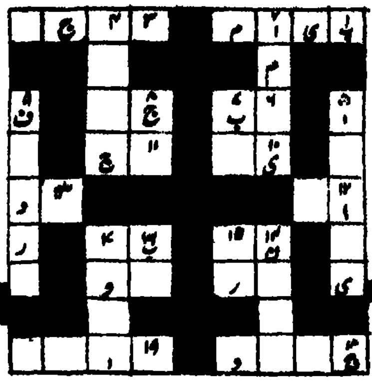
تیار شدہ



خاکہ

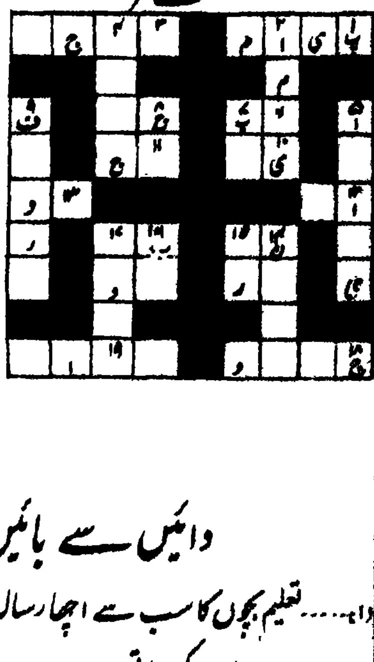


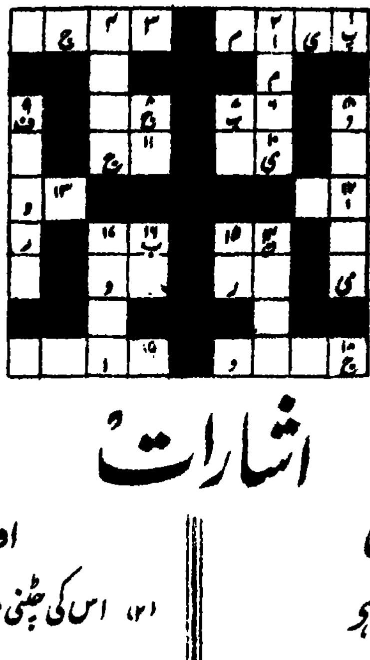
معمّا نمبر ۵

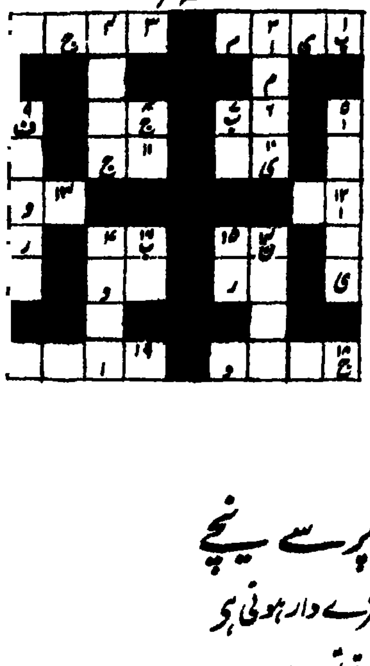


پہلا انعام

دوسرا انعام







اشاراتْ

دائیں سے بائیں

(۱) ...... تعلیم بچوں کا سب سے اچھا رسالہ ہے

(۳) اس میں عبادت کی جاتی ہے

(۶) لگ لگ کہیں تو نہ لگے اور مت لگ کہیں تو لگ جائے

(۸) نہر

(۱۰) جاپان کا سکہ ...... کہلاتا ہے

(۱۱) ...... کا کام کل پر نہ چھوڑو

(۱۲) سناؤں تمہیں بات ...... رات کی کہ وہ رات اندھیری تھی برسات کی

اوپر سے نیچے

(۲) اس کی چٹنی مزے دار ہوتی ہے

(۴) سورج (بے ترتیب)

(۵) اکثر انسان ...... پسند کرتے ہیں

(۷) جنگل

(۹) انگریزی مہینے کا نام

(۱۳) اس کی روٹی کھاتے ہیں (بے ترتیب)

(۱۵) ...... ایک پیڑ کا اک نیا ڈھنگ ہے۔

(۱۳) ...... چیز خدا نے ہے بنائی
اس میں ظاہر ہے خود نمائی

(۱۴) تارے رہے صبح تک ..... وہ چاند
آگے سورج کے ہو گئے سب ماند

(۱۶) ..... اچھا۔ بدنام برا

(۱۸) پیامیوں کے نعرے کا ایک لفظ

(۱۹) ایک رشتہ دار عورت

(۱۵) ...ایک پیڑ کا اک نیا ڈھنگ ہے۔ ہر ایک پھول کا اک نیا ڈھنگ۔

(۱۶) اس درخت کی عمر بہت زیادہ ہوتی ہے۔

(۱۷) دو گنا

قواعد

۱۔ تمام مدرسوں کے بچے حل کرنے میں حصہ لے سکتے ہیں۔ استاد کی تصدیق ضروری ہے۔ معمے کے ساتھ کوئی خط وغیرہ نہ بھیجا جائے۔

(۲) ایک حل کے ساتھ ایک آنے کا ٹکٹ آنا ضروری ہے۔

۳۔ ایک سے زائد حل بھی بھیجے جا سکتے ہیں۔

۴۔ دونوں انعام تقسیم کر دئے جائیں گے۔ قرعہ اندازی نہیں ہوگی۔

۵۔ تمام حل ۲۰ مارچ تک دفتر پیام تعلیم مکتبہ جامعہ دہلی پہنچ جانے چاہئیں۔

۶۔ ایڈیٹر کا فیصلہ قطعی ہوگا۔

(۷) لفافے کے بائیں کونے پر لفظ معمّٰی لکھ دیا جائے۔

۸۔ نام اور پتہ پورا اور صاف لکھو۔

تمام حل ۲۰ تاریخ تک دفتر میں پہنچ جانے چاہئیں۔



پیاری بچیو اور بچو! خوش رہو اور تندرست

اس مرتبہ تم نے بہت انتظار کرایا۔ میں ۱۵ فروری تک پیام برادری کی روداد وں اور انتخابات کی اطلاعوں کا انتظار کرتی رہی۔ شاید ان دنوں تم پڑھنے لکھنے میں بہت مشغول رہے۔ اسی لئے نئے انتخابات کا تمھیں موقع نہ مل سکا مگر میاں یہ کام کرنے کا ہے اور تمھیں یہ کام جلد کرنا ہے تاکہ اس سال پوری سرگرمی اور جوش سے کام کیا جاسکے۔ اس مرتبہ پھر میں تمھارے خطوں کا ۱۰ تاریخ تک بہت بے چینی سے انتظار کروں گی۔ بھولنا مت۔

اس مرتبہ معمے میں بہت گڑبڑ ہوئی اور ایک بدنما غلطی رہ گئی۔ یہ غلطی کاتب سے نہیں ہوئی بلکہ اس کے ذمے دار معمّہ بنانے والے صاحب ہیں۔ وہ ایک جگہ "ہے" اور دوسری جگہ نمبر ۱ کی عبارت لکھنا بھول گئے اس لئے بہت کم بچوں نے حل بھیجے اور جنھوں نے بھیجے وہ غلط نکلے اب میں دوبارہ اسی معمّے کو ٹھیک کرا کے چھپوا رہی ہوں۔ مجھے اس غلطی کا بہت افسوس ہے اور میں نے معمّا بنانے والے صاحب سے آیندہ زیادہ احتیاط کی تاکید کر دی ہے۔

اب تم اسے حل کر کے بھیج دو۔ جو بچے اس کا حل بھیج چکے ہیں انھیں دوبارہ ٹکٹ بھیجنے کی ضرورت نہیں ہے وہ بس اپنے پہلے خط کا حوالہ دے دیں۔

برما، عدن، بلوچستان اور دوسرے بہت دور رہنے والے بچوں کو شکایت تھی کہ حل بھیجنے کا وقت بہت کم رکھا گیا ہے اور اتنی کم مدت میں حل بھیج دینا ہمارے لئے بہت مشکل ہے میں اُن کی اور سب بچوں کی سہولت کے لئے حل بھیجنے کی آخری تاریخ ہر مہینے کی ۲۰ ــــ مقرر کرتی ہوں۔ اس کی وجہ سے دقت ضرور ہوگی کہ حل کا نتیجہ اگلے مہینے میں شائع ہوگا اور پیامیوں کو انتظار بہت کرنا پڑے گا۔ پھر بھی میرے خیال میں اس سہولت کے مقابلے میں اس دقت کو گوارا کرنا چاہیے۔

جرمنی اور برطانیہ اور فرانس کی لڑائی کا بازار ان دنوں کچھ ٹھنڈا ہے۔ گرم گرم خبریں نہیں آرہی ہیں۔ سنتے ہوں مارچ میں لڑائی پھر زور پکڑے گی دیکھئے کس کل اونٹ بیٹھے۔ ہاں روس اور فن لینڈ میں بہت ٹھنی ہوئی ہے۔ فن لینڈ انتہائی شمال میں ایک چھوٹی سی ریاست ہے روس اسے نرم نوالا سمجھ کر ہضم کرنا چاہتا تھا ان دونوں کا مقابلہ بس یوں سمجھو کہ ریچھ اور بلی کا مقابلہ ہے۔ مگر بلی نکلی بہت طاقت ور۔ اس نے میاں ریچھ کے ناک چنے چبوا دئے ہیں اور ریچھ صاحب کو تارے نظر آنے لگے ہیں۔ اس کی وجہ ایک تو یہ ہے کہ فن لینڈ برفانی ملک ہے اور آج کل وہاں انتہائی سردی پڑ رہی ہے دوسرے اسے دوسرے ملکوں سے مدد بھی بہت کافی مل رہی ہے۔

پچھلی جنوری میں ایک حادثہ بہت افسوس ناک ہوا ترکی کے زلزلے کا حال تم نے اخباروں میں پڑھا ہوگا یہ زلزلہ بہار اور کوئٹہ کے زلزلے سے کچھ کم خوفناک نہیں تھا۔ دوسری مصیبت یہ آئی کہ پاس کے سمندر (بحراسود) میں سخت طوفان آگیا اس کی وجہ سے جان و مال کا اور بھی زیادہ نقصان ہوا۔ ان دونوں حادثوں میں کوئی ۱۰ ہزار آدمی شہید ہوئے۔ زخمیوں اور خانماں برباد لوگوں کا تو کوئی اندازہ ہی نہیں۔ غرض ترکی اس وقت اس ناگہانی مصیبت میں مبتلا ہے۔ ترکی حکومت اس مصیبت کو کم کرنے کی پوری کوشش کر رہی ہے۔ دوسری حکومتیں بھی اس وقت اس کی مدد کر رہی ہیں۔ ہندوستان میں بھی جگہ جگہ امدادی انجمنیں بن گئی ہیں۔ اُن کے ذریعے چندہ جمع کیا جا رہا ہے اور ترکی بھیجا جا رہا ہے کیا اچھا ہو کہ ہمارے پیامی بھی اس نیک کام میں حصہ لیں۔ مصیبت کے وقت کی مدد کرنا سب سے بڑی انسانیت ہے۔ تھوڑا بہت جو کچھ بھی اُن سے ممکن ہو خود چندہ دیں اور دوسروں سے دلوائیں اور اپنے شہر کی انجمن میں لے جا کر جمع کر دیں۔ پیام برادری کی شاخوں کو میں خاص طور سے توجہ دلاتی ہوں۔

آگرے کی شاخ نے پچھلے مہینے اپنی روداد بھیجی تھی اور گنجائش کی کمی کی وجہ سے شائع نہ ہو سکی تھی۔ پندرھواں جلسہ یونس منزل میں منعقد ہوا تھا "عورتوں کا کھیلوں میں حصہ لینا ضروری نہیں" مباحثے کا عنوان تھا۔ عبدالرؤف، اختر رشید۔ محمد صابر۔ عمان الحق۔ وحید الدین۔ ظفر احمد۔ سرمد احمد۔ محمد یونس۔ مسعود احمد۔ مبارک الدین (سکریٹری) غلام دستگیر نے مباحثے میں حصہ لیا۔ جلسے میں شریک ہونے والے پیامیوں کی چائے اور پان سے تواضع کی گئی۔

"آپا جان"

شریر لڑکا کس طرح شریف بن گیا

رام چند " یار تمھارا لڑکا تو آج کل بہت شریف ہوگیا ہے۔ پہلے تو تمام محلے والوں کا ناک میں دم کئے رکھتا تھا لیکن اب جب بھی کسی کو مصیبت میں گرفتار دیکھتا ہے تو اس کی مدد کرنے کو دوڑتا ہے۔"

محمد اقبال :۔ " ٹھیک ہے دوست۔ اب وہ شریف بن گیا ہے۔"

رام چند :۔ " میرے لڑکے کو بھی تو دیکھو نا۔ تمام دن مجھے تنگ کرتا رہتا ہے اور بُرے لڑکوں کی صحبت میں بیٹھا رہتا ہے مجھے بھی کوئی تدبیر بتاؤ جس سے وہ سدھر جائے۔"

محمد اقبال :۔ " تدبیر وغیرہ تو کچھ نہیں۔ ایک سال سے میں اُسے رتن پڑھا رہا ہوں اس سے وہ سب سے قابل ہوگیا ہے اور اب اپنی کلاس کا مانیٹر ہے۔"

رام چند :۔ " وہی رتن جو جموں سے نکلتا ہے۔"

محمد اقبال :۔ " ہاں ہاں۔ وہی اس کا سالانہ چندہ صرف دو روپئے ہے لیکن سچ تو یہ ہے کہ وہ اس قیمت سے کئی گنا زیادہ قیمت کا مسالا مہیا کرتا ہے۔ ہر ماہ اس میں دلچسپ اور حیرت انگیز باتیں درج ہوتی ہیں جن سے معلومات میں بے حد اضافہ ہوتا ہے اس کی سبق آموز اور نتیجہ خیز نظموں سے طالب علم صحیح معنوں میں انسان بن جاتا ہے ابھی گذشتہ ماہ میرے لڑکے نے ایک کہانی لکھی تھی جس پر اس کا فوٹو رتن میں شائع ہوا تھا۔ رتن میں لطیفے بھی دئے جاتے ہیں اور انعامی معمّے بھی ان معموں کے حل کرنے سے نہ صرف دماغی قوت بڑھتی ہے بلکہ انعام بھی ملتا ہے۔"

رام چند :۔ " افسوس کہ اتنی دیر سے میں نے اپنے لڑکے کو اس کارآمد رسالے کے مطالعے سے محروم رکھا۔ میں ابھی دو روپئے کا منی آرڈر بھیجتا ہوں۔ اس کا پتہ کیا ہے ؟"

محمد اقبال :۔ " اس پتے پر منی آرڈر بھیجئے۔ نمونہ مفت بھیجا جاتا ہے۔"

رسالہ رتن دربار گڑھ روڈ جموں (کشمیر)

بچوں کی علمی کتابیں

کائنات :- سورج ، چاند ، ستارے اور ہماری یہ دنیا کیا ہے ؟ ان سب باتوں کو دلچسپ مثالوں سے سمجھایا گیا ہے۔ قیمت ۴ر

دہلی :- دہلی کی آٹھ شاہی عمارتوں کے دلچسپ حالات اور اُن کی تصویریں۔ قیمت ۴ر

دُنیا کے بچے :- دنیا کے چودہ مختلف ملکوں کے بچوں کے دلچسپ حالات لکھے گئے ہیں۔ قیمت ۵ر

دُنیا کے بسنے والے :- اس میں مختلف ملکوں کے لوگوں کے حالات دلچسپ انداز میں لکھے گئے ہیں۔ قیمت ۵ر

عجائب خانہ سمندر :- ہماری اِس دُنیا کی طرح ایک دنیا سمندر کی بھی ہے اِس میں اسی سمندری دنیا کے حالات لکھے گئے ہیں۔ بہت سی تصویریں ہیں قیمت ۵ر

تعلیمی کھیل :- اس میں ایسے تعلیمی کھیل درج ہیں جن سے انگریزی، ڈرائنگ اور حساب کی لیاقت بڑھ جاتی ہے۔ قیمت ۳ر

دھوئیں کی پھانسی :- سائنس کے مشکل مضامین کہانیوں میں لکھے گئے ہیں۔ بہت دلچسپ۔ قیمت ۵ر

Regd. No. L. 1961

پیام تعلیم یوپی، سی پی، برار، میسور، حیدرآباد اور پنجاب کے محکمہ تعلیم کی طرف سے سرکاری طور پر منظور کیا گیا ہے

پیام تعلیم

ایڈیٹر:۔ محمد حسین حسان

جلد ۲۴ | اپریل سنہ ۴۰ء | نمبر ۴

فہرست مضامین

بچوں سے باتیں

(ایڈیٹر)

پیامیوں کو یہ سن کر خوشی ہوگی کہ ان کا پیام تعلیم اب پنجاب کے صوبے میں بھی ڈل اور ہائی اسکولوں کے لئے سرکاری طور پر منظور ہوگیا ہے ۔ پیام تعلیم کے جو قدردان اس رکاوٹ کی وجہ سے رسالہ منگانے میں تامل کرتے تھے وہ اب ہماری سرپرستی میں پس و پیش نہ فرمائیں گے۔

اس رسالے میں کہانیوں اور نظموں کے علاوہ بہت اچھے اچھے اور دلچسپ مضمون شائع ہوتے ہیں۔ ان میں مقناطیسی سرنگ، دخانی انجن، بچوں کا شہر اور فن لینڈ بہت اہم ہے ۔

پچھلے مہینے (۱۱ مارچ) اعلیٰ حضرت نواب صاحب رام پور بالقابہٗ جامعہ کو دکھلا تشریف لائے تھے۔ جامعہ نگر کے بچوں نے آپ کی خدمت میں سپاس نامہ پیش کیا جس کا آپ نے مناسب جواب دیا۔ مدرسے کے معائنے کے علاوہ بچوں کی بنائی ہوئی چیزوں کو بھی آپ نے بہت توجہ سے ملاحظہ فرمایا اور بہت پسند کیا۔ آپ کے سامنے بچوں نے بنوٹ کا مظاہرہ بھی کیا

اس پرچے میں چمن لال صاحب کا سفرنامہ شائع نہیں ہو رہا ہے ۔ پچھلے مہینے وہ اپنے چند ضروری کاموں کی وجہ سے مضمون لکھنے کے لئے وقت نہ نکال سکے ۔ سفرنامے کی جگہ انہوں نے فن لینڈ پر ایک مضمون بھیج دیا ہے ۔ یہ بھی وقت کی چیز ہے اور امید ہے بچے اسے بہت پسند کریں گے ۔

گتے کا کام تعلیمی مرکز جامعہ میں پچھلے سال سے شروع ہوا ہے ۔ اس عرصے میں بچوں نے اس کام میں غیر معمولی ترقی کر لی ہے ۔ جناب احمد علی صاحب نگراں تعلیمی مرکز اور جناب عروج الحسن صاحب نے ہمارے پاس ایک بستہ بھیجا ہے ۔ یہ بستہ بالکل نئے نمونے کا ہے اور کسی بہت اچھے ماہر کاریگر کے ہاتھ کا بنا ہوا معلوم ہوتا ہے ۔ ہم نے تعلیمی مرکز جا کر اور چیزیں بھی دیکھیں اور ہمیں یہ معلوم کر کے حیرت ہوگئی کہ یہ سب بچوں ہی نے بنائی ہیں ۔

جناب عروج الحسن صاحب سے معلوم ہوا کہ یہ چیزیں بیچی بھی جاتی ہیں ۔ اس وقت یہ چیزیں بکنے کے لیے موجود ہیں ۔ (۱) سنگل بلاٹنگ پیڈ (۲) ڈبل بلاٹنگ پیڈ (۳) بستے دمختلف نمونوں کے (۴) سنگل اور ڈبل فائل (۵) فائل کاپی (۶) ہینڈ بیگ (۷) لیٹر ریک (۸) پنسل بکس (۹) البم (۱۰) ڈبے وغیرہ

جو قدردان ان چیزوں کو خریدنا چاہیں جناب نگراں صاحب تعلیمی مرکز سے جامعہ قرول باغ نئی دہلی کے پتے پر خط و کتابت کریں ۔

قوالی

یہ نظم قوالی کے انداز میں لکھی گئی ہے۔ اگر بچے فرضی قوالوں کا ایک طائفہ سا بنا کر اس نظم کو آپس کے جلسوں میں گائیں تو کافی دلچسپی کا سبب ہو سکتی ہے خاص خاص مصرعوں کو جن میں کام کی خوبی بتائی گئی ہے بار بار دہرانے سے قوالی کا سماں پیدا کیا جا سکتا ہے۔ (نیّر)

ایک دن عرض مرشد سے میں نے کیا ایسا رستہ کوئی مجھ کو دیجے بتا
بے کئے کام ہو میری حاجت روا مسکرائے وہ پہلے تو پھر یہ کہا

بے کئے کام کوئی ہوا ہے کہیں
تم نے دنیا میں ایسا سنا ہے کہیں

میں نے پھر عرض کی اے مرے رہنما مجھ کو ایسے وظیفے کا دیجے پتا
جس سے ملتی رہے کامیابی سدا بولے حیرت سے وہ تم یہ کہتے ہو کیا

بے کئے کام کوئی ہوا ہے کہیں
تم نے دنیا میں ایسا سنا ہے کہیں

میں نے کی التجا اے مرے پیشوا کیجے اللہ سے میرے حق میں دعا
ہو دعا ہی سے پورا مرا مدعا اس پہ فرمایا مرشد نے ہو کر خفا
بے کئے کام کوئی ہوا ہے کہیں
تم نے دنیا میں ایسا سنا ہی کہیں

پھر محبت سے مجھ کو بٹھا کر کہا خالی خولی دعاؤں سے کیا فائدا
کام کر کام کر کام سے لو لگا کامیابی کا ہے بس یہی راستا
بے کئے کام کوئی ہوا ہے کہیں
تم نے دنیا میں ایسا سنا ہی کہیں

ہو سکا جو نہ پاؤں پہ اپنے کھڑا پاؤں سے دوسروں کے وہ کچلا گیا
تم نہ تکنا کبھی غیر کا آسرا تم نہ کرنا کبھی غیر سے التجا
بے کئے کام کوئی ہوا ہے کبھی
تم نے دنیا میں ایسا سنا ہی کہیں

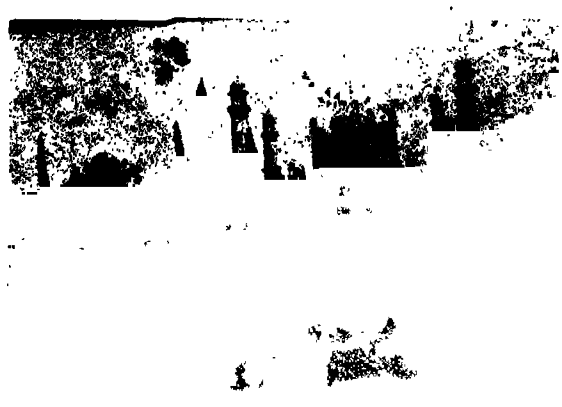
مولوی شفیع الدین صاحب نیر



تفریح (محمد علی بھٹکلی جامعہ)



کھیتوں کی رکھوالی کے لئے جھون
(اس۔ ام۔ جوریاں جبلپور)



مقبرہ رابعہ دورانی اورنگ آباد



نلہا سوار (محمد اسماعیل کڑوا جا

پیام برادری کے چند ممبر



حمود اللہ خاں لاہور



اسعد اللہ خاں بھوپال

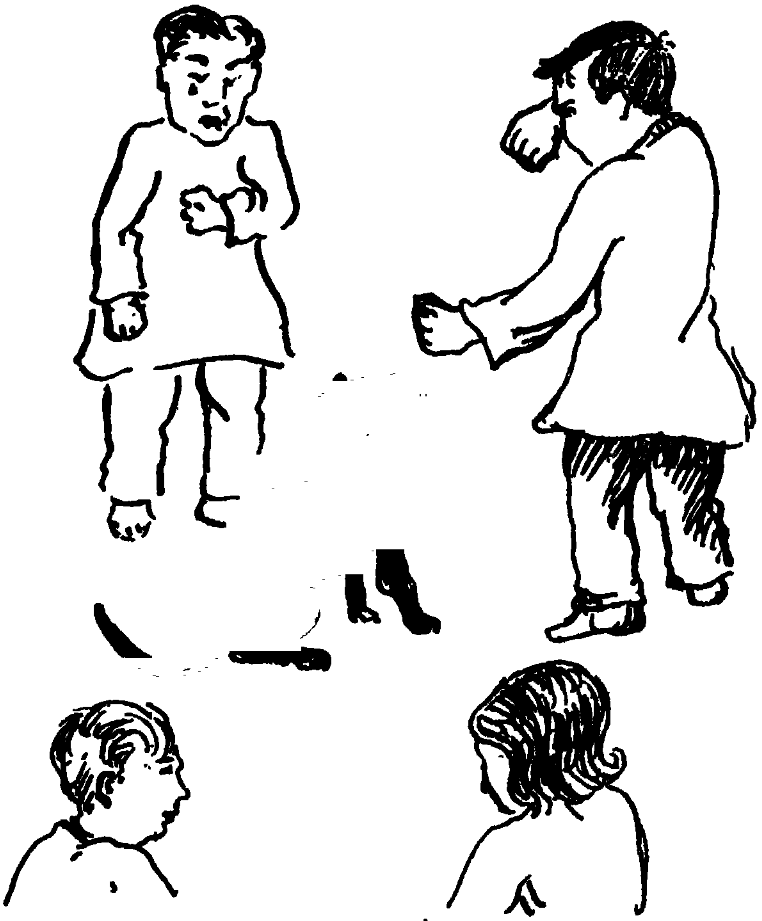


فہیم اللہ سلطا پور

اور نہ چیخنا بند کرتے ہیں۔ ہم نے کہا "کیا ہوا" خدیجہ چلائیں۔ "بھائی جان آپ کے کتے نے ننھی کا کرتا پکڑ لیا۔"

ہم نے کتے کو پکڑ لیا۔ اور بچوں کو ڈانٹا کہ ننھی سے ہم سب سے زیادہ محبت کرتی تھیں۔

کچھ دن اور گذر گئے اب ہم اس ادھیڑ بن میں تھے کہ اپنے کتے کا نام کیا رکھیں۔ کبھی خیال آتا کہ لاڈ مونی رکھ لو۔ لیکن موتی جو تی نام ہمیں پسند



کوئی شیر تھوڑا ہی تھا جو کھا جاتا۔ دراصل ہم اماں سے ڈرے ہوئے تھے۔ وہ پہلے ہی کہہ چکی تھیں کہ "کتے کی ہے آفت ہی" اگر وہ یہ شور و غل سن پاتیں تو ہم پر ضرور خفا ہوتیں ویسے بھی وہ نہ تھے۔ آخر ابا سے پوچھا وہ بولے "اب نام ہمیں بتائیں" ہم نے کہا "جی ہاں نام تو سب صلاح ہی سے رکھا جاتا ہے" وہ ہنس پڑے چند انگریزی نام انھوں نے بتائے لیکن

توہماری سمجھ میں نہ آئے اور کچھ لینے مشکل تھے
آخر ابّا نے کہا "شیرا رکھ لو۔" ہماری سمجھ بھی میں آگیا۔
یہ بہت اچھا نام ہے ابّا۔ بس یہی رکھے لیتے ہیں۔"
اب ہم تمام صحن میں شیرا شیرا چیختے پھرتے
لیکن شیرا صاحب کو خبر نہ ہوتی۔ ہمیں اکثر اس بات

ہم شیرا کے بڑے ہونے کی …
دعائیں مانگا کرتے۔ اُسے دودھ پلاتے۔ اگر ہمارا
بس چلتا تو ننھی کے حصّے میں سے کاٹ کر بھی شیرا ہی
کو پلا دیتے۔ لیکن اماں ہمیں ایک وقت میں پاؤ بھر سے
زیادہ دودھ نہ لینے دیتی تھیں۔ خیر ہمارے شیرا



پر غصّہ آجاتا۔ لیکن پھر بھی ہم سوچتے کہ ابھی تو
بہت چھوٹا ہے۔ جب بڑا ہو جائے گا تو جو ہم کہیں
گے وہی کرے گا ابھی ہم اُسے اپنے ساتھ سیر کو
بھی نہ لے جاسکتے تھے کیونکہ وہ اتنا چھوٹا تھا کہ
سڑک کے کتے اُسے پھاڑ ڈالتے۔

بڑھ رہے تھے اور بہت تیزی سے بڑھ رہے تھے
کوئی دن جاتا تھا کہ وہ اصلی شیر بننے والے تھے۔
اب ہم اسے باقاعدہ سیر کرانے بھی لے جا…
گھر میں اونچا کودنا (HIGH JUMP) اور لم…
کودنا (LONG JUMP) بھی سکھاتے۔ اگرچہ

نتیجہ یہ ہوتا کہ ہمیں دس دس دفعہ صابن سے ہاتھ دھونے پڑتے تب بھی اماں کی تسلّی نہ ہوتی۔ جو نوکر شیرا صاحب کو نہلاتا تھا اُسے تو وہ بغیر نہلوائے کھانا نہ دیتی تھیں۔

شیرا ایسا سدھ گیا تھا کہ بغیر زنجیر کے ہمارے ساتھ چلا جاتا، اور ایسا بہادر تھا کہ سڑک کے کتّے ہوتے تو وہ خوب اُن کا مقابلہ کرتا تھا۔

ایک دن نوکر اُسے نہلانے لگا تو اس نے دیکھا کہ شیرا کے پیٹ پر دانے نکل آئے ہیں۔ اس نے مجھے بھی دکھائے۔ میں نے کہا اچھی طرح نہلادو صابن سے ٹھیک ہو جائیں گے۔ لیکن چار پانچ روز اور گذر گئے۔ دانے اچھے تو کیا ہوتے اور بڑھ گئے ابا جان نے دیکھا اور کھجلی تجویز کی۔ جانوروں کے ہسپتال بھیجا۔ وہاں سے نہلانے کی ایک دوا ملی لیکن اُس سے بھی کوئی فائدہ نہیں ہوا۔

اماّں جان کہنے لگیں "یہ بیماری اس نے سڑک کے کتوں سے لگائی ہے۔ بڑی ہی لگنے والی بیماری ہے۔ میں نہ کہتی تھی کہ "کتے کی ہے آفت ہی" یہ بڑا گندا جانور ہے۔ ہے تو بڑا وفادار لیکن اب کیا کیا جائے۔ گھر میں چھوٹے چھوٹے بچے ہیں اللہ نہ کرے کسی اور کو لگ گئی تو کیا ہوگا۔ بیٹا تم اسے غفور (نوکر) کو دے دو اگر اچھا ہو جائے تو واپس لے لینا۔ گھر میں اس کا رکھنا ٹھیک نہیں۔"

ہمیں شیرا سے ننھی سے کچھ ہی کم محبت تھی اس لئے ہمارا دل اُسے کسی کو دینے کو نہ چاہتا تھا لیکن اماں کا کہنا ماننا ہمارا فرض تھا۔ کبھی سوچتے کہ لاؤ اماّں سے کہہ دو کہ ہم اسے باندھ کر رکھیں گے اور کسی بچّے کو اس کے قریب نہ جانے دیں گے آپ اسے کہیں نہ بھیجیے۔ پھر خیال آتا کہ ہمیں تو شیرا کو صرف چھ مہینے اپنے پاس رکھنے سے ایسی محبت ہو گئی اماّں نے تو ہمیں بارہ برس تک پالا ہے۔ انھیں ہم سے کتنی محبت ہوگی۔ اگر ہم اُن کا کہنا نہ مانیں گے تو انھیں کتنا افسوس ہوگا۔ اول تو جب پہلے روز انھوں نے کہا تھا کہ "کتّے کی ہے آفت ہی" تو ہمیں اسے نہ پالنا چاہیئے تھا۔ کیونکہ ہم نے ان کی مرضی کے بغیر یہ کام کیا تھا۔

ہم نے اسی روز شیرا کو غفور کو دے دیا۔ لیکن اپنے دل میں یہ سوچ لیا۔ کہ جب بڑے ہوں گے نوکر ہوں گے اور اپنے لئے ایک نئی کوٹھی بنوائیں گے۔ تو سب سے پہلا کام یہ کریں گے کہ شیرا کو غفور سے چھین لیں گے۔ کیا بتائیں ہمیں شیرا سے محبت ہی بہت ہو گئی تھی ؛

چڑیا اور لومڑی

بھائی جان



۱
ومڑی تھی اک بے حد بھوکی
صبح سویرے کھوہ سے نکلی
بے چینی تھی بھوک کے مارے
تاک رہی تھی کس کو کھائے



۲
چڑیا آئی چوں چوں کرتی
آ کر اک دیوار پہ بیٹھی
لومڑی کی تب کھل گئیں باچھیں
روشن ہوگئیں اس کی آنکھیں



۳

لومڑی بولی اے بی چڑیا
ننھی منّی پیاری چڑیا
بیٹھو بھی اب جاتی کیوں ہو
آئی ہو تو کچھ دم لے لو



۴

چوں چوں کرکے چڑیا بولی
راجہ کے گھر جاتی ہوں میں
رانی اس کی پیاری پیاری
اس کو گیت سناتی ہوں میں



۵

لومڑی بولی واں مت جاؤ
تم کو لے لوں گود میں آؤ
گود ہے میری ایسی عمدہ
جیسے روئی کا ہو گدا

۶

بولی چڑیا واہ ری بڑھیا
تو تو ہے آفت کی پڑیا
مجھ سے ایسا پھر مت کہنا
بھیڑوں سے یہ باتیں کرنا
اڑ گئی چڑیا اتنا کہہ کر
رہ گئی لومڑی منہ پھیلا کر



لِٹّل کراؤ

محمد حسین حسان ندوی جامعی

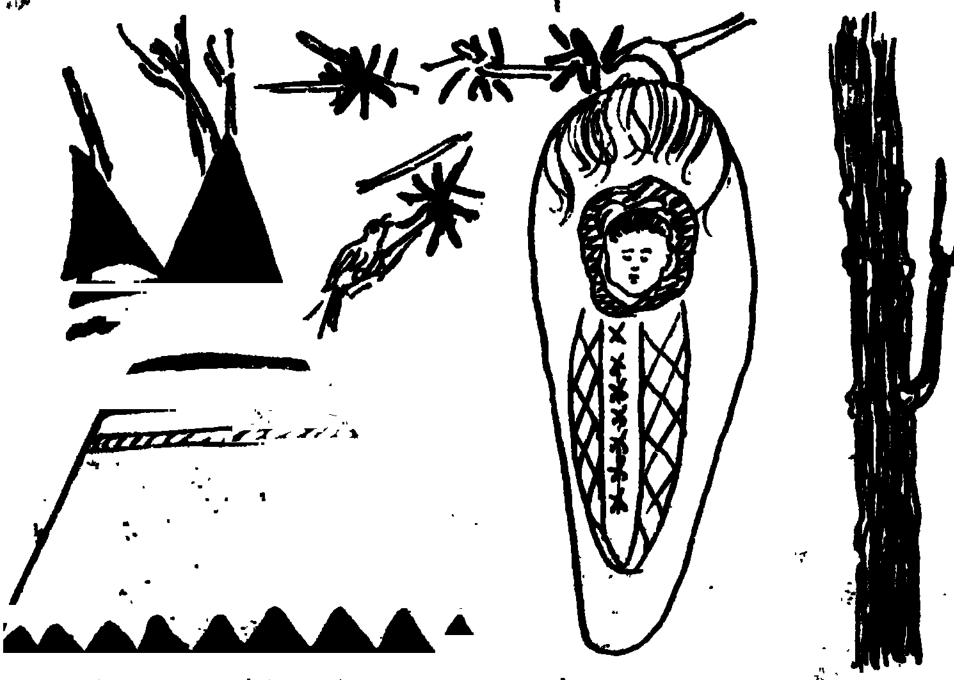
...تمھیں معلوم ہے ریڈ انڈین یا لال ہندوستانی
...ن سی قوم ہے۔ اب تو اس کا حال اردو کتابوں میں
...آ گیا ہے۔ یہ امریکہ کے اصلی باشندے ہیں یورپ کے...
...ن کے آنے سے پہلے یہی اس نئی دنیا کے مالک تھے

آج ہم تمھیں ایک رڈ انڈین بچے کا حال سنائیں
اس کا نام لٹل کراؤ تھا۔ یہ بڑا اچھا بچہ تھا۔ نہ کبھی روتا
تھا نہ چیختا چلاتا تھا۔ بس دن بھر اپنے پالنے میں پڑا
سوتا رہتا تھا۔ ماں باپ تو اس پر جی جان سے فدا تھے



اس کا باپ خوب مضبوط تندرست لمبا تڑنگا آدمی تھا۔ دوڑنے پہ آجائے تو ہرن سے بھی آگے نکل جائے۔ لٹل کراؤ کی ماں محبت کے جوش میں اکثر کہا کرتی کچھ دنوں بعد میرا ننھا بھی اپنے باپ کی طرح خوب مضبوط تندرست اور لمبا تڑنگا مرد ہوگا۔

اب یہ پالنا یا پنگورا وہ درخت میں لٹکا دیتی ہے۔ اور ہوا کے ہلکے ہلکے، ٹھنڈے ٹھنڈے جھونکے لوریاں دے دے کر بچے کو سلا دیتے ہیں۔ لٹل کراؤ ہمیشہ اس عجیب و غریب پنگورے میں باہر ہی سوتا ہے اور تازی تازی ہوا اور دھوپ کھا کھا کر دن پر دن خوب موٹا تازہ ہوتا جاتا۔

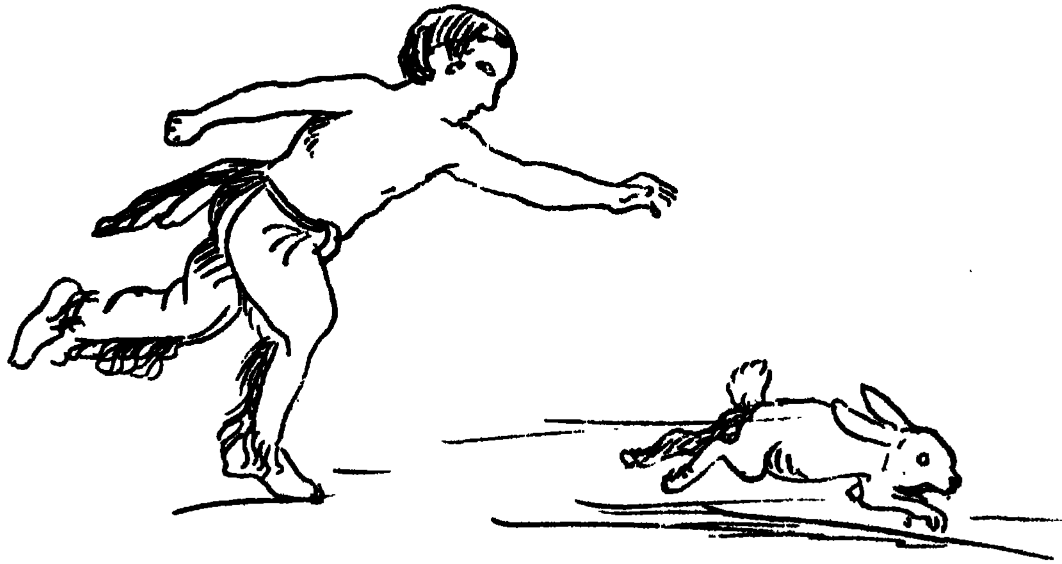


اس کا پالنا بھی عجیب و غریب تھا ایسا تھوڑی تھا جیسے تمہارے یہاں لکڑی یا نواڑ کا بنواتے ہیں وہ بس چمڑے کا بنا ہوا تھا اور ایک لکڑی کے تختے میں لگا ہوا۔ لٹل کراؤ کی ماں اسے اس پالنے میں سیدھا لٹا دیتی ہے۔ پھر وہ اسے اس طرح باندھ دیتی ہے کہ گرنے نہ پائے۔

جب وہ دو تین سال کا ہوگیا تو پنگورے کی جگہ زمین پر سونے لگا۔ اس کے لئے چمڑے کا نرم نرم بستر کر دیا جاتا۔

رات کو سویرے ہی سو جاتا۔ جوں ہی شام کا دھندلکا ہوتا اس کی ماں کہتی تو بیٹا وہ پہلا تارا آسمان پہ نکل آیا اب تم بستر پر جاکر سو رہو۔ خدا حافظ۔

کبھی کبھی لٹل کراؤ کا باپ اسے اپنے گھوڑے
پر بٹھاکر اِدھر اُدھر کی سیر کراتا۔ جب لٹل کراؤ چھ
برس کا ہوا تو اس کے باپ نے کہا" میرا بیٹا خیر
سے سیانا ہوگیا ہے اب میں اس کے لئے پونی
دوں گا۔



پونی آگئی۔ لٹل کراؤ اتنا خوش تھا کہ بس کچھ
پوچھو مت۔ اس نے دو چار ہی روز میں چڑھنا سیکھ
لیا۔ اور روزانہ پونی پر دور دور کا چکر لگا آتا۔
تھوڑے ہی دنوں میں وہ اچھا خاصا شہسوار
بن گیا۔ وہ دن بھر پونی پر چڑھا چڑھا گھوما کرتا
اور ذرا بھی نہ تھکتا۔
کبھی کبھی وہ جنگل میں خرگوش کے پیچھے لگ جاتا
اور خوب دوڑتا، خوب دوڑتا۔ تھک جاتا تو کسی
درخت کے سائے میں ذرا دیر کے لئے آرام لے لیتا
وہ خوب جانتا تھا کہ زیادہ تھکنا ٹھیک نہیں ہے۔
نیند، آرام، ورزش تازہ ہوا اور دھوپ
یہی سب چیزیں تو تھیں جنھوں نے اسے اتنا
تندرست مضبوط اور طاقت ور بنا دیا ہوکر
اپنے باپ کی طرح وہ بھی لمبا تڑنگا
جوان نکلا۔

بچّوں کا شہر

ابو محمد امام الدین رام نگری

ہر شہر اپنی تاریخ رکھتا ہے اور جو شہر جتنا پرانا ہوتا ہے اس کی تاریخ اتنی ہی اہم ہوتی ہے جس شہر کا میں حال بیان کر رہا ہوں وہ ابھی بالکل نیا ہے۔ پھر بھی اس کی ایک تاریخ ہے بہت دلچسپ اور اہم۔

اس شہر کا نام بلاچ مین ہے اسے تمھاری عمر کے بچوں نے آباد کیا ہے اور وہی اس کا سارا انتظام کرتے ہیں یہاں پڑھائی لکھائی کے ساتھ بچوں کو دستکاری، زراعت، کاروبار، بنک اسٹور، تعمیر، صفائی، ٹیکس، عجائب خانے وغیرہ کی ترتیب اور انتظام کی اتنی کافی تعلیم دی جاتی ہے کہ بچے مدرسے سے نکلنے کے بعد روزی کمانے کے محتاج نہیں رہتے، وہ اپنا کاروبار جاری کرنے کے قابل بھی ہوتے ہیں اور دوسروں کے کارخانوں اور دکانوں میں کام کرکے بھی روزی کما سکتے ہیں۔

کیلی فورنیا (امریکہ) میں سنٹا میریا ایک بڑا تجارتی مرکز ہے "بلاچ مین" اس سے کوئی ۱۵ میل کی دوری پر پہاڑ کے دامن میں آباد ہے۔ مسز بلی پھولر امریکہ کی ایک ماہر تعلیم خاتون ہیں یہ شہر انھی کے خواب کی تعبیر ہے۔ اب سے آٹھ سال پہلے انھوں نے تعلیم کے متعلق ایک نئے تجربے کا ارادہ کیا اور اسی کے نتیجے کے طور پر یہ شہر وجود میں آیا۔

جب سے اس شہر کی بنیاد پڑی یہ برابر ترقی کر رہا ہے اس میں کل دس عمارتیں ہیں، صاف ستھری سڑکیں ہیں۔ خوش نما اور پر فضا باغ ہیں۔ یہ سب چیزیں طلبار کی بنائی ہوئی ہیں۔

اس شہر کا انتظام ایک مجلس کے سپرد ہے اس مجلس کے ممبر بھی بچے ہی ہوتے ہیں اور بچے ہی اُن کو منتخب کرتے ہیں۔ ہر بچے کو رائے دینے کا حق حاصل ہے۔ اس مجلس کے ممبر تنخواہ دار ہوتے ہیں۔ سب کو ایک ہی تنخواہ ملتی ہے۔ شہری ضرورتوں کے لئے الگ الگ محکمے قائم ہیں۔ ان محکموں کے افسر اور کارکن اپنے اپنے کام کے مطابق تنخواہ

پاتے ہیں۔ شہر کا میئر پانسو ڈالر سالانہ پاتا ہے۔
اور ٹیکس افسر کو سو ڈالر سالانہ ملتے ہیں۔

بچوں کی تیار کی ہوئی چیزیں فروخت ہوتی ہیں
اسی آمدنی سے اسکول کا خرچ چلتا ہے اور افسروں
اور کارکنوں کو تنخواہیں دی جاتی ہیں۔ لڑکوں کا ایک
بنک بھی ہے۔ جس میں اُن کا سرمایہ محفوظ رہتا ہے
ضرورت پڑنے پر لڑکے بنک سے قرض بھی لے لیتے
ہیں۔ بینک سے لین دین کرنے میں لڑکوں کو بنک
کے ضابطوں کی پوری پابندی کرنی پڑتی ہے تاکہ
ان میں شروع ہی سے اصول اور ضابطے کے
برتنے کی عادت پڑ جائے۔ لڑکوں کو جو آمدنی ہوتی
ہے اس کے متعلق انھیں اختیار ہوتا ہے کہ اپنے
پاس رکھیں یا بنک میں جمع کریں۔

ان سب باتوں کے ساتھ ساتھ ان کی دماغی
تفریح اور جسمانی صحت کے لئے کھیل کود کا بھی معقول
انتظام ہے اور اس قسم کے مشغلے لازمی قرار دئے
گئے ہیں۔

بلاچ مین کے باہر زمین کو کھیتی کے لئے چھوٹے
چھوٹے ٹکڑوں پر تقسیم کر دیا گیا ہے۔ بیشتر میں بھی بچوں
کی ملک ہے۔ بچے ان ٹکڑوں کی مال گذاری دیتے
ہیں۔ سیچائی کے لئے بھی انھیں دو دو ڈالر سالانہ
دینے پڑتے ہیں۔ وہ موسم کے مطابق ان ٹکڑوں
میں کھیتی کرتے ہیں اور فائدہ اٹھاتے ہیں کچھ بچے ایسے
بھی ہیں جو کھیتی باڑی نہیں کرتے بلکہ کھیتوں سے پیدا
ہونے والی چیزوں کی خرید و فروخت کا کام کرتے
ہیں۔

مسٹر بھلر کو شروع شروع میں اس شہر
کے لئے زمین حاصل کرنے اور روپیہ جمع کرنے میں
بہت دقتیں پیش آئیں۔ آخر مسٹر جان ولیم سن
صدر پائر اسٹینڈرڈ آئل کارپوریشن نے انھیں آئل
کارپوریشن کی طرف سے زمین دیدی جس پر اب شہر بلاچ مین
آباد ہے۔

مسٹر جان سے زمین کا معاملہ طے کرنے کے
بعد مسٹر بھولر نے یہ تجویز اپنے طلبا کو سنائی
طلبا نے اس جوش اور شوق سے اس تجویز کا
خیر مقدم کیا کہ مسٹر بھولر کی خوشی کی حد نہ رہی اس
کے دو ہی تین دن کے بعد مسٹر بھولر کی نگرانی میں
لڑکوں نے زمین کی ناپ شروع کر دی اور شہر کی
بنیاد پڑ گئی۔ دیکھ بھال ایک انجینیر کرتا رہا۔ باقی سارے
کام لڑکوں نے کئے۔

ایک سیاح بلاچ مین کو دیکھنے گیا تھا وہ
لکھتا ہے کہ "مجھے شہر بلاچ مین کے دیکھنے کا شوق
ہوا تو میں مسٹر بھولر سے ملا اور اُن سے شہر دیکھنے
کی درخواست کی۔ وہ مجھے شہر کے چیمبر آف کامرس
کی پریسیڈنٹ مس جین ولسن کے پاس لے گئیں۔
جس وقت مسٹر بھولر نے مجھ سے پریسیڈنٹ سے

ملنے کے لئے کہا تو مجھے کوئی عجیب بات نہیں معلوم ہوئی۔ لیکن جب میں مس جین کے پاس گیا اور اُس سے میرا تعارف ہوا تو میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ وہ کوئی سن رسیدہ خاتون نہیں بلکہ بارہ سال کی ایک لڑکی تھی جو چیمبر آف کامرس کے پریسیڈنٹ کے فرائض ادا کرتی تھی۔

مس جین نے بڑی سنجیدگی سے مجھے اپنے ساتھ لیا اور شہر دکھانے لے گئی۔ اس نے مجھے پہلے عجائب خانہ دکھایا جہاں اکثر ایسی چیزیں تھیں جن سے بچے بہت کچھ سیکھ سکتے تھے۔ بچوں کی بنائی ہوئی کتنی چیزوں کے ماڈل تھے۔ کتنی ایسی چیزوں کی نقلیں تھیں جو امریکہ کے قدیم باشندوں میں رائج تھیں۔

اس کے بعد میں نے اسٹور دیکھا۔ پھر ہسپتال گیا ایک لڑکے نے چھری سے ہاتھ کاٹ لیا تھا جس کی ابتدائی دیکھ بھال ایک بچی کر رہی تھی اس بچی کا نام نارما اسٹیونس تھا۔ ہسپتال کے پاس ہی پھلوں اور ترکاریوں کی منڈی تھی اُسے دیکھ کر میں بنک دیکھنے گیا۔ میں بنک کے پاس کھڑا تھا کہ ایک بچہ جس کا نام جان ٹارٹر تھا رقم جمع کرنے کی کھڑکی کی طرف آیا اور کچھ ڈالر جمع کئے۔ مجھے معلوم ہوا کہ اس نے بنک سے قرض لیا ہے اسی کا کچھ حصہ ادا کرنے آیا تھا دل چاہا کہ لڑکے سے کچھ پوچھوں اس لئے جب وہ چلنے لگا تو میں نے پوچھا "تم نے قرض کیوں لیا تھا؟"۔

جان ٹارٹر نے ایسی صورت بنا کر جیسے وہ اقتصادیات پر لیکچر دینا چاہتا ہو کہنا شروع کیا۔ "اگر آپ کو کسی زمین یا مکان خریدنے کی ضرورت ہو اور آپ کے پاس روپئے نہ ہوں تو آپ کو قرض لینا ہی پڑے گا اور جب آپ قرض لیں گے تو بنک کے پاس ضرور ہی آئیں گے جارج برجر اور میں نے زمین کا ایک ٹکڑا دو ہزار ڈالر میں خریدا ہے برجر نے تو اپنے حصّے کے ڈالر دے دئے لیکن میرے پاس پوری رقم نہ تھی اس لئے مجھے پانسو ڈالر بنک سے قرض لینے پڑے۔ میں اسی قرض کے ادا کرنے کے لئے ہر مہینے یہاں آتا ہوں اگلے مہینے میں سارا قرض ادا ہو جائے گا، میں نے قرض چکانے میں کبھی سستی نہیں کی اس لئے بنک مجھ پر اعتبار کرتا ہے۔ جارج اور میں زمین کی پیداوار بڑھانے اور اُسے سدھارنے میں لگے ہوئے ہیں اس لئے اگلے سال اس کی مالیت اب سے ضرور بڑھ جائے گی اس وقت ہم اُسے نفع کے ساتھ بیچ ڈالیں گے، یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ کسی چیز کو جتنا سدھارا اور بنایا جائے اتنا ہی اس کی قیمت میں اضافہ ہوگا۔"

بلاچ ہین کی تعلیم گاہ میں جغرافیہ اور تاریخ کی تعلیم صرف کتابی سبق رٹوا کر نہیں دی جاتی بلکہ

تجربے اور عمل سے بھی دی جاتی ہے وہاں بہت سے تاریخی واقعات کے خاکے بنا کر رکھے گئے ہیں پہاڑ، دریا اور جزیرے وغیرہ کے نمونے موجود ہیں۔ زمین پر دنیا کا ایک بہت بڑا نقشہ بنایا گیا ہے جس میں بہت سی قدرتی چیزوں کو تصویروں کے ذریعے دکھایا گیا ہے۔

کتابوں کے ذریعے بچوں کو پورے طور پر یہ نہیں بتایا جا سکتا کہ مٹی کا تیل کیسے نکلتا ہے؟ صاف کیسے کیا جاتا ہے؟ اس کی درآمد برآمد کیسے ہوتی ہے؟ لیکن مسز پھولر کی درس گاہ کے بچے مٹی کے تیل کے چشمے آنکھوں سے جا کر دیکھ آئے ہیں۔ کپڑا بننے کی مشینوں کا معائنہ کر چکے ہیں۔ پھر ملوں کی خاص خاص باتوں اور کام کرنے والی مشینوں کی ساختوں کو سامنے رکھ کر بہت سے پرزے بچوں نے خود تیار کئے ہیں۔ اس طرح کی بہت سی چیزیں بنا بنا کر جمع کی جا رہی ہیں ان بچوں کے جانے کے بعد جو بچے آئیں گے وہ اسکول کے کاموں کو بہت کچھ ہلکا پائیں گے کیوں کہ بہت سی چیزیں تیار مل جائیں گی۔

وہاں کھیتی کے کاموں کے تجربے ہو رہے ہیں مویشیوں کے پالنے اور اُن سے کام لینے کے طریقے سکھائے جا رہے ہیں کھاد اور بیج کے بارے میں تعلیم دی جا رہی ہے۔ غرض بلاچ مین ایک تجربہ گاہ بن رہا ہے جس میں چھوٹے چھوٹے بچے اپنی عمر ہی کے مطابق تعلیم نہیں پا رہے ہیں بلکہ وہ بہت سے ایسے کام بھی سیکھ رہے ہیں جو تعلیم گاہ چھوڑنے کے بعد زندگی کے میدان میں داخل ہونے پر اُن کے لئے بہت فائدہ مند ثابت ہوں گے

مسز پھولر سے باتیں کر رہا تھا کہ ایک کم سن بچہ ایک چھوٹا سا رجسٹر لئے ہوئے مسز پھولر سے دستخط کرانے آیا۔ مجھے خیال آیا کہ غالباً اس رجسٹر پر یہاں آنے والوں سے رائیں لکھوائی جاتی ہیں جو یقیناً تعریفی قسم کی ہوتی ہوں گی۔ مگر مسز پھولر نے مجھے وہ رجسٹر دکھایا تو میری غلط فہمی دور ہو گئی اس رجسٹر کے ذریعے چیمبر آف کامرس کے ممبروں کو اگلی میٹنگ کی اطلاع دی گئی تھی۔

مسز پھولر نے کہا "مجھے معلوم نہیں کہ مجلس کیوں بلائی جا رہی ہے لیکن اگلے ہفتے کی انتظامی کارروائی سے متعلق تجویز رکھی گئی ہے۔ یہ بچے بے ضرورت مجلس بلا کر وقت خراب کرنے کے عادی نہیں ہیں"

اس کے بعد تھوڑی دیر تک کچھ سوچ کر مسز پھولر نے کہا "بچوں کو موقع کیوں نہ دیا جائے کہ وہ تجربے کے ذریعے کچھ سیکھیں بچے ہماری زندگی کا بہت اہم حصہ ہیں وہ جب تک بالغ نہ ہو جائیں انھیں اہم ذمہ داریوں کے کام سکھانے کی کوشش کرنی چاہیے اور ایسی تعلیم دینی چاہیے کہ وہ اپنی حیثیت اور ذمہ داری کے کام سنبھالنے کے قابل ہو جائیں۔

دُخانی انجن

فضل الدین صاحب اثر ایم اے

فضل الدین صاحب اثر ایم اے نے تمہارے لئے یہ مضمون بہت محنت اور توجہ سے لکھا ہے۔ ہمیں امید ہے کہ تم اتنی ہی دلچسپی اور توجہ سے اسے پڑھو گے۔ اثر صاحب بہت مصروف آدمی ہیں مگر تمہارے پیام تعلیم کے لئے تھوڑا وقت نکال لیتے ہیں۔

(ایڈیٹر)

آج سے کئی سو سال پہلے کا ذکر ہے انگلستان اور اسکاٹ لینڈ میں کوئلہ کھودنے والوں نے محسوس کیا کہ جس قدر کوئلہ وہ کھود کر نکالتے ہیں اُن کی ضرورتوں کے لئے کافی نہیں۔ کوئلہ زمین میں بہت گہرائی تک ملتا ہے۔ لیکن یہ لوگ مجبوریوں سے کہ زیادہ گہرائی میں اگر یہ کوئلہ کھود بھی لیں تو اسے باہر نکالنے کی کوئی صورت نہ تھی۔ پھر بعض مرتبہ کوئلے کی کان میں پانی نکل آتا تھا اسے باہر نکال کر کان کو خشک کرنے کا بھی کوئی انتظام نہ تھا۔ یہ دشواریاں صرف انگلستان کے کوئلہ کھودنے والوں کی دشواریاں نہ تھیں بلکہ یورپ میں اور مقامات پر بھی جہاں کوئلہ نکلتا تھا یہی مشکلیں پیش آتی تھیں

یہ مثل تو تم نے سُنی ہوگی کہ ضرورت ایجاد کی ماں ہے تو سنہ ۱۶۹۶ء میں ایک فرانسیسی نے بھاپ کا ایک ایسا انجن بنانا چاہا جو کانوں سے کوئلہ بھی باہر نکال سکے اور پانی بھی کھینچ سکے اس فرانسیسی کا نام ڈینس پیپن (DENIS PAPIN) تھا پیپن کا انجن بہت سادہ شکل کا تھا۔ اس میں کل پرزوں کی کوئی الجھن نہ تھی۔ صرف ایک پسٹن (PISTON) ایک سلنڈر (CYLINDER) میں بھاپ کے زور سے اُٹھ جاتا تھا۔ سلنڈر میں پسٹن کے نیچے پانی بھر کر آگ جلادی جاتی تھی جس سے پانی بھاپ بن کر پسٹن کو اوپر اُٹھا دیتا تھا۔ پسٹن کے اوپر اُٹھ جانے کے بعد سلنڈر کے نیچے سے آگ

ہٹالی جاتی تھی تاکہ بھاپ جم جائے اور پسٹن پھر نیچے اتر آئے۔ اسی طرح اس انجن کو چلانے کے لئے بار بار بھاپ سے اس کا پسٹن اُٹھانا ہی گرانا پڑتا تھا۔ یہ انجن کئی منٹ میں پہیے کو گیارہ گھما سکتا تھا۔ پیپن نے اپنا یہی سیدھا سادہ انجن ایک کشتی میں لگا کر اسے دریا میں چلانے کی بھی کوشش کی لیکن اس پاس کے ملاح جانتے تھے کہ پیپن کی ایجاد ان کی روزی کو نقصان پہنچائے گی اس لئے موقع پاکر انھوں نے پیپن کی کشتی کو مع انجن کے توڑ ڈالا۔

پیپن سے پیشتر مارکوئس آف وورسٹر (MARQUIS OF WORCESTER) نے بھی ایک ایسا بھاپ کا انجن بنایا تھا جو پانی کو سطح سے چالیس فیٹ اوپر کھینچ سکتا تھا۔ یہ انجن نمائش کی غرض سے ۱۶۶۳ء سے ۱۶۷۰ء تک واکس ہال (VAVX HALL) میں رکھا ضرور گیا تھا لیکن کبھی اس سے کام نہیں لیا گیا۔

روزمرہ کے کاموں میں مدد کرنے والا بھاپ کا انجن سب سے پہلے ڈیون شائر DEVONSHIRE کے ایک لوہار ٹامس نیوکومن (THOMAS NEWCOMEN) نے بنایا تھا اور سب سے پہلے ایک ٹین کی کان سے پانی نکالنے کے لئے استعمال کیا گیا تھا نیوکومن کا انجن بہت آہستہ آہستہ چلتا تھا اور وہ اس لئے کہ اس کے سلنڈر میں نلوں کے ذریعے باری باری بھاپ اور سرد پانی داخل کیا جاتا تھا۔

نیوکومن کے انجن میں سب سے پہلی ترقی ایک لڑکے کے ہاتھوں ہوئی۔ اس لڑکے کا نام ہمفرے پوٹر (HUMPHREY POTTER) تھا۔ ایک دن ہمفرے کو کان میں یہ کام سپرد کیا گیا کہ وہ انجن کے پاس کھڑا کھڑا باری باری سلنڈر میں بھاپ اور سرد پانی داخل کرنے کے لئے نلوں کی ٹونٹیاں کھولتا اور بند کرتا رہے لیکن ہمفرے اپنے کام سے بہت جلد اُکتا گیا اس نے جیب سے ایک رسی کا ٹکڑا نکالا اور انجن کی حرکت کرنے والی سلاخ سے ٹونٹیوں کو اس طرح باندھ دیا کہ ٹونٹیاں سلاخ کی حرکت کے ساتھ ساتھ کھلتی بند ہوتی ہیں۔ کان کے منیجر نے ہمفرے کی ایجاد کو بہت سراہا اور رسی کے ٹکڑے کی بجائے لوہے کی سلاخ لگوادی۔

بڑی مدت تک بھاپ کے انجن میں کوئی ترقی نہیں ہوئی بالآخر ۱۹ جنوری ۱۷۳۶ء کو وہ شخص پیدا ہوا جس نے بھاپ کے انجن کو مکمل کر دیا اس کا نام جیمس واٹ (JAMES WATT) تھا واٹ کو بچپن ہی سے کل پرزوں سے دلچسپی تھی۔ اُسے ڈرائنگ کا شوق ضرور تھا۔ لیکن پڑھنے لکھنے سے زیادہ لگاؤ نہ تھا۔ واٹ کے متعلق بہت سی

دلچسپ کہانیاں مشہور ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ایک دن وہ اپنے والدین کے ساتھ چائے پینے بیٹھا۔ اس کے ماں باپ تو چائے پیتے رہے لیکن وہ خاموش بیٹھا بیٹھا کیتلی سے نکلتی ہوئی بھاپ پر چمچہ لگا لگا کر بھاپ کی قوت کا اندازہ لگاتا رہا۔

واٹ جب بڑا ہوا تو گلاسگو کے دار العلوم میں مستری ہو گیا۔ اسی دوران میں اس کے پاس نیوکومن کا بنایا ہوا ایک انجن مرمت کے لئے آیا۔ واٹ نے سوچنا شروع کیا کہ وہ کس طرح اس انجن کو بہتر بنا سکتا ہے۔ ۱۷۶۵ء میں ایک اتوار کی شام کو واٹ کے دماغ میں ٹہلتے ٹہلتے ایک ترکیب آگئی۔ اس نے فیصلہ کیا کہ سلنڈر کے برابر ایک اور ٹنکی بنا دے تاکہ بھاپ سلنڈر میں پسٹن کو اٹھا چکنے کے بعد اس ٹنکی میں پہنچ کر منجمد ہو جائے۔ اس طرح سلنڈر کو بار بار ٹھنڈا بھی نہیں کرنا پڑے گا اور انجن بھی تیزی سے چلے گا۔ واٹ نے گھر آکر اس طرح ایک انجن بنانا شروع کیا اور اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا۔

غنچہ سالگرہ نمبر

بچوں کا یہ ہفتہ وار رسالہ ایک عرصے سے بجنور سے نکل رہا ہے۔ لیکن جب سے شاغل فخری صاحب اس کے ایڈیٹر ہوئے ہیں اسے ترقی دینے میں خاص طور پر کوشش کر رہے ہیں۔ انہی کی کوششوں سے شاید پہلی بار اس کا سالگرہ نمبر بھی نکلا ہے۔ اسے ہر طرح مفید اور دلچسپ بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔ مضمون، قصے، کہانیاں نظمیں، لطیفے، پہیلے غرض سب ہی چیزیں ہیں۔ لکھائی چھپائی اچھی ہے۔ غنچہ کی سالانہ قیمت سے رہے فی پرچہ ار۔ سالگرہ نمبر کی قیمت سالانہ قیمت میں شامل ہے۔

مقام اشاعت:۔ غنچہ بجنور یوپی

سعادت سالگرہ نمبر:۔

اس رسالہ کا ذکر کسی پچھلے پرچے میں آچکا ہے۔ اس نے بھی اپنا شاندار سالگرہ نمبر سنہ ۱۹۵۰ء نکالا ہے اس میں ویسے تو سبھی مضمون اچھے ہیں مگر نبیل کی چوری (ڈرامہ) ضروری کام (مضمون) اسروی (نظم) بچوں کی استانی (ڈرامہ) کئے کی سزا (نظم) پڑھنے کے قابل ہیں۔ اس کی سالانہ قیمت للعہ ہے۔ خاص نمبر کی قیمت اسی میں شامل ہے۔

مقام اشاعت لاہور

خود غرض دیو

افتخار خاتون

ایک دنوں کی بات ہے۔ سڑک کے کنارے ایک دیو کا باغ تھا۔ اس میں قسم قسم کے خوب صورت پھولوں اور پھلوں کے درخت تھے۔ تمام زمین ہری بھری گھاس سے ڈھکی ہوئی تھی۔ بہار کے موسم میں درخت سفید کلیوں اور خوش رنگ پھولوں سے لد جاتے تھے۔ اسی سڑک کے قریب ایک گاؤں بھی تھا۔ اس گاؤں کے بچے اسکول کے بعد یہاں کھیلنے آیا کرتے تھے اور اپنا وقت نہایت ہنسی خوشی گذارتے تھے۔

اس باغ کا مالک یعنی دیو اپنے ایک دوست سے ملنے گیا تھا وہ بہت دنوں تک اپنے دوست کے یہاں رہا۔ جب وہ اپنے وطن کو واپس آیا اس نے دیکھا کہ اس کا باغ خوب سرسبز ہے اور ننھے ننھے بچے اس میں خوب مزے سے کھیل کود رہے ہیں تو اسے بہت برا لگا۔ اصل میں وہ نہایت خود غرض دیو تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ اس کے باغ میں کوئی نہ آئے بس وہ اکیلا ہی باغ کی خوب صورتی سے لطف اٹھائے۔ اس نے نہایت زور دار آواز میں بچوں کو مخاطب کر کے کہا "تم سب یہاں کیا کر رہے ہو؟ کل سے میرے باغ میں کوئی نہ آئے میں باغ کے چاروں طرف ایک دیوار بنا دوں گا"۔ سب بچے یہ سن کر ڈر گئے اور باغ سے بھاگ گئے۔ دوسرے دن اس خود غرض دیو نے باغ کے گرد ایک دیوار بنائی اور تختے پر یہ لفظ لکھ کر تختہ باغ کی دیوار پر لٹکا دیا۔

"اس طرف سے گذرنے والوں کو سزا ملے گی"۔

اب بچوں کے لئے کہیں کھیلنے کی جگہ نہ تھی۔ وہ اسکول کے بعد سڑک پر کھیلتے مگر وہاں سوائے پتھروں کے کچھ نہ تھا۔ وہ لوگ باغ کے گرد چکر لگاتے اور حسرت سے کہتے "ہم وہاں کس قدر ہنسی خوشی اپنا وقت گذارتے تھے"۔

بہار کا موسم آیا تو ہر جگہ سرسبزی نظر آنے لگی باغ باغیچے پھلوں اور پھولوں کی خوشبو سے مہک اٹھے مگر اس خود غرض دیو کے باغ میں بہار نہ آئی۔ وہاں اب بھی خزاں کا موسم تھا۔ چڑیاں بھی وہاں گانے کے لئے نہ جاتی تھیں۔ درخت گویا کلیوں کے لئے ترس رہے تھے۔ ایک مرتبہ ایک خوب صورت پھول نے اپنا سر سوکھی گھاس سے نکال کر باغ کو دیکھنے کی کوشش

کی مگر جب اس کی نظر تختے پر لکھے ہوئے الفاظ پر پڑی تو اس کو بچوں سے بڑی ہمدردی ہوئی اور اس نے دوبارہ اپنا سر گھاس میں چھپا لیا اور خود غرض دیو کے باغ میں اب پھر کہرے، آندھی اور برف کا راج ہو گیا۔

دیو نے باغ کی طرف دیکھ کر کہا "آخر ابھی تک بہار کا موسم کیوں نہیں آیا۔ میرے خیال میں اب جلدی ہی موسم بدل جائے گا" مگر بہار اس کے باغ میں کبھی نہ آئی۔ ملک کے سارے باغوں میں اچھے اچھے پھول پھل آئے مگر دیو کے باغ میں اس کی خود غرضی کے باعث ہمیشہ کہرے برف اور طوفان کا راج رہا۔

ایک صبح کو دیو اپنے بستر پر لیٹا ہوا تھا کہ اس کو ایسا معلوم ہوا جیسے کوئی بہت اچھا گانا گا رہا ہو اس نے سوچا کہ اس قدر میٹھی آواز اس نے کبھی نہیں سنی۔ شاید بادشاہ کے دربار کا کوئی گانے والا قریب سے گذر رہا ہے۔ دراصل ایک چڑیا اس کی کھڑکی کے پاس گا رہی تھی۔ اس نے تو مدت سے کسی چڑیا کی بھی آواز نہ سنی تھی اس لئے اسے یہ گانا اتنا اچھا معلوم ہوا۔ مگر فوراً ہی آندھی چلنے لگی اور کہرا چھا گیا۔

تھوڑی دیر بعد پھر کہرا صاف ہو گیا اور آندھی رک گئی اس نے سوچا اب کے ضرور موسم بہار آ گیا جلدی سے اس نے کھڑکی سے جھانکا مگر اس کی حیرت کی انتہا نہیں رہی جب اس نے دیکھا کہ باغ کی دیوار ایک جگہ سے ٹوٹ گئی تھی اور بچے باغ میں آ گئے تھے۔ بچے درختوں پر بیٹھے تھے۔ تمام درخت خوشی سے جھوم رہے تھے خوب صورت سفید کلیوں نے درختوں کو ڈھانک دیا تھا۔ چڑیاں خوشی سے گا رہی تھیں۔ پھول ہنستے ہوئے معلوم ہوتے تھے۔ غرض بہت ہی خوب صورت تھا۔ مگر باغ کے ایک کونے میں اب بھی خزاں تھا۔ ایک بہت ہی چھوٹا بچہ ایک درخت پر تھا مگر وہ اس پر چڑھ نہیں سکتا تھا۔ اسی لئے اس درخت پر اب بھی برف پھیلا ہوا تھا اور ایک بھی کلی نہ تھی بچہ روتا جاتا تھا اور درخت پر چڑھنے کی ناکام کوشش کرتا جاتا تھا۔

اس منظر کو دیکھ کر دیو کا دل پگھل گیا اور وہ بہت ہی افسوس کے لہجہ میں کہنے لگا "میں کس قدر خود غرضی کرتا رہا، میں اس بچے کو درخت پر چڑھا دوں گا اور فوراً باغ کی چہار دیواری گرا دوں گا۔ اب میرا باغ بچوں کے کھیل کا میدان بن جائے گا" خود غرض دیو اپنے کئے پر اب بہت پشیمان تھا۔ وہ چپ چاپ بچے کے پاس پہنچا۔ مگر جیسے ہی اور بچوں کی نظر دیو پر پڑی وہ خوف زدہ ہو کر بھاگ گئے۔ ان کے جاتے ہی باغ میں پھر خزاں چھا گئی مگر صرف وہ چھوٹا بچہ نہ بھاگا کیونکہ وہ دیو کے آنے سے بے خبر تھا۔ دیو نے بچے کو نہایت پیار سے گود میں لے کر درخت پر چڑھا دیا۔ ایک دم اس درخت میں کلیاں پھوٹ نکلیں اور اس کونے میں بھی بہار آ گئی۔ بچے نے اپنے ہاتھ پھیلا دئے اور اپنی باہیں دیو کی گردن میں ڈال دیں اور دیو

کو محبت سے پیار کیا۔ جب دوسرے بچوں نے یہ دیکھا کہ دیو بچے پر اس قدر مہربان ہے تو وہ سب باغ میں دوبارہ آگئے۔ ان کے آتے ہی بہار نے سارے باغ پر قبضہ کرلیا اس کے بعد دیو نے باغ کی چہار دیواری گرادی اور خود بچوں کے کھیل میں شامل ہوگیا۔ اس وقت اس کا باغ پھولوں سے لدا ہوا تھا۔ بچے اور دیو تمام دن کھیلتے رہے۔ جب شام ہوئی تو بچوں نے دیو سے رخصت چاہی۔ دیو نے پوچھا "وہ تمہارا چھوٹا ساتھی کہاں ہے؟ وہ مجھے بہت ہی پیارا معلوم ہوتا ہے۔" بچوں نے کہا "ہمیں نہیں معلوم شاید وہ چلا گیا!" دیو نے بچوں سے کہا۔ "کل تم بھی آنا اور اسے بھی لانا" مگر بچوں نے بتایا کہ ان میں سے کسی کو اس کا گھر نہیں معلوم۔ اس کے بعد دیو نے اس ننھے بچے کو کبھی نہیں دیکھا۔ اس کا اس کو بڑا افسوس رہا۔ ہر شام کو بچے دیو کے باغ میں کھیلنے آتے مگر وہ چھوٹا بچہ کبھی نہ آیا۔ دیو سب بچوں پر مہربان تھا مگر اسے اپنا چھوٹا دوست بہت یاد آتا تھا۔

اسی طرح مدت گذر گئی دیو اب بہت کمزور ہوگیا تھا وہ کافی بوڑھا بھی ہوگیا تھا۔ اب وہ بچوں کے کھیلوں میں حصہ نہ لیتا تھا۔ وہ ایک آرام کرسی پر بیٹھ کر بچوں کو دیکھ کر خوش ہوتا تھا اور بچوں کے کھیلوں کی تعریفیں کیا کرتا تھا وہ کہتا تھا مجھے باغ کے پھولوں سے زیادہ یہ بچے بھلے لگتے ہیں۔

ایک دن صبح کے وقت ٹھنڈ خوب پڑ رہی تھی۔ دیو اپنے کمرے کی کھڑکی کے سامنے اپنا لباس بدل رہا تھا تو اس نے باغ کے ایک کونے میں نہایت ہی عجیب اور خوب صورت منظر دیکھا۔ اس نے دیکھا کہ دور باغ کے ایک کونے میں خزاں کے موسم میں ایک درخت کلیوں سے لدا ہوا ہے اس کی تمام شاخیں سنہری معلوم ہوتی تھیں اور چاندی کے مانند سفید پھل اس درخت میں لگے ہوئے تھے۔ درخت پر وہی چھوٹا بچہ بیٹھا ہوا تھا جس کو ایک مرتبہ دیو نے گود میں لے کر درخت پر چڑھایا تھا اور جسے وہ اکثر یاد کیا کرتا تھا۔

یہ دیکھتے ہی دیو تیزی سے اس طرف دوڑا مگر جب قریب جاکر اس نے دیکھا کہ بچے کے ہاتھوں اور پاؤں پر چند زخم ہیں اور ان سے خون بہہ رہا ہے دیو غصہ سے لال ہوگیا اور بچے سے پوچھا کہ کس نے اس کو اس قدر تکلیف دی ہے؟ بچے نے کہا "یہ تو محبت کے زخم ہیں!" تب تو دیو رکا اور پوچھا "تم کون ہو؟" یہ کہتے ہی اس پر ایک قسم کی دہشت طاری ہوگئی اور اس نے بچے کے سامنے اپنا سر ادب سے جھکا دیا۔ بچہ مسکرایا اور کہا "تم نے ایک مرتبہ مجھے اپنے باغ میں کھیلنے دیا آج تم کو میرے باغ میں میرے ساتھ جانا ہوگا جو جنت الفردوس میں ہے۔"

اسی دن شام کو جب بچے باغ میں کھیلنے آئے تو انھوں نے دیکھا کہ دیو درخت کے نیچے بے جان پڑا ہے اور اس کا سارا جسم خوب صورت اور خوشبودار کلیوں سے ڈھکا ہوا ہے۔

شکاری اپنا شکار

حمید اللہ خاں لاہور

مجھے شکار کا شوق ہے اور نشانے بازی کی مشق بھی اسکول کی چھٹیوں میں اکثر سیر و شکار کا اتفاق ہوتا ہے۔ ایک بار میں اور سیالکوٹ ڈسٹرکٹ بورڈ کے سینیر وائس چیرمین صاحب ہیڈ مورالہ پہنچے۔ یہ مقام سیالکوٹ سے جنوب مشرق کی جانب، ۱میل کے فاصلے پر دریائے جہلم کے کنارے پر واقع ہے اور بڑی دل کش شکار گاہ ہے یہاں دریا کا ایک بند بھی بنایا گیا ہے۔ اس کی لمبائی ایک میل اور چوڑائی ڈھائی میل ہے۔ اس قطعہ پر کاشت کی جاتی ہے وہاں ہم نے غلے کے کئی کھیت بھی دیکھے۔ بند کے ذریعہ پانی کا جو ذخیرہ یہاں جمع ہوتا ہے وہ جہلم کی مشہور نہر کو پہنچایا جاتا ہے۔ اس مقام پر شکار کھیلنے کے لئے ہم نے اتوار کا دن تجویز کیا تھا۔ کیونکہ مرغابیوں کا تو یہ گھر ہے۔ شکار کا وقت بھی ہم نے دوپہر سے غروب آفتاب تک کا مقرر کر لیا تھا۔

غرض اتوار کو ۲ بجکر ۵ امنٹ پر ہمارا قافلہ جس میں سینیر وائس چیرمین ان کے ساتھی اور میں شامل تھے۔ وہاں پہنچ گیا۔ اور ہم دو کشتیوں پر سوار ہو کر بند کے وسط تک آئے۔ ہم چاروں کے پاس بندوقیں تھیں۔ ایک کشتی میں ریاض اور میں بیٹھے ہوئے تھے اور دوسری میں وائس چیرمین اور نبی بخش۔ اتنے میں ہم نے کیا دیکھا کہ کوئی دو تین سو بطخیں ہماری طرف اڑتی چلی آ رہی ہیں۔ ہم میں سے ہر ایک نے فوراً اپنی اپنی بندوق دو دو کارتوسوں سے بھر لی سینیر وائس چیرمین نے پکار کر کہا "فیر کرنے کے لئے تیار ہو جاؤ" میرے ساتھی ریاض نے چلا کر جواب دیا "جی ہاں ہم تیار ہیں" بس پھر کیا تھا بنگ بنگ کی آواز کے ساتھ ہماری بندوقوں کے چھ فیر ہوئے۔

میں اور ریاض اچھے نشانہ باز تھے اس لئے ہم نے دس بطخیں ماریں دوسرے دو ساتھی صرف چھ ہی مار سکے وہ اتنے مشاق نہ تھے۔ اس طرح صرف ۱۶ مرغابیاں ہمارے ہاتھ لگیں۔ اس کے بعد آگے بڑھ کر ہم نے دوسرے جھنڈ سے سولہ اور مار گرائیں۔ اب ہم ایسے مقام پر تھے جہاں سے پانی دو دھاروں میں بہہ کر غلے کے ایک بڑے کھیت کے اردگرد حلقہ باندھے ہوئے تھا۔ یہاں سے ہماری کشتیوں کا رخ بدل گیا۔ ریاض اور میں نے داہنی

جانب والی دھار میں اپنی کشتی ڈال دی اور وہ بائیں طرف چلے گئے۔ اب ہمارے داہنی طرف غلہ کا ایک چھوٹا سا کھیت پڑتا تھا۔ اس کھیت کے شمالی مشرقی حصہ میں ایک گڑھا تھا جو لہلہاتی فصل کی وجہ سے نظر نہیں آتی تھی مگر ہم نے دیکھ لیا تھا کہ مرغابیاں اڑکر ادھر ہی کہیں بیٹھی ہیں۔ اس لئے ہم کھیت کے کنارے فوراً ہی اپنی کشتی لائے۔ بندوقیں تو پہلے ہی سے بھری ہوئی تھیں مگر ہم نے پانچ پانچ کارتوس اور لئے اور تلیا کی طرف بھاگے۔ اتفاق سے مرغابیاں ہمارے پہنچنے سے پہلے ہی اڑ گئیں میں ریاض سے ذرا آگے دوڑ رہا تھا۔ اب میں نے سوچا کہ میں تلیا کے پاس ہی جاکر رکوں گا اور وہاں ٹھہر کر ریاض کا انتظار کروں گا۔ اتنے میں نہ جانے کس طرح میرے ہاتھ سے بندوق دن سے چل گئی اور کچھ چھرے میری پیر کی انگلی پر لگے۔ میرے منہ سے ایک چیخ نکل گئی۔ ریاض دوڑتا ہوا میرے پاس آیا اس نے دیکھا کہ میں بیٹھا ہوا زخمی انگلی کی طرف دیکھ کر رو رہا ہوں۔ اس نے فوراً اپنا رومال پھاڑ کر میرے زخم پر پٹی باندھ دی مجھے اٹھا کر کشتی تک لایا اور اس میں بٹھا دیا۔

اب ہم واپس جا رہے تھے کہ اتنے میں سینئر وائس چیرمین کی کشتی جو بڑے کھیت کے شمالی کونے کے موڑ سے گذر کر ہماری طرف آ رہی تھی ہم تک پہنچ گئی۔ میں نے اپنے چہرے کو سنجیدہ بنانے کی کوشش کی مگر ان کے آتے آتے تو میری قوت ضبط نے جواب دے دیا اور درد کے مارے میرا برا حال ہو گیا۔ میرے چہرے پر زردی چھا گئی۔ میری حالت دیکھ کر سینئر چیرمین سمجھ گئے اور خفا ہو کر کہنے لگے "یہ تم نے کیا حماقت کی" وہ مجھے سخت سست کہہ سکتے تھے کیونکہ میرے چچا تھے۔ مگر بعد میں انھوں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ خیر ہوئی جو پیر بچ گیا صرف انگلی ہی کا نقصان ہوا۔ پھر ہم گھر لوٹ آئے اور اپنے ساتھ ۱۲ مرغابیاں اور اپنے پیر کی آدھی انگلی لائے۔

ابوبکر اور دو چوہے

مولانا محمد حسین صاحب محوی

ابوبکر نامی ایک بزرگ لکھتے ہیں کہ ایک رات میں بیٹھا ہوا کچھ حدیث شریف لکھ رہا تھا۔ رات تھوڑی گذر چکی تھی ان دنوں میرا ہاتھ ذرا تنگ تھا۔ میں لکھتا اور یہ سوچتا جاتا تھا کہ کیا کرنا چاہیئے جو یہ تنگی دور ہو۔ اتنے میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک بڑا سا چوہا اپنے بل میں سے نکلا اور اِدھر اُدھر گھومنے لگا۔ ذرا دیر بعد ایک اور نکل آیا۔ یہ دونوں میرے سامنے خوب اچکنے، کودنے اور چہلیں کرنے لگے۔ خوب کشتی لڑتے رہے۔ کبھی دونوں گڈمڈ ہو جاتے تھے کبھی یہ اسے پٹک دیتا اور کبھی وہ اسے۔ غرض دیر تک کھیلتے رہے۔ یہ دونوں بار بار بالکل میرے قریب آجاتے تھے۔

اب ان میں سے ایک اور زیادہ آگے بڑھا اور میرے پاس ہی آگیا۔ اس وقت میرے پاس ہی ایک تسلا رکھا تھا جھٹ میں نے اسے اوندھا کر ڈھانک دیا۔ چوہا اس کے نیچے بند ہو کر رہ گیا۔ اب تو دوسرا چوہا بہت پریشان ہوا بہت گھبرایا وہ کبھی، اس تسلے کو سونگھتا تھا۔ کبھی اس کے آس پاس گھومتا اور کبھی اسے اٹھانے کے لئے زور لگاتا

آن حضرت صلعم کی باتیں یا ان کا حکم

کبھی اپنے کو تسلے پر دے دے مارتا تھا۔ غرض اس نے اپنے ساتھی کو آزاد کرانے کی بہت کوشش کی لیکن بیچارا کامیاب نہ ہوا۔ میں خاموش بیٹھا ہوا لکھتا اور کن انکھیوں سے دیکھتا رہا۔ آخر نا امید ہو کر یہ چوہا اپنے بل میں چلا گیا۔ اور ذرا دیر بعد پھر نکلا۔ اب جو میں نے دیکھا تو یہ چوہا اپنے منہ میں ایک اشرفی دبائے ہوئے تھا۔ اشرفی لاکر اس نے میرے سامنے ڈال دی اور خاموش اُداس میرے سامنے بیٹھ گیا۔ میں نے چپکے سے دیکھا مگر کچھ نہ بولا، برابر اپنا کام کرتا رہا۔ چوہا تھوڑی دیر تک سامنے بیٹھا میرا منہ تکتا رہا آخر پھر اپنے بل میں گیا اور ایک اشرفی اور دبا لایا وہ بھی میرے سامنے لاکر رکھ دی اور چپکا بیٹھا ہوا پھر میرا منہ تکنے لگا۔ اس دفعہ زیادہ دیر تک اس نے انتظار کیا مگر میں اب بھی چپ لکھتا رہا۔ چوہا پھر گیا اور ایک اشرفی اور لے آیا۔ اس طرح اس نے شاید چار یا پانچ پھیرے کئے۔ آخری وقت بڑی دیر تک بیٹھا رہا دیکھتا رہا کہ میں چوہے کو چھوڑ دوں۔ لیکن اب بھی میں چپ چاپ اپنے لکھنے میں لگا رہا نہ چوہے کو کھولا نہ اس کی طرف دھیان کیا۔ اب یہ چوہا پھر اپنے بل

ں گیا اور ایک چھوٹی سی چمڑے کی تھیلی منہ میں دبائے
ہوئے نکلا اور جتنی اشرفیاں اس میں تھیں سب میرے سامنے
ڈال دیں۔ میں سمجھ گیا کہ اب اس کے پاس کچھ نہیں رہا۔
ں گر ... بے چارا اپنے ساتھی کو چھڑانے کے لئے لے
پر تسلا اٹھا دیا۔ اب تو دونوں کودتے اچھلتے
یا ... ہم ...
جن ...

بھاگے اور جھٹ اپنے بل میں گھس گئے۔ اس وقت ان کی خوشی دیکھنے کے قابل تھی مجھ پر بھی بڑا اثر ہوا۔ میں نے اشرفیاں اٹھالیں خدا کا شکر ادا کیا اور دن نکلتے ہی بازار جاکر اپنی ضرورتیں پوری کیں۔ یہ اشرفیاں بالکل کھری اور معمولی اشرفیوں سے سوائی تھیں۔

ترانہ

از جناب عبدالقادر صاحب سیالکوٹی استاد جامعہ نگر داوکھلا)

یہ ترانہ روز صبح کو جامعہ نگر اوکھلا میں گایا جاتا ہے۔

ہے ہر شے سے اعلیٰ تری ذات پاک — بیاں ہم سے کیونکر ہوں تیرے صفات
کیا اک اشارے سے پیدا جہاں — یہ خشکی، تری، یہ زمیں، آسماں
یہ پھل پھول، یہ باغ پھلواریاں — ترے دست قدرت کی گلکاریاں
عطا کی ہے تو نے ہمیں زندگی — ہے زیبا کریں ہم تری بندگی
تری نعمتوں کا نہیں کچھ شمار — تو ہے کل جہانوں کا پروردگار
برائی سے بچنے کی توفیق دے — بھلے کام کرنے کی توفیق دے
ہمیں علم وہ دے جو ہو سومند — کرے دین و دنیا میں جو سربلند
ہمیں نوجواں مرد میداں بنا — دبے جن سے باطل وہ انساں بنا
جہالت کے بندوں سے آزاد کر — غلامی کے پھندوں سے آزاد کر
بنا اپنے بندوں کا خدمت گذار — کریں ملک و ملت پہ تن من نثار

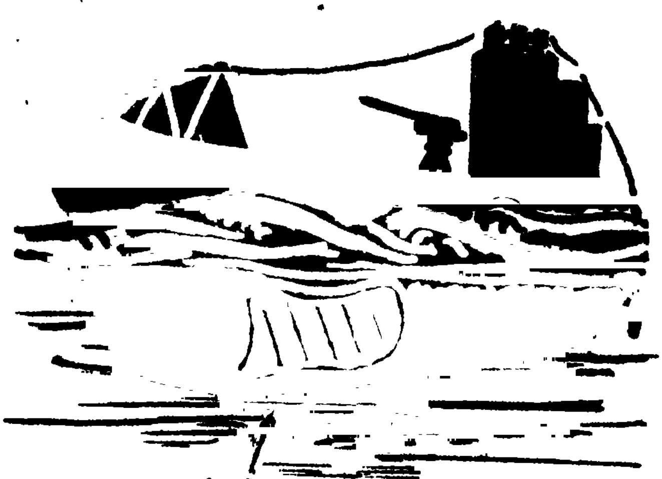
ترے نام کا بول بالا کریں
مٹائیں اندھیرا اُجالا کریں

مقناطیسی سرنگ

محمد عبدالحیٔ حیدرآباد (دکن)

آج کل کی بڑی لڑائی میں کوئی تین چار مہینے پہلے اخباروں میں مقناطیسی سرنگوں کی خبریں بہت آتی تھیں ان سرنگوں کی وجہ سے بہت سے جہاز تباہ و برباد ہوگئے۔

پونڈ تک آتش گیر مادہ بھرا ہوا ہوتا ہے۔ یہ مادہ آگ بھڑکانے والی بیٹریوں سمیت کوئی آدھی جگہ گھیر لیتا ہے۔ آدھی جگہ میں ایک ہلکا سا مادہ ہوتا ہے۔
سرنگ کے بالائی حصے میں اوپر کی طرف اور



جہاز کا وہ حصہ جہاں ۸۴ سرنگیں رکھی جاتی ہیں

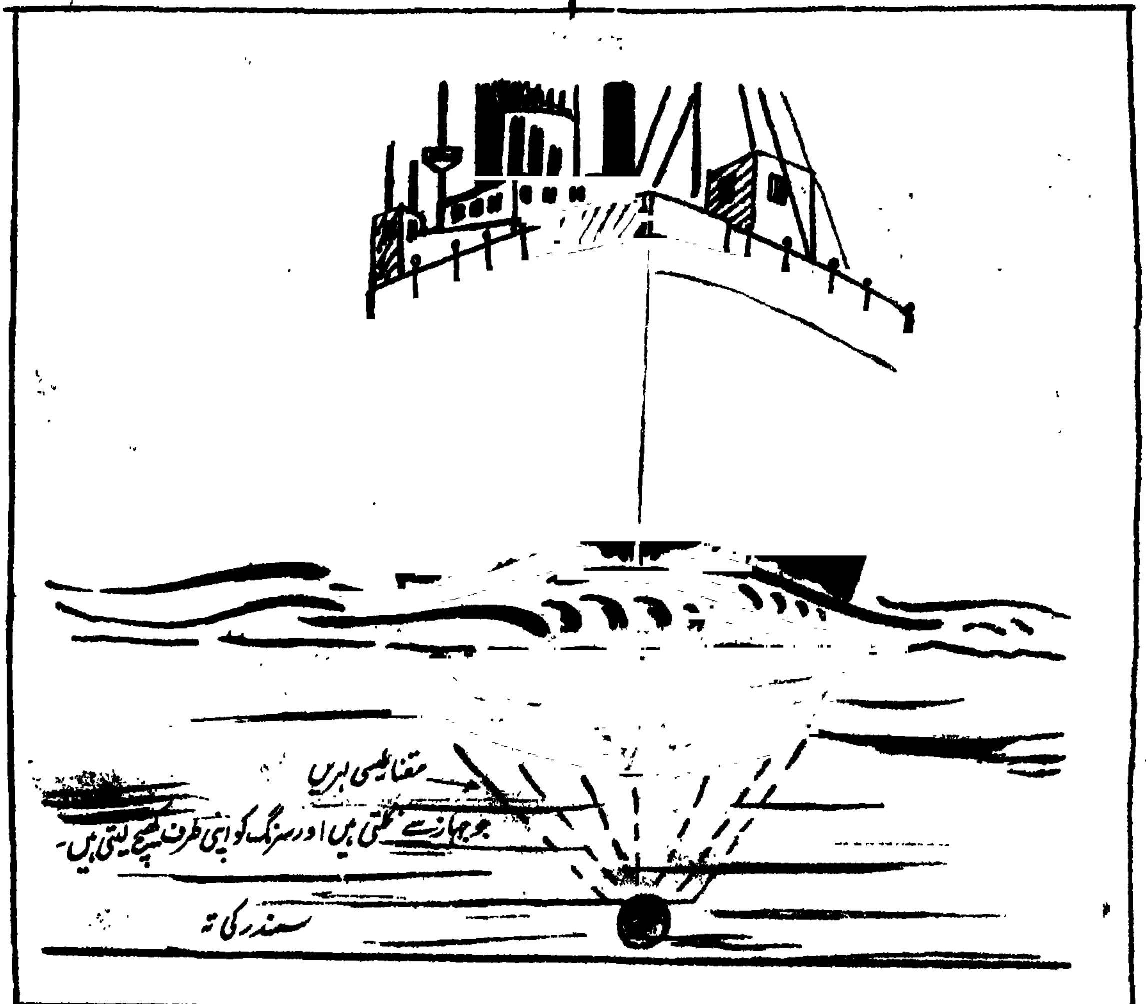
یہ مقناطیسی سرنگ ایک معمولی گول یا ناشپاتی کی شکل کا تیرتا ہوا پیپا ہے۔ اس کا قطر کوئی تین فٹ ہوتا ہے۔ اور اس میں ڈھائی سو سے لے کر تین سو

اسی طرح نیچے کی طرف سینگ ہوتے ہیں۔ ان کا قطر ایک انچ سے سوا انچ تک ہوتا ہے۔ ان کے اندر کانچ کی ایک نلی ہوتی ہے جس کے اوپر ربڑ مڑا ہوا ہوتا

ہے۔ تاکہ ہلنے ڈلنے سے کوئی اثر نہ ہو۔ اس کانچ کی نلی میں ایک خاص کیمیا دی مرکب ہوتا ہے۔ یہ سینگ پچاس پونڈ وزن کی ضرب سے ٹوٹ سکتا ہے۔ اس کے

پاش پاش کر دیتی ہے۔

سرنگ میں نہ کوئی رسی ہوتی ہے نہ کوئی پہیا ہاں ایک لوہے کے تار کے ذریعہ ایک وزنی لنگر سے

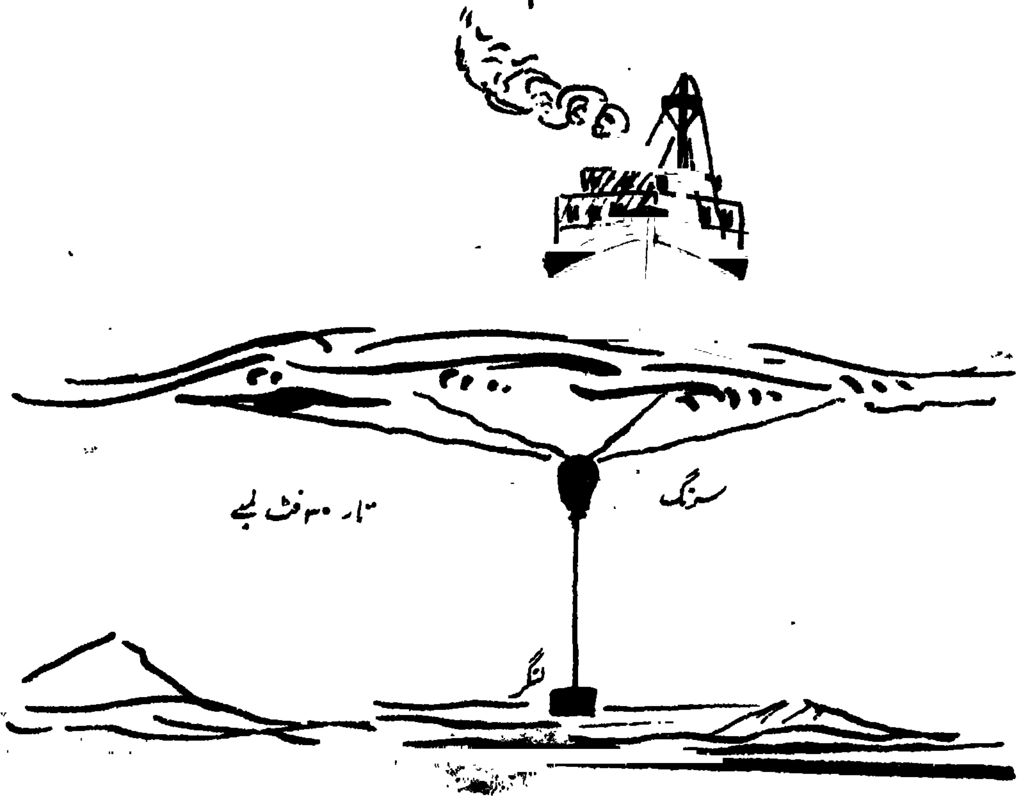


ٹوٹنے سے کانچ کی نلی پھوٹ جاتی ہے اور اس سے سیال (بہنے والا) مادہ نکلتا ہے۔ اس سے بیٹری اور آتش گیر مادہ میں گرمی پیدا ہوتی ہے اور یہ بھڑک اٹھتا ہے۔ اب یہ سرنگ جس چیز سے ٹکراتی ہے اسے

بندھی ہوتی ہے۔ اس لنگر کو سرنگیں بچھانے والے جہاز یا یو، بوٹ (U. BOAT) کے ذریعے سمندر میں چھوڑا جاتا ہے۔ لنگر سرنگ کو سمندر کی تہہ میں لے جاتا ہے۔ تھوڑی دیر میں سرنگ لنگر کو دہیا چھوڑ

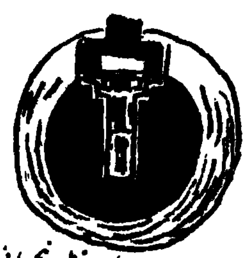
کرا وپر کو اٹھنا شروع ہوتی ہے - اس میں پندرہ سے لے کر تیس منٹ لگتے ہیں - اتنے عرصے میں سرنگ بچھانے [illegible] آگے نکل جاتا ہے - سرنگ کی نچلی طرف

سے نہیں پھینکی جاتی - سی پلین (ہوائی جہاز جو سمندر میں بھی چلتا ہے) کے ذریعے بھی یہ سرنگ پانی میں ڈالتے ہیں -



ایک اور چیز ہے یہ سرنگ کو سطح سمندر سے نیچے مقررہ جگہ پر قایم رکھتی ہے -

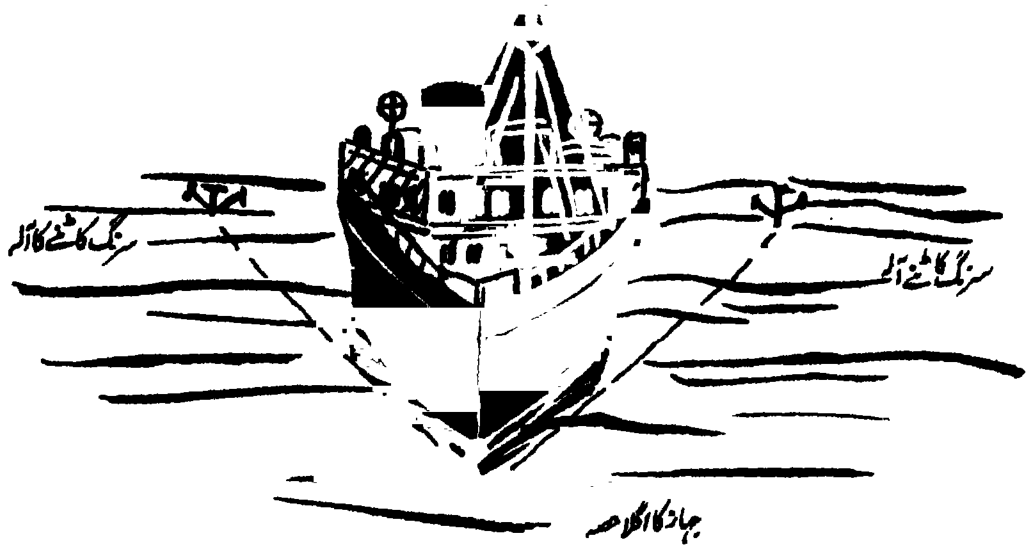
سرنگ پیراشوٹ یا ہوائی چھتری کے ذریعہ بھی سمندر میں پھینکی جاتی ہے - یہ سرنگ ہلکی ہوتی ہے اور پچاس فٹ سے زیادہ بلندی



ہلکا مادہ جو پندرہ یا بیس فٹ نیچے پانی میں حل ہو جاتا ہے

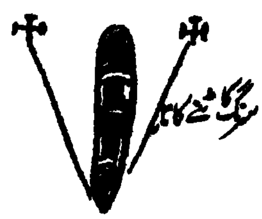
اگر پانی اتھلا ہوتا ہے اور پچاس ساٹھ فٹ سے زیادہ گہرا نہیں ہوتا تو سرنگ تہ میں پڑی رہتی ہے اور اس کے اوپر سے جب کوئی جہاز گذرتا ہے تو جہاز کے نیچے کی لوہے کی چادروں میں جو مقناطیسی کشش پیدا ہوتی ہے

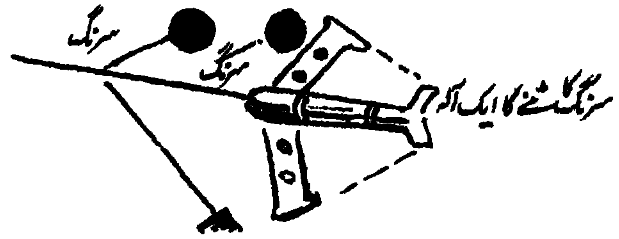
اس کا اثر سرنگ کی سوئی پر ہوتا ہے سرنگ تہ میں پھٹ جاتی ہے اور جہاز کو غرق کر دیتی ہے۔
اس تباہی سے بچنے کی ترکیب بھی سوچ لی گئی ہے اور سرنگ اس سے الگ ہو کر سطح پر تیرنے لگتی ہے اب اسے بندوق یا توپ سے اڑا دیتے ہیں۔



اور وہ یہ ہے کہ سرنگوں کو صاف کر دیتے ہیں۔ ان کے صاف کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ دو جہازوں کے

ابھی ابھی برطانیہ کے بحری افسروں نے ایک طریقہ اور ایجاد کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ جہاز





درمیان ایک لمبا تار باندھ دیا جاتا ہے اور یہ دونوں جہاز آگے کو چلتے ہیں اور تار کو ڈھیلا کر کے پیچھے چھوڑ دیتے ہیں۔ سرنگ والا تار اس تار سے ٹکرا کر کٹ جاتا

پر ایک تار سا لپیٹ دیا جاتا ہے۔ اس میں بجلی کی رو دوڑا دی جاتی ہے۔ اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ جہاز اور اس کے سامان میں مقناطیسی کشش باقی نہیں

رہتی۔ اس کی وجہ سے مقناطیسی سرنگیں نہ تو جہاز سے ٹکراتی ہیں نہ اس کے قریب آتی ہیں۔ اس پٹے یا تار کو مقناطیسی سرنگ شکن گاز کہتے ہیں۔ یہ پتا یا تار ہر جہاز کے گرد لپٹیا جا سکتا ہے۔

یہ دعویٰ تو نہیں کیا جا سکتا کہ جرمن سرنگوں کا یہ مکمل علاج ہے پھر بھی اب تک کوئی ایک بھی جہاز غرق نہیں ہوا۔ جس کے گرد یہ سرنگ شکن گاز لپیٹ دیا گیا۔ دنیا کے سب سے بڑے جہاز کوئن میری نے اپنا سفر اسی سرنگ شکن گاز کی مدد سے طے کیا ہے۔

نئی کتابیں

تبصرے

گوتم بدھ

گوتم بدھ کا مفصل بیان تم پیام تعلیم میں پڑھ چکے ہو۔ محترمہ خدیجہ بیگم مانٹی سوری ٹرینڈ لندن نے اسی کو بچوں کے لئے ڈرامے کی شکل میں پیش کیا ہے۔ ڈرامے کی زبان بہت سادہ آسان اور دلچسپ ہے۔ اس میں بڑی خوبی یہ ہے کہ بچے اسے آسانی کے ساتھ کھیل سکتے ہیں۔ ضخامت کل چوبیس صفحے ہے۔ لکھائی چھپائی بہت اچھی کاغذ عمدہ دو رنگین تصویریں۔ قیمت درج نہیں ہے۔ ملنے کا پتہ :۔ اعظم اسٹیم پریس مغل پورہ حیدر آباد (دکن)

دسرتھ

یہ ڈراما بھی خدیجہ بیگم کا لکھا ہوا ہے۔ اس میں راجہ دسرتھ کے شکار۔ رام چندر جی کے بن باس کے قصہ کو ڈرامے کی صورت میں لکھا ہے۔ اس ڈرامے میں بھی وہی خصوصیتیں ہیں جو گوتم بدھ والے ڈرامے میں ہیں۔ اس میں چار رنگین تصویریں ہیں۔ تصویروں کی چھپائی میں ذرا اور احتیاط کی ضرورت تھی یہ ڈرامہ بھی اوپر کے پتے سے مل سکتا ہے۔

فن لینڈ

چمن لال صاحب جرنلسٹ

فن لینڈ اور روس کی لڑائی کی خبریں تم روزانہ اخباروں میں دیکھتے ہو گے۔ یہ لڑائی کئی مہینے رہی اور فن لینڈ کی ننھی سی حکومت نے روس جیسی بڑی طاقت کا بہت دنوں تک پوری بہادری سے مقابلہ کیا دوسری قوموں نے بھی اس کی مدد کی مگر ٹڈی دل روسیوں سے پیش لے جانا اس کے بس کی بات نہ تھی مجبوراً روس سے صلح کرنی پڑی۔ اس صلح کو ایک طرح سے شکست ہی سمجھنا چاہیے اس لئے کہ فن لینڈ کو روس کی تمام شرطیں ماننا پڑیں اور اپنا کافی علاقہ روس کو دینا پڑا۔

فن لینڈ یورپ کے شمال میں سمندر کی سطح سے بہت اونچائی پر واقع ہے۔ اس کے جنوب میں سائمی، اناری پائی جاتی ۔ اولیٹر لِنک، لڈوگا بڑی بڑی اور مشہور جھیلیں ہیں۔ ان کے علاوہ اور چھوٹی چھوٹی جھیلیں بھی ہیں۔ بہت سے چھوٹے بڑے دریا بھی ہیں جن میں کشتیاں چلتی ہیں۔

فن لینڈ میں بڑے بڑے جنگل ہیں۔ ان جنگلوں میں صنوبر کے درخت زیادہ ہیں۔ جنگل کی لکڑی کشتیوں کے ذریعے تجارتی منڈیوں میں لائی جاتی ہے۔ لکڑی کی تجارت زیادہ ہوتی ہے۔ گھوڑوں کی تجارت کا نمبر اس کے بعد ہے۔ ان کے علاوہ گوند، کاغذ، ڈائنمر اور دیاسلائی کے بھی کارخانے ہیں۔

فن لینڈ کی کل آبادی ۳۳۶،۵۵۰ ہے۔ عموماً فنی زبان بولی جاتی ہے۔ سوئڈش زبان کا بھی رواج ہے۔ دارالسلطنت ہلسنکی ہے اس کی مردم شماری ۲۸۸۹۰۰ ہے۔

یورپ کے دوسرے ملکوں کی طرح فن لینڈ میں بھی تعلیم عام ہے۔ چھوٹے سے ملک میں تین یونیورسٹیاں ہیں۔ ابتدائی مدرسے تو بے شمار ہیں۔ ان کے علاوہ مڈل اسکول، ہائی اسکول، تجارتی اسکول، صنعتی اسکول، لڑکیوں کے اسکول اور کالج بھی بہت ہیں۔

اس ملک کے لوگوں کو صرف دو ہی شوق ہیں اپنی تندرستی کو ٹھیک رکھنے کا اور تعلیم حاصل

کرنے کا۔ کتابوں کے مطالعہ کا شوق ان میں عشق کے درجہ تک پہنچا ہوا ہے اور اس میں مرد اور عورتیں سب برابر ہیں۔ اسکولوں اور کالجوں میں عورتوں اور مردوں کی تعداد قریب قریب برابر ہی ہے۔ فن لینڈ کی عورتیں تمام کاموں میں مردوں کے برابر حصہ لیتی ہیں۔ ڈاکٹری کرتی ہیں، ہوٹل چلاتی ہیں، کلرکی کرتی ہیں، ریلوے اور ٹرام میں کام کرتی ہیں اور قلی کا کام مردوں کے برابر بڑی مستعدی سے کرتی ہیں۔

فن لینڈ کے لوگ بہت جوشیلے ہوتے ہیں۔ انھیں اپنے ملک سے بے انتہا محبت ہے۔ اس کی خاطر وہ بڑی سے بڑی قربانی کرسکتے ہیں اور اس کا ثبوت اسی موجودہ لڑائی میں بہت کچھ مل چکا ہے ویسے یہ لوگ امن پسند ہیں۔ ڈاکا اور چوری کی وارداتیں یہاں بہت کم ہوتی ہیں۔

یورپ کے دوسروں ملکوں کے خلاف انھیں جلدبازی سے بھی نفرت ہے۔ سڑکوں یا بازاروں میں ہارن یا گھنٹہ بجانے یا آواز لگا کر چیزیں بیچنے کی سخت ممانعت ہے۔ اس لئے فن لینڈ کے بڑے بڑے شہروں میں ہر طرف ایک خاموشی اور سکون نظر آتا ہے۔

ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ یہاں کے لوگوں کو اپنی صحت ٹھیک رکھنے کا بہت خیال رہتا ہے۔ اس لئے یہ لوگ کھانا بہت اچھا کھاتے ہیں دودھ بہت زیادہ پیا جاتا ہے اور روز بروز اس کا استعمال بڑھتا جاتا ہے۔

یہاں قصبوں میں لوگ پکے مکانوں میں رہتے ہیں ان مکانوں کا کرایہ نہیں دیا جاتا۔ ہر عمارت ایک پرائیوٹ کمپنی کی ملکیت ہوتی ہے اور اس کے حصے دار اس عمارت میں رہتے ہیں۔

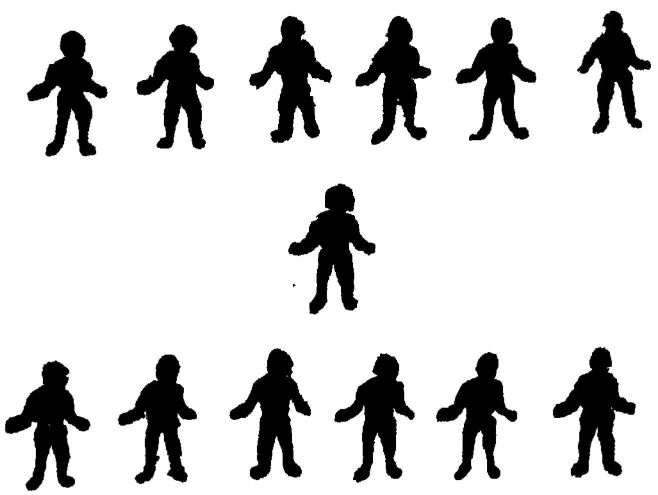
گرمی کے دن گذارنے کے لئے ہر خاندان کے پاس ایک جھونپڑی بھی ہوتی ہے۔ فن لینڈ میں جھیلیں اور دریا کثرت سے ہیں اس لئے اکثر جھونپڑیاں بہت خوشگوار اور پر فضا مقامات پر ہیں۔

فن لینڈ کے لوگ اخبار پڑھنا اور اپنے ملک اور دوسرے ملکوں کے حالات سے خبردار رہنا بہت ضروری سمجھتے ہیں۔ ہر شخص اپنا اخبار خود خریدتا ہے دوسروں سے مانگ کر پڑھنا بہت برا سمجھتا ہے صرف ہلسنکی میں نو روزانہ اخبارات ہیں حالانکہ اس کی آبادی دہلی سے آدھی ہے۔ یہ اخبار بہت زیادہ تعداد میں چھپتے ہیں۔

نئے نئے کھیل

آلو، بیگن، پوری، حلوا

ـداد :- پندرہ سے ساٹھ تک
ـہ :- صحن، کھیل کا میدان، جنگل
طریقہ :- دو برابر لکیریں آمنے سامنے کھینچی جائیں
رکھلاڑیوں کو برابر تقسیم کرکے ایک دوسرے کے



مقابلہ میں کھڑا کر دیا جائے۔ ایک چھونی بھی چن لیا جائے
ـان لکیروں کی درمیانی جگہ پر کھڑا ہو۔

کھیل شروع ہونے پر چھونی بہت لے سے ـرتا ہے۔ آلو، بیگن، پوری، حلوا۔ جیسے ہی وہ لفظ ـلوا ختم کرتا ہے دونوں جماعتوں کے کھلاڑی درمیانی ـاصلہ طے کرکے مقابلے کی لکیر پر جانے کی کوشش کرتے ہیں۔ چھونی انہیں چھونے کی تاک میں رہتا ہے جتنے کھلاڑیوں کو وہ چھو لیتا ہے اتنے ہی اس کے مددگار بن جاتے ہیں اور کھیل پھر شروع ہونے پر اس کی مدد کرتے ہیں۔ سب کھلاڑیوں کے چھو جانے پر کھیل ختم ہو جاتا ہے۔

احتیاط :- چھونی کھلاڑیوں کو دھوکا بھی دے سکتا ہے۔ مثلاً وہ آخر میں حلوا کہنے کی جگہ آلو کہے — اگر آلو ہی کا لفظ سن کر کوئی کھلاڑی درمیان سے نکل بھاگنے کی کوشش کرے تو وہ چھونی کا ساتھی بن جاتا ہے۔

(الطاف علی صاحب نگران ورزش جسمانی [illegible])

معلومات

کوہستان کاریتھین کی وادی میں ایک ایسی عجیب و غریب جھیل ہے جس کی خصوصیت کی کوئی جھیل غالباً دنیا میں نہیں۔ اس جھیل کا پانی میٹھا بھی ہے شور بھی۔ گرم بھی ہے اور سرد بھی۔ اوپر کا حصہ میٹھے پانی کا ہے۔ اس کے بعد کا حصہ گرم و شور پانی کا ہے جو آٹھ فٹ گہرا ہے۔ اس کے بعد نہایت سرد پانی شروع ہو جاتا ہے۔ جھیل کے پانی کے اس فرق پر علماء حیران ہیں اور اب تک وہ اس کے اسباب کی تحقیق نہیں کر سکے۔

ٹوکیو میں ایک ہوٹل ہے جو مینڈک کچھوا اور سانپ کو بطور غذا کے پیش کرنے میں کافی مشہور ہو گیا ہے ہوٹل والوں نے بہت سے زندہ سانپ شیشوں میں بند کر کے بطور اشتہار کھڑکیوں میں رکھے ہیں۔ سینکڑوں پیشہ ور سانپ پکڑنے والے اس ہوٹل کے لئے یہ جنس مہیا کرنے میں مصروف ہیں۔

ہندوستان کے محکمہ آثار قدیمہ نے اپنی تحقیقات سے ثابت کیا ہے کہ تین ہزار سال قبل مسیح سے پانچ ہزار سال قبل مسیح تک ہندوستان میں کپڑا بننے کا کام ہوتا تھا

منجو دھارو کی کھدائی میں ایک برتن ملا ہے جس کے اوپر کوئی چیز لپٹی ہوئی تھی جب تحقیقات کی گئی تو معلوم ہوا کہ وہ کوئی کپڑا تھا جو گل گیا ہے۔ اہل بابل کی قدیم زبان میں سوتی کپڑوں کو سندو اور سندن کہتے تھے۔ اب تک یہ معلوم نہیں تھا کہ یہ نام ان کے یہاں کیوں قایم ہو گیا تھا۔ اب جدید تحقیقات سے یہ پتہ چلا ہے کہ سوتی کپڑے ان کو سندھ سے پہنچتے تھے۔ اس لئے ان کا نام سندو یا سندن رکھ دیا گیا۔ (دور جدید)

حضرت مسیح کے پیدا ہونے سے سینکڑوں برس پہلے کمہار روزانہ کے استعمالی برتنوں پر ٹاپ کے ذریعے اپنے نام نقش کر دیتے تھے۔

نویں صدی عیسوی میں چین کے لوگ لکڑی کے بلاک بنا بنا کر کتابیں چھاپتے تھے۔

کہتے ہیں آگ بجھانے کا انجن حضرت مسیح کے پیدا ہونے سے کوئی دو سو سال پہلے یونان میں ایجاد ہو چکا تھا

گتّے کا کام

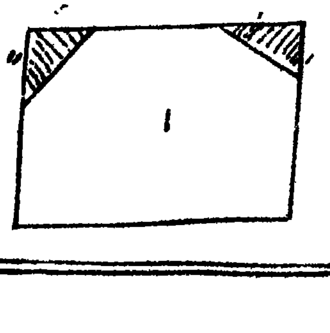
سید عروج الحسن صاحب

ایک عرصے کے بعد اب پھر "گتے کا کام" کے مضامین کا سلسلہ شروع ہو رہا ہے۔ اس سے پہلے جن نمونوں کے بنانے کا طریقہ بتایا جا چکا ہے ان کو تم نے تیار بھی کر لیا ہوگا اور اب اس کام میں اتنی مشق ہو گئی ہوگی کہ نیا نمونہ بنانے کے لئے چند اشارے کافی ہوں گے۔

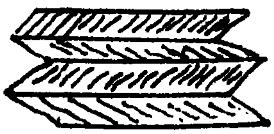
اس مرتبہ ہم لیٹر ریک بنانے کا طریقہ بتاتے ہیں۔ یہ نمونہ گتے کے ان ٹکڑوں سے بھی تیار کیا جا سکتا ہے جو بڑے نمونوں میں سے بچ رہتے ہیں۔

کسی لمبائی اور چوڑائی کے دو مستطیل گتے کاٹ لو۔ ان میں سے ایک دوسرے سے چوڑائی میں کم سے کم دو انچ چھوٹا ہو۔

بڑے مستطیل کی چوڑائی کے دو کونے کاٹ دو

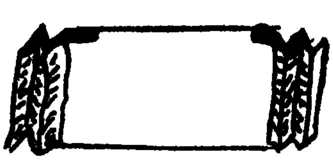


(شکل نمبر۱)۔ اب کپڑے کی تین انچ چوڑی دو پٹیاں لو۔ ان کی لمبائی چھوٹے مستطیل کی چوڑائی سے ۱½ انچ زیادہ ہو۔ ان پٹیوں کو چار حصوں میں موڑ دو



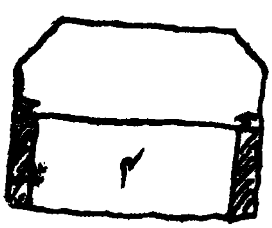
۲

(شکل ۲) اب چھوٹے مستطیل پر چپکا دو (شکل نمبر۳)

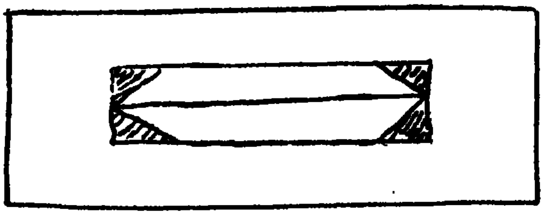


۳

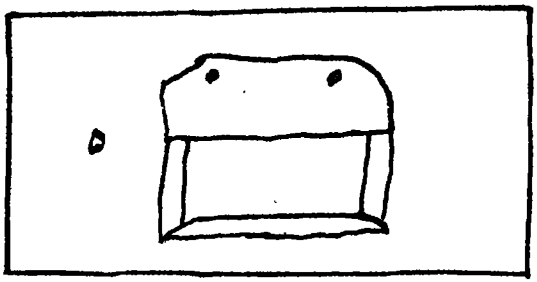
پھر اس مستطیل کو بڑے مستطیل پر رکھ کر پٹی کا دوسرا



حصہ بھی چپکا دو (شکل نمبر ۴) اس کے بعد کپڑے کی اور پٹی لو جس کی لمبائی مستطیل کی لمبائی کے برابر ہو اور چوڑائی ڈیڑھ انچ ہو اس کے درمیان سے

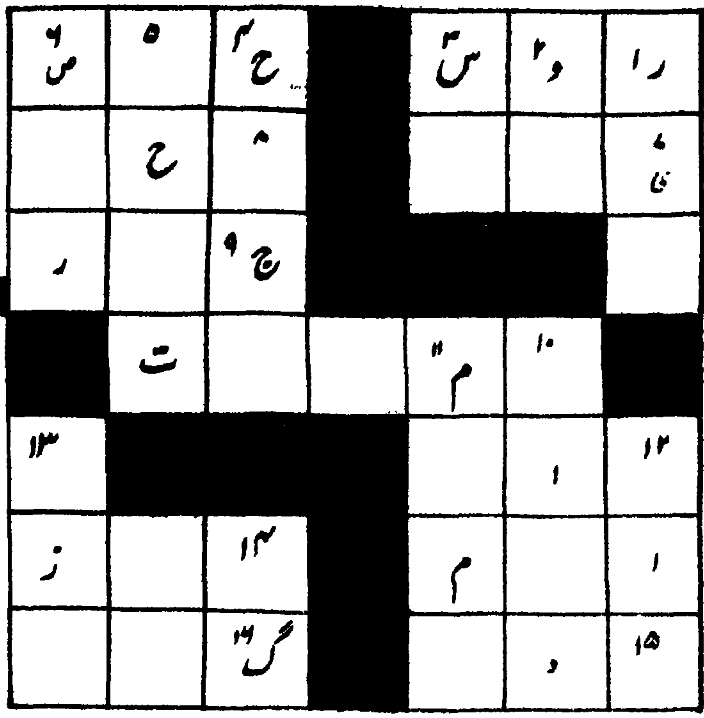


موڑ کر اور کونے کاٹ کر دونوں گتوں کو جوڑ دو (شکل نمبر ۵)۔ اب صرف کاغذ لگانا باقی رہ گیا ہے وہ تم خود بڑی آسانی سے کر لوگے۔



سید عروج الحسن

معمہ نمبر ۶



پہلا انعام

دوسرا انعام

اشارات

دائیں سے بائیں

۱ ۔ ـــــ کا ڈکٹیٹر اسٹالین ہے۔

۴ ۔ ٹک ـــــ و ہوا کو چھوڑ میاں مت دیس بدیس پھرے مارا
قزاق اجل کا لوٹے ہے دن رات بجا کر نقارہ

۷ ۔ ـــــ سورج زمیں تھے اس پا دا
مجھ سے کرتے تھے نیک برتاوا

۸ ۔ ایک

۹ ۔ جرم (بے ترتیب)

اوپر سے نیچے

۱ ۔ سمندر کے کنارے ڈھیروں ملتی ہیں

۲ ۔ آتا ہے یاد مجھ کو گذرا ہوا زمانہ
ـــــ جھاڑیاں چمن کی وہ میرا آشیانہ

۳ ۔ تیس (فارسی)

۴ ۔ مسلم لیگ کے صدر (بے ترتیب)

۵ ۔ مہربانی

۶ ۔ سینہ (عربی)

۱۰۔ ——— میں خیانت ہرگز نہ کرد

۱۲۔ غلّہ

۱۴۔ بھید

۱۵۔ عدد (بے ترتیب)

۱۶۔ ——— سہارنپور کا مشہور ہے۔

۱۰۔ کانگریس کے صدر (بے ترتیب)

۱۱۔ بھیڑ

۱۲۔ ظلم کی ٹہنی کبھی پھلتی نہیں + ——— کا غذکی کبھی چلتی نہیں

۱۳۔ بدلا

۱۴۔ نس

قواعد

۱۔ تمام مدرسوں کے بچے حل کرنے میں حصہ لے سکتے ہیں، استاد کی تصدیق ضروری ہے معمے کے ساتھ کوئی خط وغیرہ نہ بھیجا جاے۔

۲۔ ایک حل کے ساتھ ا؍ کا ٹکٹ آنا ضروری ہے۔

۳۔ ایک سے زاید حل بھی بھیجے جا سکتے ہیں۔

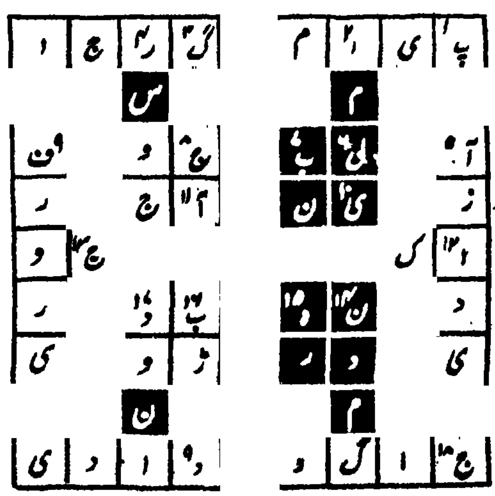
۴۔ دونوں انعام تقسیم کردئے جائیں گے۔ قرعہ اندازی نہیں ہو گی۔

۵۔ تمام حل ۲۰؍اپریل تک دفتر پیام تعلیم مکتبہ جامعہ دہلی پہنچ جانے چاہئیں۔

۶۔ ایڈیٹر کا فیصلہ قطعی ہوگا۔

۷۔ لفافہ کے بائیں کونے پر لفظ معما لکھ دیا جائے۔

معمّا نمبر۵ کا صحیح حل



خط و کتابت

خط لکھنے والے پیامی اختصار کا خاص طور پر خیال رکھیں۔ خط جتنا مختصر ہوگا اتنا ہی جلد چھپ سکے گا۔

…مجھے بھی ٹکٹ جمع کرنے کا انتہائی شوق ہے …ممالک اسلامیہ کے جمع کرنا چاہتی ہوں۔ امریکہ …ستان، جرمنی، فرانس اور اٹلی کے ٹکٹ میرے …، بڑی تعداد میں موجود ہیں۔ کیا کوئی پیامی …ئی یا بہن میری اعانت فرما سکیں گی۔ نوازش …، شکریہ!

مس کاش ایم اے ہندی
"گینجز ویو" سول لائنس کانپور

…میرے پاس انگلینڈ کے کنگ ایڈورڈ ہشتم کے …بادشاہ جارج ششم کے کارونیشن کے ٹکٹ …روں کی تعداد میں موجود ہیں۔ بس ان کے …لے میں سلور جوبلی اور کارونیشن دوسرے ملکوں …چاہتا ہوں۔ جو صاحب تبادلہ کرنا چاہتے ہیں …رجہ ذیل پتے پر خط و کتابت کریں۔

ملک عبدالجبار خاں
۵۷ رنگین چوپال
شاہجہانپور

میرے پاس یہ یہ ٹکٹ ہیں۔ میں ان ٹکٹوں کا تبادلہ کرنا چاہتا ہوں۔ امید ہے کہ جلد سے جلد پیامی بھائی مجھ سے خط و کتابت کریں گے۔

بلجیم، انگلینڈ، جرمنی، جاوا، عدن، حیدرآباد (دکن)، ڈنمارک، افغانستان، انڈیا کے سروالے نئے۔

میں یہ یہ ٹکٹ چاہتا ہوں۔ نیویارک، ورلڈ فیر، فلسطین، ہندوستان سلور جوبلی اور کارونیشن جرمنی (ہر ہٹلر کی تصویر والا) حیدرآباد کے جوبلی کے۔

عتیق الرحمٰن قدوائی
بذریعہ جناب شفیق الرحمٰن صاحب قدوائی ادارہ تعلیم و ترقی
جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی

پیام بھائیو! میں آپ سے دوستانہ تعلقات پیدا کرنا چاہتا ہوں جو بھائی دوستانہ تعلقات پیدا کرنا چاہتا ہو کر سکتا ہے۔

مقام ڈاکخانہ فورٹ سنڈیمن ضلع لورالائی بلوچستان
سید محمد زماں شاہ جماعت ششم

پیامِ برادری

اپّا جان

عزیز بچیو اور بچو خوش رہو اور تندرست

پچھلے مہینے میں نے روس اور فن لینڈ کی لڑائی کا ذکر کیا تھا تم نے اخباروں میں پڑھا ہوگا کہ اب ان دونوں ملکوں میں صلح ہو گئی۔ یہ لڑائی کئی مہینے جاری رہی اور فن لینڈ نے آخری دم تک پوری مردا[نگی] کے ساتھ روسیوں کا مقابلہ کیا لیکن جب اس کی طاقت ختم ہونے لگی اور باہر سے جلد مدد پہنچنے کی کوئی اُم[ید] نہ رہی تو اس نے مصلحت اور اپنے ملک کا فائدہ اسی میں دیکھا کہ صلح کر لی جائے۔ ظاہر ہے کہ یہ صلح د[ب] کر کی گئی ہے اور اسے ایک طرح کی شکست سمجھنا چاہیئے۔ مگر بغیر اس کے چارہ بھی کیا تھا صلح کی جو شرطیں [ط]ہیں ان کی رو سے فن لینڈ کو خاکنائے کریلیا کا تمام علاقہ، جھیل لڈوگا کے تمام کنارے، شمالی اور مشرقی ملک کا کچھ علاقہ، ان کے علاوہ بعض علاقے کچھ دنوں کے لئے روس کے حوالے کر دینا ہوں گے اور تمام شرطیں بھی روسیوں ہی کے حق میں ہیں۔ اس لڑائی میں فن لینڈ کے لوگوں کا جانی و مالی نقصان بے اندازہ ہے انھیں اپنے ملک کو پھر سے ٹھیک کرنے کے لئے بہت محنت کرنا پڑے گی۔ فن لینڈ کے صدر نے اپنے ایک بیا[ن] میں کہا بھی ہے کہ اب ہمارے ایک ہاتھ میں تلوار اور ایک ہاتھ میں بیلچہ ہوگا۔

پچھلے مہینے کا دوسرا افسوس ناک واقعہ لندن میں سر مائکل اوڈائر کا قتل اور پنجاب اور بمبئی کے دو سابق گورنروں اور لارڈ زٹلینڈ وزیر ہند کا زخمی ہونا ہے۔ سر مائکل اوڈائر آج سے کوئی بیس برس پہلے پنجاب کے لفٹنٹ گورنر تھے۔ جلیان والہ باغ امرتسر کے ایک جلسے میں گولی انھی کے زمانے میں چلی اور انھی کے حکم سے پنجاب میں مارشل لا یعنی فوجی قانون جاری ہوا۔ گولی چلانے والے کا نام اودھم سنگھ بتایا جاتا ہے۔

ہندوستانیوں میں عام طور پر اودھم سنگھ کی اس حرکت کو بری نظر سے دیکھا جا رہا ہے۔ اس قس[م]

... بھی کی باتیں لوگ اس سے پہلے بھی کرتے رہے ہیں مگر نتیجہ کبھی اچھا نہ نکلا - اسے سوائے پاگل پن کے اور کیا کہا جاسکتا ہے -

اس مہینے پیام تعلیم کا چوتھا معما شائع ہو رہا ہے - پچھلے معمے کی آخری تاریخ ۲۰ مارچ رکھی گئی تھی - پیام تعلیم اس تاریخ سے بہت پہلے چھپنے چلا جاتا ہے اس لئے اس پرچے میں نتیجہ شائع نہ ہو سکے گا - اگلے پرچے میں چھپیگا - اب کے معما بہت آسان رکھا گیا ہے اس لئے امید ہے کہ سبھی پیامی اس کے حل کرنے میں حصہ لیں گے - اس معمے کا حل بھی زیادہ سے زیادہ بیس تاریخ تک دفتر میں پہنچ جانا چاہیئے -

میں نے تھوڑے دن ہوئے پیام برادری کی شاخوں سے خواہش کی تھی کہ ہر شاخ اپنا اپنا قلمی رسالہ نکالا کرے - سب پیامی یہ سن کر خوش ہوں گے کہ لکھنؤ کی شاخ نے اس کی پہل کر دی ہے - انھوں نے پہلی بار رسالہ میرے پاس بھیجا ہے - کاپی کا سائز ہے اور ۱۲ صفحے ہیں - فہرست مضامین کے بعد "ہماری بات چیت" ہے - پھر مصطفےٰ کمال سلمہ نے شکسپیر پر ایک مضمون لکھا ہے - شکسپیر کی ایک اچھی سی تصویر بھی ہے - پھر عزیزی احمد حسن سلمہٗ نے اپنا ایک دلچسپ واقعہ لکھا ہے - پھر برادری کے جلسوں کی کارروائی ہے - اس کے بعد انعامی مقابلوں کے سلسلے میں ایک اعلان ہے - آخر میں احمد حسن سلمہٗ نے پھر اپنا ایک دلچسپ واقعہ لکھا ہے -

رسالہ کا نام "جاگو اور جگاؤ" ہے - صباح الدین سلمہٗ اس کے ایڈیٹر ہیں - انھوں نے یہ خوش خبری بھی سنائی ہے کہ آیندہ سے رسالہ چھپوانے کا انتظام کیا جا رہا ہے - ہمیں رسالہ کے مضمون ترتیب، لکھائی سب چیزیں پسند آئیں - کیا اچھا ہو کہ دوسری شاخیں بھی لکھنؤ کے پیامیوں کی طرح قلمی یا چھپا ہوا رسالہ نکالیں -

ہم صباح الدین سلمہٗ اور لکھنؤ کے دوسرے پیامیوں کو یہ مشورہ ضرور دیں گے کہ رسالہ کا نام بہت بڑا ہے - صرف "جاگو" یا "جگاؤ" کافی ہے - بڑا نام آسانی سے زبان پر نہیں چڑھتا -

میرے پاس نئی دہلی کی ایک رپورٹ آئی ہے مگر اس میں صرف اتنا لکھا ہے کہ فلاں تاریخ کو برادری کا جلسہ ہوا اور سب ... ایسا بھی کیا اختصار - تھوڑی بہت تفصیل ضرور ہونا چاہیئے ... نام شریک ہونے والوں کی تعداد کس عنوان پر تقریریں ہوئیں - کس کی تقریر سب سے اچھی رہی ...

بچوں کی علمی کتابیں

کائنات: سورج، چاند، ستارے اور ہماری یہ دنیا کیا ہے؟ ان سب باتوں کو دلچسپ مثالوں سے سمجھایا گیا ہے۔ قیمت ۸ر

دہلی: دہلی کی آٹھ شاہی عمارتوں کے دلچسپ حالات اور اُن کی تصویریں۔ قیمت ۸ر

دُنیا کے بچے: دنیا کے چودہ مختلف ملکوں کے بچوں کے دلچسپ حالات لکھے گئے ہیں۔ قیمت ۸ر

دُنیا کے بسنے والے: اس میں مختلف ملکوں کے لوگوں کے حالات دلچسپ انداز میں لکھے گئے ہیں۔ قیمت ۵ر

عجائب خانہ سمندر: ہماری اس دُنیا کی طرح ایک دنیا سمندر کی بھی ہے اس میں اسی سمندری دنیا کے حالات لکھے گئے ہیں۔ بہت سی تصویریں ہیں۔ قیمت

علمی کھیل: اس میں ایسے کھیل درج ہیں جن سے بچوں کی ذہانت اور حساب کی لیاقت بڑھ جاتی ہے۔ قیمت

دھوئیں کی پھانسی: سائنس کے مشکل مضامین کہانیوں میں لکھے گئے ہیں۔ بہت دلچسپ۔ قیمت ۶ر

1961
Regd. No. L. [redacted]

اونچے درجے کے پڑھے لکھے

تعلیمی تاش جیسا اسکول کے لڑکوں اور معمولی تعلیم یافتہ لوگوں میں مقبول ہے ویسا ہی اونچے درجے کے پڑھے لکھوں میں پسند کیا جاتا ہے۔

تعلیمی تاش کے کھیل میں کبھی آپ قہقہہ لگائیں گے اور کبھی آپ سنجیدہ بن جائیں گے ساتھ کھیلنے والے پر آپ کو رشک آئے گا اور کبھی اپنا شاندار ہاتھ بن جانے پر آپ کو بے حد مسرت ہوگی۔

تعلیمی تاش ایک عجیب کھیل ہے۔ اس میں علم کی خوبیاں اور [illegible] کی دلچسپیاں [illegible] دی گئی ہیں۔ ابھی ایک تاش منگا لیجئے۔ کھیلنے کے قواعد کی کتاب [illegible] بھیجی جاتی ہے

قیمت فی بکس
بڑا سائز: اردو انگریزی ۱۲/ ۔ اردو ۸/ ۔ ہندی ۱۲/
چھوٹا سائز: اردو ۶/ ۔ انگریزی ۸/

مکتبہ جامعہ دہلی

پیامِ تعلیم

مارچ



مکتبہ جامعہ

چھوٹے بچوں کی کتابیں

ہمارے نبی:- ہمارے پیارے نبی کی پاک زندگی کی کہانیاں آسان اور دلچسپ زبان میں لکھی گئی ہیں۔ قیمت ۴ر

آخری نبی:- رسول مقبول کے مختصر مگر جامع حالات۔ چھوٹے چھوٹے جملے اور ہلکے پھلکے الفاظ میں لکھے گئے ہیں۔ قیمت ۲ر

رسول پاک:- اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ رسول پاک کون تھے۔ کیسے تھے اور کیا سکھایا۔ قیمت ۸ر

چار یار:- حضرات خلفاء راشدین یعنی حضرت ابوبکر، عمر، عثمان، علی رضوان اللہ علیہم کے سبق آموز اور دلچسپ حالات۔ قیمت ۶ر

عقائد اسلام:- یہ رسالہ اسلامی عقائد سکھانے کے لئے آسان زبان میں لکھا گیا ہے۔ تیمت ۱ر

ارکان اسلام:- اس میں اسلام کے پانچوں ارکان آسان زبان میں سمجھائے گئے ہیں۔ تیمت ۲ر

پیام تعلیم دہلی

پیام تعلیم یوپی، سی پی، بہار، میسور، حیدرآباد اور پنجاب
کے محکمہائے تعلیم کی طرف سے سرکاری طور پر
منظور کیا گیا ہے۔ منیجر

ایڈیٹر: محمد حسین حسان

قیمت سالانہ عہ فی پرچہ ۳ر

جلد ۲۳	مئی سنہ ۴۰ء	نمبر ۵

فہرست مضامین

بچّوں سے باتیں

چمن لال صاحب کا سفرنامہ اس مہینے سے پھر شروع ہو رہا ہے پچھلے مہینے چند اور ضروری کاموں کی وجہ سے وہ یہ سلسلہ توڑنے پر مجبور ہوئے تھے۔ اب انھوں نے وعدہ کیا ہے کہ یہ سلسلہ ٹوٹنے نہ پائے گا

اپنے مضمون کے سلسلے میں انھوں نے تصویریں بھی بہت اچھی اچھی بھیجی ہیں۔ ان میں سے کچھ اس پرچے میں چھپ رہی ہیں باقی آئندہ پرچوں میں چھپیں گی۔ لہ

عزیزی اسلام زبیری کے ایک خط سے یہ معلوم کر کے بہت افسوس ہوا کہ ان کا چھوٹا بھائی اور مخدومی جناب سید احمد صاحب مارہروی منیجر شیب محمدیہ ہائی اسکول کے سب سے چھوٹے بچے کا پچھلے مہینے انتقال ہوگیا مرحوم کو پیام تعلیم سے عشق تھا جس وقت پیام تعلیم پہنچتا تو اس کی کوشش یہی ہوتی تھی کہ پہلے خود پڑھے۔

اس صدمے میں ہیں اور تمام پیامیوں کو قبلہ مولوی صاحب عزیزی اسلام زبیری، عزیزہ اسلام فاطمہ زبیری اور دوسرے عزیزوں سے دلی ہمدردی ہے۔ جو پیامی تعزیت کا خط لکھنا چاہیں وہ اس پتے پر لکھیں۔

جناب مولوی سید احمد صاحب مارہروی منیجر شیب محمدیہ ہائی اسکول آگرہ

جامعہ میں ۱۰ سے ۱۲ اپریل تک قومی ہفتہ بہت اہتمام سے منایا جاتا ہے۔ اس مرتبہ ثانوی مدرسے کے بچوں نے ایک جدت اور کی۔ ۱۲ اپریل کی شام کو انھوں نے اردو اور انگریزی دو ڈرامے کئے۔ اپنے ہاتھ کی بنائی ہوئی چیزوں اور تصویروں کی نمائش کی ۱۳ اپریل کو بچوں نے مختلف عنوانوں پر اچھے اچھے مضمون پڑھے

اس پرچے میں دخانی جہاز، سفرنامہ، الف لیلہ کی کہانی کے علاوہ اور تمام مضمون اور نظمیں بھی بہت دلچسپ ہیں۔ امید ہے کہ تمھیں پسند آئیں گی۔

اگلے مہینے کے مضمون اور بھی اچھے ہوں گے۔ ایک خاص مضمون شہد کی مکھی پر ہوگا ایک بہت دلچسپ نظم چڑیا اور کچھ بھی اس پرچے میں شائع ہوگی۔

پیام برادری حیدرآباد کے سابق صدر رحیم الدین صاحب ظہیرآبادی انگریزی اور اردو کے دو تقریری مقابلوں میں اول آئے ہیں۔ ہم انھیں اس کامیابی پر مبارکباد دیتے ہیں۔

لہ ٹائٹل والی تصویر بھی اسی مضمون سے متعلق ہے۔ یہ دلّی کی ایک لڑکی کی ہے۔

سہرا

ابھی پچھلے دنوں عزیزی صالح میاں سلمٗہ کے ماموں مسعود اختر صاحب (استاد جامعہ ملیہ) کی شادی تھی۔ اس موقع پر بہت سے اچھے اچھے سہرے پڑھے گئے ایک ننھا منا سہرا صالح میاں کا بھی تھا جو انھوں نے بہت کڑاک کر براتیوں کو سُنایا اور چھوٹوں بڑوں سبھی نے اُسے پسند کیا اور صالح میاں کی بہت تعریفیں ہوئیں۔ صالح میاں بچوں کے شاعر شفیع الدین صاحب نیّر کے صاحب زادے ہیں۔ یہ سہرا تمھاری دلچسپی کے لئے ہم یہاں لکھتے ہیں۔

(ایڈیٹر)

سُنئے سہرا میری زبانی ۔۔۔ ماموں لائے ایک ممانی
اچھی اچھی پیاری پیاری ۔۔۔ جیسے امّی جان ہماری
سب سے محبت کرنے والی ۔۔۔ اُلفت کا دم بھرنے والی
ہنسنے اور ہنسانے والی ۔۔۔ قصّے روز سُنانے والی
گود میں ہم کو لینے والی ۔۔۔ خوب مٹھائی دینے والی
اللہ جو سب کی سُنتا ہے ۔۔۔ اُس سے ہماری بھی یہ دعا ہے
ابّا، امّاں، نانا، نانی ۔۔۔ اور یہ ماموں اور ممانی

شاد رہیں آباد رہیں سب
غم سے سدا آزاد رہیں سب

کوئل

از ایس، ایم، جبرئیل جبل پوری

باغ میں شور مچاتی آئی — گیت سہانے گاتی آئی
بن میں کو کو کرکے لہکی — جھیل کنارے کیا کیا چہکی
آم پہ بیٹھی بیٹھی گائے — پیارے پیارے گیت سنائے
کوسوں اُڑنے کا دم بھرتی — کالے پروں میں چم چم کرتی
بن میں پہنچی باغ میں آئی — شاخ پہ جھومی ڈال پہ گائی
کالے کالے بادل گرجے — رم جھم، رم جھم پانی برسے
دریا، چشمے لہریں ماریں — جنگل جنگل مور پکاریں
پانی میں تو بھیگی آئی — بیٹھ کے آموں پر لہرائی
میٹھی میٹھی تیری صدائیں — سب کے دل کو مست بنائیں

جی کو لبھانے والی ہے تو
مست بنانے والی ہے تو

الف لیلہ کی ایک کہانی

الیاس احمد مجیبی صاحب

اگلے وقتوں کی بات ہے ملک ایران میں ایک بہت بڑا بادشاہ تھا، بہت بڑا، اتنا بڑا کہ دوسرے بڑے بڑے بادشاہ گویا اس کی پرجا تھے۔ اُن دِنوں اُس سے بڑا زمین کے تختے پر تو کوئی بادشاہ تھا نہیں۔ سب کچھ تھا پر اولاد نہ ہونے سے بچارا دن رات کڑھا کرتا۔ پوری سَو بیویاں کیں، مگر بچہ ایک سے نہ ہوا۔ خیر خیرات، پیر فقیر منتیں مرادیں گنڈے تعویذ، ٹونے جادو غرض سب سب جتن کئے پر ابھی تک خدا کا حکم نہ تھا۔ ایک دن اِسی غم میں اُداس بیٹھا تھا کہ خواجہ سرا نے حاضر ہو، عرض کی: "عالم پناہ! جان کی اماں! ایک سوداگر بہت دُور سے ایک لونڈی لایا ہے جو خوب صورتی میں اپنا جواب نہیں رکھتی۔" حکم ہوا: "سوداگر کو لونڈی سمیت حاضر کرو۔" بادشاہ نے اس کی چال ڈھال دیکھی، پھر چہرے سے نقاب اُٹھوائی تو جیسے چودھویں کا چاند! دیکھتے ہی ہزار جان سے عاشق ہوگیا۔ سوداگر کو دس ہزار اشرفی ایرانی گھوڑا اور کئی بڑھیا بڑھیا جوڑے انعام دے رخصت کیا۔

نئی دُلہن کو دریا کنارے ایک محل میں رکھا گیا، ماما، اصیلیں، لونڈیاں، باندیاں خدمت کو رکھی گئیں۔ اچھے سے اچھا کھانا، کپڑا، دل بہلانے کو طرح طرح کے کھیل تماشے اور گانے بجانے مہیا۔ کوئی مہینہ بھر بعد بادشاہ نئی دلہن سے ملنے گیا، دیکھ کر بہت خوش ہو، خیال کیا اس کا انداز لونڈیوں جیسا تو ہے نہیں! ہو نہ ہو یہ کسی امیر گھرانے کی لڑکی ہے۔ ایسا ریجھا کہ اور سب بیویوں کو چھوڑ بس دریائی محل میں رہنے لگا۔ یوں تو اُسے دیکھ دیکھ پھولا نہ سماتا، لیکن ایک بات ایسی تھی کہ سارا مزا کِرکِرا ہو رہا تھا۔ بادشاہ بتیری کوشش کرتا لیکن وہ لڑکی بات چیت نہ کرتی۔ پورا ایک برس ہوگیا پر اس کی زبان نہ کھلی۔ ایک دن بادشاہ نے کہا: "بیگم! بھلا یہ کیا بات ہے کہ تم بولتی نہیں ہو۔ آخر بھید کیا ہے؟ میں ہار گیا

پر تمھارے دل کا حال نہ کھلا، میری بڑی بدنصیبی ہوئی جو تم جیسی پری گونگی نکلے۔ دیکھو! اب مجھ میں تاب نہیں ؛ میں دن رات اسی ادھیڑبن میں لگا رہتا ہوں اور خدا سے لو لگائے ہوں کہ ہمیں ایک سپوت ایسا ملے جو ہمارا نام جگائے اور میرا جانشین ہو۔ بولو تو بولو نہیں تو میں اِسی دریا میں ڈوبا چاہتا ہوں" لڑکی بڑے مزا لے لے کر یہ باتیں سُنیں اور مسکرائی۔ اب تو بادشاہ کے دل کی جیسے کلی کھل گئی "و عالم پناہ!" لڑکی بولی :- آپ سا نیک انسان زمین کے تختے پر تو میں نے کوئی دیکھا نہیں، آپ نے جو جو نیکیاں کیں اُن کا شکریہ ادا کرنا مشکل ہے۔ یوں تو بہت سی باتیں کرنی ہیں لیکن سب سے پہلے ایک خوش خبری سُنا دوں کہ بس اب پانچ، چھ مہینے بعد آپ کی لونڈی...... ماں بننے والی ہے!" یہ جو سنا تو مارے خوشی کے بادشاہ اُچھل پڑا۔ وزیر کو بلوا حکم دیا کہ ایک لاکھ اشرفی غریبوں کو بانٹی جائیں پھر بیوی سے پوچھا :- "یہ تو بتاؤ تم اتنے دن چپ کیوں رہیں تم تو بات کیا کرتی ہو۔ مُنہ سے پھول برساتی ہو! اچھا اب اپنا نام و نشان اور حال بھی تو بتاؤ"

وہ بولی :- "میرے باپ دریائے آتشین کا بادشاہ تھا، میرا نام ہے گلنار۔ ایک میری ماں ہے۔ ایک میرا بھائی ہے ملک صالح۔ میرے باپ دُنیا سے سدھارے، پھر بھی ہم سُکھ چین سے رہا کرتے لیکن اچانک دشمن نے ہم پر چڑھائی کی صالح نے مجھے تو دریا سے باہر لا کے چھوڑ دیا اور بولا میں تو چاہتا ہوں تیری شادی زمین ہی کے بسنے والے شہزادے سے کردوں" یہ کہہ وہ تو دشمن سے لڑنے چل دیا، پر مجھے اس بات سے دُکھ ہوا، میں سمجھتی تھی کہ زمین کے باشندے اکثر بہت برے ہوتے ہیں پانی ہی کی راہ مہتاب ٹاپو میں جا اتری اور ایسی جگہ چھپ کے لیٹی جہاں کسی کی بھی پہنچ نہ تھی، لیکن ہونے والی بات، ایک سردار اُدھر آنکلا اور مجھے سوتے میں اُٹھا لے گیا۔ اس نے خوشامد بھی کی، ڈرایا، دھمکایا بھی پر میں اُس کے بس میں نہ آئی بلکہ میں نے ایسی سزا دی کہ تنگ آکر اُس نے مجھے سوداگر کے ہاتھ بیچ ڈالا"، گلنار نے کہا : "اگر آپ بھی داب، دھونس بتاتے ہرگز آپ کے قابو میں نہ آتی لیکن آپ نے اُمید سے زیادہ میری دل داری کی اور مجھے موہ لیا۔ میں سوچتی تھی کہ میرے بھائی اور میری ماں کو خبر لگے گی کہ میں لونڈی بن کے جی رہی ہوں تو وہ مارے غیرت کے مجھے مار ہی ڈالیں گے۔ دیکھئے! ویسے تو میں آپ کی لونڈی ہوں لیکن آپ میری عزت شہزادیوں جیسی کیجئے گا تاکہ وہ لوگ جو آجائیں تو کچھ خیال نہ کریں"

بادشاہ گلنار کی داستان سُن کر بہت خوش

خوش ہوا، اُسی دن سے مُلکہ ایران کا خطاب دیا
اور وزیر کو بُلوا منادی کرائی کہ نئی بیگم لونڈی نہیں
دریائی ملک کی شہزادی ہے پھر بادشاہ نے دریائی
ملکوں کا حال پوچھا، گلنار نے ایک ایک بات
بتائی کہ ہم لوگ دریا میں کیسے رہتے ہیں، پھر بولی،
"آج آپ اجازت دیں تو میں اپنی ماں اور بھائی کو
بلاؤں جو اتنے دن سے میری جُدائی میں بے چین
ہوں گے" بادشاہ نے کہا، "بی بی! تم میری چہیتی
ملکہ ہو، انھیں شوق سے بلاؤ۔ اُن کی مہمانی کا
سامان کرو اور مجھے بھی بتاؤ کہ میں اُن کی خاطر
تواضع کے لئے کیا کروں؟" گلنار نے کہا :۔ "آپ
تو بس ذرا آڑ میں ہو جائیے اور پیچھے کھڑکی سے تماشا
دیکھئے۔ میں ابھی انھیں بُلاتی ہوں۔" بادشاہ آڑ میں
ہو گیا۔ اِدھر گلنار تھوڑی سی آگ سُلگا جادو کے
بول پڑھنے لگی، کیا دیکھتے ہیں کہ ایک دم دریا کا پانی
بڑھنے لگا، دیکھتے دیکھتے محل کے برابر آ لگا، پھر
اس میں سے ایک خوب صورت سجیلا جوان نکلا۔
یہ گلنار کا بھائی تھا، ملک صالح، اس کے پیچھے
ایک بیگم، یہ گلنار اور صالح کی ماں تھیں، اُن
کے پیچھے پانچ بی بیاں اور تھیں یہ سب سیدھے گلنار
کے کمرے میں پہنچے گلنار آگے بڑھ، ایک ایک سے
ملی سب نے اُسے گلے لگایا۔ گلنار نے اُن کا،
اُنھوں نے گلنار کا حال پوچھا۔ گلنار نے بادشاہ
کی نیکی اور شرافت غرض سب ماجرا کہہ سنایا۔
اب گلنار بادشاہ کو سامنے لائی، وہ سب
سے ملا، سب دیکھ کر خوش ہوئے۔ پھر کھانا کھایا
گیا۔ خدا کا کرنا کئی مہینے کے بعد گلنار کے بیٹا
ہوا، بچہ تھا بے حد خوب صورت، بس جیسے
چاند! اسی لئے اس کا نام بدر رکھا گیا۔ اُسی دن
صالح بدر کو دائی سے لے اِدھر اُدھر ٹہلنے لگے۔
اور ایک دم دریا میں کود یہ جا وہ جا۔ بات کی
بات میں غائب۔ اب تو محل میں کھلبلی پڑ گئی۔ بادشاہ
سر دے دے مارتا کہ ہائے یہ کیا ہوا؟ گلنار اُس،
کی ماں اور دوسری بی بیوں نے بادشاہ کو دم دلاسا
دیا کہ آپ فکر نہ کیجئے۔ خدا چاہے بچے پر آنچ نہ آئے
گی یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ صالح بدر کو گود میں سنبھالے
اور ایک بغل میں صندوقچی دبائے آ موجود ہوا اور
کہنے لگا:۔ "گستاخی معاف، ہمارے دیس اور
اور ہماری قوم کی یہ ریت ہے کہ ہمارے یہاں
جب کوئی بچہ زمین پر پیدا ہوتا ہے تو پہلے ہم اُسے
دریا کی سیر کراتے ہیں۔ پھر صندوقچی کھول، طرح طرح
کے سیکڑوں ہیرے جواہر نکالے۔ ایسے کہ زمین پر
تو کسی کے پاس ویسے جواہرات ہوتے نہیں، وہ
سب اپنے بہنوئی بادشاہ ایران کو پیش کئے،
بادشاہ دیکھ کر دنگ رہ گیا۔
کچھ دن بعد ملک صالح وغیرہ اپنے گھر چلے گئے۔

یہاں شہزادہ بدر جوں جوں بڑا ہوتا، بادشاہ اور ملکہ دیکھ دیکھ پھولے نہ سماتے۔ بدر جب پندرہ برس کا ہوا تو لکھ پڑھ کے ایسا نکلا کہ ہر فن میں استاد! اب بادشاہ نے اُسے اپنا جانشین بنایا وہ پرجا کی دیکھ بھال ایسی کرتا کہ سب اُسے دل سے چاہتے جب بادشاہ نے اچھی طرح سمجھ لیا کہ بدر حکومت کے کام ٹھیک چلا رہا ہے تو خود سب کو چھوڑ جنگل میں جا رہا۔ دن رات بس اللہ اللہ کیا کرتا۔ آخر انھی دنوں میں اس نے دنیا ہی سے کوچ کیا۔ اب بدر کی کہانی سُنئیے، الف لیلہ کی کہانیوں میں یہی تو خاص بات ہے، کہانی میں کہانی چلی جاتی ہے۔ ہاں تو کئی برس کے بعد صالح بہن سے جو ملنے آیا تو ایک دن بولا :۔ "گلنار! بدر تو اب سیانا ہوا، شادی کے لائق ہے۔ تم نے ابھی تک فکر نہیں کی؟ کہو تو میں اپنے دریائی ملکوں میں کوئی شہزادی تلاش کروں" اسی رات جب دیکھا کہ بدر سو گیا ہے شہزادی جواہر کا حال سُنایا جو سلطان سمندال کی بیٹی تھی۔ گلنار نے جواہر کو بچپن میں دیکھا تھا، بولی :۔ "بس بالکل ٹھیک! یہ جو ہو جائے تو کیا ہی کہنا"۔ لیکن صالح نے کہا۔ "سلطان ہے بڑا گھمنڈی، شاید ہی مانے، خیر، یا قسمت یا نصیب" میں جاؤں گا ضرور، پیام دوں گا، پھر دیکھا جائے گا جو ہو گا۔ لیکن خبردار! بدر کو خبر نہ ہو، نہیں تو وہ بن دیکھے جواہر کا عاشق ہو جائے گا"۔

یہ بہن بھائی سمجھتے تھے کہ بدر سو گیا ہے مگر وہ میرا شیر سوتا بن کے یہ سب باتیں سن رہا تھا۔ صبح ملک صالح رخصت ہونے لگا تو بدر اَڑ گیا کہ میں بھی آپ کے ساتھ چلوں گا، ماں سے شکار کا بہانا کر، ماموں کے ساتھ چل دیا۔ شکار میں ایک دن دونوں کا ساتھ چھوٹ گیا، صالح بہت پریشان ہوا آخر کئی دن بعد بدر کو اس حال میں پایا کہ زار زار رو رہا ہے اور شہزادی جواہر کی رٹ لگی ہے۔ صالح کا ماتھا ٹھنکا کہ بدر نے ضرور ہماری باتیں سُن لیں۔ بدر جب ہوش میں آیا تو بولا :۔ ماموں آبا! میری جان پیاری ہے تو مجھے بھی اپنے ساتھ لے چلئے۔ صالح نے مجبوراً بدر کو لے چلنے کی ہامی بھری، اُسے جادو کی انگوٹھی پہنائی اور کہا :۔ اب تم بے دھڑک میرے پیچھے چلے آؤ۔ کتنا بھی گہرا پانی ہوگا تمھارا کچھ نہ بگڑے گا۔ چلتے چلتے بدر کی ننھیال آئی، نانی بدر کو دیکھ بہت خوش ہوئی۔ صالح نے ماں سے سب ماجرا بیان کیا۔ بولیں :۔ "ٹھیک تو ہے، پھر بہت سے قیمتی جواہرات اور فوج ساتھ میں کر، صالح کو سلطان سمندال کے پاس بھیجا۔ صالح دربار میں پہنچا، شاہی آداب بجا لایا، پھر جواہرات نذر کئے، سلطان بہت خوش ہوا۔ اب صالح نے

مطلب کی بات جو کہی تو سلطان ایک دم بگڑ گیا، ایسا کہ حکم دیا اس بدتمیز کا سر اُڑا دو مگر "جسے خدا رکھے اُسے کون چکھے"۔ صالح ترکیب سے بچ گیا۔ بدر نے جو یہ گڑبڑ دیکھی تو بہت پچھتایا کہ میں نے ان لوگوں کو مفت پریشان کیا، ایک دم دریا سے نکل ملک ایران کی راہ لی۔

چلتے چلتے وہاں پہنچا جہاں سلطان سمندال نے اپنی بیٹی جواہر کو چھپایا تھا۔ وہ بچاری مصیبت کی ماری جھاڑیوں میں منہ چھپائے پھوٹ پھوٹ کے رو رہی تھی۔ کسی نے کہا ہے ناکہ "حسن پر جب غم پڑتا ہے نظر کو اور بھانے لگتا ہے"۔ بدر نے دیکھا تو دل پر ایک تیر سا لگا۔ اِدھر جواہر کی نظر پڑی تو وہ بھی بے چین ہوگئی۔ پہلی مصیبت تو بھول گئی، نہ جانے بدر نے کیا کر دیا دونوں نے اپنا حال اور نام نشان بتایا تو قسمت کی بدلی پر دنگ رہ گئے۔ خوش خوش ایران آئے یہاں گلنار نے خوب دھوم دھام سے بیٹے کی شادی رچائی۔ اب یہ دونوں ہنسی خوشی رہنے لگے۔ جیسی اُن کی بنی ویسی خدا سب کی بنائے

(آل انڈیا ریڈیو سے اجازت کے بعد)

نورجہاں

اس سے پہلے محترمہ خدیجہ بیگم کے دو ڈراموں کا ذکر پیام تعلیم میں آچکا ہے۔ یہ ڈراما بھی انھی کا لکھا ہوا ہے۔ اس میں مغل بادشاہ جہانگیر کی مشہور ملکہ نورجہاں کے حالات ڈرامے کے انداز میں لکھے ہیں زبان بہت صاف اور سادہ ہے۔ کتاب کی لکھائی چھپائی بھی اچھی ہے۔ البتہ رنگین تصویریں بہت بدنما ہیں۔ اول تو اچھی بنی نہیں ہیں دوسرے چھپائی بہت خراب ہوئی ہے۔ کتاب پر قیمت نہیں لکھی ہے۔

سید عبدالقادر اینڈ سنز مغل پورہ۔ حیدرآباد دکن سے مل سکتی ہے

چڑیا کا بیاہ

بھائی جان

(۱)



تڑکے اک دن صبح سویرے "(۱) چڑیا آئی چوں چوں کر کے
چوں چوں کر کے گیت سنایا رانی کو وہ بے حد بھایا

(۲)



(۲)

بولی رانی اچھی چڑیا
میری ننھی منی چڑیا
بول تجھے کیا تحفہ دے دوں
کون سی چیزیں تجھ کو بخشوں

(۳)



(۳)

بولی چڑیا میرے راجہ
اچھی رانی، اچھے راجہ
مالک دونوں میرے تم ہو
مجھ کو تم اک جوڑا دے دو



(۴)

رانی نے اک چِڈا منگایا
منگوا کر چڑیا کو دکھایا
شرمائی جب دیکھا چِڈا
اس کو خوب ہی بھایا



(۵)

آئے وکیل اور آئے قاضی
دونوں کی پھر ہوگئی شادی
راجہ بھی آیا رانی بھی آئی
سب نے اس کی شادی رچائی

چڑیا کو ہو چِڈا مبارک
بچوں کو یہ قصہ مبارک

منہ خراب ہو گیا

محمد حسین حسّان

مسعود اور محمود کے ابّا کو باغبانی کا بہت شوق تھا۔ گھر میں اچھا خاصا خوب صورت باغیچہ لگا رکھا تھا۔ ایک دن وہ چھوٹے سے گملے میں ایک خوب صورت سا پیڑ لائے اس میں لال لال ننھے ننھے پھل بھی لگے تھے۔

نہ ہو یہ گوندنی کا پیڑ ہے۔

مسعود:۔ واہ بھیا گوندنی کا پیڑ تو خوب بڑا ہوتا ہے اسے گملوں میں تھوڑی بوتے ہیں۔

محمود:۔ بھئی بات تو ٹھیک ہے مگر ہو سکتا ہے کہ نئی قسم کی گوندنی ہو اور کسی دوسرے ملک سے



شام کو مسعود اور محمود مدرسے سے آئے تو اس نئے گملے پر نظر پڑی۔ دونوں نے جلدی جلدی کتابیں الماری میں رکھیں اور سیدھے گملے کے پاس پہنچے۔

مسعود:۔ بھیا محمود دیکھو کیسا خوب صورت پودا ہے۔

محمود:۔ اور پھل کیسے لال لال لگے ہیں۔ ہو آئی ہو۔ دیکھو پھل تو بالکل گوندنی جیسے ہیں۔

مسعود:۔ خیر اسے ذرا چکھ کر تو دیکھیں۔

محمود:۔ ہاں دیکھو۔

(دونوں نے ایک ایک پھل مُنہ میں رکھا)

مسعود:۔ ارے یہ تو عجب طرح کی گوندنی ہے جا! کیسا مزا ہے۔ گوندنی کا سا تو بالکل نہیں۔

تھوڑی دیر میں دونوں کے مُنہ میں خوب مرچیں لگنے لگیں۔ مسعود نے مُنہ بنایا اور اس پھل کو جلدی سے تھوکا۔

محمود:۔ اُف فوہ اس گوندنی نے تو مُنہ میں آگ لگا دی۔

مسعود:۔ ارے، ارے ارے میرا مُنہ تو جیسے جلا جا رہا ہے۔

دونوں کے مُنہ اور ہونٹوں میں اتنی جلن پیدا ہو گئی کہ آنسو نکل آئے۔

اُمی باورچی خانے میں سالن پکا رہی تھیں۔ اُن کی آواز سُن کر باہر نکل آئیں۔ پوچھنے لگیں کیوں چیخ رہے ہو؟

محمود:۔ اُف، فوہ۔ اُمی میرا مُنہ جلا جا رہا ہے

مسعود:۔ اُمی ہم نے گوندنیاں چکھی تھیں مگر وہ تو بالکل آگ نکلیں منہ پھکا جا رہا ہے۔

اُمی:۔ گوندنی! تمھیں کہاں سے ملیں؟

محمود:۔ یہ اس گملے والے پودے میں لگی ہیں

اُمی:۔ لو اور سنو۔ میں کہتی ہوں تمھیں کیا ہو گیا ہے۔ بھلا گوندنی کا پیڑ اتنا ذرا سا ہوتا ہے۔ احمق کہیں کے، جانے کا ہے، پودا ہے۔ اِسے گوندنی سمجھ لیا۔ یہ کھانے کی چیز نہیں ہے۔

محمود:۔ چکھنے کے بعد تو ہمیں بھی یہی اندازہ ہوا۔

اُمی:۔ چلو تھوڑا سا دودھ پی لو اور روٹی کھا لو دودھ سے مُنہ میں ٹھنڈک پڑے گی اور روٹی سے جلن دور ہو جائے گی۔

دودھ اور روٹی سے سچ مچ جلن جاتی رہی اُمی نے کہا "اب کبھی ایسی چیز نہ کھانا جس کے بارے میں تمھیں یقین نہ ہو کہ یہ کھانے کی ہے یا نہیں؟"

محمود: اب تو میں خود احتیاط کروں گا۔

مسعود:۔ اور میں بھی اِن گوندلیوں کا مزا عمر بھر یاد رہے گا۔ دوسرے دن محمود اور مسعود مدرسے گئے تو آپا جان سے گوندنی کا ذکر آگیا۔ آپا جان یہ سُن کر بہت ہنسیں اور پھر سب بچے اور آپا جان اِدھر اُدھر کی نئی نئی چیزیں چکھنے کے خطرے پر باتیں کرنے لگے آپا جان نے سب بچوں کو نصیحت کی کہ کوئی نئی چیز ہرگز مت کھاؤ جب تک تمھیں یقین نہ ہو جائے کہ یہ کھائی جاتی ہے اور نقصان نہ کرے گی۔ کبھی کوئی میلی اور گندی چیز مُنہ میں نہ رکھو۔ گری پڑی مٹھائی بالکل نہ کھاؤ۔ پھل ہمیشہ کھانے سے پہلے دھو لو یا چھیل لو۔ پنسل، روپیہ پیسہ یا اپنی انگلیاں مُنہ میں نہ لو۔ جس خوانچے والے کے پھل گلے سڑے ہوں یا جس حلوائی کی مٹھائی پر کپڑا نہ ڈھکا ہو اس سے سودا نہ لو اگر ان باتوں کی احتیاط نہ کروگے تو ایک نہ ایک دن ضرور بیمار پڑو گے۔

کیمرا

زہرا عبدالمجید خاں

آج نوید کی بارھویں سال گرہ تھی نوید کی امّی نے اس خوشی میں بہت سے مہمانوں دعوت کی تھی سب مہمان اس کے لئے کوئی نہ کوئی تحفہ لائے تھے۔ ان میں سے ایک تحفے کو دیکھ کر تو نوید کا دل زور زور سے اُچھلنے لگا۔ یہ تصویر کھینچنے کا خوب صورت سا کیمرا تھا۔ نوید کے چچا کے پاس بھی ایک کیمرا تھا۔ انھوں نے تصویریں کھینچنے کے سلسلے میں بہت سی باتیں نوید کو بتا دی تھیں۔ بس جبھی سے نوید کو کیمرا خریدنے کی دھن لگ گئی۔ ایک دن وہ اپنے ابّا سے کیمرے کے لئے ضد کر رہا تھا اس کی پھوپھی بھی اتفاق سے اس روز موجود تھیں۔ وہ نوید سے بہت محبت کرتی تھیں انھوں نے دوسرے ہی دن اچھا سا کیمرا منگوایا اور سال گرہ کے دن اپنے ساتھ لیتی آئیں۔

نوید اس کیمرے کو پاکر اتنا خوش تھا اتنا خوش تھا کہ بس کچھ پوچھو مت۔ جہاں جاتا کیمرا ساتھ ہوتا کوئی اچھا منظر کوئی دلچسپ چیز اس کے سامنے آتی تو فوراً تصویر لے لیتا۔

ایک دن کا قصہ سنو۔ نوید صاحب کیمرا بغل میں دبائے کہیں سیر کو جا رہے تھے۔ راستے میں اُن کی مڈبھیڑ ایک نوجوان آدمی سے ہو گئی۔ یہ ایک بچے کو اخبار سے مار رہا تھا اور بچہ بُری طرح چیخ رہا تھا۔ نوید کے لئے یہ منظر بہت اچھا تھا اس نے فوراً کیمرا آگے کیا اور تصویر لے لی۔ پھر آگے بڑھ کر نوجوان سے پوچھا "جناب آپ خواہ مخواہ اس لڑکے کو کیوں مار رہے ہیں"۔ نوجوان نے اس کا کوئی جواب نہ دیا۔ اور گھٹنا سہلاتا اور بچے کو قہر آلود نگاہوں سے دیکھتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

جوں ہی اس آدمی نے پیٹھ پھیری لڑکے کا رونا چیخنا سب ختم ہو گیا۔ نوید کو بڑا تعجب ہوا اس نے ہمدردی کے لہجے میں پوچھا "تمھارے چوٹ تو تو نہیں لگی"۔

لڑکا:۔ ذرا بھی نہیں۔

نوید:۔ پھر تم اس قدر شور کیوں مچا رہے تھے۔

لڑکا:۔ تاکہ لوگ سمجھیں کہ وہ مجھے بہت زور سے مار رہا تھا

نوید: - اور وہ تمھیں مار کیوں رہا تھا ؟

لڑکا: - میں نے اس کے گھٹنے پر ٹھوکر ماری تھی ۔

نوید: - (حیرت سے) اور تم نے ٹھوکر کیوں ماری تھی ۔

لڑکا: - اس لئے کہ میں ایک غصیلا لڑکا ہوں ۔

نوید: - تم سے یہ کس نے کہا کہ تم غصیلے ہو

لڑکا: - اُمّی نے اور کیا جی اُمّی نے ۔ اچھا اچھا میں ذرا آپ کو بھی بتا دوں کہ میں کیا غصیلا لڑکا ہوں

نوید (گھبرا کر) نہیں نہیں رحم کرو .... مجھے معلوم ہے کہ تم کیسے غصیلے لڑکے ہو ۔

لڑکا: - نہیں نہیں اب تو مجھے بتانا پڑے گا ۔ ورنہ تمھیں کیسے معلوم ہوگا کہ میں کیسا غصیلا لڑکا ہوں ۔ اچھا لاؤ ذرا اپنا کیمرا دو میں تصویر کھینچوں گا ۔

نوید اپنا کیمرا بھلا کیسے دے دیتا وہ اُسے توڑ دیتا، خراب کر دیتا تو وہ اس کا کیا کر لیتا ۔

نوید: - تمھیں معلوم بھی ہے کہ تصویر کیسے لی جاتی ہے

لڑکا: - نہیں مگر میں ایک تصویر لینا چاہتا ہوں ۔

نوید: - میں تو اپنا کیمرا نہیں دوں گا ۔

لڑکا: نہیں دوگے ؟ اچھی بات ہے !

یہ کہہ کر لڑکے نے ٹھنکنا شروع کیا اور لگا زمین پر لوٹنے اور ایڑیاں رگڑنے ۔ آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے اور چیخوں سے کان پڑی آواز نہیں سنائی دیتی تھی

" الو گدھے باجی کہیں گے " اس نے روتے ہوئے کہا " تم نے میرا کیمرا چھین لیا صرف اس لئے کہ تم طاقت ور ہو اور میں کم زور الو .... "

اس وقت نوید کی حالت قابلِ رحم تھی راہ گیر ملامت آمیز نگاہوں سے دیکھ رہے تھے جیسے سچ مچ اسی کا قصور ہو اب اسے احساس ہوا کہ اس بچارے نوجوان پر کیا گذری ہوگی ۔ آخر اس نے تنگ آکر کیمرا لڑکے کو دے دیا ۔ لیکن خیر گذری کہ لڑکے نے کیمرا ایک دو بار اُلٹ پلٹ کر دیکھا اور صرف ایک فلم خراب کر کے نوید کو واپس کر دیا ۔

لڑکا: - اب تم کہاں جا رہے ہو ؟

نوید: - گھر

لڑکا: - میں بھی تمھارے ساتھ چلوں گا ۔

نوید: - خوب ! مگر تمھیں تو یہ بھی معلوم نہیں کہ میں ہوں کون ؟

لڑکا: (حاکمانہ لہجے میں) کیا پروا ہے ! تم ابھی مجھے بتا دوگے !

نوید: - نا بابا رحم کرو میرے حال پر ۔ میں ہرگز تمھیں اپنا نام نہ بتاؤں گا ؟

لڑکا: - اچھا نہیں بتاؤگے ؟ جلدی بتاؤ ۔ ورنہ جانتے ہو کیا ہوگا ؟

اس نے اپنے بوٹ کی ٹھوکر اس کی طرف اُٹھائی گویا وہ اُسے مارا ہی چاہتا ہے ۔

نوید بالکل گھبرا گیا اور ہاتھ سے حملے کو روکے

ہوئے بولا۔ "بھائی میرا نام نوید ہے، نوید۔ اب تو میرا پیچھا چھوڑو۔

لڑکا:۔ اور میرا نام شرافت ہے شرافت سمجھے؟ شرافت۔

نوید:۔ بھئی بہت ہی اچھا نام ہے تم واقعی شر اور آفت کے بنے ہوئے ہو۔

لڑکا:۔ اچھا اب آپ زیادہ باتیں نہ بنائیے۔ سیدھے سیدھے مجھے اپنے گھر لے چلئے۔

نوید کے گھر پہنچتے ہی میاں شرافت نے جھٹ ریحانہ سے ہاتھ ملایا اور اس زور سے دبایا جیسے کسی نے شکنجے میں جکڑ دیا ہو۔ کچھ تو تکلیف اور کچھ حیرانی۔ بے چاری ریحانہ کا منہ دیکھنے کے لائق تھا۔ شرافت جلدی سے کود کر الگ ہو گیا کہ کہیں ریحانہ اس سے بدلا نہ لے لے۔

نوید نے ریحانہ کو شرافت میاں کی ملاقات کا سارا قصہ سنایا اور تاکید کر دی کہ یہ جو کچھ کرے کرنے دینا ورنہ آفت برپا کرے گا۔

ساری دوپہری شرافت نوید کے گھر میں اودھم مچاتا رہا۔ وہ نوید کے ابّا کے کمرے میں بھی پہنچ گیا اور ان کی کتابیں اور کاغذ لوٹ پوٹ کرنے لگا۔ نوید نے منع کیا تو فرش پر لیٹ گیا اور لگا رونے چیخنے اور دولتیاں جھاڑنے۔ نوید نے سیب دینے کا وعدہ کیا تب کہیں وہ چپ ہوا۔ شرافت جلدی جلدی تین چار سیب کھا گیا۔ نوید نے اور سیب دینے سے انکار کر دیا۔ تو پھر وہی چیخنا چلانا اور ایڑیاں رگڑنا۔ نوید نے فوراً اس ضدی کی تصویر کھینچ لی۔ اب تو اور بھی آفت آگئی۔ یہ چیخ پکار ہو رہی تھی کہ نوید کی امّی بھی ادھر آگئیں۔ شرافت انھیں دیکھ کر بالکل چپ ہو گیا جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔ اور اُن سے پوچھنے لگا "تمھارا نام کیا ہے"؟ نوید کی امّی نے لڑکے کی اس بدتمیزی پر دانتوں تلے انگلی دبالی۔ اور بولیں "میرا نام جمیلہ ہے۔ آپ اپنا مطلب کہئے"۔

لڑکا میں ہمیشہ بڑوں کے نام ہی لیا کرتا ہوں۔ کیونکہ لوگ اسے گستاخی سمجھتے اور اس سے خوب چڑتے ہیں۔ اچھا تو میں آپ کا نام ہی لیا کروں گا۔ کیوں؟ جمیلہ!!

نوید اور ریحانہ نے شرافت کو بڑی مشکل سے بہلا پھسلا کر گھر سے نکالا۔ چلتے چلتے وہ ریحانہ کو جھنجھوڑتا اور نوید کے ٹھوکر مارتا گیا۔

نوید کی امّی نے کہا "اُف ہے یہ لڑکا تو سچ مچ آفت کا بنا ہوا ہے۔ جب اس نے اتنی سی دیر میں ہم لوگوں کا ناک میں دم کر دیا تو اس کے ماں باپ کا کیا حال ہوتا ہوگا جن کے ساتھ یہ آٹھوں پہر رہتا ہے"۔

ریحانہ اور نوید دونوں ایک زبان ہو کر بولے: جی ہاں امّی وہ بے چارے تو بہت پریشان ہوں گے

اس وقت ریحانہ نے ایک تجویز پیش کی اور وہ یہ کہ شرافت کی اصلاح کی جائے اس تجویز کو سن کر سب ہنس پڑے اس لئے کہ شرافت میاں کو سیدھے راستے پر لانا سب ناممکن سمجھتے تھے آخر میں سب کی رائے یہی ہوئی کہ کوشش کرکے دیکھ لیا جائے۔ کیا حرج ہے۔

دوسرے دن نوید کے سب بھائی بہنوں اور اُمی نے شرافت کے ساتھ بہت نرمی اور محبت کا سلوک کیا مگر توبہ کرو کہیں پتھر میں بھی جونک لگی ہے۔ اس پر ذرا بھی اثر نہ ہوا۔ وہ انھیں ٹھوکریں مارتا جھنجھوڑ دیتا اور طرح طرح سے انھیں ستاتا۔ اس کا رونا چیخنا۔ زمین پر لوٹنا بڑھتا ہی گیا۔ جتنا جتنا لوگ اس سے نرمی اور محبت سے پیش آتے اتنا ہی اس کا مزاج اور بگڑتا اب تو نوید اور ریحانہ دونوں کے لئے یہ بات برداشت سے باہر ہوگئی۔

آخر ایک دن نوید سے ضبط نہ ہوسکا۔ اس نے شرافت کی ایک بدتمیزی پر زور سے تھپڑ مار دیا۔ شرافت کے لئے یہ بالکل نئی بات تھی۔ ذرا کے ذرا تو وہ بھوچکا ہوکر نوید کو دیکھنے لگا اور پھر تو اس نے وہ آفت ڈھائی ہے کہ توبہ ہی بھلی۔ اس کا رونا، چیخنا، ٹھوکریں مارنا۔ زمین پر لوٹنا۔ پورے ایک گھنٹے تک جاری رہا۔ نوید اور ریحانہ نے بڑی مشکل سے اسے بہلا پھسلا کر [illegible] چپ کیا۔

اب شرافت میاں اپنے گھر سے نوید بھی ساتھ تھے۔ انھوں نے آنکھوں میں آنسو بھر کر اپنی ماں کو بتایا کہ نوید نے میرے تھپڑ مارا ہے شرافت کی ماں نے اپنے بیٹے کو چمکار کر گلے سے لگا لیا اور غصّے سے بولیں "واہ بھیا نوید تم کون ہوتے ہو۔ میرے بچّے کو مارنے والے" پھر اسے اس طرح پیار کرنے لگیں جیسے دنیا میں بس ایک انھی کا بچّہ تو ساری دنیا میں نیک ہے۔

گھر آکر نوید نے ریحانہ سے کہا "بہن جب خود اس کی ماں ایسے ضدی اور ہٹیلے بچّے کو اتنا پیار کرتی ہے اور اس قدر نیک سمجھتی ہے تو ہمیں کیا پڑی ہے جو اس کی اصلاح کی کوشش کریں"۔ اس دن سے نوید کی اصلاح کا خیال بالکل چھوڑ دیا گیا۔

نوید نے جو تصویریں شرافت کو غصّے اور بدمزاجی کی کھینچی تھیں وہ بننے کے لئے فوٹوگرافر کے پاس بھیج دی تھیں۔ آج یہ تصویریں بن کر آئیں تو نوید نے ابّا کو دکھائیں۔ ابّا نے کہا "بمبئی کے ایک انگریزی اخبار میں تصویروں کا انعامی مقابلہ ہو رہا ہے۔ یہ تصویریں تم وہاں بھیج دو تمھیں انعام ضرور مل جائے گا۔ کیا عجب جو پہلا انعام مل جائے"۔

نوید نے جھٹ ایک اچھی سی تصویر لفافے میں رکھی ہاں ایک تصویر اور اس نے چپکے سے رکھ دی اور ابّا سے انگریزی میں پتہ لکھوا کر ڈاک میں ڈال آیا۔

نوید اور ریحانہ نے شرافت کی اصلاح کا خیال چھوڑ دیا تھا لیکن خود شرافت نے اُن کا پیچھا نہ چھوڑا اُن کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اس مصیبت سے کیسے نجات ملے

نوید کو اپنی تصویروں کے نتیجے کا بھی بہت انتظار تھا۔ آخر ایک ہفتے کے بعد لفافہ آیا اس میں ایک تصویر "ضدی بچے" کے اوّل آنے کی خوش خبری تھی۔ پندرہ روپے انعام دیا گیا تھا۔ دوسری تصویر بھی مقابلے میں آگئی تھی اور انعام میں فونٹین پن دیا گیا تھا

دوسرے دن صبح کو اخبار آیا تو اس میں دونوں تصویریں موجود تھیں۔ ایک تصویر میں ریحانہ بی منہ پھلائے ملتے پہ بَل ڈالے دیگچی پر جھکی کف گیر چلا رہی تھیں۔ ریحانہ بی اس تصویر کو دیکھ کر بہت خفا ہوئیں مگر جی میں خوش بھی تھیں اخبار میں تصویر جو چھپ گئی تھی۔

لیکن شرافت نے جو تصویر اخبار میں دیکھی تو اس پر جیسے بم گر پڑا اور وہ خود بھی بم کی طرح نوید کے گھر میں آگرا۔ آتے ہی نوید سے انتہائی غصّے میں کہا: "کیا تمہارا مطلب یہ ہے کہ میں اس تصویر جیسا ہوں، کیوں؟"

ریحانہ اور نوید نے ایک زبان ہو کر کہا "بے شک بے شک بلکہ اس سے بھی کہیں زیادہ بُرے"

کچھ دیر تک تینوں چپ چاپ ایک دوسرے کا مُنہ دیکھتے رہے۔ شرافت کی کچھ عجیب کیفیت تھی اس کا چہرا نہ جانے کیوں تمتا رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ کہنے لگا: "بھائی نوید اور ریحانہ بہن آج سے میں شرارت اور ضد سے توبہ کرتا ہوں اب میں نیک بچہ بننے کی کوشش کروں گا" اس وقت اس کے چہرے سے متانت ٹپک رہی تھی۔

نوید اور ریحانہ حیران رہ گئے "کیا سچ مچ۔۔۔"

شرافت:۔ ہاں بالکل سچا وعدہ۔ ایسا وعدہ جو آج تک میں نے کبھی نہ کیا"

نوید نے قریب آکر شرافت کے زور سے ٹھوکر ماری مگر وہ بس مسکرا دیا۔

ریحانہ چیخ کر بولی "ارے! وہ تو سچ مچ نیک ہو گیا" نوید خوشی سے ناچ رہا تھا دونوں اچانک اس کی اصلاح میں کامیاب ہو گئے تھے۔ یہ کچھ کم خوشی کی بات تھی؟ اور بھائی سچ پوچھو تو اس کامیابی کا سہرا نوید کے کیمرے کے سر تھا۔

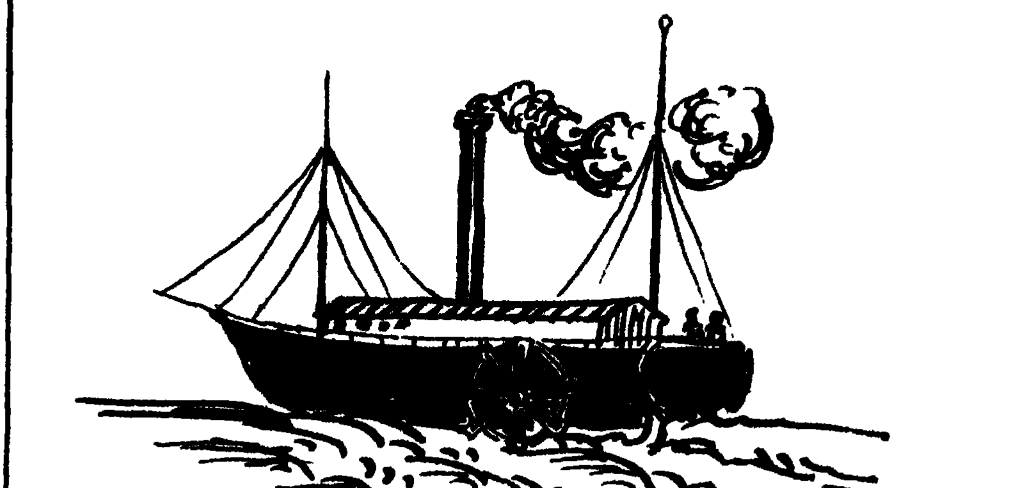
شرافت کی طبیعت اب بالکل بدل گئی۔ اب وہ کبھی شرارت نہ کرتا نہ غصہ ہوتا اور نہ چیختا چلاتا۔ روزانہ اسکول جاتا۔ پڑھنے کے وقت پڑھتا اور کھیلنے کے وقت کھیلتا۔ پہلے تو بس اُس کی ماں اُسے نیک سمجھتی تھیں اب سب اُسے نیک سمجھتے اور اس سے محبت کرتے ہیں۔ اور ریحانہ اور نوید سے تو اس کی گہری دوستی ہے۔

(خیال انگریزی سے لیا گیا)

دُخانی جہاز

فضل الدین صاحب اثر

جیمس واٹ کے ہاتھوں بھاپ کا انجن مکمل ہو گیا تو کوشش کی گئی کہ اُسے پانی اور خشکی پر آمد و رفت میں سہولت پیدا کرنے کے لئے استعمال کیا جائے میں وہ انگلستان آیا۔ برنگھم میں واٹ کے بنائے ہوئے انجنوں کو اس نے بغور دیکھا اور پھر ایک انجن اپنے لئے بنوا کر امریکہ منگوایا۔ امریکہ میں فلٹن



کلرمونٹ۔ دنیا کی سب سے پہلی دخانی کشتی

بھاپ کے انجن کی مدد سے کشتی چلانے کا سہرا ٹامس فلٹن کے سر ہے۔ فلٹن کا ذکر آب دوز کشتی کی ایجاد کے سلسلے میں بھی آچکا ہے۔ فلٹن امریکہ کا باشندہ تھا۔ دُخانی جہاز بنانے کے شوق نے مالی ضرورت کی وجہ سے چانسلر لونگ سٹوا (CHANCELLOR LIVINGSTONE) کو ا ساجھی بنایا۔ لونگ اسٹون نے ایک بڑی سی کشتی کلرمونٹ (CLERMONT) کے نام سے بنوائی او

فلٹن نے اس میں اپنا انگلستان سے آیا ہوا انجن لگایا۔ جس زمانے میں فلٹن اپنی کشتی تیار کرنے میں مصروف تھا لوگ فلٹن کا بہت مذاق اُڑاتے تھے۔ اُنھیں یقین تھا کہ نہ فلٹن کو کبھی پانی کے بہاؤ اور ہوا کے رُخ پر قابو حاصل ہوگا اور نہ کبھی اس کی کشتی چل سکے گی۔ اس لئے وہ اس کشتی کو بجائے کلرمونٹ۔ فلٹن کی حماقت (FULTON'S FOLLY) کے نام سے پکارا کرتے تھے۔

لیکن فلٹن اپنی دھن کا پکّا تھا۔ لوگ اس پر ہنستے تھے۔ اس نے اُنھیں ہنسنے دیا اور اپنے کام میں لگا رہا۔ آخر جمعہ کے دن ۱۱ اگست ۱۸۰۷ء کو فلٹن نے اپنی کشتی مکمل کرکے دریائے ہڈسن نیویارک میں اُتار دی۔ دریا کے دونوں کناروں پر تماشائیوں کی بھیڑ لگی ہوئی تھی۔ ان میں فلٹن کے بہی خواہ بھی تھے بدخواہ بھی۔ آخر فلٹن نے انجن چلایا۔ انجن کے چلتے ہی کشتی کے دائیں بائیں لگے ہوئے پہیّے گھومنے لگے اور دنیا کی سب سے پہلی دخانی کشتی اپنے سب سے پہلے سفر پر روانہ ہوگئی۔ کلرمونٹ کو بارہ ۱۲ مسافروں کے ساتھ نیویارک سے البنی تک جانا تھا۔ نیویارک سے البنی ایک سو باون ۱۵۲ میل کا فاصلہ ہے۔ کلرمونٹ پانچ میل فی گھنٹے کی رفتار سے قریب تیس ۳۰ گھنٹے میں یہ سفر طے کرسکی۔

ایک مورخ نے اس سفر کا حال بہت دلچسپ الفاظ میں لکھا ہے "کلرمونٹ دریائے ہڈسن پر بہت کامیابی کے ساتھ آگے بڑھ رہی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ اس کی شکل بہت بھیانک تھی۔ چمنی سے کبھی دھوئیں کے کالے کالے بادل اُٹھتے تھے اور کبھی اس میں چنگاریاں اُڑنے لگتی تھیں۔ ہوا مخالف تھی اور جب لوگ اُسے ہوا کے خلاف چلتے ہوئے دیکھتے تو حیرت سے آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جاتیں۔ اور بعض لوگ تو انجن کی آواز سُن کر اس قدر ڈرتے کہ وہیں سجدے میں گر جاتے اور خدا سے دُعا مانگتے کہ وہ انھیں اس بلا سے بچائے رکھے۔"

اس کے بعد دریائے ہڈسن کے کنارے کے شہروں کے درمیان مستقل طور پر فلٹن کی دُخانی کشتی کے ذریعے آمد و رفت ہونے لگی اور جس وقت فلٹن اکیاون ۵۱ سال کی عمر میں مرا ہے اس وقت سترہ ۱۷ دُخانی جہاز اس کی یادگار موجود تھے۔

فلٹن کے تمام جہاز ان پہیّوں کی مدد سے آگے بڑھتے تھے جو دائیں بائیں پانی کو چھوتے ہوئے انجن سے چلتے تھے۔ ان پہیّوں کی جگہ جہاز کو پانی کے اندر پیچوں کے ذریعے آگے بڑھانے کا خیال ایک شخص فرانسس پیٹیٹ اسمتھ (FRANCIS PETTIT SMITH) کے دماغ میں پیدا ہوا تھا۔ اس کا نام بعد میں اس کی ایجاد کی نسبت سے (SCREW-SMITH) (یعنی پیچ گر) پڑ گیا تھا۔ اسمتھ بھیڑیں

چرایا کرتا تھا۔ لیکن یہ موجد کس طرح بن گیا۔ یہ کوئی نہیں جانتا۔ اسمتھ نے پہیوں کے بجائے پیچ لگاکر ایک کشتی ۱۸۳۶ء میں بنائی تھی اور اس وقت اس کی عمر صرف چھبیس سال کی تھی۔ دو سال بعد اسمتھ کی ایجاد کو پرکھنے کے لئے ایک دس ٹن وزن کے جہاز میں پیچ لگایا گیا۔ یہ پیچ لکڑی کا بنا ہوا تھا۔ اور اس پر صرف دو چوڑیاں تھیں۔ اتفاق ایسا ہوا کہ جب یہ جہاز آزمائش کے طور پر انگلستان میں دریائے ٹیمس (THAMES) پر چلا جارہا تھا اس وقت اس کا پیچ پانی کے اندر کسی چیز سے ٹکراکر آدھا ٹوٹ گیا اور یکایک جہاز پہلے کی نسبت بہت زیادہ تیز چلنے لگا۔ اسمتھ اس کا راز سمجھ گیا۔ اس نے بعد میں اس جہاز میں ایک ایسا پیچ لگایا جس میں ایک ہی چوڑی تھی اور آج تک یہی ایک چوڑی والا پیچ تمام جہازوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔

سوئیڈن (SWEDEN) کے رہنے والے کپتان اِرک سَن (CAPTAIN ERICSON) نے جہاز میں ایک کی جگہ دو پیچ لگائے۔ کچھ دن بعد ۱۸۴۴ء میں اِرک سَن نے جہاز پر لوہا منڈھنے کی تجویز پیش کی اور مونٹیر (MONITOR) کے نام سے ایک جہاز بنایا جس پر لوہا چڑھایا گیا تھا۔

دخانی جہاز کو بہتر بنانے اور اس کی رفتار بڑھانے کی کوشش برابر جاری ہیں۔ ۱۸۳۶ء میں پہلی مرتبہ بعض ذمہ دار لوگوں نے دخانی جہازوں کو بحر اٹلانٹک میں چلانے کے مسئلے پر غور کیا۔ لیکن عام طور پر اس خیال کا مضحکہ اُڑایا گیا۔ لورپول (LIVERPOOL) کے اخبار البین (ALBION) نے ۱۴ دسمبر ۱۸۳۶ء کے پرچے میں انگلستان کے ایک مشہور و معروف فلسفی ڈاکٹر لارڈنر (Dr. LARDNER) کی ایک تقریر شائع کی۔ اس تقریر میں بتایا گیا تھا کہ کس طرح دُخانی جہاز میں بیٹھ کر لورپول سے نیویارک تک کا سفر کرنے کا ارادہ ایسا ہی ہے جیسے انسان لورپول یا نیویارک سے چاند میں پہنچنے کی سوچے۔

لیکن کام کرنے والے ایسی باتوں سے کوئی اثر نہیں لیتے۔ دو سال بعد ہی یعنی ۱۸۳۸ء میں "سری اس" (SIRIUS) نام کے ایک جہاز نے لورپول سے نیویارک تک کا تین ہزار تیس میل کا سفر ۱۸½ دن میں طے کر کے یہ ثابت کر دیا کہ دخانی جہاز اٹلانٹک جیسے بڑے سمندر میں بھی اِدھر سے اُدھر آجا سکتے ہیں۔ اسی سال ایک اور جہاز "گریٹ ویسٹرن" (GREAT WESTERN) نے یہی سفر ۱۵ دن میں پورا کیا۔ رفتہ رفتہ دُخانی جہازوں نے رفتار میں غیر معمولی ترقی کی۔ اس کا اندازہ اس بات سے لگائیے کہ ۱۹۱۰ء میں انگلستان کے ایک جہاز نے

"مورٹانیہ" (MAURETANIA) نے اٹلانٹک کو صرف چار دن دس گھنٹے اور ایک منٹ میں پار کرلیا تھا اور سنہ ۱۹۳۰ء میں ایک جرمن جہاز "برمن" (BREMEN) نے نو گھنٹے اور جلدی یہ سفر طے کرلیا۔

سنہ ۱۹۳۵ء میں فرانس والوں نے نارمنڈی (NORMANDIE) کے نام سے دُنیا کا سب سے بڑا دخانی جہاز بنایا۔ اس کا وزن ۷۰ ہزار ٹن تھا۔ اور لمبائی میں ایک ہزار بیس فیٹ تھا۔ اسی جہاز کے ساتھ ساتھ انگلستان نے ایک اس سے بھی بڑا جہاز "کوئن میری" بنایا۔ اس جہاز میں چار ہزار مسافروں کی جگہ ہے اور یہ دو لاکھ گھوڑوں کی طاقت کے انجنوں سے چالیس میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چلتا ہے اسی رفتار سے ہماری ڈاک گاڑیاں بھی چلتی ہیں اس جہاز میں ٹیلیفون لگائے گئے ہیں ایک روزانہ اخبار کا دفتر ہے۔ دکانیں ہیں۔ بازار ہے۔ دو بجلی گھر ہیں جن کی بنائی ہوئی بجلی سے چھوٹے سے چھوٹا اور بڑے سے بڑا کام خود بخود ہو سکتا ہے اس قسم کے جہاز بجا طور پر ہمارے زمانے کے عجائبات کہے جا سکتے ہیں۔

غصّہ

جامعہ تعلیمی مرکز (۱) میں ابتدائی جماعت کے بچوں سے یہ پوچھا گیا تھا کہ تمہیں غصہ کیوں آتا ہے۔ ان بچوں نے اس سوال کے جو جواب دیئے ہیں وہ نیچے لکھے جاتے ہیں۔ یہ مضمون ہند کے سالنامے سے لیا گیا ہے۔ یہ ابتدائی جماعت (تعلیمی مرکز) کا قلمی رسالہ ہے یہ ماہوار ہی نکلتا ہے اور روزانہ اخبار کی صورت میں بھی اس کا سب کام بچے ہی کرتے ہیں اور بڑی محنت اور سلیقے سے خصوصاً سالنامہ تو بن دیکھنے کی چیز ہے

۱۔ مجھے وعدہ خلافی پر غصہ آتا ہے۔ (محمد رضوان)

۲۔ اگر کوئی مجھ سے بے جا مذاق کرے تو مجھے غصہ آتا ہے۔ (عبدالمالک)

۳۔ غصہ کبھی مجھے غصہ دلا جاتا ہے تو مجھے غصہ آتا ہے (سلیم فہمی)

۴۔ اگر کوئی غریبوں پر ظلم کرتا ہے تو مجھے غصہ آتا ہے۔ (محمد یوسف)

۵۔ مجھے جب غصہ آتا ہے کہ جب کوئی اچھے کپڑے پہن کر اکڑتا ہے۔ (آغا عباس)

۶۔ میری مرضی کے مطابق جب کوئی کام نہیں ہوتا تو مجھے غصہ آتا ہے۔ (ماجد علی)

۷۔ کوئی جھوٹا الزام لگاتا ہے تو مجھے غصہ آتا ہے۔ (بدر الصالحین احمد)

۸۔ مجھے اس پر غصہ آتا ہے جو خود غرض ہو یعنی اپنی بھلائی آپ چاہتا ہو (محمد ظفر الہدیٰ)

۹۔ جب کوئی میری پتنگ کاٹ دیتا ہے تو مجھے غصہ آتا ہے (محمد سلطان)

۱۰ کوئی شخص کسی کا انصاف کرنے بیٹھے اور ایک کی نہ سنے تو مجھے اس پر غصہ آتا ہے۔ (عبدالوحید)

۱۱۔ جب مجھ سے خود کوئی غلطی سرزد ہو جاتی ہے تو مجھے خود پر غصہ آتا ہے (رحیم الدین)

۱۲۔ اگر کوئی زیادہ غصہ کرتا ہے تو مجھے اس پر غصہ آتا ہے (عطاء الرحمٰن)

۱۳۔ اگر کوئی میری نقل کرتا ہے تو مجھے بڑا غصہ آتا ہے (ایوب احمد)

۱۴۔ مجھے کانگریس اور مسلم لیگ کی فضول بحث پر غصہ آتا ہے (عارف بیگ)

۱۵۔ جب مجھے بجائے قدوائی کے کوئی کدوائی کہتا ہے تو مجھے بہت غصہ آتا ہے۔ (وارث رشید قدوائی)

۱۶۔ اگر کوئی نماز میں شرارت کرتا ہے تو مجھ کو غصہ آتا ہے۔ (محمد اشفاق)

۱۷۔ جب کوئی ماسٹر کا کہنا نہ مانے تو مجھے غصہ آتا ہے (محمد اسلم)

۱۸۔ اگر کوئی انصاف کرے اور انصاف میں بے انصافی کرے تو مجھ کو غصہ آتا ہے۔ (جمیل الرحمٰن)

۱۹۔ جب ہماری لاری چھوٹ جاتی ہے تو ہمیں غصہ آتا ہے (منظور عبدالرحمٰن)

میرا سفر

چمن لال صاحب جرنلسٹ

سوئز سے روانہ ہو کر ہمارے جہاز نے اٹلی کا رخ کیا یورپ کا ایک مقولہ ہے "مرنے سے پہلے نیپلز ضرور دیکھو" مگر اٹلی میں نیپلز سے کہیں زیادہ خوب صورت شہر ہیں۔ یورپ میں۔ اٹلی، آئرلینڈ، آسٹریا سوئٹزرلینڈ اور جنوبی فرانس بہت خوب صورت ملک تسلیم کئے گئے ہیں مگر میں اٹلی کو ان سب پر ترجیح دیتا ہوں۔ اٹلی کے مقابلے میں کوئی ملک آ سکتا ہو تو وہ صرف سوئٹزرلینڈ ہے۔

یورپ میں اٹلی کو مصوری، مجسمہ سازی، فن عمارت تہذیب اور شہنشاہیت کی ماں کہا جائے تو بے جا نہ ہو گا۔ اٹلی کی پرانی تاریخ دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ملک ہمیشہ سے آرٹ کا گھر رہا ہے۔ اٹلی کا طرز تعمیر تو اب بھی دنیا میں اوّل نمبر مانا جاتا ہے۔ اٹلی کے لوگ خود بہت خوب صورت اور خوب صورتی کے قدردان ہوتے ہیں۔ اپنی دنیا بھر کی متواتر سیاحت میں جیسی خوب صورت گہری اور کالی آنکھیں میں نے اٹلی میں دیکھیں اور کہیں نہیں دیکھیں۔ اگرچہ امریکن عورت کی آنکھوں کا انداز اور آئرلینڈ کی نیلی آنکھیں بھی اپنا جواب نہیں رکھتیں۔ غرض اٹلی یورپ کا سب سے پرانا سب سے مہذب اور تاریخی خزانوں سے مالا مال ملک ہے۔ انہی اسباب کی بنا پر آرٹسٹ، سیاح، مورخ، قدرتی مناظر کے دلدادہ سبھی اٹلی پر فریفتہ ہیں۔ ایک سیاح اٹلی کی خوب صورتی تاریخی یادگاروں، آرٹ کے خزانوں اور اٹلی کے لوگوں کی مہمان نوازی سے بے انتہا متاثر ہوتا ہے۔ جیسے ان سب چیزوں نے مل جل کر اس پر جادو سا کر دیا ہو۔

اٹلی کا نیلگوں سمندر، اٹلی کی پرفضا وادیاں، اٹلی کے خوب صورت برفانی پہاڑ، اٹلی کے انگوروں کے باغیچوں والے گاؤں، اٹلی کی دلکش جھیلیں اور ہندوستان کی طرح اٹلی کا تاروں بھرا آسمان، یہ سب چیزیں اس قدر عجیب و غریب ہیں کہ بس دیکھنے ہی سے تعلق رکھتی ہیں قلم میں اُن کے بیان کرنے کی طاقت نہیں۔ امریکہ کے کروڑپتی تو دنیا کے جھنجھٹوں سے ذرا بھی فرصت پاتے ہیں تو سیدھے اٹلی کی طرف بھاگتے ہیں۔ اٹلی کے قدرتی مناظر سے انھیں ایک خاص روحانی سکون حاصل ہوتا ہے۔

غرض اٹلی کا سفر ایک دیرپا اثر سیاح کے دل و دماغ پر چھوڑ جاتا ہے۔ اور اس کا دل بار بار اس ملک کی سیر کو چاہتا ہے۔ خود میرا یہ حال ہے کہ چار بار اٹلی کی سیر کر آیا پھر بھی ہر سال یہی جی چاہتا ہے کہ جیسے بھی بنے ایک بار اٹلی اور ہو آؤں۔

اس آتشِ شوق کو تیز تر کرنے کا سبب اٹلی کے جہاز بھی ہیں۔ ان جہازوں کو تم محل یا سمندری ہوٹل کہہ سکتے ہو۔ ان جہازوں پر میں نے بارہ سے زیادہ مرتبہ سفر کیا ہے اور کبھی کوئی تکلیف محسوس نہیں کی۔ جہاز کے کپتان سے لے کر معمولی ملازم تک ہندوستانی مسافروں کے ساتھ بہت عزت اور خوش خلقی کے ساتھ پیش آتے ہیں۔ جو ہندوستانی پہلی دفعہ سفر کرتے ہیں انہیں یہ دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ گورے چمڑے والے لوگ بھی غرور اور بد دماغی سے خالی ہوتے ہیں

امریکہ اور جاپان کے جہازوں میں بھی ہندوستانیوں کے ساتھ اچھا سلوک کیا جاتا ہے۔ لیکن اٹلی کے جہازوں کی یہ خصوصیت ہے کہ یہاں ہندوستانی سوسائٹی بھی مل جاتی ہے۔ اور سب سے بڑی بات یہ کہ کھانا بھی ہندوستانی مل سکتا ہے اور بہت عمدہ قسم کا۔

اٹلی کے جہازوں نے ایک جدت یہ کی ہے کہ اپنے یہاں ایک کفایتی دوسرا درجہ SECOND ECO-NOMICCLASS کھولا ہے۔ اس کا کرایہ کم ہے لیکن سہولیں اور آرام وہی ہے جو دوسرے جہازوں کے دوسرے درجے میں ہے۔

جن بچیوں کو سفر کے بارے میں یا جہاز کے کرایوں کے متعلق زیادہ تفصیلی معلومات حاصل کرنے یا باتصویر کتابیں مفت منگوانے کا شوق ہو وہ میرے نام کے حوالے سے لائڈ ٹریسٹینو اسٹیم شپ کمپنی بیلارڈ پیر بمبئی
LLOYD TRESTINO STEAMSHIPCCO BALLARDPIER BOMBAY
کے پتے پر خط کتابت کریں۔

اچھا اب میں تمہیں اٹلی کی سیر کراتا ہوں۔ سب سے پہلے روم چلیں۔

یہ عظیم الشان تاریخی شہر اس ملک کی راج دھانی یا دارالسلطنت ہے۔ اس شہر کا نام لیتے ہی یورپ کی تین ہزار برس پہلے کی تاریخ آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے رومن بادشاہوں کے کارنامے۔ ان کی آئے دن کی لڑائیوں، فتح وشکست اور ان کی تہذیب کی ترقی کے کارنامے آج بھی کھنڈروں میں محفوظ ہیں

روم کی تہذیب کوئی پچیس سو برس پرانی ہے۔ آج بھی روم کے گرداگرد کم سے کم ایک ہزار شہر ہیں جن کے شاندار کھنڈر۔ آرٹ کے قیمتی خزانے محل، گرجے۔ اور قلعے پچھلی تہذیب اور پچھلی روایتوں کا زبانِ حال سے افسانہ سنا رہے ہیں۔

کسی زمانے میں رومن سلطنت چکرورتی راج کہلاتی تھی اور روم کو دنیا کی راج دھانی کہتے تھے۔ رومن سلطنت

ختم ہونے کے بعد بھی روم یورپ والوں کا مذہبی دارالخلافہ رہا۔ پرانی تہذیب کی جگہ نئی تہذیب نے لے لی اور روم پوپ یا پاپائے مسیحی کی راج دھانی بن گیا۔ اب تک کروڑوں عیسائی روم کو اپنا کعبہ سمجھتے ہیں اور ہر سال لاکھوں عیسائی پوپ کی زیارت کو جاتے ہیں۔

روم کی خوب صورتی کا کیا پوچھنا میرے خیال میں اور میرے ہی نہیں بہت سے سیاحوں کے خیال میں روم اپنی خوب صورتی میں لندن سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہے۔ قدم قدم پر شاندار گرجے، دلفریب فوارے، خوب صورت محل ہے اگر محلوں، فواروں اور گرجوں کا شہر کہا جائے تو بالکل صحیح ہوگا

روم میں میں نے جن جن جگہوں کو زیادہ توجہ اور دلچسپی سے دیکھا وہ یہ ہیں۔ روم کا پرانا شہر، یونیورسٹی کا شہر، شہنشاہ وکٹرایمانویل کا مانومنٹ MONUMENT OF VICTOR EMMANUEL مسولینی فورم (FORUM) کھیل کود کا PLAZZOVENIZIE وغیرہ وغیرہ یہ ایسے مقامات ہیں جنھیں ہر سیاح کو دیکھنا چاہیئے ان کے علاوہ پرانے کھنڈروں کے عجائب گھر مشرقی ملکوں کے عجائب گھر۔ فاسسٹ پارٹی کا صدر دفتر دیکھ کر میری معلومات میں کافی اضافہ ہوا۔

شاہ امان اللہ کے سالے سردار طرزی جنھوں نے مجھے روم کی سیر کرائی خود بھی بہت سیلانی آدمی ہیں ان کی وجہ سے سیر میں بہت لطف رہا[۵]

پوپ کا شہر جسے VATICANCITY کہتے ہیں دنیا کا نرالا شہر ہے۔ بڑے بڑے پرانے محل، آسمان سے باتیں کرنے والے گرجاؤں کے مینار، مذہبی زائروں یا یاتریوں کی مسلسل قطاریں، مذہبی رسوم کے سامان کی دکانیں، مذہبی تصویریں بیچنے والے لڑکے پادریوں اور ننوں کے گروہ کے گروہ۔ غرض عجیب نظارہ ہوتا ہے اس کا حال آئندہ ایک مستقل مضمون کی صورت میں لکھا جائے گا۔ اس وقت اور شہروں کا حال سنو۔

نیپلز اٹلی کا سب سے پرانا شہر نیپلز ہے۔ اٹلی والے اسے ناپولی کہتے ہیں۔ اس کا سب سے پرانا نام پارتھنوپ PARTHENOPE تھا۔ آج سے کوئی چھبیس سو سال پہلے اس کی بنیاد پڑی تھی

آج کا نیپلز نئی اور پرانی تہذیب کی کھچڑی ہے۔ نیپلز کی آبنائے (کھاڑی) کا نظارہ جہاز سے بہت ہی دلفریب معلوم ہوتا ہے۔

نیپلز کا شہر ہلال  کی شکل میں سمندر کے کنارے پھیلا ہوا ہے اس کی پشت پر بلند اور سرسبز پہاڑیاں ہیں انھی میں دنیا کا مشہور آتش فشاں

---

[۵] اس زمانے میں شاہ امان اللہ خاں سے بھی کئی بار ملاقات کا موقع ملا۔ ان ملاقاتوں اور ہندوستان، مہاتما گاندھی مولانا ابوالکلام آزاد، خان عبدالغفار خاں سے ان کی محبت، اور ان کا ہندوستان کے نام فارسی میں پیغام۔ اگلے مضمون میں پیش کروں گا۔ ان کی سب سے چھوٹی بچی شہزادی ہندیہ کی کہانی بھی لکھی جائے گی۔ یہ شہزادی بمبئی میں پیدا ہوئی تھی۔ اس لئے اس کا نام شہزادی ہندیہ

پہاڑ ویسو ویس (MOUNT VASUVEUS) اب بھی اپنی زندگی کا ثبوت دیتا رہتا ہے۔ ویسو ویس کے قریب ہی اٹلی کی پرانی راج دھانی پومپائی (POMPEI) کے کھنڈر ہیں انھیں ہر سال لاکھوں سیاح دیکھنے جاتے ہیں

نیپلز میں پرانے محل، قلعے اور گرجے بہت ہیں نیرو (NERO) کے تھیٹر کے کھنڈر بھی یہاں موجود ہیں اور پرانے یونانی اور رومن طرز تعمیر کی یاد دلاتے ہیں۔

نیپلز کے پرانے اور تنگ گلی کوچے اور پرانے مندروں کے کھنڈر اس زمانے کی یاد دلاتے ہیں جب وہاں سورج کی پوجا ہوتی تھی۔ اگنی (آگ) وغیرہ کئی دیوتاؤں کی مورتیں ان مندروں میں سے ملی ہیں اور نیپلز کے عجائب گھر میں موجود ہیں۔ اُس وقت تمام یورپ میں بت پرستی کا زور تھا۔ کیتھولک گرجاؤں میں تو بت پرستی دوسری شکلوں میں اب تک رائج ہے۔ دوسرے فرقوں کے گرجوں میں البتہ اس کی اجازت نہیں۔

مسولینی کے عہد میں نیپلز کی خوب صورتی میں بہت اضافہ ہوگیا ہے جن لوگوں نے پانچ سال پہلے نیپلز کو دیکھا تھا وہ آج کے نیپلز کو پہچان بھی نہیں سکتے۔ ہزاروں نئی عمارتیں، نئی سڑکیں اور نئے بازار بن گئے ہیں۔ یہ تعمیری کام اس وقت ہوا تھا جب ہر ہٹلر نیپلز کی سیر کرنے آیا تھا اور اس نے نیپلز کی بندرگاہ میں اٹلی کی بحری طاقت کی نمائش دیکھی تھی۔ میں ان دنوں اٹلی ہی میں تھا۔

نیپلز کے پاس بہت سے قابلِ دید مقامات ہیں جہاں سیاح ہزاروں کی تعداد میں روزانہ جاتے ہیں۔ یہاں سے قریب کیپری (CAPRI) ایک جزیرہ ہے کوئی ایک گھنٹے کا سفر ہوگا چھوٹے جہاز میں سفر کیا جاتا ہے۔ یہ جزیرہ بہت خوب صورت ہے اور یہاں غاروں کے اندر کشتی میں جانے کا جو مزا مجھے آیا ہے وہ کبھی نہ بھولوں گا۔ ان غاروں کی چھتیں شکل سے تین فٹ اونچی ہیں۔ میں نے ایک بار غار کے اندر نیلگوں پانی کو چھونے کی کوشش کی۔ بے خیالی میں سر جو اوپر اٹھایا تو غار کی چھت سے جا ٹکرایا اچھی خاصی چوٹ لگی۔ یہ غار بہت خوب صورت اور خوب ٹھنڈے ہیں باہر سمندر میں کافی گرمی تھی اور تیز دھوپ پڑ رہی تھی۔ اس لئے یہی دل چاہتا تھا کہ غار کے اندر کشتی میں بیٹھے رہیں۔ میرے کئی ساتھی ڈر کے مارے غار کے اندر نہ گئے مگر ہم نے واپس آکر وہاں کی کیفیت بیان کی تو وہ بہت پچھتائے۔

ہم نے اس جزیرے میں ہندوستانی پلاؤ، پکوڑے اور کئی ہندوستانی کھانے کھائے یہاں کی شراب اور انگور بہت مشہور ہیں مگر میں صرف انگوروں کے بارے میں گواہی دے سکتا ہوں۔

نہروں کا شہر۔ وینس کو اٹلی کا دروازہ یا نہروں کا شہر کہنا چاہئے پورا شہر نہروں کے کنارے آباد ہے۔ اکثر سڑکیں اور بازار نہروں کی صورت میں ہیں۔ یہاں تک کہ ایک گھر سے دوسرے گھر جانے کے لئے کشتی میں جانا پڑتا ہے سری نگر تم نے دیکھا ہے؟ کچھ کچھ وہاں بھی یہی صورت ہے۔ یہ شہر اتنا پرانا ہے کہ کوئی نہیں بتا سکتا کہ کب آباد ہوا اور

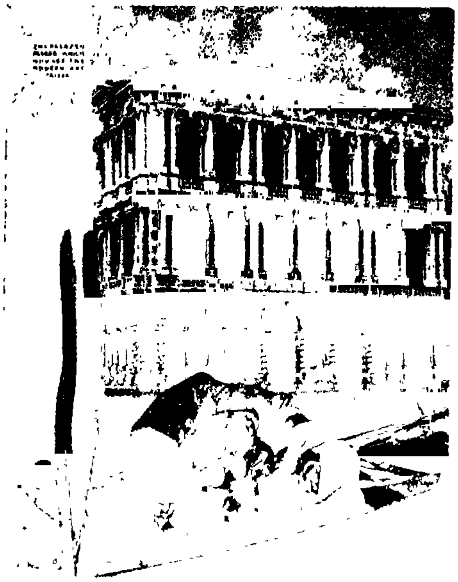


میلان کی ایک خوبصورت جھیل



فرشتہ

اٹلی کے مشہور آرٹسٹ مائکل
انجلو کا بنایا ہوا ایک مجسمہ



وینس کی آرٹ گیلری



ایک پرانا رومن پل

کس نے اس کی بنیاد ڈالی۔

اس شہر کی تاریخی اہمیت بھی کچھ کم نہیں۔ پہلے یہ ایک آزاد جمہوریت کا دارالسلطنت تھا اور دولت مند شہروں میں گنا جاتا تھا یورپ کے امیر اور دولت مند لوگ اکثر لڑائیوں اور لوٹ مار سے تنگ آکر یہیں پناہ لیتے تھے اس زمانے میں لوگ اسے بہت ہی محفوظ شہر سمجھتے تھے سولھویں صدی میں خاص طور پر اس کا ستارا عروج پر تھا اس صدی میں یہاں بڑے بڑے آرٹسٹ مصنف، علم موسیقی کے ماہر، انجینیر اور عالم پیدا ہوئے۔

وِنیس کی حکومت کو اکثر آس پاس کی حکومتوں خصوصاً ایشیائی حملہ آوروں کا مقابلہ کرنا پڑا اسی لئے یہاں ایشیائی تہذیب کا کافی اثر پڑا۔ اب تک یہاں بہت سے ایسے لوگ ملتے ہیں جن کی شکل و صورت ہندوستانیوں سے ملتی جلتی ہے۔

سترھویں صدی عیسوی میں یہاں کی حکومت کو خاص طور پر مشکلات کا مقابلہ کرنا پڑا۔ اسپین نے اس پر پے درپے حملے شروع کردئے اس سے پہلے ترکوں نے کریٹ (CRETE) کی لڑائی میں اسے بہت کمزور کردیا تھا۔ وِنیس کی حکومت نے تیس سال تک بہادری سے اسپین کا مقابلہ کیا۔ آخر ایک ہزار سال تک شاندار طریقے پر زندہ رہنے کے بعد (۱۲ مئی ۱۷۹۷ء) میں اس جمہوری حکومت کا خاتمہ ہوگیا۔

وِنیس اب بھی بہت خوب صورت اور شاندار شہر ہے۔ یہاں کے بازار خصوصاً تنگ بازار بہت دلکش ہیں۔ یہاں کی سب سے زیادہ بارونق جگہ لڈو (LIDO) کا جزیرہ ہے۔ یہاں تیرنے کے لئے امریکہ اور یورپ بھر کے سیاح آتے ہیں۔ وِنیس کے چوک میں تو ہندوستان چین جاپان امریکہ سب جگہ کے سیاح نظر آجاتے ہیں۔

وِنیس میں شیشے کی صنعت بہت پرانی ہے۔ بڑے بڑے قیمتی اور رنگ برنگے فانوس ہاتھوں سے تیار ہوتے ہیں میں نے یہاں سب سے پرانا کارخانہ اور ایک ہزار سال کے پرانے فانوس بھی دیکھے۔

وِنیس کے لوگ یورپ کے باقی لوگوں سے بہت زیادہ خوش خلق اور ملنسار ہوتے ہیں۔ اور یہ ان کی ایسی خوبی ہے اور ایسا امتیاز ہے جو زمانہ قدیم سے قائم ہے۔

وِنیس اٹلی کی مشہور بندرگاہ ہے۔ اصل میں اٹلی کی اہم بندرگاہیں صرف دو ہیں۔ وِنیس اور جنیوا۔ وِنیس میں یہ خصوصیت ہے کہ اکثر ہندوستانی جہاز اپنا سفر یہیں ختم کرتے ہیں جب سیاح اور مسافر جہاز سے اترتے ہی چھوٹی چھوٹی کشتیوں میں روانہ ہوتے ہیں تو ان کشتیوں کی آپس میں دوڑ دیکھنے کے قابل ہوتی ہے۔

جنیوا بھی بہت خوب صورت شہر ہے۔ یہاں سے انگلستان کے لئے سیدھی گاڑی ملتی ہے جو فرانس کے پرمنظر پہاڑوں کو چیرتی ہوئی چوبیس گھنٹوں میں لندن پہنچا دیتی ہے۔

میلان (MILAN) یہ شہر اٹلی کا بہت اہم اور مشہور تجارتی مرکز ہے۔ اس کی آبادی دس لاکھ ہے۔ اس اعتبار

سے یہ روم سے دوسرے درجے پر ہے۔

اس شہر کو آباد ہوئے کوئی بائیس سو سال گزر چکے ہیں ایک زمانے میں یہ نپولین کی سلطنت کا حصہ تھا۔ کچھ عرصہ تک آسٹریا کی سلطنت میں شامل رہا دو سال تک اسپین کی حکومت اس پر قابض رہی آخر سنہ ۱۸۵۹ء میں یہ اٹلی کی حکومت کے ہاتھ میں آگیا۔

یہاں دنیا کا بہت بڑا گرجا ہے۔ اسے بنانے میں پانچ سو سال لگے تھے۔ پوری عمارت سنگ مرمر کی ہے دنیا میں سنگ مرمر کی کوئی عمارت اس سے بڑی نہیں۔ سینٹ پیٹر (روم) کا گرجا اس سے بڑا ہے مگر وہ سنگ مرمر کا نہیں۔ اس کے ہال میں ۴۰ ہزار آدمی عبادت کر سکتے ہیں۔ گرجے میں ۳۲۰۰ مجسمے ہیں اور ہر ایک کسی مشہور آرٹسٹ کی مہارت فن کی یادگار ہے۔

دنیا کی سب سے بڑی آرٹ گیلری بھی یہیں ہے یہ امینوئیل روم کی گیلری کہلاتی ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی کئی عجائب گھر ہیں جہاں بڑے بڑے مصوروں کی تصویروں سے کمرے کے کمرے آراستہ ہیں ماڈرن آرٹ گیلری بھی دیکھنے کے قابل جگہ ہے۔

یہاں ایک عجیب چیز اور ہے یہ موسیقی کے ماہروں کے لئے جو بوڑھے ہو چکے ہیں ایک آرام خانہ ہے۔

خود سرکار ان بوڑھے لوگوں کی خبر گیری کرتی ہے۔ یہ چیز کسی اور ملک میں نہیں ہے۔ یہاں کا اسٹیشن بھی یورپ میں سب سے بڑا اور بالکل نئی وضع کا ہے۔ یہاں کا قبرستان بھی دیکھنے کی چیز ہے۔

میلان کے آس پاس بہت خوب صورت جھیلیں ہیں۔ یہ لمبارڈی میں واقع ہیں یہاں انسان دنیا کی تمام الجھنوں اور پریشانیوں کو بھول کر قدرت کی نیرنگیوں میں کھو جاتا ہے اور ایک عجیب خوشی اور روحانی سکون محسوس کرتا ہے۔

ہمارے ملک خصوصاً کشمیر جنت نظیر میں ایسی جھیلیں افراط سے ہیں مگر ہم ان قدرتی مناظر کو بھی اپنی گندی عادتوں کی وجہ سے بدنما بنا دیتے ہیں شکر ہے کہ اب حالات بدل رہے ہیں اور تعلیم کی ترقی کے ساتھ ساتھ ہم میں قدرتی مناظر کی اہمیت کا احساس بھی پیدا ہو رہا ہے۔ اور ہمیں امید ہے کہ وہ زمانہ جلد آنے والا ہے کہ ہندوستان کا کونا کونا خوب صورتی اور دلکشی میں اپنی مثال آپ ہو گا۔

ایڈیٹر کو خط لکھتے وقت پورا پتہ اور منیجر کو خط لکھتے وقت نمبر خریداری ضرور لکھو ورنہ جواب کی امید نہ رکھو۔

سائکل کی چوری

(احمد حسن لکھنوی)

نیچے کا مضمون پیام برادری کی شاخ لکھنؤ کے قلمی رسالے "جاگو" سے نقل کیا جاتا ہے۔ یہ رسالہ بہت سلیقے سے مرتب کیا جاتا ہے۔ اس میں اور بھی کئی اچھے اچھے مضمون ہیں (ایڈیٹر)

برسات کا موسم اور شام کا وقت تھا۔ بارش دوپہر ہی کو بند ہو گئی تھی۔ آسمان پر بادل تھے اور ہوا ٹھنڈی ٹھنڈی چل رہی تھی۔ ایسے میں ہمیں سیر کی کیوں نہ سوجھتی ایسے خوشگوار دن تو پڑھنا بھی اچھا نہیں لگتا۔ اچھا کیا جی ہی نہیں لگتا۔

ہم کچھ اس قدر کاہل ہو گئے ہیں۔ خاص کر پیدل چلنے کے بارے ہیں کہ بغیر سائکل کے چلا ہی نہیں جاتا ٹہلنے بھی جاتے ہیں تو سائکل کی پیٹھ پر۔

خیر صاحب ان باتوں سے آپ کو کیا مطلب۔ قصہ مختصر یہ کہ تیسرے پہر کو ہم گھومنے نکلے۔ پہلے تو بنارسی باغ میں اِدھر اُدھر گھومتے رہے۔ پھر اپنی سائکل کا رخ بند کی طرف کر دیا۔ خیال تھا کہ آج وہاں کا منظر بہت ہی اچھا ہوگا۔ کچی اور پکی سڑکوں سے ہوتے ہوئے ہم بند پر پہنچ گئے۔ گومتی خوب زور شور سے بہ رہی تھی۔ بند برسات کی وجہ سے کھلا ہوا تھا۔ پانی یہاں کچھ رک کر پھر بڑی زور سے بہ رہا تھا۔ دریا تک پہنچنے کے لئے ہمیں سڑک سے اتر کر نیچے کی طرف جانا تھا۔ ہم نے اپنی سائکل لاپروائی سے بجلی کے کھمبے سے ٹکا دی اور بند کی سیڑھیوں تک پہنچ گئے۔

ہم تھوڑی دیر تک تو دریا کے پانی سے کھیلتے رہے پھر گھونگھے اور سیپیاں پکڑنے لگے۔ اچھی خاصی سیپیاں جمع ہو گئیں۔ اب شام ہو چلی تھی۔ سورج ڈوب رہا تھا ہم نے گھر جانے کا ارادہ کیا۔ سڑک تک آئے بجلی کے کھمبے کی طرف دیکھا۔ ارے! سائکل غائب تھی۔ اِدھر اُدھر دیکھا کچھ پتہ نہ چلا۔ اب کیا ہوگا! میری عجیب کیفیت ہو گئی۔ دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ حلق خشک ہونے لگا۔ آواز بڑی مشکل سے نکلی۔ مجھے یقین ہو گیا کہ سائکل کسی صاحب کو پسند آ گئی۔ بھائی صاحب ہمیشہ تاکید کرتے رہتے تھے کہ کہیں سائکل چھوڑا کرو تو تالا ضرور ڈال دیا کرو۔ اس وقت مجھے ان کی نصیحت بری طرح یاد آ رہی تھی۔ اگر میں ان کے کہنے پر عمل کرتا تو آج یہ مصیبت کیوں آتی۔

اب اندھیرا ہو چلا تھا۔ میں نے آہستہ آہستہ گھر

کی طرف قدم اُٹھایا پاؤں بھاری بھاری معلوم ہو رہے تھے۔ مگر گھر تو پہنچنا ہی تھا۔ تھوڑی دیر پہلے یہ منظر کیا اچھا لگ رہا تھا۔ اور اب۔۔ اب ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ درخت وغیرہ سب میرے ساتھ افسردہ ہیں اور میرے غم میں شریک ہیں۔

مجھے سائکل سے زیادہ بھائی کی نصیحت نہ ماننے کا افسوس ہو رہا تھا۔ اور .... اور دو میل روزانہ پیدل چلنے۔ اسکول جانے اور اسکول سے آنے کا۔

میں کافی دیر میں گھر پہنچا۔ چہرے پر دحشت برس رہی تھی۔ لاکھ چاہا کہ چہرا سنجیدہ اور ہنس مکھ بناؤں مگر جب بھائی صاحب نے پوچھا کہ "سائکل کہاں؟" تو بے اختیار آنسو بہنے لگے اور رونا آگیا۔ بھائی صاحب نے کہا۔ "وہ تو ہم جانتے ہی تھے کہ آپ کی لاپروائی ایک دن ضرور رنگ لائے گی۔ چلو جاکر منہ دھوؤ۔ اب افسوس کرنے سے کوئی فائدہ نہیں"۔ مجھے اس بات پر کچھ تعجب سا ہوا کہ بھائی صاحب کو سائکل کی چوری کا حال کیسے معلوم ہوا

اتنے میں ہمارے ایک اور بھائی کمرے سے نکلے کچھ مسکراتے ہوئے۔

بعد میں معلوم ہوا بھائی صاحب سائکل لے آئے تھے کافی سزا ملی!

اب میں ہمیشہ اپنی سائکل میں تالا ڈال دیتا ہوں۔

(جاگو)

اسمٰعیل بیگ محمد ہائی اسکول میگزین

یہ رسالہ اسمٰعیل بیگ محمد ہائی اسکول کے بچوں کی طرف سے اردو اور انگریزی میں نکلتا ہے۔ اردو حصے کے نگراں جناب مولوی ابراہیم عمادی صاحب۔ اور نائب ایڈیٹر عبدالرحیم احمد ہیں۔ انگریزی حصے کے نگراں اے ال علوی بی۔ اے بی ٹی ہیں اور نائب ایڈیٹر وزیر محمد متعلم جماعت ہفتم ہیں۔ مضمون زیادہ تر لڑکوں کے ہیں اور ماشاء اللہ خوب ہیں۔ یہ دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ بمبئی کے بچے اتنی اچھی اردو لکھ لیتے ہیں۔ دونوں حصوں کی لکھائی چھپائی اور کاغذ بھی بہت اچھا ہے بچوں کی مختلف دلچسپیوں کی اچھی اچھی تصویریں بھی ہیں غرض مجموعی حیثیت سے رسالہ بہت کامیاب ہے۔ ایک خاص جدت یہ ہے کہ بعض ضرب المثلوں اور محاوروں کی قصے کے انداز میں تشریح کر دی گئی ہے۔

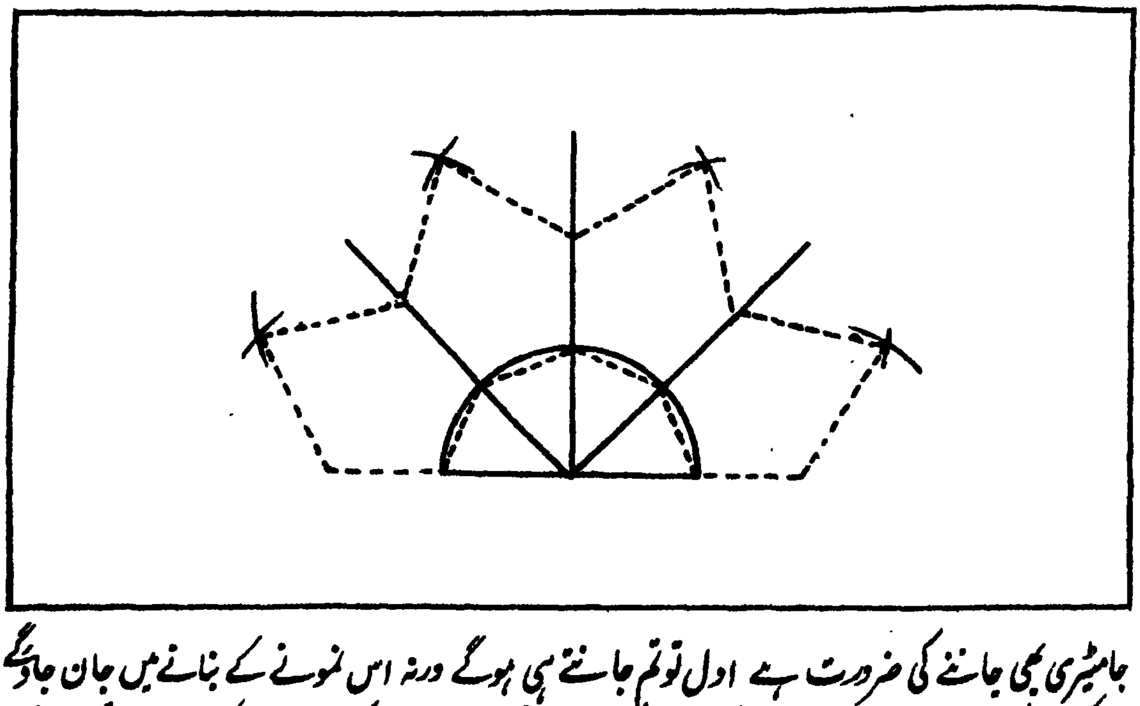
ہم اس کامیابی پر مولانا ابراہیم عمادی صاحب۔ اے ال علوی بی اے بی ٹی اور رسالے کے دوسرے کارکنوں کو مبارکباد دیتے ہیں۔ ساتھ ہی یہ بھی عرض کریں گے کہ رسالے میں شروع سے آخر تک بچوں ہی کی دلچسپی کی چیزیں ہونی چاہئیں۔ "شذرات" ہمیں اس رسالے کے لئے موزوں نہیں معلوم ہوتے۔ علاوہ اس کے بچوں کو زیادہ تر اچھے اچھے عنوانوں پر نظمیں لکھنے کی ترغیب دینا چاہئے۔ ابھی سے غزلیں لکھنا ان کے لئے مناسب نہیں ہے۔

گتے کا کام

سید عروج الحسن صاحب

اب تک جن چیزوں کے بنانے کا طریقہ ہم تمھیں بتا چکے ہیں وہ سب ایسی ہیں جو زیادہ تر لکھنے پڑھنے کے کام میں آتی ہیں۔ اس مرتبہ ایک ایسی چیز بنانا بتاتے ہیں جسے تم بڑے شوق سے بناؤگے اور بنانے کے بعد کام میں بھی لے آؤگے۔

جہاں تک عملی کام کا تعلق ہے وہاں تک تو تمھیں خوب مشق ہو گئی ہوگی۔ اب کے نمونے میں تھوڑی سی

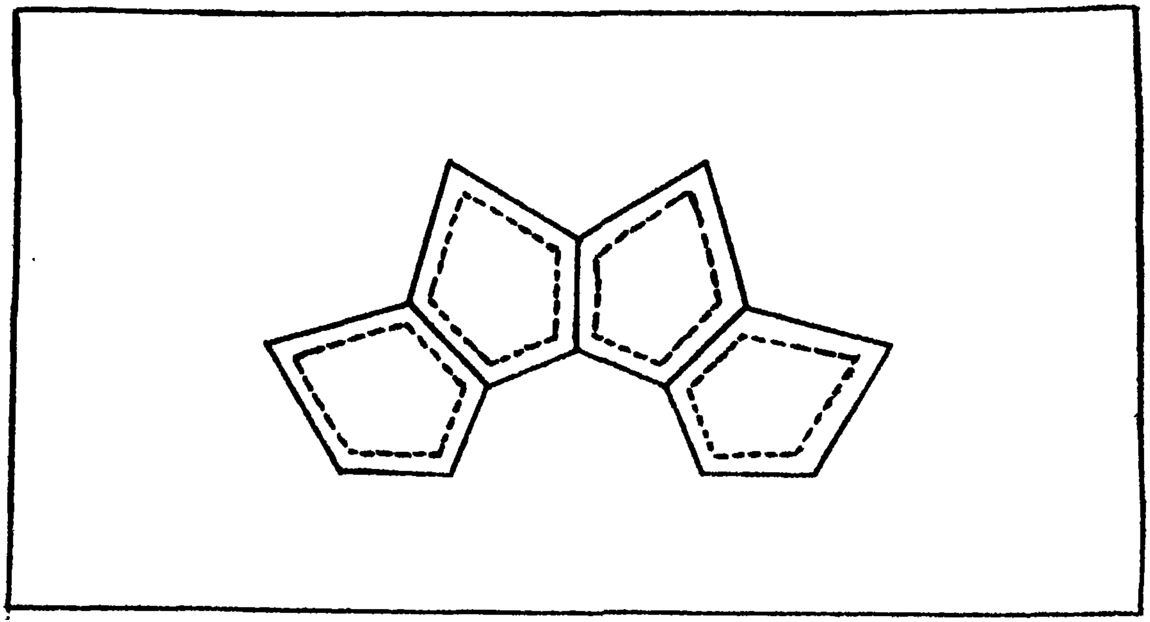


جامیٹری بھی جاننے کی ضرورت ہے اول تو تم جانتے ہی ہوگے ورنہ اس نمونے کے بنانے میں جان جاؤگے آج کل نئی تعلیم کا بھی یہی مقصد ہے کہ حرفے کو صرف شوقیہ ہی نہ کیا جائے بلکہ اس سے تعلیمی فائدہ بھی ضرور حاصل ہو۔

اب تم اس انتظار میں ہوگے کہ جلدی سے اس کا نام اور بنانے کا طریقہ معلوم ہو جائے۔ اچھا پہلے

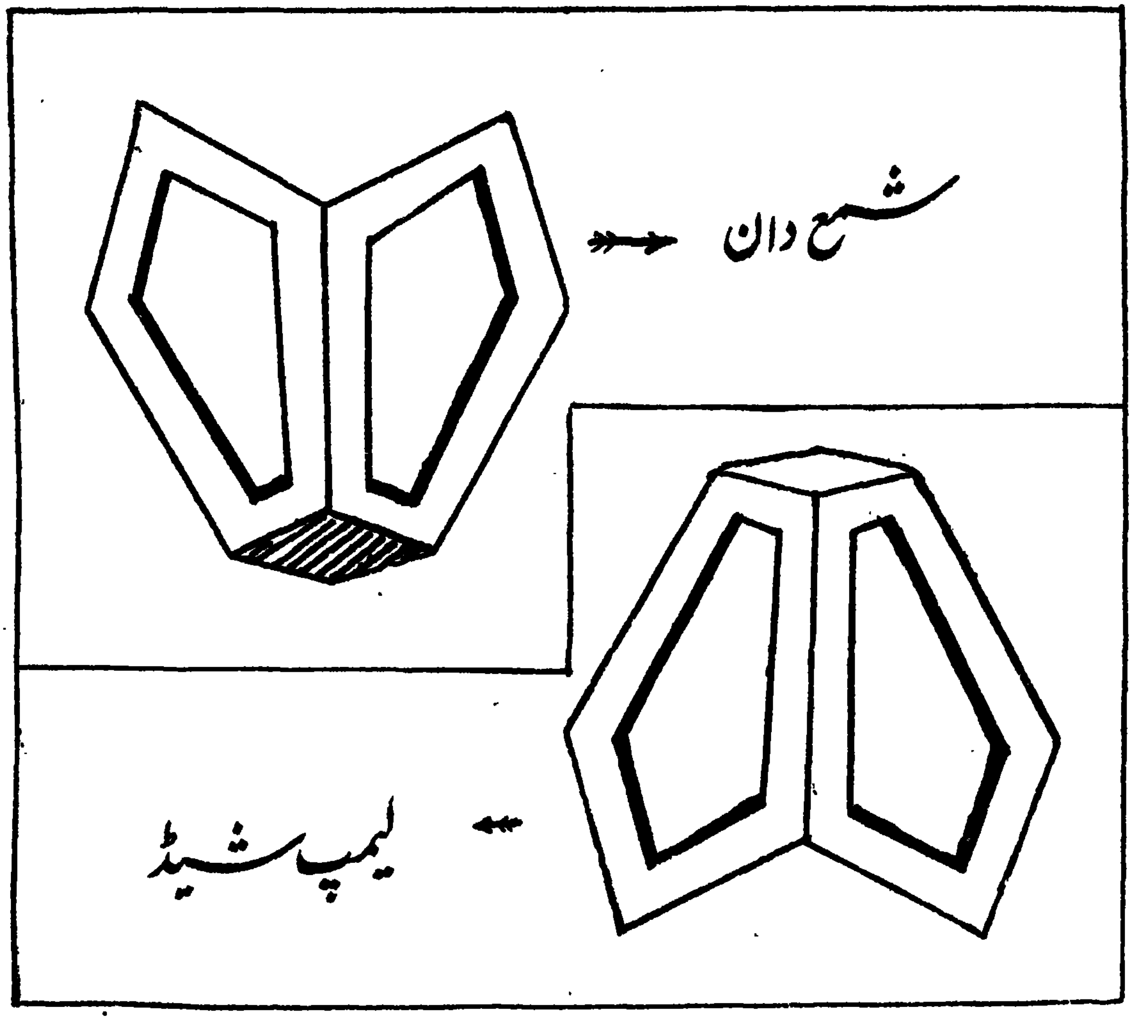
نام سن لو۔ ہم تو اسے لیمپ شیڈ بھی کہتے ہیں اور قندیل بھی لیکن یہ ضرور ہے کہ دونوں نام اِستعمال کی مناسبت سے ہیں۔

بنانے میں تمھیں یہ کرنا ہے کہ ایک گتا لو اور اُس پر ایک لکیر بنالو۔ پھر اس پر ایک مرکز مقرر کرکے ایک نصف دائرہ بنالو۔ اور پھر اسے چار حصّوں میں تقسیم کرلو۔ یہ نصف دائرہ زیادہ بڑا نہ ہو۔ ہر حصہ ۱½ انچ کے قریب لمبا ہو۔ مرکز تک ان حصّوں کو لکیروں کے ذریعے ملا دو۔ اور ان لکیروں کو بڑھاکر سب کو برابر بنالو ان لکیروں کے آخری سروں کو مرکز مان کر نشان لگالو اور ان نشانات کو لکیروں کے سروں سے ملا دو۔



اس کے بعد جہاں ایسے نشانات (..............) ہیں وہاں سے گتا کاٹ دو۔ (شکل نمبر ۱) اب چاروں حصّوں میں تھوڑا تھوڑا حاشیہ چھوڑکر درمیاں سے گتا نکال لو۔ (شکل نمبر ۲) اور ۱، ۲، ۳، ۴، ۵، ۶ پر ہاف کٹ (HALF CUT) کرلو۔ یعنی آدھا گتا کاٹ دو یا گہرا نشان لگادو۔ اور جہاں جہاں ہاف کٹ کئے ہیں وہاں سے گتا موڑ دو۔ اور دونوں الگ سروں کو کپڑے کی پٹّی سے آپس میں ملا دو۔ (شکل نمبر ۳) اسی طرح تین پٹیاں باقی تینوں حصّوں پر لگا دو۔ اب گتے پر رنگین کاغذ کی پٹیاں لگادو اور جو رنگ تم پسند کرو اسی رنگ کا کاغذ اندر کی طرف الگ الگ حصّے میں لگادو۔ لیمپ شیڈ تیار ہے۔ اگر نیچے کا سوراخ گتے سے بند کردیں اور اوپری سروں پر تاگا باندھ دیں تو

اس سے قندیل کا کام لے سکتے ہیں۔ (شکل نمبر ۱۴)



نئے نئے کھیل

اِدھر آؤ

جناب الطاف علی صاحب اُستاد ورزش جسمانی جامعہ نگر

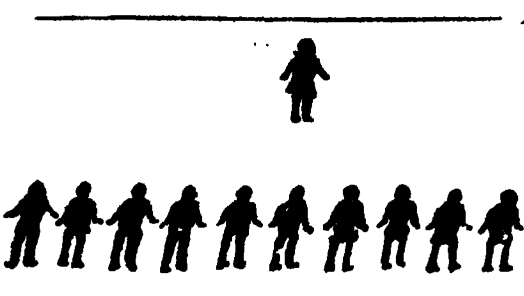
تعداد:-
۱۰ سے ۶۰ تک

جگہ:-
کھیل کا میدان

سب کھلاڑی ایک قطار میں کھڑے ہو جائیں ان میں سے ایک چھوتی چن لیا جائے وہ ان سے ۱۵ گز

(دیکھو شکل)

مقررہ حد



کے فاصلے پر ان کی طرف منہ کر کے کھڑا ہو جائے۔ کھیل شروع ہونے پر وہ کھلاڑیوں کو زور سے "ادھر آؤ" کہہ کر پکارے یہ سن کر تمام کھلاڑی سامنے کی طرف مقرر کردہ حد کی جانب دوڑیں۔ اس دوران میں وہ انہیں چھونے کی کوشش کرے جتنے کھلاڑی چھو جائیں وہ اس کے ساتھ شامل ہو کر اس کی مدد کریں۔ کھیل جاری رہے یہاں تک کہ تمام کھلاڑی چھو جائیں۔

احتیاط:-

۱۔ مقررہ حد کھلاڑیوں سے ۲۵ گز کے فاصلہ پر ہو۔

۲۔ جتنی مرتبہ کھیل شروع کیا جائے کھلاڑی ہمیشہ پہلی ہی جگہ آکر کھڑے ہوں اور ان کے اور چھوتی کے درمیان کا فاصلہ ہمیشہ برابر رہے۔

۳۔ ادھر آؤ ہمیشہ پہلا ہی چھوتی پکارے گا

۴۔ نیا کھیل نئے چھوتی سے شروع ہوگا۔

دلچسپ معلومات

دنیا کا سب سے بڑا درخت شمالی امریکہ کے سکویا پارک میں ہے یہ درخت ۲۷۰ فیٹ بلند ہے اور اس کا تنا ۸۰ فیٹ موٹا ہے اس کی لکڑی سے ۳۰ ارب دیا سلائیاں بن سکتی ہیں اور ۴۰ مکان، اس کی لکڑی کو لے جانے کے لئے ریل کے ۳۰ ڈبوں کی ضرورت ہوگی۔

ہندوستان میں سب سے پہلے کلکتے میں ایک سنیما ہاؤس سنہ ۱۹۰۷ء میں تیار ہوا۔

انگلستان میں پختہ سڑکوں کی مجموعی لمبائی ایک لاکھ ۸۰ ہزار میل ہے، ان سڑکوں پر مختلف قسم کی ۳۰ لاکھ پہئے والی گاڑیاں چلتی ہیں پچھلے سال پونتیس ہزار نئی کاروں ۸۵ ہزار تجارتی کاروبار کرنے والی گاڑیوں اور نو ہزار دو سو بسوں کا اضافہ ہوا۔

لندن کے ایک نجومی نے اعلان کیا ہے کہ ۱۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ سے زیادہ ستارے ہیں۔

برسٹل (لندن) میں ایک مدرسہ کھولا گیا ہے جس میں مرد اور عورتوں کی پرورش اور کھانا کھلانے کی تربیت دی جاتی ہے۔ اس اسکول میں عورتیں لکچرار مقرر کی گئی ہیں لکچروں میں بچوں کی حفاظت اور رکھ رکھاؤ کے طریقے بتائے جاتے ہیں ان کی صحت۔ غذا اور پوشاک کے متعلق مفید ہدایات دیجاتی ہیں اور بتایا جاتا ہے کہ گھر کا انتظام کس طرح کیا جا سکتا ہے بچوں کے شور و غل کو کس طرح روکا جا سکتا ہے۔

فرانس کے ایک سائنس دان نے ایک چھوٹی سی پنسل ایجاد کی ہے اس کے اندر بجائے بتی کے نہایت خطرناک گیس بھری ہوئی ہے۔ اس کے سرے پر چھوٹا سا خوب صورت بٹن لگا ہے اس کو دباتے ہی گیس ایک ساتھ نکلتی ہے اور دشمن کو بے ہوش کر دیتی ہے۔

اس بات کو حال ہی میں ڈاکٹر حیرد نے تجربہ کر کے معلوم کیا ہے کہ پانی میں ہزارواں حصہ سونا ہوتا ہے سب سمندروں میں ملا کر کے اتنا سونا ہے کہ اگر وہ دنیا کے سب مرد، عورتوں اور بچوں کو تقسیم کیا جائے تو ہر شخص کو سات سو اونس یا یوں سمجھئے کہ تقریباً نو سو روپیہ کا سونا مل جائے گا۔ کیونکہ تمام سمندروں میں ملا کر ایک ارب چالیس کروڑ اونس سونا موجود ہے۔

خط کتابت

میرے پاس حیدرآباد۔ جرمنی۔ فرانس۔ بلجیم۔ امریکہ۔ اٹلی۔ ارجنٹائن۔ جاپان۔ انگلستان۔ ہنگری۔ رومانیہ۔ کناڈا۔ اسٹریا۔ ڈنمارک۔ پرتگال۔ سیلون۔ مصر۔ الجیریا۔ برازیل۔ عدن۔ اسپین۔ سوئٹزرلینڈ۔ سوئیڈن۔ آسٹریلیا۔ برما وغیرہ کے ٹکٹ ہیں۔ ان کے بدلے میں ہندوستانی تمام دیسی ریاستوں کے ٹکٹ چاہتا ہوں۔ دیسی ریاستوں کے پیامی براہ راست خط کتابت کریں۔ پتہ:۔ محمد اسمٰعیل معرفت محمد غوث صاحب اسٹور کیپر سنگارینی کالریس (دکن)

مجھے ٹکٹ جمع کرنے کا بہت شوق ہے جو اصحاب مبادلہ کرنا چاہیں کر سکتے ہیں۔ میں ذیل کے ٹکٹ دے سکتا ہوں۔

(۱) حیدرآباد (۲) بھوپال (۳) کوچین (۴) ٹراونکور (۵) جے پور (۶) لجدین (۷) جاوا (۸) سماترا (۹) افغانستان (۱۰) جوہر (۱۱) کلنتان بڑے (۱۲) اسٹریلیا جبلی (۱۳) ہنگری (۱۴) زیکوسلوکیا وغیرہ وغیرہ۔ مجھے غیر ممالک کی سلور جبلی اور کورونیشن، البانیا اور ہندوستان کی جبلی کے ۸ر اور ۳۰ر والے ٹکٹوں کی ضرورت ہے۔

پتہ:۔ حسن احمد قنوجی۔ مکتبہ جامعہ دہلی۔

مجھے پکچر پوسٹ کارڈ اور دیسی ریاستوں نیز غیر ممالک کے ٹکٹوں کی ضرورت ہے ان کے عوض نیسلس اور کاڈبری کی چوکولیٹ کی تصویریں دے سکتا ہوں۔ جو پیامی مجھ سے مبادلہ کرنا چاہیں وہ پتہ ذیل پر خط لکھیں۔

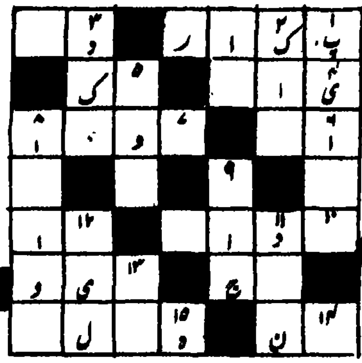
ابرار الرحمٰن قدوائی متعلم درجہ نہم (اے)
گورنمنٹ ہائی اسکول۔ بارہ بنکی (اودھ)

میرے پاس دوسرے ملکوں کے ٹکٹ کافی تعداد میں موجود ہیں اگر کوئی پیامی بھائی یا بہن دیسی ریاستوں کے ٹکٹوں سے مبادلہ کرنا چاہیں تو میں تیار ہوں۔ غیر ممالک کے ٹکٹوں میں میرے پاس زیادہ تر انگلینڈ کے ہیں۔ نزہت کرمانیہ معرفت چودھری محب اللہ صاحب ڈپٹی کلکٹر۔ بدایوں۔

میرے پاس اٹلی کے یادگاری۔ امریکہ کے یادگاری کوسٹاریکا گنٹالی۔ ترکی۔ البانیہ۔ مصر۔ رومانیا۔ چکوسلاویا (۱۹۱۹) ایران۔ ہنگری سینٹ اسٹی فن سن کے جاپان کے ایرمیل کے اور دوسرے ملکوں کے ہزاروں ٹکٹ ہیں۔ ان کے بدلے میں مجھے کارونیشن، سلور جوبلی، اور یادگاری ٹکٹوں کی ضرورت ہے۔ پیامی بھائی اس پتے پر خط کتابت کریں:۔

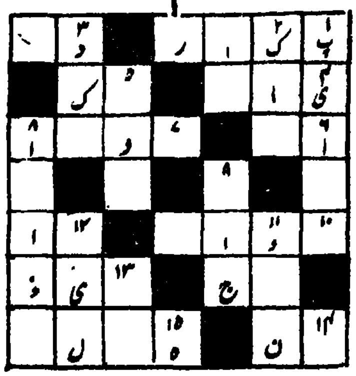
آغا رفیق احمد خاں کٹرہ عباسیہ، پہاڑ گنج، نئی دہلی۔

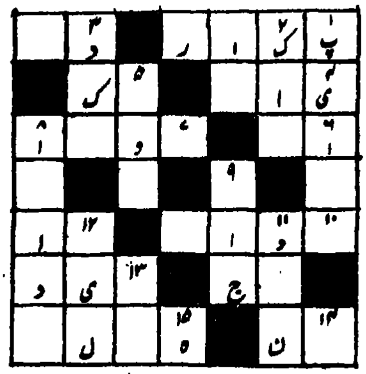
معمہ نمبر ۲

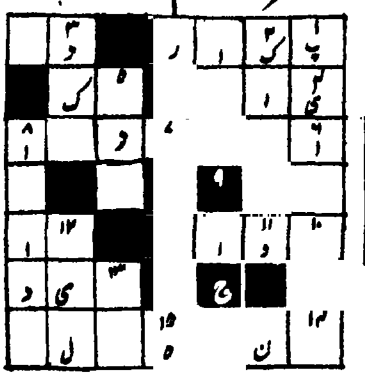


پہلا انعام :- ۶ے

دوسرا انعام :- للعہ







اشارات

دائیں سے بائیں

(۱) آج کل اس فلم کی ہر جگہ پکار ہے۔

(۳) ایک عدد

(۴) اس سے بڑے بڑے کام نکلتے ہیں

(۵) اس کے بغیر بنک سے روپیہ نہیں نکالا جا سکتا۔

(۶) .... کے .... گٹھلیوں کے دام

(۷) آج کل دنیا جرمنی کی طاقت کا .... مان گئی ہے۔

اوپر سے نیچے

(۱) یہ کنوئیں کے پاس جاتا ہے۔ کنواں اس کے پاس نہیں آتا

(۲) بے کئے ...... کوئی ہوا ہے کہیں

تم نے دنیا میں ایسا سُنا ہے کہیں

(۳) ہر تکلیف کے بعد راحت اور ہر اس کے بعد

سُکھ ہوتا ہے۔

(۵) ...... چوری سے جائے ہیرا پھیری سے نہ جائے۔

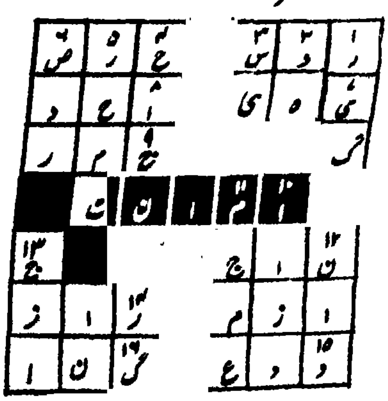
(۱۰) آل انڈیا ریڈیو کا اُردو رسالہ۔
(۱۲) انکار کے موقع پر بولا جاتا ہے۔
(۱۳) مسلمانوں کا تیوہار
(۱۴) جنگل
(۱۵) ہندؤوں کا ایک تیوہار

(۸) ہر سچا ہندوستانی اس کا خواہش مند ہے۔
(۹) آج کل ہر بادشاہ اپنے اس کی فکر میں ہے۔
(۱۱) ہندوستان ہمارا تمھارا ...... ہے۔
(۱۲) مصر کا تحفہ۔

قواعد

(۱) تمام مدرسوں کے بچّے حل کرنے میں حصّہ لے سکتے ہیں۔ استاد کی تصدیق ضروری ہے۔
(۲) ایک حل کے ساتھ ایک آنے کا ٹکٹ آنا ضروری ہے۔
(۳) ایک سے زائد حل بھی بھیجے جا سکتے ہیں۔ چار حلوں کی رعایتی فیس ۳ ہے۔
(۴) دونوں انعام تقسیم کردئے جائیں گے۔ قرعہ اندازی نہیں ہوگی۔
(۵) تمام حل ۲۰ مئی تک دفتر پیام تعلیم مکتبہ جامعہ دہلی پہنچ جانے چاہئیں
(۶) ایڈیٹر کا فیصلہ قطعی ہوگا۔
(۷) لفافے کے بائیں کونے پر لفظ معمّا لکھ دیا جائے
(۸) نام اور پتہ پورا اور صاف لکھو۔

معمّا نمبر ۶ کا صحیح حل:



پیام برادری

آپا جان

عزیز بچیو اور بچو، خوش رہو اور تندرست

اس عرصے میں میرے پاس بہت سے بچوں اور بچیوں کے خط آئے اُن میں انھوں نے امتحان میں مشغولیت کا حال لکھا تھا۔ اب تقریباً سبھی بچے امتحان دے چکے ہوں گے اور جس وقت یہ رسالہ اُن کے ہاتھوں میں پہنچے گا اس وقت بہتوں کا تو نتیجہ بھی نکل چکا ہوگا۔ میری دعا ہے کہ سب پیامیوں کو شاندار کامیابی نصیب ہو۔ آمین

پانچویں معمے کے حل دیکھے گئے ہیں۔ ان میں صرف دو لڑکوں :۔ سید محمد عمر دربھنگہ اور بشیر یوسف، نواب گنج (گونڈہ) کے حل بالکل صحیح ہیں۔ انھیں تین تین روپئے کی کتابیں بھیج دی گئیں ان بچوں کے حلوں میں ایک غلطی تھی:۔

ایس، ایم جبرل جبل پور۔ امتزاج حسین، میرٹھ۔ قدیر النساء ملک پیٹھ۔ انور شمیم سری نگر۔ سید علی احمد بانکی پور۔ میر حمایت علی خاں حیدرآباد دکن۔ عبدالغفار خاں لکھنؤ۔ ام، اس آرا شاہ جہاں پور۔ محمد ہاشم استھالواں۔ جمال عبدالواجد بریلی۔ سید احمد عثمانی، حیدرآباد دکن۔ محمد ایوب، کان پور۔ افتخار احمد قریشی نگینہ۔ وجاہت حسین صدیقی، نگینہ۔ خریدار نمبر ۲۰۹۷۔ بہار شریف۔ محمد سلیمان مشہود جامعہ۔ خریدار نمبر ۲۳۵۶ گونڈا۔ ہربھجن سنگھ، بچھرّی۔

ایک غلطی کرنے والے بچوں کو بھی کتابیں بھیج دی گئیں۔ آیندہ جن بچوں کے حل صحیح ہوں گے ان کی تصویریں بھی پیام تعلیم میں شائع ہوں گی۔

معمّا نمبر ۶ کا حل اس پرچے میں شائع ہو رہا ہے۔ عزیزی محمد نور کھنگلے بمبئی نے پیام برادری کے سلسلے میں کچھ مفید تجویزیں بھیجی ہیں میں انھیں اختصار کے ساتھ یہاں لکھتی ہوں" ہر سال شروع یا آخر میں پیام برادری

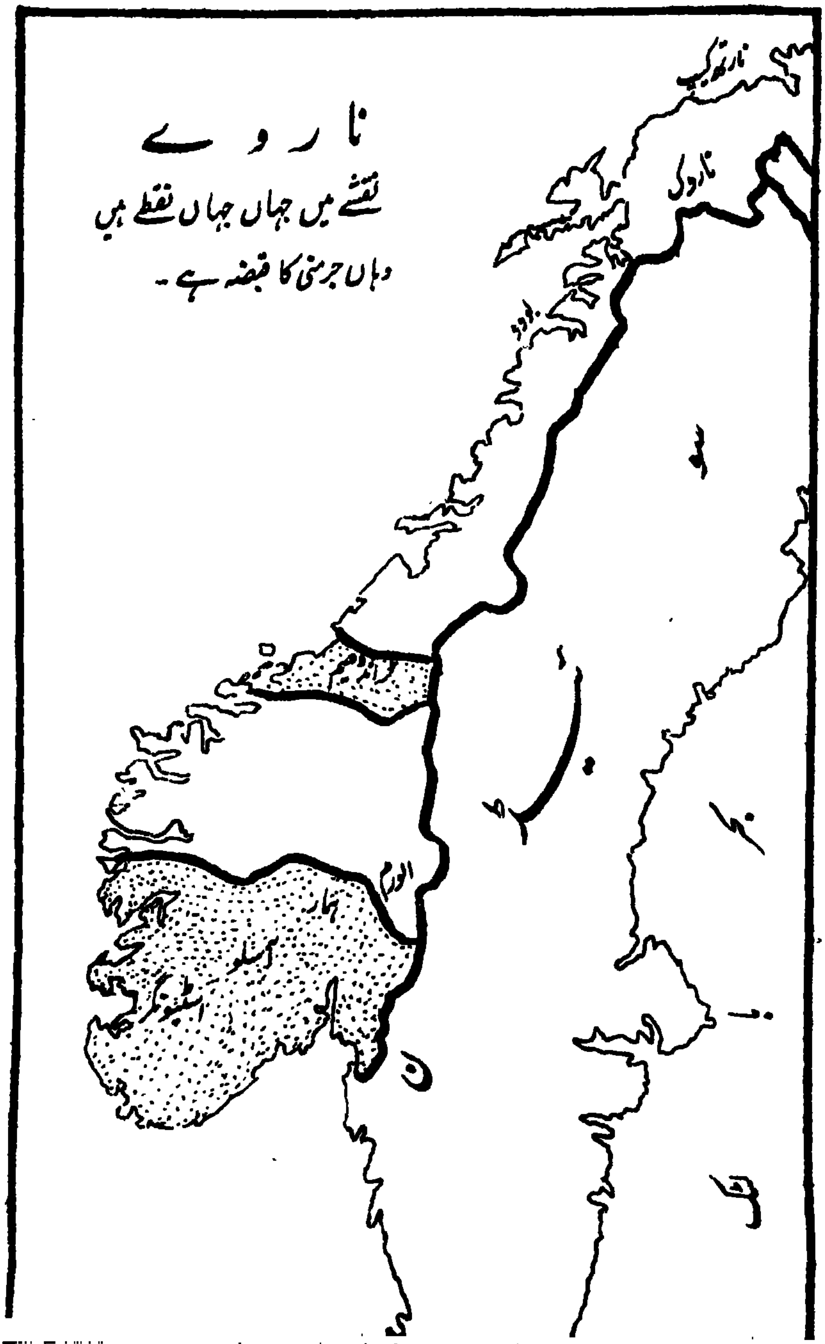
کے صدر دفتر یعنی جامعہ میں مختلف چیزوں کی نمائش کی جائے اس میں پیامی اپنی بنائی ہوئی اور جمع کی ہوئی چیزیں بھیجیں۔ دو خاص انعام رکھے جائیں۔ ایک لڑکوں اور ایک لڑکیوں کے لئے۔ ان کے علاوہ ۱۰، ۱۲ چھوٹے چھوٹے انعام بھی رکھے جائیں (۲) پیام برادری کی ایک لائبریری بھی قائم کی جائے۔ اس کا نام پیام لائبریری رکھا جائے۔ اس کا مقصد یہ ہو کہ کم سے کم قیمت میں بچّوں کے لئے اچھی اچھی کتابیں مہیا کی جائیں جو بچّہ ہر روز اپنے جیب خرچ سے ایک ایک پیسہ جمع کرے گا۔ وہ اس لائبریری کا ممبر بن سکتا ہے۔ بچّے سال کے آخر میں اپنے جمع کئے ہوئے پیسے اڈیٹر صاحب پیام تعلیم کے پاس بھیج دیں۔ اُن کے عوض انھیں بیس پچیس اچھی کتابیں دی جائیں۔ ہر سال کے آخر میں پیام تعلیم کا ایک زائد نمبر پیام برادری کے نام سے نکالا جائے۔ اس نمبر میں صرف پیام برادری اور لائبریری کے متعلق خبریں، اطلاعیں، تجویزیں وغیرہ ہوں۔ مختلف مشغلوں پر اچھے اچھے مضمون ہوں۔ اس کے علاوہ پیامی اپنی سیر و تفریح کے حالات بھی لکھیں۔ اس پرچے کی ضخامت پیام تعلیم کے عام پرچوں کے برابر ہو۔ عام خریداروں اور برادری کے ممبروں سے اس کی قیمت ۳ر لی جائے پیام لائبریری کے ممبروں کو یہ نمبر مفت دیا جائے"

یہ تجویزیں بہت اہم ہیں۔ امید ہے کہ پیامی ان کے بارے میں خود بھی غور کریں گے اور دوسرے پیامیوں سے بھی مشورہ کرکے اپنی اپنی رائے سے ہمیں مطلع کریں گے۔

فن لینڈ کی بربادی کا حال تم سن ہی چکے ہو۔ پچھلے مہینے ایک نیا شگوفہ کھلا۔ جرمنی نے ڈنمارک پر قبضہ کر لیا اور ناروے کا کافی حصہ اس کے قبضے میں آگیا۔ اور باقی کے لئے ناروے سے لڑائی ہو رہی ہے اور اتحادی یعنی برطانیہ اور فرانس بھی ناروے والوں کا ساتھ دے رہے ہیں۔

جرمنی نے لڑائی کا ایک نیا طریقہ ایجاد کیا ہے یعنی یہ کہ دشمن پر اس طرح بے سان گمان اور اچانک حملہ کیا جائے اور اس طرح بجلی کی رفتار سے چاروں طرف سے دشمن کو گھیر لیا جائے کہ وہ بالکل بے بس ہو جائے اور سوائے ہار مان لینے کے اس کے لئے کوئی چارہ کار نہ رہے۔ یہ طریقہ اس سے پہلے آسٹریا، چیکوسلواکیا اور پولینڈ میں آزمایا جا چکا ہے اور اب اس ایجاد کا شکار ناروے اور ڈنمارک ہوئے۔ ناروے میں جرمنوں کا مقابلہ کیا جا رہا ہے۔ مگر جب تک اتحادی ناروے والوں کی پوری پوری مدد نہ کریں کامیابی مشکل ہے۔ اس موقع پر مناسب ہوگا کہ ناروے اور ڈنمارک کا تھوڑا تھوڑا حال بھی تمھیں بتا دیا جائے۔

ناروے تقریباً پہاڑی ملک ہے۔ سوائے جنوبی مشرقی حصّے کے تمام ملک میں پہاڑ ہی پہاڑ ہیں۔


ناروے
نقشے میں جہاں جہاں نقطے ہیں
وہاں جرمنی کا قبضہ ہے۔
نارتھ کیپ
ناروک
ہمار
اوسلو
اسٹیونگر

اونچی اونچی چوٹیاں، گہری وادیاں، جھیلیں، گلیشیر، بہت سے چھوٹے چھوٹے جزیرے اور کھاڑیاں غرض سارے ملک کی یہی حالت ہے۔ بعض کھاڑیاں تو خشکی میں ۱۰۰، ۱۰۰ میل تک چلی گئی ہیں۔

نارتھ کیپ (راس شمالی) میں بارہ مئی سے ۲۹ر جولائی تک سورج چمکتا رہتا ہے اور بوڈو کے مقام پر ۳ر جون سے ۷ر جولائی تک یہی کیفیت رہتی ہے۔ جنوبی ناروے میں بھی اپریل کے آخر سے اگست کے وسط تک تاریکی بہت زیادہ نہیں ہوتی۔ جاڑوں میں نارتھ کیپ کے اوپر سورج ۱۸ر نومبر سے ۲۳ر جنوری تک نہیں نکلتا اور بوڈو میں ۱۵ر دسمبر سے ۲۷ر دسمبر تک۔ جنوبی ناروے میں بھی جاڑے میں دن ۶½ گھنٹے کا ہو جاتا ہے۔ آبادی کا تقریباً ½ حصہ دیہات میں رہتا ہے۔ شمال میں آبادی بہت ہی کم ہے خاص شہر آسلو کی آبادی دو لاکھ ترپن ہزار ہے۔ باقی تمام شہر چھوٹے چھوٹے ہیں۔ کل سڑکوں کی لمبائی ۲۵۲۷۴ میل سنہ ۱۹۳۰ء میں تھی۔ ریل صرف ۲۲۰۲ میل چلتی ہے۔

ڈنمارک:۔ یہ میدانی ملک ہے۔ آبادی ۳۶ لاکھ۔ کوپن ہیگن دار السلطنت ہے۔ جنوب میں جٹ لینڈ کا علاقہ ہے یہ سنہ ۱۹۲۰ء میں ڈنمارک میں شریک کر لیا گیا تھا۔ اس کا زیادہ تر حصہ دلدلی ہے۔ ڈنمارک میں لکڑی کی بہت کمی ہے۔ زیادہ تر دوسرے ملکوں سے آتی ہے۔ دریا بھی بہت ہیں۔ مگر جہازرانی کے قابل نہیں ریلوے اور سفری کشتیاں بہت اچھی حالت میں ہیں اُن کی وجہ سے ڈاک اور آمد و رفت میں کوئی دقت نہیں ہوتی یہاں کا موسم خاصا اچھا ہوتا ہے۔ یہاں فوجی تعلیم لازمی ہے۔

ناروے اور ڈنمارک کے بادشاہ آپس میں بھائی ہیں۔ ڈنمارک کے بادشاہ دنیا کے سب سے لمبے بادشاہ ہیں۔ اُن کا قد ساڑھے چھ فٹ ہے۔ سوئیڈن، ناروے اور ڈنمارک میں آپس میں شادی بیاہ بھی ہوتا ہے

ڈنمارک سے برطانیہ کو تین کروڑ پچاس لاکھ پونڈ کا دودھ، مکھن اور انڈا جاتا تھا۔ ناروے سے ۸۰ لاکھ پونڈ کی مچھلیاں، کچا لوہا، لکڑی، کاغذ، گتا، چمڑا، کچا اون وغیرہ اب یہ چیزیں اسے دوسری جگہ سے منگوانی پڑیں گی۔

بچوں کی عِلمی کِتابیں

کائنات :- سورج، چاند، ستارے اور ہماری یہ دنیا کیا ہے؟ ان سب باتوں کو دلچسپ مثالوں سے سمجھایا گیا ہے۔ قیمت ۴ر

دہلی :- دہلی کی آٹھ شاہی عمارتوں کے دلچسپ حالات اور اُن کی تصویریں۔ قیمت ۴ر

دُنیا کے بچے :- دنیا کے چودہ مختلف ملکوں کے بچوں کے دلچسپ حالات لکھے گئے ہیں۔ قیمت ۵ر

دُنیا کے بسنے والے :- اس میں مختلف ملکوں کے لوگوں کے حالات دلچسپ انداز میں لکھے گئے ہیں۔ قیمت ۵ر

عجائب خانہ سمندر :- ہماری اِس دُنیا کی طرح ایک دنیا سمندر کی بھی ہے اِس میں اسی سمندری دنیا کے حالات لکھے گئے ہیں۔ بہت سی تصویریں ہیں قیمت ۴ر

تعلیمی کھیل :- اس میں ایسے تعلیمی کھیل درج ہیں جن سے انگریزی، ڈرائنگ اور حساب کی لیاقت بڑھ جاتی ہے۔ قیمت ۳ر

دھوئیں کی پھانسی :- سائنس کے مشکل مشکل مضامین کہانیوں میں لکھے گئے ہیں۔ بہت دلچسپ۔ قیمت ۵ر

پیامِ تعلیم

مکتبہ جامعہ دہلی

چھوٹے بچوں کی کتابیں

ہمارے نبی:۔ ہمارے پیارے نبی کی پاک زندگی کی کہانیاں آسان اور دلچسپ زبان میں لکھی گئی ہیں۔ قیمت ۳۰ر

آخری نبی:۔ رسول مقبول کے مختصر مگر جامع حالات۔ چھوٹے چھوٹے جملے۔ اور ہلکے پھلکے الفاظ میں لکھے گئے ہیں۔ قیمت ۲۰ر

رسول پاک:۔ اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ رسول پاک کون تھے۔ کیسے تھے اور کیا سکھایا۔ قیمت ۵۰ر

چار یار:۔ حضرات خلفاء راشدین یعنی حضرت ابوبکر، عمر، عثمان، علی رضوان اللہ علیہم کے سبق آموز اور دلچسپ حالات۔ قیمت ۲ر

عقائد اسلام:۔ یہ رسالہ اسلامی عقائد سکھانے کے لیے آسان زبان میں لکھا گیا ہے۔ قیمت ۱۰ر

ارکان اسلام:۔ اس میں اسلام کے پانچوں ارکان آسان زبان میں سمجھائے گئے ہیں۔ قیمت ۲۰ر

پیامِ تعلیم

پیامِ تعلیم یوپی، سی پی، برار، میسور، حیدرآباد اور پنجاب کے محکمہائے تعلیم کی طرف سے سرکاری طور پر منظور کیا گیا ہے۔ منیجر

ایڈیٹر:- محمد حسین حسّان

قیمت سالانہ عہ/ فی پرچہ ۳/

جلد ۲۳ جون سنہ ۱۹۴۲ء نمبر ۶

فہرست مضامین

بچوں سے باتیں

ایڈیٹر

تعلیمی مرکز جامعہ کے بچے ہر سال ربیع الاوّل کے مبارک مہینے میں میلاد النبی کا جلسہ بہت اہتمام سے کرتے ہیں۔ اس سال بچے گتے کے کام سے بھی واقف ہوگئے ہیں اس لئے انھوں نے اپنے مدرسے کے ہال کو گتے اور ابری سے خوب سجایا تھا۔

اس مرتبہ اس مبارک تقریب میں دہلی کے دوسرے مدرسوں کو شریک کرنے کے لئے تعلیمی مرکز کے بچوں نے ایک ٹرافی بھی رکھی۔ اس ٹرافی کے لئے انھوں نے خود چندہ کیا۔ اپنے اُستادوں سے مدد لی اور جامعہ کے دوسرے کارکنوں اور ہمدردوں سے چندہ لیا۔

سیرت کے اس مقابلے میں کل آٹھ مدرسے شریک ہوئے۔ مقابلہ ۷ مئی کو ہوا۔ مدرسہ ابتدائی جامعہ نگر مقابلے میں اول آیا۔ عربک ہائی اسکول اجمیری گیٹ دوم۔ جامعہ نگر کے بچوں نے ٹرافی عربک ہائی اسکول کو پیش کی۔ جلسے کے خاتمے پر حضرت مولانا عبید اللہ سندھی صدر جلسہ نے بہت اچھی اچھی نصیحتیں کیں۔

ہمیں افسوس ہے کہ اپنی انتہائی مصروفیت کے سبب چمن لال صاحب وقت پر مضمون نہ بھیج سکے۔ چمن لال صاحب خود بھی شرمندہ ہیں کہ اپنا وعدہ پورا نہ کرسکے۔ اس کی بجائے ہم ایک اور مضمون "بچوں کی سیر" شائع کر رہے ہیں۔ یہ بھی بہت دلچسپ ہے۔

عزیزی عبد الحبیب کا مضمون "لکسمبرگ، بلجیم، ہالینڈ" ہمیں اس وقت ملا جب پیام تعلیم کی کاپیاں لکھی جا چکی تھیں لیکن مضمون بہت اہم تھا اس لئے دوسرے مضمون نکال کر اسے پیام تعلیم میں شامل کرنا پڑا۔ یہ مضمون انشاء اللہ جولائی میں چھپے گا۔

سال گرہ نمبر کی تیاری کا زمانہ قریب آگیا ہے اس لئے بچے ہمیں اپنی اپنی رائے لکھ کر بھیج دیں کہ اس مرتبہ وہ کیسا پرچہ چاہتے ہیں۔

نعت

محمد شفیع الدین صاحب نیّر

تعلیمی مرکز کے بچے ہر سال میلاد النبی کا جلسہ بہت اہتمام سے کرتے ہیں۔ تمام انتظام اُستادوں کی نگرانی میں انہی کا ہوتا ہے اس مرتبہ ان کا جلسہ بہت کامیاب رہا۔ یہ نظم اسی جلسے میں پڑھی گئی تھی۔ (ایڈیٹر)

دِکھائی ہمیں راہِ اسلام کس نے ॥ سُنایا ہمیں حق کا پیغام کس نے
ہمارے نبی نے ہمارے نبی نے

محبّت کی یہ رِیت کس نے سِکھائی ॥ کہ اِنسان سب بَن گئے بھائی بھائی
ہمارے نبی نے ہمارے نبی نے

مساوات(۱) کے پھول کس نے کِھلائے ॥ اخوت(۲) کے گلدان کس نے سجائے

---

(۱) برابری۔ یعنی سب انسان رُتبے میں برابر ہیں۔ پیدائشی طور پر کوئی چھوٹا بڑا نہیں۔
(۲) بھائی چارا۔ یعنی سب مسلمان چاہے وہ امیر ہوں یا غریب آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

ہمارے نبی نے ہمارے نبی نے

یتیموں کا دِل شاد کِس نے کیا ہے ｝ غُلاموں کو آزاد کِس نے کیا ہے

ہمارے نبی نے ہمارے نبی نے

ہمیں علم کا شوق کِس نے دِلایا ｝ جہالت کے پھندے سے کِس نے چھڑایا

ہمارے نبی نے ہمارے نبی نے

دیا ہم کو توحید[51] کا جام[52] کِس نے ｝ بنایا ہمیں خیرِ اقوام[53] کِس نے

ہمارے نبی نے ہمارے نبی نے

ترقّی کے زینے پہ کِس نے چڑھایا ｝ غرض یہ کہ اِنسان کِس نے بنایا

ہمارے نبی نے ہمارے نبی نے

---

۵۱ خدا کو ایک ماننا　　۵۲ پیالہ　　۵۳ دنیا کی قوموں میں بہتر

[redacted]

زرد چوہیا

[redacted] سید - پونا

بہت زمانے کی بات ہے کسی ملک میں ایک آدمی اپنی چھوٹی سی لڑکی سلطانہ کے ساتھ رہا کرتا تھا۔ سلطانہ کی عمر بارہ سال سے زیادہ ہو چکی تھی لیکن اس نے اب تک سوائے اپنے باپ کے کسی کی صورت نہ دیکھی تھی۔ یہ دونوں ایک بڑے باغ کے بیچوں بیچ خوب صورت مکان میں رہا کرتے تھے۔ اور کسی شخص کو باغ میں داخل ہونے کی اجازت نہ تھی۔

سلطانہ اگرچہ بڑی خوب صورت بھولی بھالی چھوٹی سی لڑکی تھی لیکن اس میں ایک بڑی خراب عادت یہ تھی کہ اُسے ہر چیز کی فکر لگی رہتی تھی۔ وہ اپنے باپ سے بے کار سوالات کیا کرتی تھی۔ سلیمان اُسے اکثر سمجھاتا "بیٹی اس قسم کے سوال اور ادھر اُدھر کی باتوں کی کھوج میں نہ رہا کرو بے کار باتوں کی پوچھ گچھ بہت بری بات ہے۔ سلطانہ اس وقت تو چپ رہتی۔ لیکن باپ کی اس نصیحت کا اس پر کوئی اثر نہ ہوتا۔

سلطانہ روز صبح سویرے اُٹھتی گھر کا معمولی کام کاج کر کے باغ میں چلی جاتی۔ دوڑ دوڑ کر اپنے ننھے ننھے پودوں میں پانی ڈالتی۔ تتلیاں پکڑتی اور جب اِن چیزوں سے طبیعت گھبرا جاتی تو واپس آتی اور اچھی اچھی کتابیں پڑھنے میں مشغول ہو جاتی۔ اس طرح ہنستے کھیلتے اس کے چودہ سال اور گیارہ مہینے گذر گئے۔

ایک دن ہمیشہ کی طرح سلطانہ پھولوں کو سینچنے گئی لیکن اس کو بالٹی نہ ملی۔ باغ کے کونے پر ایک چھوٹی سی کوٹھری بنی تھی۔ جہاں سلیمان دن میں ایک مرتبہ ضرور جاتا تھا۔ سلطانہ سمجھی کہ شاید اس کے باپ نے بالٹی وغیرہ اس میں رکھ دی ہے وہ دوڑی ہوئی اپنے باپ کے پاس گئی اور کوٹھری کی کنجی مانگنے لگی۔ سلیمان نے کہا کیوں سلطانہ تم کو کنجی کی کیا ضرورت ہے؟ ان الفاظ کے ساتھ سلیمان کا منہ زرد سا ہو گیا۔ سلطانہ نے اپنے تعجب کو چھپاتے ہوئے کہا "کچھ نہیں باغ کی بالٹی لینا ہے۔" سلیمان نے کہا "نہیں بیٹی اس میں بالٹی والٹی نہیں ہے۔ باغ ہی میں دیکھو وہیں کہیں ہوگی۔" سلطانہ نے متعجب ہو کر پوچھا "ابا جان

پھر اس کوٹھری میں کیا ہے ؟ سلیمان نے کہا "کچھ نہیں ہے"۔ سلطانہ نے پھر پوچھا کہ "آپ میرے پوچھنے سے پریشان اور غمگین کیوں ہو گئے ؟"۔ سلیمان نے لاپرواہی سے اور ذرا سمجھاتے ہوئے کہا "بیٹی! سلطانہ میں کئی دفعہ کہہ چکا ہوں کہ جس چیز سے تمہیں سروکار نہ ہو اس کی بابت کچھ نہ پوچھا کرو ہر بات کی فکر میں رہنا بہت بُرا ہے"۔ سلطانہ اس وقت تو خاموش چلی گئی لیکن وہ باغ کی کوٹھری کے خیال کو نہ بھول سکی ۔ وہ بجائے پودوں میں پانی ڈالنے کے ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر سوچنے لگی کہ اس میں کیا ہو سکتا ہے ۔

ایک دن سلطانہ اپنے کام میں لگی ہوئی تھی کہ اس کو پھر کوٹھری کا خیال آیا "یا اللہ اس میں کیا ہے جو ابا جان مجھ سے اتنا چھپاتے ہیں"۔ ابھی سلطانہ اتنا ہی کہہ پائی تھی کہ سلیمان نے آواز دی "بیٹی سلطانہ ذرا اِدھر آؤ"۔ سلطانہ اس دن کی کوٹھری والی گفتگو کے بعد اور بھی ہشاش بشاش رہتی تھی تاکہ اس کا باپ سمجھے کہ وہ کوٹھری کے خیال کو بھول گئی ہے .... وہ دوڑ کر باپ کے پاس آ کھڑی ہوئی ۔ سلیمان نے کہا "بیٹی ابھی تمھاری سالگرہ کا ایک ہفتہ اور باقی رہ گیا ہے اور اس سے پہلے مجھے کچھ چیزیں خریدنے جانا ہے ۔ مجھے صرف ایک گھنٹہ لگے گا ۔ تم یہیں مکان ہی میں رہنا اور کسی چیز کی فضول فکر نہ کرنا"۔ یہ کہہ کر سلیمان خدا حافظ کہتا ہوا باہر چلا گیا ۔

تھوڑی دیر تک سلطانہ کام کاج میں لگی رہی پھر کسی کام سے اپنے باپ کے کمرے میں گئی جیسے ہی اس کی نگاہ کوٹھری کی کنجی پر پڑی ۔ ان بھولے خیالات نے پھر اُسے متفکر بنا دیا وہ اتنی زیادہ بے چین ہو گئی کہ کنجی لے کر آخرکار کوٹھری تک پہنچ ہی گئی ۔ پہنچتے ہی اس کو اپنے باپ کی نصیحت یاد آ گئی ۔ وہ لوٹنے ہی والی تھی کہ کوٹھری کے اندر سے اُس نے مہین سی آواز سُنی "اُفوہ کیسا اندھیرا !! میں اس قید میں مر جاؤں گی"۔ سلطانہ کے تعجب کی کوئی انتہا نہ رہی اور اس نے جلدی سے پوچھا "تم کون ہو؟ کیا میں تمھاری کچھ مدد کر سکتی ہوں"۔ ننھی سی آواز نے کہا "دروازہ کھول دو"۔ سلطانہ نے پوچھا "تم نے کیا کوئی بُرا کام کیا ہے جو ابا جان نے تم کو یہاں بند کر دیا ہے"۔ آواز آئی "نہیں سلطانہ ایک بے رحم پری نے مجھ کو یہاں بند کر رکھا ہے ۔ اگر تم کھول دو تو میں تمھارا بہت بہت شکریہ ادا کروں گی ۔ اور مجھے جو کچھ معلوم ہے سب کچھ تمھیں بتاؤں گی"۔ سلطانہ اپنے دل پر قابو نہ پا سکی اور جلدی سے کوٹھری کا دروازہ کھول دیا اور جھانکنے لگی لیکن اندر کچھ دکھائی نہ دیا ۔ ہاں دروازے کے پاس ایک "چوہیا" ضرور تھی جو سلطانہ کو دیکھ کر ہنسی اور کہنے لگی "سلطانہ

تم نے میرے اوپر بہت احسان کیا۔ تمھاری ہی وجہ سے مجھے آزادی نصیب ہوئی۔ سلطانہ آخر کو تم نے پھر تلاش و جستجو سے کام لیا اور یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ اس وقت تم مجھ کو آزاد دیکھ رہی ہو۔ اب تم اور تمھارے ابا جان بالکل میرے قبضے میں ہیں۔"

سلطانہ بے چاری سمجھی کہ یہ کوئی زبردست چوہیا ہے جسے اس کے باپ نے قید کر رکھا تھا۔ وہ کچھ سوچ کر مکان کی طرف بھاگی۔ لیکن چوہیا نے زور سے چلا کر کہا "سلطانہ رُک جاؤ! اب تم مجھ کو قید نہیں کرسکتی ہو۔ میں کبھی بھی آزاد نہ ہو پاتی اگر تم نے اپنی پندرھویں سال گرہ تک مجھ کو رہا نہ کیا ہوتا۔"

ابھی چوہیا نے اپنے الفاظ ختم نہ کئے تھے کہ بجلی کڑکنے کی سی آواز آئی اور پلک جھپکنے میں کوٹھری غائب ہوگئی سلطانہ کنجی ہاتھ میں لئے کھڑی کی کھڑی رہ گئی چوہیا نے کہا "پیاری سلطانہ تم نے بہت اچھا کیا جو اپنی خراب عادت کی وجہ سے کوٹھری کھول کر مجھے آزاد کردیا۔ میں تمھارے خاندان کی زبردست دشمن ہوں اور تمھاری اس لئے کہ تم اس کی بیٹی ہو جو میرا دشمن ہے۔ پیاری سلطانہ چونکہ میں تمام لوگوں سے نفرت کرتی ہوں، اس لئے سب لوگ مجھے "خوفناک پری" کہتے ہیں اور اب میں تمھارا پیچھا نہیں چھوڑ سکتی۔"

سلطانہ ڈر کر مکان کے اندر بھاگی اور پیچھے چوہیا کو دیکھ کر دروازہ بند کرنا چاہا تاکہ دروازے میں پیس کر اس کا خاتمہ کردے۔ لیکن جب تک چوہیا اندر نہ چلی آئی دروازہ لاکھ کوشش پر بھی بند نہ ہوسکا۔ سلطانہ نے جھاڑو مارنے کے لئے اٹھائی لیکن ابھی جھاڑو چوہیا کے لگی بھی نہ تھی کہ اس میں آگ لگ گئی۔ اور سلطانہ کو چولھے میں ہی پھینکتے بنی پھر سلطانہ نے اُبلتے ہوئے پانی کی دیگچی اس پر انڈیل دی۔ لیکن زمین پر بجائے گرم پانی کے ٹھنڈا ٹھنڈا دودھ گرا جس کو چوہیا ہنس ہنس کر پینے لگی اور کہا "پیاری سلطانہ! میں تمھارا بہت بہت شکریہ ادا کرتی ہوں تم نے بڑا اچھا ناشتہ کرادیا"

اتنے میں سلیمان بھی آ پہنچا اور جب اس کو یہ معلوم ہوا تو اس نے کہا "آہ! سلطانہ تم نے اپنی اس خراب عادت کی وجہ سے اپنے پرانے دشمن کو آزاد کردیا" سلطانہ جو بیٹھی زار زار رو رہی تھی اپنے باپ کے قدموں پر گر پڑی اور رو رو کر معافی مانگنے لگی۔ سلیمان نے ایک آہ سرد بھری اور کہا "بیٹی! جب بچے بڑوں کا کہنا نہیں مانتے تو ایسے ہی خطرناک واقعات اُن کی ذرا سی نا سمجھی سے سرزد ہوجاتے ہیں " سلطانہ نے سسکیاں بھرتے ہوئے پوچھا " پیارے ابا جان یہ چوہیا کیسی ہے جو آپ اتنے زیادہ پریشان ہیں اور کیا یہ دوبارہ نہیں پکڑی جاسکتی ہے ؟" سلیمان نے کہا" نہیں سلطانہ اب ہم اسے قید نہیں کرسکتے ۔ یہ

بڑی موذی اور خطرناک پری ہے۔ آؤ اب میں وہ راز جس کو میں پندرھویں سال گرہ کے بعد تم سے بیان کرنا چاہتا تھا تمھیں بتا دوں "

"سلطانہ! میں ایک جن ہوں اور تمھاری ماں جسے مرے ہوئے پندرہ سال میں ایک ہفتہ باقی ہے بہت ہی نیک اور خوب صورت عورت تھی پریوں کی شہزادی اور میرا بادشاہ (جنوں کا) اس کو اتنا چاہتے تھے کہ انھوں نے مجھے اجازت دے دی کہ میں اس کے ساتھ شادی کرلوں۔ شادی میں میں نے سب پریوں کو بلایا لیکن اس پری کو بلانا بھول گیا۔ کیونکہ سینکڑوں برس سے کسی نے اس کو نہ دیکھا تھا۔ جبھی سے اس کم بخت پری نے ہم لوگوں کو نقصان پہنچانے کی ٹھان لی ہے۔ میں بھی کچھ کم طاقتور نہ تھا۔ دوسرے پریوں کی شہزادی نے مجھے مدد دینے کا وعدہ کرلیا تھا لیکن جب تم پیدا ہوئیں تو تمھاری ماں اتنی زیادہ بیمار ہو گئی کہ کوئی دوا کارگر نہ ہوئی اس لئے میں ملکہ پری کے پاس مدد مانگنے چلا گیا۔ واپس ہونے پر دیکھا کہ یہ موذی پری تمھاری ماں کو ختم کرچکی تھی اور چاہتی تھی کہ تمھاری گھٹی میں سب بری باتیں ڈال دے کہ اتنے میں میں آگیا۔ لیکن افسوس کہ وہ تلاش و جستجو کی بری عادت تم کو دے چکی تھی جو تمھاری جوانی میں تم کو طرح طرح کے نقصان پہنچائے گی۔ اگر تم اس کو پندرہ برس کی عمر کے اندر نہ چھوڑ دو۔ اس وقت تک میں نے ملکہ پری کی مدد سے تمھاری عادت کو دبائے رکھا لیکن اب اس عادت کی باگ تمھارے ہاتھوں میں ہے۔ اگر تم اپنی پندرھویں سال گرہ تک تین دفعہ کوئی ایسی حرکت نہ کرو تو ہم دونوں اس کے قبضے میں نہ آسکیں گے ورنہ نہ جانے ہم دونوں کو کیا کیا مصیبتیں جھیلنا پڑیں۔ ملکہ پری نے اس کو غصے میں آکر چوہیا بنا دیا ہے اور مجھ سے کہہ دیا ہے کہ اگر سلطانہ اپنی خصلت پر قابو نہ پا سکی تو پھر یہ وہی پری ہو جائے گی اور تم دونوں اس کے غلام ہو گے لیکن اگر تم نے قابو پا لیا تو تمھاری شادی شاہزادے جمیل سے کرا دی جائے گی"

ابھی یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ زرد چوہیا جو سلطانہ کے پیچھے کھڑی ہوئی تھی سامنے آگئی اور سخت آواز میں بولی "میں تمھاری بیٹی کو اپنے ساتھ لے جاتی ہوں اور تم کو حکم دیتی ہوں کہ تم ہمارے پیچھے پیچھے مت آنا" سلطانہ اپنے باپ سے جدا ہونا نہیں چاہتی تھی لیکن زرد چوہیا نے سلطانہ کا فراک ایسی زور سے کھینچا کہ وہ اس کے پیچھے پیچھے چلنے پر مجبور ہو گئی چوہیا نے پیچھے مڑ مڑ کر کہنا شروع کیا "آؤ میری پیاری سلطانہ آؤ ہم تم دنیا کی سیر کریں تم ڈرو نہیں میں تمھارا ساتھ ہرگز نہ چھوڑوں گی

(باقی آیندہ)





گھونسلے کا چور

حامد حسین ابن علامہ محوی صدیقی

چوں چوں چوں چوں چوں چوں چوں چوں
میری بات سنو گی تم کیا؟
چار انڈے اور گھونسلا میرا
مجھ کو بتاؤ کس نے چرایا؟





گائے یہ بولی واہ ری چڑیا
بھلا میں ایسا کیسے کروں گی؟
میں نے دئے ہیں گھاس کے تنکے
میں ہی چوری آ کے کروں گی

تو ہی بتا او میری سہیلی
میری دُنیا کس نے لے لی؟
میں تو یہی کہتی ہوں بس اب
انڈوں کا ہے اللہ بیلی





بھیڑ بیبہ بولی بھیں بھیں کرکے
ایسا کام بھلا میں کرتی
اُون تجھے دیتی تھی میں تو
جس پر تو انڈے سیتی تھی

کوٗ کوٗ کرتی کوئل آئی
ہمدردی چڑیا سے جتائی
تیرا گھر اُف کس نے بگاڑا
کِس نے ستایا تجھ کو مائی!





مرغی کوں کوں کرتی بولی
تم یہ نہ پوچھو ہرگز مجھ سے
میرے بچے چھوٹے چھوٹے
ایسی شرارت وہ کیوں کرتے؟

پر ہی دیئے تھے میں نے تم کو
گھونسلے میں جو تم نے رکھے
مجھ سا کمینہ کوئی نہ ہوگا
میں جو اُجاڑوں گھر کو تمھارے





کہنے لگا اک بچہ رو کر
سُن کے یہ سب باتیں چڑیوں کی
بھولی بھالی ہیں کیا چڑیاں
شرمندہ ہوں چوری کیوں کی

جانوروں کی نمائش

محمد حسین حسّان

حسیب:۔ آپا جان ذرا ادھر تو آیئے دیکھئے یہ کیا آیا ہا۔

ماں:۔ خیر تو ہے آج کیا بات ہے جو اتنا اچھل کود رہے ہو

حسیب:۔ اماں ذرا ادھر تو آیئے ۔آپ تو سنتی نہیں۔

ماں:۔ (دروازے کے قریب آکر) ارے یہ ا بلّی کا بچہ !! کتنا دبلا ہے۔ معلوم ہوتا ہے دکھیا کئی دن کا بھوکا ہے ۔ جانے کس کا ہے ۔ اور جانے اس کی ماں کہاں ہے ۔ شاید کھو گیا ہے ۔

حسیب : آپا اسے اندر لے آؤں ؟

ماں:۔ ہاں لے آو۔ میرے پاس لاؤ۔ میں اسے نہلا دوں مگر پہلے اسے کچھ کھلا دو۔ اسے بے بہت ہی بھوکا ہے۔

حسیب میاں اسے اندر لے آئے اور کٹوری بھر کے دودھ پلایا۔ پھر اپنی امّی سے پوچھنے لگے۔

حسیب :۔ آپا اسے پال لیں ؟

ماں:۔ ہاں ۔ لیکن اگر کسی اور کا ہوا تو واپس کرنا پڑے گا حسیب میاں نے فوراً ایک کاغذ کے تختے پر یہ عبارت لکھی۔

ہم نے بلی کا ایک کالا بچہ پایا ہے جس کسی کا ہو لے جائے

اور یہ کاغذ اپنے دروازے پر لگا دیا۔ صبح سے شام ہوگئی۔ پھر دوسرا دن گذرا۔ کوئی بھی اُسے لینے نہ آیا اب حسیب میاں کو اطمینان ہوا کہ اب ہم ہی بلّی کے مالک ہیں ۔ انھوں نے اس کا نام رکھا کلّو۔

ایک دن حسیب میاں کے دل میں کلّو کو دودھ پلاتے پلاتے جانے کیا خیال آگیا کہ اپنی ماں سے بولے "آپا مجھے بھی دودھ اتنا ہی اچھا لگتا ہے جتنا کلّو کو مگر آپا میں تو اور چیزیں بھی کھاتا ہوں کیا۔ بلّی کے بچے دوسری چیزیں نہیں کھا سکتے؟"

ماں:۔ بلّی کے بچّوں کے لئے دودھ ہی سب سے اچھی چیز ہے ۔ دودھ انھیں خوب پلانا چاہئے۔ مگر ہماری کلّو تو اب ماشاء اللہ بڑی ہوگئی ہے اسے تھوڑا تھوڑا گوشت ، مچھلی ، انڈے اور کچی ہوئی

ترکاریاں بھی دینی چاہئیں۔

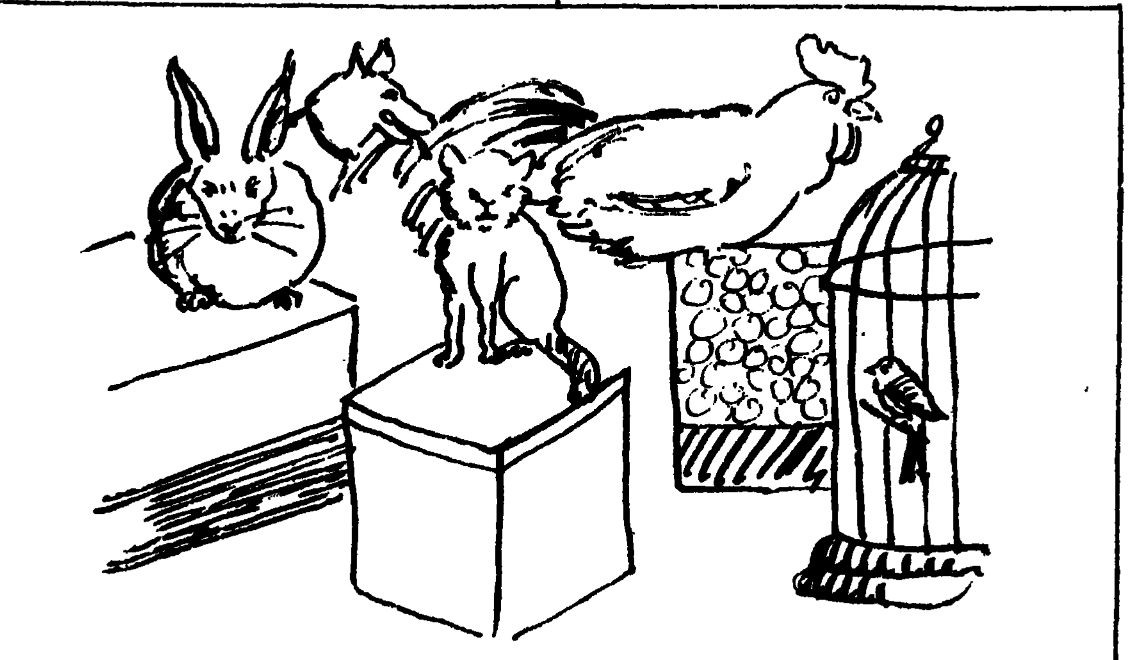
کلّو کو یہ سب چیزیں ملنے لگیں۔ حبیب میاں کلّو کے کھانے پینے کے معاملے میں بہت احتیاط سے کام لیتے تھے اور ہمیشہ ٹھیک غذا دیتے تھے۔

ایک ہفتے میں تو کلّو نے بالکل کینچلی بدل لی۔ بدن پر خوب گوشت بھی آگیا۔ بال بھی خوب چکنے چکنے ہوگئے۔ غرض وہ اب دیکھنے میں بہت بھلی لگتی اور جس نے اسے دو ہفتے پہلے دیکھا تھا وہ اب آکر دیکھتا تو پہچان نہ پاتا۔

ایک دن حبیب میاں تعلیمی مرکز سے بھاگے بھاگے آئے اور کہنے لگے "آپا، آپا، آپا جان نے کہا ہے کہ پرسوں مدرسے میں پالتو جانوروں کی نمائش ہوگی انعام بھی ملے گا۔ آپا جان نے بتایا ہے کہ یہ جانور نہ تو بہت موٹے ہوں، نہ بہت دُبلے۔ بس تندرست ہوں تو آپا میں اپنی کلّو کو لے جاؤں؟"

ماں:۔ ہاں ضرور لے جاؤ۔

نمائش کے دن سب بچے اپنے اپنے پالتو جانور لائے۔ کتّا، بلّی، خرگوش، مرغ، چڑیاں اور جانے



کیا کیا۔ بلّی کی میاؤں میاؤں، کتّے کی بھوں بھوں ا[ور] مرغے کی ککڑوں کوں سے کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی تھوڑی دیر بعد ایک ڈاکٹر صاحب آئے۔ انھوں نے سب جانوروں کو اچھی طرح دیکھا بھالا پھر فیصلہ سنایا "یہ بلّی انعام کی مستحق ہے یہ نہ تو بہت دُبلی ہے نہ بہت موٹی بلکہ خوب تندرست اور صاف ستھری ہے۔" یہ بلّی وہی کلّو تھی حبیب میاں بہت خوش ہوئے

راہول سنکرتاین

محترمہ ہاجرہ بیگم - الہ آباد

مرزا پور کے شہر میں ایک چھوٹا سا لڑکا مولوی صاحب سے پڑھتا تھا اس نے ایک شعر پڑھا۔

سیر کر دنیا کی غافل زندگانی پھر کہاں
زندگی بھی گر رہی تو نوجوانی پھر کہاں

اُسے یہ شعر بہت ہی پسند آیا۔ اکثر وہ اسے دل ہی دل میں دُہراتا۔ اور سوچتا " میں بھی دنیا کی سیر کروں گا "

۱۶ سال کی عمر میں اس کا یہ ارادہ اتنا مضبوط ہوگیا کہ وہ گھر میں کچھ کہے سُنے بغیر کلکتے چل کھڑا ہوا جیب میں پیسے تھے نہ ساتھ کوئی سامان۔ کلکتہ پہنچ کر اور عالی شان اسٹیشن دیکھ کر صاحب زادے گھبرا گئے اور گم سم کھڑے ہوگئے۔ اتفاق سے اُن کے گاؤں کا ایک آدمی اسٹیشن پر مل گیا وہ اُن کو گھر لے گیا واپسی کو کہا لیکن ابھی دنیا کی سیر کہاں ہوئی تھی کلکتے میں رہ گئے۔ کچھ لکھا پڑھا کچھ کام کیا۔ غرض گذر ہوگئی کچھ مہینے بعد بیمار پڑ کر یہ لڑکا گھر تو لوٹا لیکن دنیا کے دیکھنے کا چسکا پڑ گیا تھا۔ پھر گھر سے چل کھڑے ہوئے اب کے پیدل چلے۔ دو دھوتیاں ساتھ لیں اور دو ایک کتابیں۔ پہلے روز دن بھر چلنے کے بعد شام کو ایک کنوئیں پر جا بیٹھے۔ کچھ عورتیں پانی بھرنے آئیں انھوں نے اس نوجوان کو کنوئیں پر بیٹھا دیکھا تو پوچھنے لگیں " بھیا۔ کچھ کھایا پیا نہیں " نوجوان چپ رہا تو انھوں نے گھر سے دال آٹا لاکر دے دیا اور اُپلے اور ایک ہنڈیا بھی دے گئیں۔ لیکن پکانا کسے آتا تھا۔ دال اور آٹا ہنڈیا میں ڈال کر پانی ڈال، چڑھا دیا "

اس طرح سے راہول سنکرتاین کی عجیب غریب زندگی شروع ہوئی۔

راہول جی کہتے ہیں کہ انھوں نے اپنی برسوں کی سیاحت کے زمانے میں کبھی کسی سے کچھ نہیں مانگا۔ اور نہ کبھی بھوکے رہے۔

پہلی بار پیدل چل کر ہردوار پہنچے۔ راستے میں سادھوؤں کا ساتھ ہوگیا۔ مٹھوں میں ٹھہرنے اور سادھوؤں سے ملنے جلنے اور اُن کے ساتھ باتیں

کرنے کے بعد خود بھی سادھو بننے کا شوق ہو گیا گیروا لباس اختیار کر لیا اور ہندوؤں کی پرانی کتابیں پڑھنا شروع کیں۔ ساتھ ہی ساتھ دنیا کی سیر بھی نہ چھوڑی۔ کشمیر اور لداخ سے لے کر لنکا تک گھومے

لنکا پہنچے تو ہندو دھرم کی جگہ بدھ مت زیادہ بھایا اور یہی مذہب اختیار کرکے بھکشو بن گئے لیکن کسی مذہب سے انھیں تسلّی نہ ہوئی اور اصلیت کی تلاش اور دنیا کی سیر کی دُھن سمائی رہی۔

ہندوستان کی کتابوں کے مطالعے سے معلوم ہوا کہ بدھ مذہب کی پرانی کتابیں تبّت پہنچ چکی ہیں۔ خیال ہوا کہ اگر اصلیت معلوم کرنا ہے تو اصلی چیز کو دیکھ کر آؤ۔ لیکن جائیں کیسے۔ تبّت میں گھسنے کی اجازت نہ تھی۔ یوں ہی چل دیے۔

نیپال کے راستے چلے اور دوسرے بدھ مذہب کے بھکشوؤں کے قافلے کے ساتھ ہولیے۔ ان لوگوں نے اُن کو لداخی سمجھا اور ساتھ لے لیا اور یہ تبّت پہنچ گئے۔

تبّت میں عجیب و غریب چیزیں دیکھیں۔ وہ کتابیں جن کی تلاش تھی اُن کو بھی دیکھا اور اُن میں سے کافی معلومات حاصل کیں۔ تبّت پہنچ کر تو خیر اُن کو بتانا ہی پڑا کہ ہندوستانی ہیں لیکن جب پہنچ ہی گئے تھے تو کیا کیا جاتا۔

تبّت سے چلے چین۔ اور چین جاپان ہوتے ہوئے دو تین سال میں ہندوستان لوٹے۔

ہندی لکھنے والوں میں اُن کے مضمونوں کا شہرہ پہلے ہی ہو چکا تھا اب اُنھوں نے تبّت کی معلومات لکھیں تو ہر ایک واقف کار اُن کی قدر کرنے لگا اور کوشش یہ کی گئی کہ ایک بار پھر سرکار کی طرف سے سفر خرچ دے کر اِن کو تبّت بھیجا جائے تاکہ وہاں کی اُن اہم کتابوں کی نقل اور تصویریں لے کر آئیں جن سے ہندوستان کی پرانی تاریخ کی چھان بین ہو سکے۔

کئی سوسائٹیوں نے کوشش کی اور اب کی بار راہول بابا کو باقاعدہ پاس پورٹ اور خرچ ملا اور یہ دوبارا تبّت پہنچے۔

جب واپس آئے تو معلوم ہوا کہ اُن کی معلومات کا شہرا یورپ کے ملکوں میں اتنا ہوا ہے کہ وہاں والے بھی اُن سے ملنا چاہتے ہیں۔ سوئٹ روس نے تو اُن کو دعوت دی کہ روس جا کر کچھ روز لینن گراڈ کی یونیورسٹی میں گذاریں۔ چنانچہ اب کی راہول بابا ولایت چلے۔ یورپ کے اکثر ملکوں کی سیر کی اور روس میں کئی مہینے رہے۔

راہول بابا آزاد طبیعت تو شروع سے تھے ہی۔ جب ہندوستان میں کانگریس کی طرف سے کسانوں میں لگان بندی کی تحریک شروع ہوئی تو راہول جی اس میں بھی شریک ہوئے کسانوں

ا جوشیلی تقریروں کا بہت اثر ہوا اور ادھر
مضامین نے نوجوانوں کو تڑپا دیا۔ نتیجہ یہ ہوا
بھیجے گئے۔ جیل میں انھوں نے اپنی بڑی بڑی
میں۔ "بیسویں صدی" اور تبت میں ایک
وغیرہ اسی زمانے کی لکھی ہوئی ہیں۔

ھول جی جب روس پہنچے تو وہاں اُن کی
در ہوئی اور روسی پروفیسروں نے اُن کی
سے پورا فائدہ اُٹھانے کی کوشش کی
راہول جی نے سماج واد یعنی سوشلزم کا مطالعہ
ن کے جی میں یہ بات بیٹھ گئی کہ سب سے
دت تو غریبوں اور مظلوموں کو منظم کرنا ہے
ن پہن کر دنیا سے دور رہنا نہیں۔ چنانچہ
نے طے کر لیا کہ اب اپنے سادھوپن کو چھوڑ
دیں گے۔

راھول جی ہندوستان واپس پہنچے تو اس مرتبہ بالکل اپنے آپ کو سیاسی کاموں میں خاص کر مزدوروں اور کسانوں کی خدمت میں لگا دیا۔ ابھی کچھ روز ہوئے کہ وہ سارے ہندوستان کی کسان کانفرنس کی صدارت کے لئے جا رہے تھے کہ گرفتار کر لئے گئے آج کل راھول جی بہار میں نظر بند ہیں۔

راھول جی لمبے چوڑے قد کے آدمی ہیں طبیعت کے نہایت سادہ۔ ہر ایک سے ایسی مہربانی سے بات کرتے ہیں کہ معلوم ہی نہیں ہوتا کہ یہ ہندوستان کے سب سے قابل آدمیوں میں سے ایک ہیں۔ راھول بابا چھوٹے بچوں کو بہت چاہتے ہیں اور گھنٹوں بیٹھ کر ان کو مختلف زبانوں اور مختلف ملکوں کے قصّے سناتے رہتے ہیں۔

میں کیا بنوں گا

اقبال مسیح الدین خاں منّیںؔ

دلادی ہے ابّا نے پیاری کتاب — مزے کی انوکھی، دُلاری کتاب
مراجی، مری جان ہے یہ کتاب — مرے دل کا ارمان ہے یہ کتاب
پڑھوں گا میں اس کو بڑے شوق سے — عزیز اپنی جاں سے رکھوں گا اسے
جو پہنچوں گا سِن کو بڑے بھائی کے — تو ساتھ ان کے میں جاؤں گا مدرسے
سبق دل لگا کر پڑھوں گا وہاں — اور اُستاد کو خوش کروں گا وہاں
سناؤں گا جب یاد کر کے سبق — وہ دیں گے مجھے اور آگے سبق
بڑا اور بھی جب میں ہو جاؤں گا — جماعت میں اونچی جگہ پاؤں گا
ہر اک سال اوّل جو میں آؤں گا — تو انعام و درجہ بڑا پاؤں گا
ہوں اُستاد یا والدہ یا پدر[1] — بنوں گا میں ہر اک کا نورِ نظر
میں سیکھوں گا اخلاق و علم و ہُنر — کروں گا محاسن سے ہر دل میں گھر

خُدا سے یہی ہے دُعائے منّیںؔ
بنادے مجھے خادمِ قوم و دیں

[1] باپ

قلم توڑ دیا

ریاض الاسلام صاحب بی اے

بال میاں تختی پر چھوٹے چھوٹے جملے اور کبھی
ا چھوٹی سی کہانی لکھ لیتے تھے۔ کبھی کبھی دل
کوئی بات جوڑ کر لکھ لیتے، لیکن اُن کے
مولوی صاحب اس پر خفا ہوتے اور
وہی لکھو جو کتاب میں لکھا ہے۔ وہی،
یت مت بگھارو۔" اقبال میاں نے تختی پر
باتیں لکھنا چھوڑ دیں۔ لیکن اپنی ایک کاپی
نالی جس میں کبوتر اور گاۓ کی تصویریں،
ں سے جوڑی ہوئی باتیں اور اُس کے علاوہ
رجی میں آتا لکھتے اور بناتے۔

ب بار ایسا ہوا کہ اُن کے بھائی صاحب
ستوں کے ساتھ بیٹھے کسی مضمون کی تعریف
ہے تھے یہ انھوں نے کسی رسالے میں دیکھا
تھیں بتا کیوں نہ دوں یہ رسالہ پیام تعلیم
ساتو کہنے لگے "بھئی کیا مضمون لکھا ہے،
وڑ دیا ہے۔"

اقبال میاں کی سمجھ میں یہ آخر کا فقرہ نہ آیا۔
جب بھائی صاحب کے دوست چلے گئے تو اُن سے
پوچھا "بھیا یہ قلم توڑنے کی کیا بات تھی۔" بھائی صاحب
نے بتایا کہ "قلم توڑنا بہت اچھا لکھنے کو کہتے ہیں۔"
"قلم توڑنا بہت اچھا لکھنے کو کہتے ہیں" اقبال میاں
سوچنے لگے "بھئی واہ یہ بھی کوئی بات ہوئی ہم
بھی اپنا قلم توڑ دیں گے۔" اور انھوں نے جا کر
جھٹ سے اپنا نیزے کا قلم توڑ دیا۔ پھر پہنچے بھائی
صاحب کے پاس کہنے لگے "دیکھئے بھیا میں نے
بھی اپنا قلم توڑ دیا" اب میں بھی بہت اچھا لکھنے لگوں گا"
"بھئی واہ اقبال میاں یہ کیا کیا تم نے" بھائی صاحب
بولے لیکن ساتھ ہی انھیں خیال ہوا کہ انھیں پوری
طرح بات کو سُلجھا کے نہیں بتایا تھا۔ کہنے لگے "دیکھئے
اقبال میاں، جب کوئی آدمی کوئی بہت عمدہ چیز
لکھتا ہے، ایسی کہ کوئی دوسرا ویسی نہ لکھ سکے تو
کہتے ہیں کہ اس نے تو قلم توڑ دیا۔ یعنی کسی دوسرے

ئے لکھنے کی کوئی بات ہی نہ چھوڑی - اس کا
ے یہ نہیں کہ واقعی قلم توڑ ڈالا گیا ، بلکہ یہ
ایک طریقہ ہے "
چھا" اقبال میاں سمجھ گئے " یہ بات ہے !"
ں ہاں ، یہ جو آپ نے قلم توڑ دیا اس سے کوئی
یں ہوا بلکہ نقصان ہوا - آپ کوئی ایسی چیز
ہ اس جیسی کوئی دوسرا نہ لکھ سکے ، پھر آپ
وڑے بغیر لوگ کہیں گے کہ اقبال میاں نے
ر دیا ہے "

سُن کر اقبال میاں سوچ میں پڑ گئے - دل
نے لگے - بھئی ایسی کوئی چیز ضرور لکھی جائے
دیر تک سوچتے رہے کہ کیا کیا جائے - کیا
ئے - کیسے لکھا جائے - کیسے شروع کیا جائے
سمجھ میں نہیں آیا تو پھر بھائی صاحب سے پوچھا
سی چیز لکھنے کی ترکیب کیا ہے ؟"

ھائی صاحب کو اقبال میاں کی صورت دیکھ
ھی آئی اور ترس بھی آیا - اس وقت اقبال میاں
نے سے چہرے پر بھولا پن، سنجیدگی اور شوق
ملک رہے تھے - معلوم ہوتا تھا کہ انھوں
ے کر لیا ہے کہ آج قلم توڑنے کا سہرا اپنے
ر بندھوا کر رہیں گے -

ھائی صاحب نے کہا " دیکھئے اقبال میاں ، یہ
ئی مُنہ کا نوالا تو ہے نہیں کہ بنایا اور منہ میں
رکھ لیا ، اس کے لئے برسوں محنت کرنا پڑتی ہے - ہاں
میں آپ کو ترکیب بتائے دیتا ہوں ، اگر آپ نے
اس پر عمل کیا تو ایک نہ ایک دن آپ ضرور قلم
توڑ دیں گے "

" جی وہ کیا " اقبال میاں نے پوچھا -

" وہ یہ کہ آپ ہفتے میں ایک بار ضرور اپنی
کاپی میں کوئی بات اپنی طرف سے لکھ لیا کیجئے - اپنی
طرف سے - یعنی یہ نہیں کہ کسی کتاب میں سے نقل کر لی
بلکہ کوئی بات اپنے دل سے بنا کر لکھ لی "

" جیسے ؟ "

" جیسے آپ کے باغ میں طرح طرح کے پھول
لگے ہیں - آپ اُن کے رنگ ، خوشبو ، شکل کے
متعلق اپنی کاپی میں لکھئے ، آپ کے کتے میاں
دن بھر جو جو شرارتیں کرتے ہیں انھیں لکھ ڈالئے
اور اسی طرح کی بہت سی باتیں ہو سکتی ہیں "

اب ہر ہفتے اقبال میاں ایک مضمون تیار کر لیتے
ہیں - کبھی اپنی کیاری ، کبھی اسکول ، کبھی کسی اور چیز پر
ایک بار سب گھر والوں کے ساتھ پکنک کو گئے - آکر سارا
حال لکھ ڈالا - ایک مضمون میں اپنے مولوی صاحب کی
عینک ، داڑھی اور چھڑی کا ایسا نقشہ کھینچا کہ گھر والے پڑھ
کر ہنستے ہنستے لوٹ گئے - اقبال میاں کی یہی کوشش رہی تو ایک
نہ ایک دن لوگ ضرور کہیں گے " بھئی اقبال میاں نے
تو قلم توڑ دیا ہے "

ریل گاڑی

فضل الدین صاحب اثر

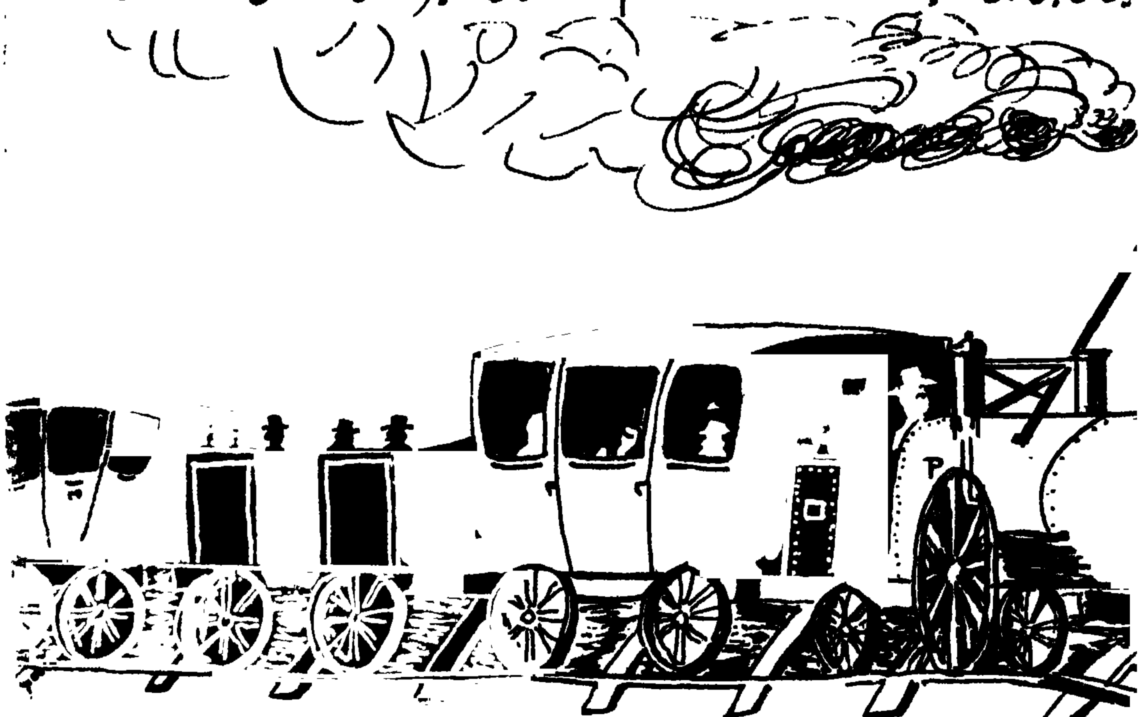
دخانی انجن سے خشکی پر گاڑیاں چلانے کی ایجاد
ا جارج اسٹیفین سَن (GEORGE STEPHENSON)
ل ہے۔ وہ شہر نیوکاسل کے قریب ایک گاؤں
ں ۹ جون ۱۷۸۱ء کو پیدا ہوا تھا۔ جارج ابتدائی
، اپنے پڑوسی کی گائیں چراتا تھا۔ ذرا بڑا ہوا
ب کی کوئلے کی کان میں کوئلہ چننے لگا۔ جارج
کے وقت بھی بے کار نہیں بیٹھتا تھا اس وقت
نا پڑھنا سیکھتا تھا۔ محنت کسی کی بے کار
جاتی۔ آخرکار جارج اسی کان میں ترقی کرتے
، انجنیر ہوگیا۔

کانوں میں بھاپ کے انجن کوئلے کی گاڑیاں
نے کے کام میں پہلے بھی استعمال ہوتے تھے لیکن
ن بس ایک جگہ کھڑے کھڑے چلا کرتے تھے
ج نے سوچا کیا اچھا ہو جو یہ انجن خود بھی چلے اور
طاقت سے کوئلے کی گاڑیاں کھینچ سکے۔ جارج
نے کان کے مالکوں کے پاس جاکر اپنے خیال کا اظہار کیا۔ کان کے مالک جارج کی تجویز سے نہ صرف خوش ہوئے بلکہ انھوں نے تجربے کے لئے روپیہ بھی فراہم کردیا۔ جارج سے پہلے ٹریوی تھک (TREVETHICK) نامی ایک شخص بھی سفر کرنے والا انجن بنا چکا تھا۔ لیکن جارج نے اس سے بہتر انجن بنانے کا فیصلہ کیا۔

جارج کے بنائے ہوئے پہلے انجن کا نام بلوچر (BLUCHER) تھا۔ یہ انجن کوئلے سے بھری ہوئی ۳۰ ٹن (۲۸ × ۳۰ من) وزن کی آٹھ گاڑیاں چار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے کھینچ لیتا تھا۔ یوں تو یہ انجن بہت کامیاب تھا لیکن اس میں بڑی کمی یہ تھی کہ اسپرنگ کے نہ ہونے کی وجہ سے بے حد جھٹکے کھاتا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ انجن کا پرزہ پرزہ ڈھیلا ہوگیا اور پٹری بھی خراب ہوگئی۔ اس کے علاوہ

مال شدہ بھاپ کچھ اس قدر زور سے خارج
تھی کہ آس پاس کے آدمی اور جانور بعض وقت
رح چونک جاتے تھے۔ بالآخر جارج نے ایک
انجن بنایا جس میں اسپرنگ بھی لگائے اور
تعمال شدہ بھاپ کے نکلنے کا راستہ
یں کی چمنی میں کر دیا۔

اس اثنا میں ڈارلنگ ٹن (DARLINGTON.)
کے مسٹر ایڈورڈ پیس (MR. EDWARD PEASE) نے
ڈرلنگ ٹن سے اس ٹوک ٹن (STOCK TON) تک
ریلوے جاری کرنے کی تجویز پیش کی۔ شروع شروع
میں لوگوں نے اس تجویز کی بڑی مخالفت کی گھوڑا گاڑی
والوں کی تو خیر روزی کا سوال تھا۔ کسانوں نے



جارج اسٹی فین سن اپنے بیٹے رابرٹ اسٹی
سن کی مدد سے اور بہت سے انجن بناتا رہا
یہ سب انجن کوئلے کی کانوں میں استعمال
نے تھے۔ ۱۸۲۲ء میں ایک کمپنی نے جارج سے
ن خرید کر کوئلہ ڈھونے کے لئے آٹھ میل لمبی
ریلوے لائن بنائی۔

کہا۔ "ریل اُن کے کھیتوں کو نقصان پہنچائے گی"
ڈاکٹروں نے کہا "اس کا دھواں لوگوں کی صحت
پر مضر اثرات ڈالے گا" اور جنھیں کوئی اعتراض نہ
ہونا چاہیئے تھا انھوں نے کہا "ریل کے بے جا
شور و غل سے اُن کے شکار اور تفریح میں خلل پڑے
گا۔ لیکن اس قسم کی باتیں کام کرنے والوں کا تہ دل

)ہیں اور نہ راستہ بند کرسکتی ہیں۔ ۲۷ ستمبر
ء کو بالآخر ڈارلنگ ٹن اور اسٹوک ٹن
ان ریل جاری ہوکر رہی۔ روانگی کے وقت
ماشائیوں کے علاوہ ۴ ½ سو مسافر موجود
۲۱ ڈبوں کی گاڑی تھی۔ مسافروں کے ڈبوں
، باقی ڈبوں میں کوئلہ اور دوسرا تجارتی مال بھرا
مقررہ وقت پر سگنل جھکا، انجن نے سیٹی
دنیا کی سب سے پہلی ریل گاڑی اپنے سب سے
رپر روانہ ہوگئی۔ اس گاڑی کا انجن جارج
لایا تھا۔ جوں جوں وقت گذرتا گیا ریل کی سواری
ہوتی گئی، لیکن پھر بھی کافی عرصے تک انگلستان
دولت اور مرتبے والے لوگ ریل میں سفر
توہین سمجھتے تھے۔ اُن کا سامان اور اُن
البتہ ریل سے آیا جایا کرتے تھے۔ لیکن جب
میں خود ملکہ وکٹوریہ نے لندن سے ونڈسر
ریل میں طے کیا تو ریل امیروں اور غریبوں
ور بڑوں سب کے لئے آمد و رفت کا باعزت
گئی۔

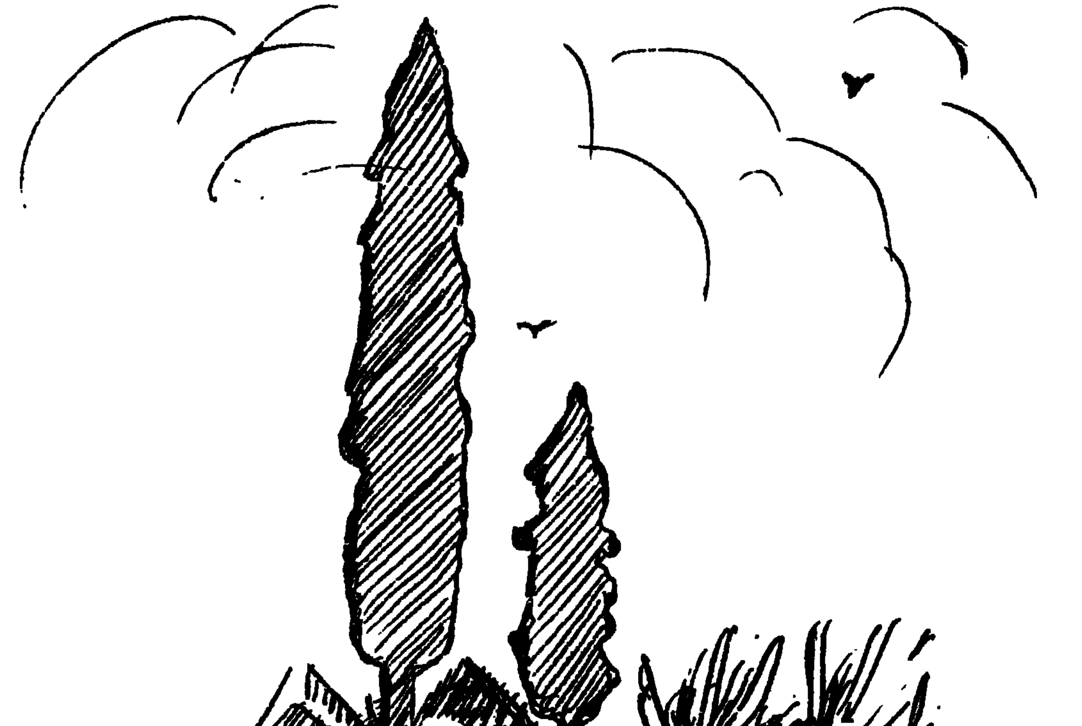
کی سب سے پہلی ریل گاڑی اپنی شکل و صورت
سے جتنی عجیب معلوم ہوتی ہوگی اُتنی ہی
زیب وہ قانون بھی تھے جو اس میں سفر کرنے
و ماننے پڑتے تھے۔ اول تو سفر کرنے والوں
کے وقت سے کم از کم ۲۴ گھنٹے پہلے ریلوے

ایجنٹ کو درخواست دینی پڑتی تھی جس میں نام، پتہ
پیدائش کی جگہ، عمر، پیشہ اور سفر کرنے کا سبب
درج کرنا ہوتا تھا۔ پھر ٹکٹ ملنے کی منظوری اسی
وقت دی جاتی تھی۔ جب ریلوے والوں کو اطمینان
ہوجاتا تھا کہ اُن کا مسافر کسی ناجائز غرض سے سفر نہیں
کررہا ہے۔ اس کے علاوہ یہ کوشش ضرور کی جاتی
تھی کہ گاڑی اپنے مرکزی اسٹیشن سے صحیح وقت
پر چھوٹے لیکن اس بات کی کوئی ذمہ داری ریلوے
والوں کے سر نہیں تھی کہ وہ آخری اسٹیشن پر کس وقت
پہنچے گی۔ گاڑی جھٹ پٹے کے وقت راستے کے کسی
اسٹیشن پر رک جاتی تھی اور رات کے ٹھہرنے کا انتظام
مسافروں کو خود کرنا پڑتا تھا اور اس کی قیمت بھی
ادا کرنی ہوتی تھی۔ مسافروں کا سامان چھت پر
رکھا جاتا تھا لیکن ریلوے کمپنی بارش وغیرہ سے
نقصان پہنچنے کی کسی حالت میں ذمہ دار نہیں تھی۔

یہ باتیں آج سے ایک سو سال پہلے کی ہیں۔
ریل گاڑیوں میں کیا ترقی ہوچکی ہے اور اُن کی بدولت
ہمیں کیا کیا سہولتیں اور آسانیاں بہم پہنچی ہیں۔ یہ سب
سامنے کی باتیں ہیں۔ ترقی کا اندازہ اس سے لگالیجئے
کہ جارج کا انجن ۱۲ میل فی گھنٹے کی رفتار سے چلتا
تھا۔ لیکن آج امریکہ میں ایک سو دس میل فی گھنٹہ
کی رفتار سے چلنے والا انجن موجود ہے۔ کبھی جارج
نے اسٹوک ٹن اور ڈارلنگ ٹن کے چھوٹے چھوٹے

یشن بنائے تھے۔ لیکن آج نیویارک کا گرانڈ ٹرل ٹرمنل (GRAND CENTRAL TERMINAL) پلیٹ فارم کا اسٹیشن ہے۔ آج ڈارلنگ ٹن سے نوک ٹن تک کی مختصر ریلوے لائن کا جواب ٹرانس ائبیرین ریلوے (TRANS SIBERIAN Ry) ہے ہزار میل لمبی لائن موجود ہے اور ان بھونڈی ونڈی شکل کے ڈبوں کے مقابلے جن میں کبھی رج نے اپنے مسافروں کو بٹھایا ہوگا ہمارے ں اس قدر آرام دہ ڈبے موجود ہیں جن میں دوسری ہولتوں کے علاوہ نہ گرمی ستاتی ہے نہ سردی یشان کرتی ہے۔ گرد و غبار سے پاک۔ شور و غل سے بے نیاز۔ بس ایک طلسمی کمرے میں اڑے چلے جائیے۔

ہندوستان میں سب سے پہلی ریل گاڑی بمبئی اور تھانہ کے درمیان ۱۰ اپریل ۱۸۵۳ء کو چلائی گئی تھی یہ جی آئی، پی کی گاڑی تھی۔ بمبئی سے تھانہ تک کا سفر صرف پونے بائیس میل کا ہے لیکن دوسرے ملکوں کی طرح ہندوستان میں بھی دیکھتے ہی دیکھتے ریلوے کا جال بچھ گیا ہے۔ ۱۹۰۰ء میں پورے سال کے مسافروں کا اندازہ ایک سو پچھتر لاکھ لگایا گیا تھا۔ ۱۹۳۷ء تک یہ تعداد ایک سو ساٹھ کرور ہوگئی تھی۔ یعنی اگر مان لیا جائے کہ ہندوستان کا ہر آدمی سفر کرسکتا تھا تو ہر آدمی نے تین بار سفر کیا ؀



بچوں کی سیر

محمد اکرام صاحب اُستاد تعلیمی مرکز جامعہ ملیہ

ایک دن درجے میں پڑھاتے پڑھاتے گاؤں
ؤں والوں پر بات چھڑ گئی پھر کیا تھا میاں آصف
کہا اور احمد میاں نے کچھ۔ سبھی نے گاؤں کے
ا جو کچھ معلوم تھا کہہ ڈالا۔ کچھ بچے ایسے بھی تھے
نہ جانتے تھے کہ گاؤں ہے کس بلا کا نام چپکے
نہ تکتے رہے جب نہ رہا گیا تو چلّا کر بولے
صاحب ہمیں گاؤں دکھائیے! یہ کہنا تھا کہ
نے ہاں میں ہاں ملادی اور خوشی خوشی تیاری
کردی۔ سب نے مل کر ضروری ضروری سامان
یا۔ ساتھ ہی ساتھ تعلیمی کام بھی ہوتا رہا۔ بچوں
یا گیا کہ وہ وہاں پر کیا کیا دیکھیں گے؟ کس
سے باتیں کریں گے؟ کس کس سے کیا باتیں
کریں گے؟ وغیرہ وغیرہ۔
ے کیا گیا کہ پہلے چند بچے کسی گاؤں کو جاکر
ں پھر سب جائیں۔ چنانچہ ایک گاؤں۔ کالیں
سر دوڑ" دہلی سے بہر میل دور اس
لیے چنا گیا۔ اس کے بعد روانگی کی تاریخ مقرر

کردی گئی۔ مقررہ تاریخ پر دوسرے اور تیسرے
درجوں کے بچے سرِ شام ہی اپنے ننھے منے سے بستر
لے کر اسکول میں آدھمکے۔ رات کو سب مل ملا کر
کھیلے کودے اور سوئے۔ صبح سویرے لاری آگئی
سب کے سب سوار ہوگئے بس اب کیا تھا تھوڑی
دیر بعد گاؤں جا پہنچے۔ وہاں نمبردار صاحب نے
بچوں کے اُٹھنے بیٹھنے اور کھانے پینے کا انتظام کر رکھا
تھا۔ لاری سے اُتر کر نمبردار صاحب اور اسکول
کے لڑکوں سے ملاقات ہوئی اور ناشتے کی تیاری
شروع ہوگئی۔ بہت سے دودھ کا دیکھنا تھا کہ
سوالات کی بوچھار ہونے لگی۔ ماسٹر صاحب یہ
دودھ کہاں سے آیا ہے؟ کون لایا ہے؟ گاؤں
میں اتنا دودھ کہاں سے آتا ہے وغیرہ وغیرہ
ان سب سوالات کو سمجھانے کے لئے کسان اور
اس کے جانوروں کے متعلق بتایا گیا اور بات کو
مشاہدے پر چھوڑ دیا گیا۔

بچے ناشتے کے بعد گاؤں میں گئے جب



ی مرکز کے بچے کوڑا کرکٹ صاف کررہے ہیں



تعلیمی مرکز کے بچے گاؤں کی چوپال میں



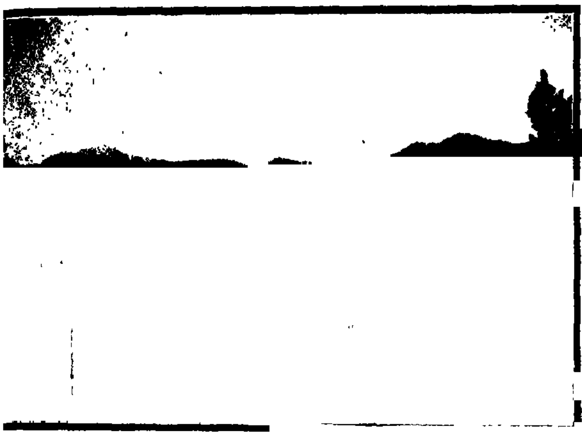
مرکز کے بچے کھانا کھا رہے ہیں



تعلیمی مرکز کے بچے سہلا میں
پہاڑی پر بیٹھے ہیں



اجمل خاں میں مقبرہ
محمد دین جرنلسٹ



شملہ
بوسیلہ ثریا رفعت نئی دہلی



اسی (۱) خلیق الزمان بیٹھے ہوئے
(۲) احتشام حسین (اندور)



نہانے کے بعد
(بوسیلہ ثریا رفعت نئی دہلی)

گی سے گذرے کوڑا کرکٹ پڑا دیکھا۔ سب نے
،اس کو صاف کرنا شروع کر دیا۔ صفائی کے بعد
وڑے کو کوڑے کے ڈھیر پر پھینکا گیا تاکہ تمام
، ایک ہی جگہ رہے۔ اس کام میں انھوں نے
وشی سے حصہ لیا۔ جب یہ بچے اپنا کام کر رہے تھے
گاؤں والے اُن کو دیکھنے کے لئے آ گئے۔ وہ
کیا جانیں کہ یہ کون ہیں؟ اور کیا ہیں؟ مگر اُن
م سے اِتنے خوش ہوئے کہ صفائی کی ضرورت
راپنے گاؤں کی ہر چیز کو صاف رکھنے پر آمادہ
ئے۔

ب سب بچے نمبردار صاحب کے ساتھ کسانو
، برتن باسن اور جانور دیکھنے گئے۔ کسانوں کے
، بینے اور رہنے سہنے کے طریقے پوچھے آخر
یک پنچایتی چوپال بھی گئے۔ وہاں سے چل کر سب
ب اپنے ٹھہرنے کے مقام پر آ گئے۔ آتے ہی
نے چنے چبانے شروع کئے اور کوئی کھیل کود
لگ گیا مگر تھکن کسی نے بھی محسوس نہ کی۔

جب کھانے کا انتظام کرنے والے لڑکوں اور
نے کھانا تیار کر لیا تو سب ایک بارات کی طرح
ت کے نیچے بچھی ہوئی دری پر بیٹھ گئے اور کھانا
شروع کر دیا۔

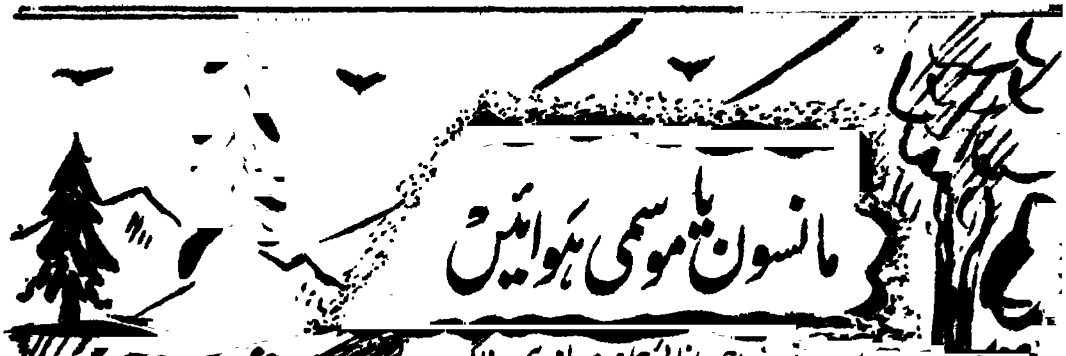
کھانے کے بعد درختوں کے سایے اور اسکول
آمدے میں آرام کیا کچھ بچوں نے ہرے چنے
بھونے اور سب کو دئے چنے چباتے رہے اور
چنے کا حال پوچھتے رہے۔ اس سلسلے میں فصل ربیع
کی پیداوار بتائی گئی اور شام کو کھیتوں پر لے جاکر
دکھایا گیا۔ جب بچوں نے ہرے ہرے کھیت اور
اور چلتے ہوئے کنوئیں دیکھے تو بہت خوش ہوئے
اتنے کہ شاید اپنے باغیچے میں بھی نہ ہوئے ہوں۔ شام
کو گاؤں والوں کے ساتھ نئے نئے کھیل کھیلے۔ رات کو
اس پنچایتی چوپال پر سب گاؤں والوں کو دکھانے کے
لئے ایک ڈراما کیا۔ اس ڈرامے میں کسان، زمیندار
اور کارندے کی زندگی کا خاکا کھینچا تھا۔ گاؤں والے
ڈراما دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور زور زور سے
جامعہ والوں کی جے پکارنے لگے۔

خیر ڈرامے کے بعد اپنی جگہ واپس آئے کھانا
کھانے کے تھوڑی دیر بعد سو گئے۔ صبح اُٹھ کر دودھ
چنے کا ناشتہ ملا۔ بچوں نے نمبردار صاحب کا
شکریہ ادا کیا۔ اور اپنے ہاتھ کی بنی ہوئی گتے کی چند
چیزیں پیش کیں اور مدرسے کے بچوں کو ابری بنانی
سکھائی۔ اور لاری میں سوار ہو کر گوڑ گانوہ اور سُہنا
روانہ ہو گئے۔

سُہنا ایک پہاڑی مقام ہے مگر بہت پُر فضا
یہاں پر گرم پانی کا ایک چشمہ ہے۔ دور دور کے
لوگ اس کو دیکھنے آتے ہیں۔ ہم نے بھی ایک صاف
سی جگہ اپنے ڈیرے ڈال دئے اور دوپہر کا کھانا

سیر کو نکلے ۔ پہلے چشمے کی سیر کی ۔ اس جگہ تچول
ہمہ ، چشمے کی قسمیں اور اس کے فوائد پڑھے
ہاڑ پر گئے ۔ جس وقت لاری پہاڑ پر چڑھ رہی
بچے بہت خوش ہو رہے تھے ۔ کیوں نہ ہوتے
تھا تو پہاڑی علاقہ ۔
پہاڑ کو سمجھانے کے لئے اچھی طرح دکھایا

بھلایا گیا اس کے بعد درّے کو سمجھانے کے لئے ایک راستے پر گئے اور پہاڑوں میں اس کی ضرورت سمجھائی ۔ ان سب چیزوں کو دیکھنے اور سمجھنے کے بعد ہم لوگ بخیر و خوبی واپس ہوئے ۔ بڑا دلچسپ سفر تھا ؛



مانسون یا موسمی ہوائیں

سعید احمد بینائی جماعت یازدہم۔ ناگپور

انسون ایسی ہواکو کہتے ہیں جو کسی خاص اور موسم میں چلتی ہے۔ یہ قاعدہ ہے کہ زمین مقابلے میں جلد ٹھنڈی اور گرم ہوجاتی ہے میں زمین پانی سے زیادہ گرم رہتی ہے۔ ے زمین پر کی ہوائیں گرم ہوکر ہلکی ہوتی اور ہیں۔ اس سے زمین پر ہوا کا دباؤ کم ہوجاتا ۔ یہ ہوائیں اوپر اٹھتی ہیں۔

ن ہواؤں کے اوپر اُٹھنے سے جو جگہ خالی رہ ہے اُسے بھرنے کو سمندر کی ہوائیں آتی ہیں سمندر کی ہوائیں زمین کی ہواؤں سے دیر م ہوتی ہیں۔ یہ ہوائیں ہزاروں میل تک سے گذرتی ہیں اسی لئے بہت سا پانی جذب ہیں۔ جب یہ ہندوستان کے نزدیک پہنچتی اُن کے دو حصّے ہو جاتے ہیں ایک شاخ بحیرۂ سے گذرتی ہے اور دوسری خلیج بنگال کو پار کرتی رۂ عرب والی شاخ گھاٹوں سے ٹکراتی ہے۔ اونچے پہاڑ ان ہواؤں کو روکتے ہیں اسی لئے یہ اوپر اُٹھتی ہیں۔ یہ تو تم جانتے ہی ہوگے کہ جیسے جیسے ہم اوپر جاتے ہیں سردی بڑھتی جاتی ہے۔ اس واسطے ان ہواؤں میں جو پانی بھاپ کی صورت میں ہوتا ہے پانی بن کر برسنے لگتا ہے۔ خلیج بنگال والی شاخ آسام، بنگال برما اور مدراس وغیرہ کے پہاڑوں سے ٹکراتی ہے اور وہاں بھی اسی طرح بارش ہوتی ہے۔

یہ ہوائیں جب ایک جگہ خوب پانی برسا چکتی ہیں تو آگے بڑھتی ہیں۔ لیکن جیسے جیسے وہ آگے جاتی ہیں اُن کا پانی خرچ ہوتا جاتا ہے۔ اسی لئے ہندوستان کے کچھ حصّوں میں بارش زیادہ ہوتی ہے اور کچھ حصّوں میں کم۔ ہندوستان کے واسطے یہ ہوائیں بہت مفید ہیں اس لئے کہ یہاں زیادہ تر کھیتی باڑی ہوتی ہے اور پانی کی بڑی سخت ضرورت رہتی ہے۔ اگر یہ ہوائیں نہ چلیں تو ہندوستان میں بارش نہ ہو اور لوگ بھوکوں مرنے لگیں ٭

شہد کی مکھی

آفتاب احمد صاحب صدیقی جامعی

تم نے شہد کی مکھیاں تو بہت سی دیکھی ہوں گی خیال نہ ہوا ہوگا کہ ان کی کتنی قسمیں ہیں۔ ان ت سی قسمیں ہیں۔ ان کا ذکر کیا جائے تو مضمون لمبا ہو جائے گا اس لئے ان میں سے صرف م کا حال لکھا جاتا ہے جو عموماً پالی جاتی ہے۔ یا مکھی کہتے ہیں یہ اور سب سے مختلف ہوتی ندھیرے میں رہنا پسند کرتی ہے طبیعت ت اچھی اور مزاج کی نرم ہوتی ہے اسی وجہ سے عورتیں اور بچے تک آسانی سے پال لیتے ہیں ہندوستان میں کثرت سے پائی جاتی ہے ی کے علاقوں میں تو اسے گھر گھر پالتے ہیں دیکھا ہوگا کہ ہر مکھی کے ڈنک ہوتا ہے تم سمجھتے ، کہ جہاں موقع ملا وہ ڈنک مار دیتی ہوگی؛ ایسا نہیں مکھی ڈنک سے اپنا بچاؤ ہی کرتی ہے۔ ڈنک مارتی ہے تو بس جان سے بیزار ہو کر۔ تمھیں یہ سن کر ا ہوگا کہ شہد کی مکھی ڈنک مارنے کے بعد دو سے زیادہ زندہ نہیں رہ سکتی۔ اور مکھی اس بات کو اچھی طرح جانتی ہے۔ تمھاری طرح اپنی جان اسے بھی پیاری ہے۔ اگر مکھی کو یقین ہو کہ تم اسے نقصان نہ پہنچاؤ گے تو وہ ڈنک بھی نہ مارے گی۔ شاید یہ سب جانتے ہوئے بھی تمھیں ڈر لگے، اس لئے میں تمھیں دو ایک عجیب باتیں بتاتا ہوں ایک یہ کہ مکھی کے ڈنک مارنے سے درد ہونا ضروری نہیں۔ اس کا خاص طور پر خیال رکھو جس جگہ مکھی ڈنک مارے اس جگہ کو ہاتھ سے ملو مت ایسا کرنے سے زہر کی پوٹلی جو ڈنک کے ساتھ جسم میں پہنچتی ہے پھوٹ جاتی ہے اور زہر جو اپنے آپ نہ پھیلتا اسے تمھارا ملنا یا کھجلانا پھیلا دیتا ہے جس سے سوجن ہو جاتی ہے۔ اگر تم چند منٹ صبر کرو اور زہر کی پوٹلی کو چٹکی سے نکال دو تو اس کے ساتھ ڈنک بھی نکل آتا ہے اور وہ ذرا سی تکلیف بھی دور ہو جاتی ہے۔ دوسری عجیب بات یہ ہے کہ جو زہر مکھی کے ڈنک میں ہوتا ہے وہ کئی بیماریوں کی دوا ہے۔ گٹھیا، قولنج اور لقوے کے مریضوں کو اگر دو چار بار مکھیاں خوب کاٹ لیں تو اس سے بیماروں کو تکلیف بہت

ں مگر جو فائدہ پہنچے گا وہ کسی اور دوا سے نہ پہنچا
ی قصہ کہانی نہیں ہے۔ آنکھوں دیکھی بات ہے۔

اگر تمھیں مکھیاں پالنے کا شوق ہے تو سب سے
ان طریقہ یہ ہوگا کہ چھتا خرید لو۔ ان مکھیوں کو
نے کے لئے نئے طرز کے چھتے ایجاد ہوئے ہیں یہ
ی کے بنے ہوئے ہوتے ہیں ان میں مکھیوں کو
ہر طرح کا آرام ملتا ہے اور تمھیں بھی۔ انھیں انگریزی
ن میں ماڈرن ہائو کہتے ہیں۔ اور یہ اسی نام سے
ہو رہے۔ قریب قریب ہر شہر میں شہد کی تجارت
جاتی ہے۔ مکھی پالنے والوں کی انجمنیں قائم ہیں اور
ن سے بآسانی خریدا جا سکتا ہے یہ چھتا انھی اصولوں
بنا ہوتا ہے جس طرح کہ مکھیاں قدرتی طور پر چھتے
تی ہیں۔ یہ دیکھنے میں بالکل چھوٹا سا بنگلہ معلوم ہوتا
۔ بارش اور آندھی سے محفوظ رہنے کے لئے سائبان
ا کے لئے روشن دان، رہنے سہنے کا کمرہ الگ
ر کام کاج کے لئے علیحدہ۔ غرض مکھیوں کے لئے
ی آرام دہ چیز ہے۔ اس میں دو منزلیں ہوتی ہیں
پر کے حصے میں شہد جمع کرنے کا گودام اور نچلے
ے میں رہنا سہنا۔ اس میں چودہ فریم ہوتے ہیں
ت اوپر سات نیچے۔ اوپر کے حصے میں مکھیاں
تے بنا کر ان میں شہد جمع کرتی ہیں اور نیچے کے حصے
خود رہتی سہتی ہیں۔ چھتا خریدنے سے پہلے کسی
باتی بھائی کی مدد سے ان مکھیوں کو تلاش کر لو۔ اور

جب مل جائیں تو اُن کے نئے مکان کو چھتے کے قریب
لے جا کر رکھ دو۔ نئے مکان میں مکھیاں آباد کرنے
کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے اپنی حفاظت کر لو۔ کپڑے کی
جالی سے اپنا مُنہ وغیرہ ڈھک لو۔ ہاتھوں میں دستانے
پہن لو۔ موزے پائنچوں پر چڑھا لو تاکہ مکھیاں تم پر
حملہ نہ کر سکیں۔ ایک نوسکھیے کو یہ سب انتظام ضرور
کر لینے چاہئیں۔ دیہاتی لوگ تو ان مکھیوں سے بالکل
نہیں ڈرتے اور ذرا دیر میں مکھیوں کو نئے مکان میں
آباد کر دیتے ہیں۔ یہ مکھی بٹوے کی شکل کے چودہ
چھتے برابر برابر بناتی ہے، سات اوپر اور سات
نیچے۔ مکھیاں تبدیل کرتے وقت راکھ بھی ساتھ رکھنی
چاہیے۔ یہ چونکہ اپنے کام میں ہم سے زیادہ مصروف
رہتی ہیں اس لئے انھیں تمھارے آنے کی خبر اکثر
دیر میں ہوتی ہے۔ تم اُن پر بھی تھوڑی تھوڑی راکھ
ڈال کر ہاتھ سے بلا تکلف ہٹا دو اور چھری سے
چھتے کا ایک ایک حصّہ کاٹ کر نئے مکان کے چوکھٹوں
میں کسی دھاگے وغیرہ سے باندھتے جاؤ اس عرصے
میں جو شہد گرے اُسے کسی برتن میں جمع کر لو اور
جب سارے چھتے فریم کر چکو تب مکھیوں کو ایک جال
میں پکڑ کر اس کا ایک سرا کھول کر نئے مکان کے
دروازے سے باندھ دو۔ جال کو آہستہ آہستہ
ہلاتے رہو تاکہ مکھیاں دروازے کے راستے اپنے
اپنے گھروں پر جا بیٹھیں۔ کوشش یہی کرو کہ تمھارے

ریادہ مکھیاں نہ مرنے پائیں۔ یہ کام بہت
ت سے کرنا چاہیئے۔ اکثر لوگ اتنا گھبرا جاتے
یوں کی دہشت اُن پر اتنی طاری ہوجاتی
ڑوں مکھیاں مار ڈالتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے
ام محنت بے کار جاتی ہے اور بعد میں اپنی
زی پر افسوس کرتے ہیں۔

وں کو تبدیل کرنے کے دوران میں رانی کا
پر خیال رکھو اور اُسے پہچاننے کی کوشش
یہ تمام چھتے کا دار مدار رانی پر ہے۔ رانی
ئی تو گویا تمھاری محنت اکارت گئی۔ رانی
ں سب سے زیادہ خوب صورت ہوتی
ں کا رنگ ہلکا سنہرا ہوتا ہے اس لئے
ہاننے میں دیر نہیں لگتی۔ مکھیاں اپنی رانی
ہتی ہیں۔ رانی کی حفاظت میں اپنی عزیز جان
نہیں کرتیں۔ انھیں جب شبہ ہو جاتا ہے
پکڑنے آرہا ہے تو سب سے پہلے اُن کے
ماغ میں اپنی ملکہ کو بچانے کی فکر پیدا ہوتی
۔ ملکہ کے چاروں طرف اتنی تعداد میں جمع
ں کہ وہ ڈھک جاتی ہے اور تم اُسے نہیں
مکھیوں کا ایک جگہ جمع ہو جانا اس بات کی
لہ وہاں رانی موجود ہے۔ اس جھنڈ کو بڑی
ے پکڑ کر جال میں چھوڑ دو۔ تاکہ وہ نئے
چلی جائیں۔ جب یقین ہو جائے کہ رانی نئے

مکان میں آگئی تو سمجھ لو کہ مکھیاں نئے مکان میں آباد ہوجائیں گی اس مکان میں ایک دروازہ بھی ہوتا ہے اُسے کھول دو اور جال کی مکھیوں کو اندر پہنچانے کے بعد اُسے ہٹالو۔ نئے مکان کو اُن کے پُرانے گھر کے اور نزدیک رکھ کر پندرہ منٹ کے لئے وہاں سے ہٹ جاؤ۔ تاکہ جو مکھیاں اب تک باہر اُڑ رہی ہیں اپنی رانی کو تلاش کرتی ہوئی دروازے سے اندر پہنچ جائیں۔ جب تمام مکھیاں اندر چلی جائیں تو دروازہ بند کر دو اور نئے مکان کو ایک تپائی پر بہت احتیاط سے رکھ دو۔ اس کے پایوں کے نیچے مٹی کی پیالیوں میں پانی بھر کر رکھ دو تاکہ چیونٹیاں وغیرہ چھتوں میں نہ جاسکیں۔ تین روز تک اس کو اُن کے پُرانے گھر کے نزدیک ہی رہنے دینا چاہیئے تاکہ مکھیاں اپنے نئے مکان کی خوبو سے آشنا ہوجائیں اور اسی میں رہنے کا ارادہ کرلیں اس عرصے میں روز سویرے اُن کے کھانے کے لئے شہد ڈالتے رہو رات کو دروازہ کھول دیا کرو اور دن بھر بند رکھو شہد ملنے سے اول تو وہ خوراک کی طرف سے بے فکر ہو جاتی ہیں۔ دوسرے یہ کہ اُنھیں اس سے خوشی ہوتی ہے کہ اُن کا چھینا ہوا مال واپس مل رہا ہے۔

(باقی آیندہ)

لکسمبرگ ہالینڈ بلجیم

عبدالحسیب حیدرآباد دکن

برطانیہ، فرانس اور جرمنی کے درمیان لڑائی
بر جاری ہے۔ اس جگہ جہاں
انس اور جرمنی کی سرحدیں ملتی
یں لڑائی بہت دھیمی رفتار سے
رہی ہے۔ کیونکہ جرمنی اور فرانس
پنے اپنے زمین دوز قلعوں میں
فوظ بیٹھے ہوئے ہیں اور ایک
سرے پر بڑھ کر حملہ کرنے کی کوئی
ا جرأت نہیں کر رہا ہے۔

جرمنی نے اس وقت ایک نئی
یر سوچی وہ تھی غیر جانب دار
ون کو جنگ کا اکھاڑا بنانے کی
نچہ اپریل کے مہینے میں جرمنی
ناروے اور ڈنمارک پر حملہ
کے اس کو اپنی فوجی حفاظت میں
لیا۔ وجہ یہ بتائی کہ اگر جرمنی ان ملکوں پر قبضہ
رتا تو برطانیہ و فرانس اس پر قابض ہوجاتے اور

وہاں سے جرمنی کے خلاف فوجی سرگرمیوں کو جاری



رکھتے۔ دراصل جرمنوں کا مقصد یہ تھا کہ وہ ان
غیر جانب دار ملکوں پر قبضہ کرکے۔ وہاں کی پیداوار

صل کرے اور اگر ہو سکے تو ان مفتوحہ علاقوں
نیہ پر حملہ کر سکے۔

اسی پرانے ڈر کی بنا پر جرمنی لکسمبرگ، ہالینڈ، بلجیم۔
اقتدار کے ماتحت لانا چاہتا ہے۔ یہ سب
پ کے مشرقی ساحل پر واقع ہیں۔ شاید
کو فتح کرنے سے بھی اس کا یہی مقصد ہو کہ
کی پیداوار سے فائدہ اُٹھائے اور جرمنی بڑی
پہلا جیسا ملک ہو جائے۔

رکی ہمیشہ سے یہی پالیسی رہی ہے کہ وہ جس
بضہ کرنا چاہتا ہے پہلے پہل جرمن لیڈروں کو
ہے۔ یہ لیڈر وہاں سیر کے بہانے پہنچتے ہیں اور
پیگنڈا شروع کر دیتے ہیں اور آخر کار ہٹلر
اطلاع دیئے بغیر اس ملک پر چڑھ دوڑتا
حالت بے چارے ہالینڈ، بلجیم اور لکسمبرگ
اول تو جرمن پروپگنڈا شروع ہوا اور
جرمنوں نے حملہ کر دیا۔ ان ملکوں کو خبر
جرمنوں کا ایسا ارادہ ہے کیونکہ کچھ دنوں
لہہ رہے تھے کہ وہ بلقانی ملکوں پر حملہ کرنا
یہ اچانک حملہ دشمن پر نہیں بلکہ غیر جانب دار
یا گیا ہے۔

ل

پ کی چھوٹی سی ریاست ہے اس کا رقبہ ۹۹۹ مربع میل ہے اور اس کی سرحدیں بلجیم، فرانس اور جرمنی سے ملی ہوئی ہیں۔ زراعتی ملک ہے اور آج کل جرمنی کو سامانِ رسد کی ضرورت بھی ہے جو یہاں سے تھوڑا بہت حاصل ہو سکتا ہے۔ معدنیات ہیں صرف لوہا پایا جاتا ہے جس سے سامانِ جنگ بن سکتا ہے جرمنی اس پر قابض ہونے کے بعد ناروے، سویڈن ہالینڈ، لکسمبرگ اور بلجیم سے بہترین لوہا حاصل کر سکتا ہے دریائے سیور یہاں کا اہم دریا ہے اور دارالسلطنت لکسمبرگ مشہور شہر ہے۔

نظامِ حکومت جمہوری انداز کا ہے۔ مجلس کے ممبروں کو لکسمبرگ کے باشندے منتخب کرتے ہیں جن کی تعداد ۵۲ ہے اور اکثریت والی جماعت حکومت کا کاروبار چلاتی ہے پچھلی بڑی لڑائی میں بھی اس پر جرمنی نے قبضہ کر لیا تھا شکست ہونے کے بعد ۱۹۱۹ء میں اس ملک کے مستقبل کے متعلق غور کیا گیا جس کے بعد موجودہ حکومت قائم ہوئی۔ ۱۹۲۲ء میں لکسمبرگ اور بلجیم کا معاشی اتحاد ہو گیا۔ اور دس سال بعد لکسمبرگ، ہالینڈ اور بلجیم میں ایک معاہدہ ہوا جس کی رو سے ان ملکوں نے باہمی معاہدہ کرنے والے ملکوں سے آنے جانے والے سامان کا محصول گھٹا دیا۔

زمانۂ وسطیٰ میں یہاں کے کاؤنٹ کی زبردست حیثیت تھی۔ اور کچھ عرصے بعد ڈچی یعنی عورت حکمران ہوئی پھر یہ برگنڈی کا حصہ ہو گیا۔ اسپین اور آسٹریا کے ماتحت

ے تھوڑے عرصے تک رہا۔ ہالینڈ اور بلجیم
ا پر قابض رہے۔ بڑی جدو جہد کے بعد اس
ملک نے اپنی آزادی حاصل کرلی جو لے اڈلف
ف ناسو کے تحت حاصل ہوئی۔ اڈلف کا جانشین
اولیم ہوا جس کے مرنے کے بعد اس کی بہن میری
سین ہوئی۔ بڑی لڑائی کے ختم پر میری اپنی
رلیٹ کے حق میں دست بردار ہوگئی اور آج
رلیٹ کی حکومت ہے جو اب بھاگ کر انگلستان
اہے۔

نڈ

رمنی، بلجیم اور بحر شمالی اس ملک کو گھیرے ہوئے
اروے کی خصوصیت یہ ہے کہ وہاں کے کنارے
ندر سے بہت بلند ہیں لیکن اس کے برخلاف
لی سطح سمندر کی سطح سے نیچے ہے۔ سمندر کے
روکنے کے لئے لمبے اور مضبوط بند تیار کئے
ا جو سمندر کے پانی کو روک سکیں اور ایسے طریقے
چھ زمین حاصل ہوگئی ہے اس میں زراعت اور
بائے جاتے ہیں۔ یہ بند بہت اچھے اور
کنے کے قابل بنائے جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے
جگہ کے کاریگر لائق اور ماہر فن ہوتے ہیں۔
اچھی حالت میں رکھنے کے لئے ہر وقت دیکھ
جاتی ہے۔ پھر بھی اکثر اوقات بند ٹوٹ جاتے

ہیں۔ اور گاؤں کے گاؤں سمندر میں غرق ہو جاتے
ہیں۔ بسا اوقات خود یہاں کے بسنے والے ولندیزی مد
توڑ دیتے ہیں اور یہ جبکہ دشمن اُن کے ملک پر قبضہ کرنے
آتے ہیں۔ آج کل زوئی ڈر زی کے سمندر کے ایک
سرے پر بڑی محنت سے بند بنایا جا رہا ہے۔ تاکہ
بسنے کے لئے جگہ نکل سکے۔ یہاں کے اہم دریا رہائن
میوس اکیلڈ ہیں جن سے نہریں نکالی گئی ہیں اور نہروں
کا پانی زراعت کے کام آتا ہے۔ اس ملک کا رقبہ
۱۲۷۶۱ میل ہے جس کا آدھے سے زیادہ حصہ
سطح سمندر کے نیچے ہے اور آبادی بھی بہت زیادہ یعنی
۸۲۹۰۳۸۹ ہے۔

سنہ ۱۹۱۴ میں ہالینڈ، بلجیم کو ایک متحدہ سلطنت
فرانس کے خلاف بنایا گیا۔ لیکن پندرہ سال بعد ہالینڈ
بلجیم سے علیحدہ ہوگیا جس کے بعد سے ہالینڈ نے یورپ
کی تاریخ کو بدلنے میں بہت کم حصہ لیا اور بڑی لڑائی
کے دوران میں غیر جانب دار رہا۔

حکومت کا مرکز ہیگ ہے لیکن تجارتی حیثیت
سے امسٹرڈم اور راٹرڈم کو مرکزیت حاصل ہے۔
امسٹرڈم اور راٹرڈم کی بندرگاہیں بڑی ہیں جہاں بڑے
بڑے جہاز ٹھہر سکتے ہیں۔ جرمنی کی تجارت کا بڑا
حصہ راٹرڈم سے دریائے رہائن کے ذریعے جرمنی
بھیجا جاتا ہے۔ اصول حکومت جمہوری طرز کا ہے
اور ہر مرد عورت کو جو پچیس سال کے ہوں ووٹ

نے کا حق حاصل ہے۔ برطانیہ جیسی محدود اختیارات کی بادشاہت
ئم ہے اور اب رانی لہلینا حکومت کر رہی ہیں
بھی انگلستان میں پناہ گزیں ہیں۔

ہالینڈ زرعی ملک ہے۔ کثرت سے مویشی پالے
ستے ہیں جن سے اون، دودھ، مکھن، مسکہ گوشت
مل ہوتا ہے۔ زراعت کے ساتھ ساتھ جہاز سازی
صنوعی مسکہ، کوکو کی تجارت بھی ہوتی ہے۔ سن
ر روئی سے کپڑا تیار کیا جاتا ہے جو بہت ہی اہم
نعتی اہمیت رکھتا ہے۔ امسٹرڈم میں ہیرے کاٹنے
صنعت ہے۔

پچھلے زمانے میں دلندیزی یعنی ہالینڈ کے رہنے
ے چالاک اور تجربہ کار ملاح تھے۔ اپنی اسی جہازرانی
بدولت انھوں نے جزائر شرق الہند و غرب الہند
قبضہ کیا تھا۔ جاوا، سماترا، بورنیو، مولکا اور
رنیم ہالینڈ کے بہت اہم اور کثیر آمدنی والے جزیرے
۔ لیکن آج کل ہالینڈ کی حیثیت بہت گھٹ گئی
ہے۔ نہ پہلے جیسی بحری طاقت اب موجود ہے

بلجیم

ہالینڈ کے جنوب میں بلجیم ہے اس کے بقیہ تین
طرف بحر شمالی فرانس اور جرمنی کے ملک ہیں۔ بلجیم
کا کل رقبہ ہالینڈ سے کم ہے یعنی صرف بارہ ہزار
ربع میل کے قریب ہے۔ پھر بھی یہاں کی آبادی
یورپ کے تمام ممالک سے زیادہ ہے اور اوسط
ہر میل میں ۷۰۴ آدمی بستے ہیں برسلز یہاں
صدر مقام ہے اس کے علاوہ دوسرے تار
اہم اور بڑے شہر بھی ہیں۔ انتظامی سہولت
لئے ملک کو نو حصّوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ در
میوس اور اسکیلڈ بلجیم میں سے بہتے ہیں۔

جنوبی حصّے میں کوئلہ کثرت سے ہوتا ہے اس
لئے قریب ہی بڑے بڑے کارخانے قائم ہیں۔ لوہے اور
فولاد کو پگھلایا جاتا ہے جو قریب ہی سے حاصل ہوتا ہے
موٹر سازی، ریل سازی، مصنوعی ریشم، کانچ کا
سامان، لیس یہاں کی اہم صنعتیں ہیں۔ اس صنعتی حصّے
کے علاوہ بقیہ ملک میں زراعت ہوتی ہے اب تک
بعض مقامات پر گھنے جنگل پائے جاتے ہیں۔ زرعی
پیداوار ہیں۔ گیہوں، جو اور دوسرے اناج بکثرت
پیدا ہوتے ہیں۔ چقندر کی کاشت ہوتی ہے جس سے
شکر بنائی جاتی ہے۔ ترکاری اور پھولوں کی پیداوار
کچھ زیادہ ہے اس لئے یہ چیزیں دوسرے ملکوں کو
بھیجی جاتی ہیں۔ میوہ بھی خوب پیدا ہوتا ہے۔ لوہے
کی کانوں کے علاوہ جست کی کانیں بھی ہیں۔

یہاں بادشاہ راج کرتا ہے لیکن اختیارات اُس کے
بالکل محدود ہیں اور اُسے مجلس عامہ کی ہر بات
ماننی پڑتی ہے۔ مجلس عامہ میں جن خیالات والوں کی
زیادتی ہوتی ہے وہی جمہوریت کے نام سے حکومت

تے ہیں۔ مجلس کے اراکین مختلف طریقوں سے منتخب
جاتے ہیں۔ بعض تو حکومتِ مرکزی یا صوبہ واری
ستوں کی طرف سے منتخب ہوتے ہیں اور باقی تعداد
د عوام چنتے ہیں۔ رومن کیتھولک خیالات کے
سائی بہت بڑی تعداد میں بستے ہیں۔ بلجیم میں دو زبانیں
ں۔ فلیمنگ اور فرانسیسی۔ پچھلے زمانے میں دونوں
نیں بولنے والوں میں خوب ہی لڑائیاں ہوا
ا تھیں۔

پہلے یہ ملک برگنڈی کے راج میں تھا پھر اسپینی
منیڈ کے نام سے اسپین کے ماتحت رہا۔ اور اٹھارھویں
ری میں آسٹریا کے ساتھ رہا۔ اُنیسویں صدی کی ابتدا
ں یہ ملک فرانس سے علیحدہ ہوکر ایک آزاد ملک
یا لیکن یہ آزادی ہالینڈ اور بلجیم نے مل کر حاصل کی
۔ پھر سنہ ۱۸۳۰ء میں بلجیم والوں نے ہالینڈ سے بھی علیحدگی

اختیار کرلی اور لیوپڈ اس جدید راج کا گرو تھا۔ لیوپڈ
ثانی اور اس کے بعد البرٹ حکومت کرتے رہے
البرٹ ایک پہاڑی مہم پر گیا اور بدنصیبی سے پھسل کر
مرگیا اور سنہ ۱۹۳۴ء میں لیوپڈ سوم تخت نشین ہوا جو
اب تک موجود ہے اور ہٹلر کے خلاف جنگ لڑ کر کے اپنے
ملک کو بچانا چاہتا ہے۔ آپ بھی انگلستان میں پناہ گزیں ہے

پچھلی بڑی لڑائی (۱۹۱۴ء) میں یہ ملک غیر جانبدار
رہنا چاہتا تھا لیکن اس غیر جانب داری کو جرمنوں
نے توڑ دیا۔ لڑائی کے ختم پر ایک بار پھر اس کو سوراج
مل گیا۔ اب پھر جرمنی اس پر قبضہ کرنا چاہتا ہے۔
ورنہ اسے ڈر ہے کہ فرانس، برطانیہ اس
رخ سے جرمنی کو برباد کردیں گے۔ دیکھئے کیا نتیجہ ہوتا
ہے سخت گھمسان لڑائی ہورہی ہے بعد کی خبر یہ ہے کہ
ہالینڈ پر جرمنی کا قبضہ ہوگیا اور بلجیم کی حالت نازک ہے[1]

[1] وسلز اور سارا یورپ پر جرمنی کا قبضہ ہوگیا ہے۔ لڑائی کا زور اس وقت فرانس کی طرف ہے۔

نئے نئے کھیل

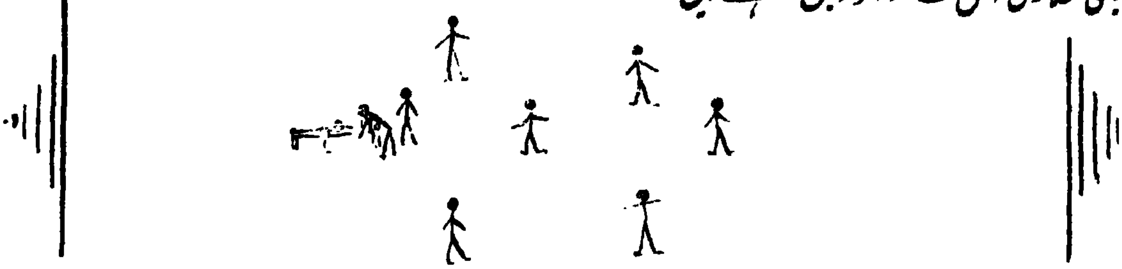
گھوڑا اور سائیس

از جناب الطاف علی صاحب نگران ورزش جسمانی جامعہ نگر اوکھلا

تعداد:۔ ۵ سے ۴۰ تک

جگہ:۔ کمرا، صحن، کھیل کا میدان۔

طریقہ:۔ کھلاڑیوں میں سے ایک گھوڑا اور دوسرا سائیس چن لیا جائے۔ گھوڑا کسی چیز (چارپائی، درخت، دیوار) کے سہارے کھڑا ہو جاتا ہے۔ اس کا سائیس اس کے نزدیک کھڑا ہوا اُس کی حفاظت کرتا ہے۔ باقی کھلاڑی اس کے اردگرد جمع رہتے ہیں۔



کھیل شروع ہونے پر کھلاڑی گھوڑے پر سواری کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ سائیس انھیں روکتا اور چھوتا ہے جسے وہ چھو لیتا ہے وہ گھوڑا بن جاتا ہے۔ پہلا گھوڑا سائیس بن کر اس کی حفاظت کرتا ہے۔ پہلا سائیس کھلاڑیوں میں جا ملتا ہے۔

احتیاط:۔

(۱) گھوڑے کو کوئی حق نہیں کہ جو کھلاڑی اس پر سوار ہو اُسے پکڑے۔

(۲) سائیس کسی ایک مخصوص کھلاڑی کا دور تک پیچھا نہیں کر سکتا۔

(۳) ایک ہی کھلاڑی گھوڑے پر جما نہ بیٹھا رہے۔ بلکہ سب کو سواری کا موقع دے۔

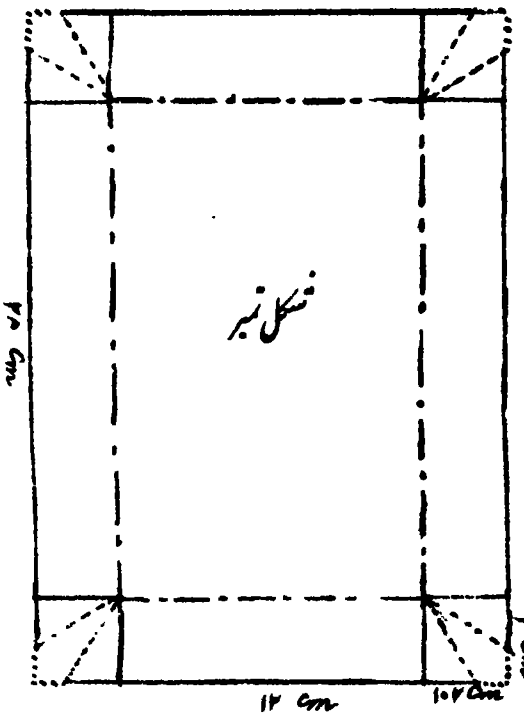
گتے کا کام

پنسل ٹرے

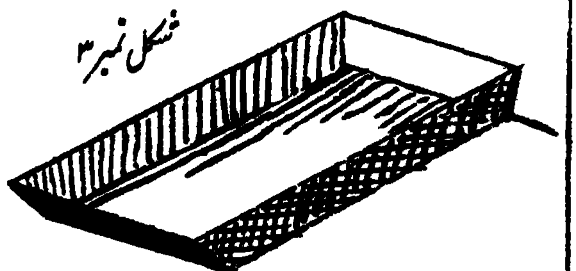
سید عروج الحسن صاحب - استاد تعلیمی مرکز دہلی

۲۸ سینٹی میٹر لمبا اور ۱۲ سینٹی میٹر چوڑا ایک گتا لے کر اس پر شکل نمبر ا کی طرح نشان لگالو اور جہاں جہاں (.......) ایسے نشان ہیں وہاں سے گتا کاٹ دو اس کے بعد (— - —) ان نشانوں پر (HALF CUT) کردو - اور چاروں طرف سے گتے کو موڑ دو - اب چاروں کونوں کو کپڑے کی پٹیوں سے جوڑ دو - (شکل نمبر ۲) طریقہ یہ ہے کہ کپڑے کی ایک پٹی لے کر باہر کی طرف چپکا دو کہ کپڑے کو اس مقام سے کاٹ دو جہاں پر سیاہ رنگ ہے - پھر کونے کو گتے پر چپکا دو -

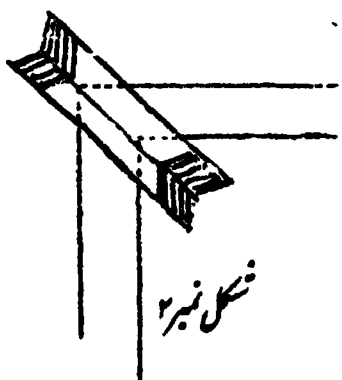
اس کے بعد کسی مناسب رنگ کے کاغذ کی پٹیاں لے کر اندر اور باہر چپکا دو - پنسل ٹرے تیار ہے - دو چار پیسے میں ایک نمونہ تیار ہو جائے گا -



شکل نمبر ا



شکل نمبر ۳



شکل نمبر ۲

معلومات

کی عجیب و غریب کان

وہ کارپیتھین کی ترائی میں کراکو (آسٹریا کا ایک شہر)
میل دور" وائیلکزا" نامی نمک کی کان ہے۔ کان
اروں گز دور تک چاروں طرف راستے بنے ہوئے
یہ راستے ایسی جگہ جا کر ختم ہوتے ہیں جہاں ۵۰
لمبے اور ۴۰ فیٹ تک گہرے تالاب بنے ہوئے
اس کان میں بڑے بڑے نمک کے کمرے ہیں
دار دروازے ہیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ سفید
ہیروں سے ان کو سجایا گیا ہے۔

یک زمانے میں یہ کان قید خانے کا کام دیتی تھی۔
مجرم اور خاص کر سیاسی مجرم رکھے جاتے تھے۔
تمام عمر باہر کی روشنی سے محروم ہو کر کان میں
دم تک کام کرتے رہتے تھے۔

اس کان میں سب سے حیرت انگیز چیز سینٹ
کا گرجا ہے۔ اس میں پادری کے خطبہ دینے کی
رتیں، سجاوٹ کا ساز و سامان سب کا سب
بنا ہوا ہے۔

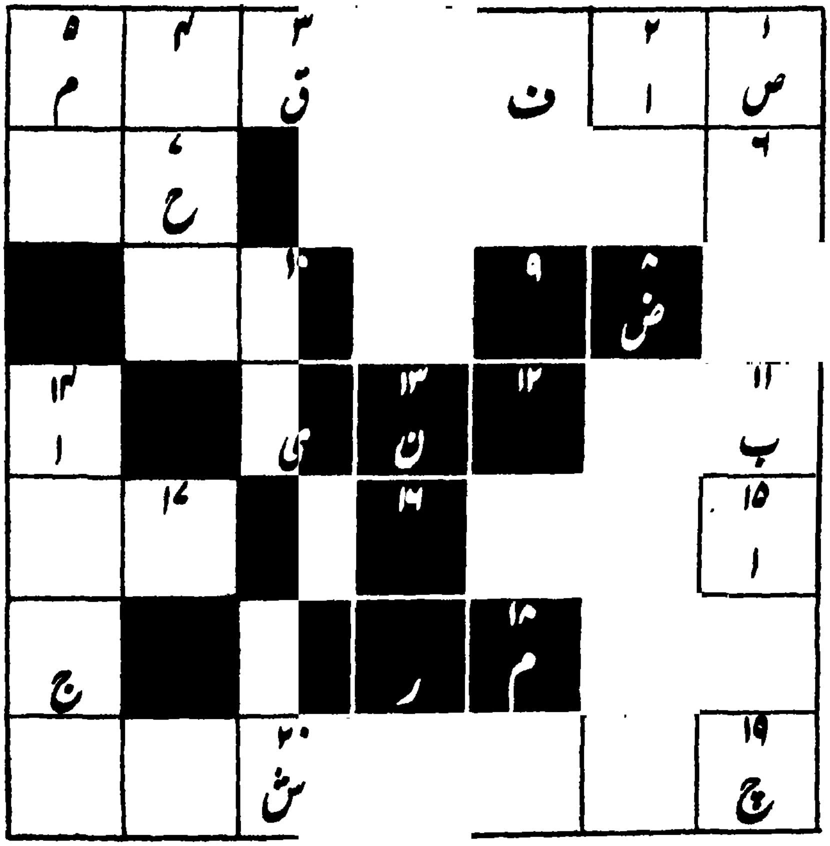
گذشتہ زمانے میں اس کان میں آسٹریا کا شاہی خاندان سیر و تفریح کرنے آیا کرتا تھا اس وقت کان کی شان ہی کچھ اور تھی۔ اس کو روشن کیا جاتا تھا۔ بڑے بڑے عالی شان فانوس آویزاں کئے جاتے تھے، اور اس میں نازک اور خوب صورت پردے لٹکائے جاتے تھے مختلف کمروں میں باجا بجتا تھا۔ اور اس کان میں انوکھی بہار ہوتی تھی۔

اکثر پانی کے نہ ملنے کی وجہ سے ہزاروں جانیں ضائع ہو جاتی ہیں۔ اب ایک سائنس کے ماہر نے ایک چھوٹا سا آلہ ایجاد کیا ہے۔ یہ انسان کی سانس کو جما دیتا ہے۔ آلہ چھوٹے سے بکس کی صورت میں ہے۔ یہ کمر میں باندھ لیا جاتا ہے۔ اس میں ایک نلکی بھی لگی ہوتی ہے اگر کسی وقت پانی نہ ملے تو انسان اسی جمی ہوئی سانس کے ذریعے تسکین حاصل کر سکتا ہے۔

معمّہ نمبر ۸

پہلا انعام لعے

دوسرا انعام للعہ



اشارات

دائیں سے بائیں

۱- ہر معما ...... ستھرا حل کرکے بھیجیے۔

۳- .... کھانے کی عادت بُری ہے۔

۶- موتی

اوپر سے نیچے

۱- شو

۲- زمین

۴- صبح

۔ انتہا
۔ بچّوں کی مشہور ہے۔
ا۔ اوپر
ا۔ دولت کی پروانہ کرنے والا۔
ا۔ افسوس اور تعجب کے وقت یہ لفظ مُنہ سے نکل جاتا ہے
ا۔ ...... سے ڈرنا آخر کیوں؟
ا۔ مہربانی کے ہم معنی لفظ (بے ترتیب)
ا آرام
ا۔ صبح گذری ..... ہونے آئی میر
تو نہ چیتا اور بہت دن کم رہا

۵۔ ...... جذر کو جوار بھاٹا بھی کہتے ہیں۔
۹۔ توپ کے چلنے کو ...... جانا بھی کہتے ہیں۔
۱۱۔ پنجاب کا ایک دریا (نیچے سے اوپر)
۱۳۔ روشن
۱۴۔ ستارہ
۱۸۔ دل

قواعد

۱۔ تمام مدرسوں کے بچے حل کرنے میں حصہ لے سکتے ہیں۔ اُستاد کی تصدیق ضروری ہے۔
۲۔ ایک حل کے ساتھ ایک آنے کا ٹکٹ آنا ضروری ہے۔
۳۔ ایک سے زائد حل بھی بھیجے جا سکتے ہیں۔ چار حلوں کی رعایتی فیس ۳ر ہے
۴۔ دونوں انعام تقسیم کر دئے جائیں گے۔ قرعہ اندازی نہیں ہوگی
۵۔ تمام حل ۲۰ر جون تک دفتر پیام تعلیم مکتبہ جامعہ دہلی پہنچ جانا چاہئیں
۶۔ ایڈیٹر کا فیصلہ قطعی ہوگا
۷۔ لفافے کے بائیں کونے پر لفظ معما لکھ دیا جائے۔
۸۔ نام اور پتہ پورا اور صاف لکھو۔

معما نمبر ۷ کا صحیح حل

معما نمبر ۷

س	و	■	ر	ا	ک	پ
■	ک	چ	■	د	ا	ی
ا	ہ	و	ل	■	م	ا
ز	■	ر	■	ر	■	س
ا	ن	■	ز	ا	د	ا
د	ی	ع	■	ع	ط	■
ی	ل	و	ہ	■	ن	ب

پیام برادری

آپا جان

عزیز بچیو اور بچو! خوش رہو اور تندرست۔ آج کل گرمی خوب پڑ رہی ہے خاص کر دلی میں تو جیسے آگ برس رہی ہو۔ بہت تکلیف پہنچانے والا موسم ہے۔ مگر اس سے ہمیں فائدے بھی ہیں۔ تمھیں معلوم ہے گرمی میں پسینہ خوب نکلتا ہے۔ پسینے کے ساتھ ہی بہت سا میل کچیل بھی باہر آجاتا ہے پھر لوہ اور گرمی کی وجہ سے آب و ہوا بہت صاف ہو جاتی ہے مگر آج کل ذرا احتیاط کی ضرورت بھی ہے۔ رات کا پکا ہوا باسی کھانا نہیں کھانا چاہیئے۔ دن کے وقت گھر سے باہر جانا ہو تو خوب پانی پی لیا کرو اور گلے میں کپڑا لپیٹ لیا کرو۔ لوہ نہیں لگے گی۔ اگر خدانخواستہ لو لگ جائے تو آسان نسخہ یہ ہے کہ کچّا آم بھوبھل میں بھلبلا لیا اور شربت بنا کر پی لیا۔ شربت زیادہ ٹھنڈا نہ کرنا۔ آج کل نہانا بھی خوب چاہیئے خصوصاً صبح کو تو ضرور نہانا چاہیئے۔

تمھیں یہ سُن کر خوشی ہوگی کہ عزیزی منور حسین صدیقی۔ عزیزہ صالحہ سبحانی اور عزیزہ آمنہ صدیقہ کی کوششوں سے حیدرآباد میں لڑکیوں کی شاخ قائم ہوگئی ہے۔ عزیزہ افضل سلطانہ اطلاع دیتی ہیں کہ ۲ مئی کو پیام برادری کا جلسہ زہرہ جعفری صاحبہ کی صدارت میں منعقد ہوا۔ یہ عہدے دار چُنے گئے۔ صدیقہ فاطمہ، صدر۔ افضل سلطانہ، سکریٹری۔ طیبہ خاتون، نائب سکریٹری۔ رحیم النسا، خزانچی۔ پہلے صالحہ سبحانی نے نہایت خوش الحانی سے قرآن کی آیتیں پڑھیں۔ پھر صدر صاحبہ نے پیام برادری کے فائدے بتائے اور دوسرے ملکوں میں بچوں کی جو برادریاں قائم ہیں اُن کے حالات سُنائے اور لڑکیوں کو پیام برادری کے جلسے میں پابندی سے شریک ہونے کی تاکید کی۔ اس کے بعد عنوان "پیام برادری سے ہمیں کیا فائدے ہوتے ہیں" پر تقریری مقابلہ ہوا۔ رشید فاطمہ اور صغرا سلطانہ کی تقریریں پسند کی گئیں۔ ان کے علاوہ کئی تقریریں اور مکالمے اور ہوئے۔ فیروزہ نے ڈاکٹر اقبال مرحوم کی نظم نیا شوالہ اور زہرا بیگم نے حالی کی مشہور نظم " وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا" بہت اچھی طرح گا کر پڑھی دو تین نظمیں اور خیر النسار ذاکرہ بیگم اور طیبہ خاتون نے پڑھیں آیندہ جلسے کے لئے تقریر کا

عنوان "موجودہ جنگ کا اثر ہندوستان پر" تجویز کیا گیا اور جلسہ کامیابی کے ساتھ برخاست ہوا۔

سکریٹری صاحب پیام برادری نئی دہلی اطلاع دیتے ہیں کہ شاخ پیام برادری نئی دہلی کی سالانہ کانفرنس [illegible] اپریل کو ہوئی۔ دو انگریزی اور ایک اردو ڈراما دکھایا گیا اور تقریریں وغیرہ ہوئیں۔ [illegible] اپریل کو مظہر حسین صاحب کی صدارت میں ایک انتظامی جلسہ ہوا۔ اس میں یہ تجویزیں پاس ہوئیں :۔

(۱) پیام تعلیم کے معموں کی آخری تاریخ پندرہ ہونی چاہیے (۲) قلمی رسالہ جلد تیار کیا جائے (۳) آپا جان سے گذارش کی جائے کہ وہ ترکی کے مصیبت زدہ لوگوں کے لئے چندے کی اپیل کریں۔

معما نمبر ۶ کا حل کسی بچے نے صحیح نہیں بھیجا ایک غلطی کرنے والوں کی تعداد بہت زیادہ ہے ان سب کے نام نمبروار نیچے لکھے جاتے ہیں :۔

۱۔ زاہد حسن منظور۔ گوکل پورہ
۲۔ سلطان احمد۔ کلکتہ
۳۔ امتیاز محمد۔ پانی پت
۴۔ ظفر علی۔ جامعہ ملیہ
[illegible] صلاح الدین۔ قرول باغ
[illegible] سلیمہ۔ بیگم روڈ، لاہور
[illegible]۔ سید ابوالنصر فیض الدین۔ رجہت گیا
[illegible]۔ مسعود احمد خاں شروانی۔ علی گڑھ
[illegible] عمر بن سالم۔ حیدر آباد دکن
[illegible]۔ امتیاز حسین۔ حیدر آباد دکن
[illegible] سعید عالم۔ سہارن پور
[illegible] سید محمد اجمل بہاروی۔ جامعہ ملیہ
[illegible]۔ نور عالم۔ آگرہ
[illegible] فیض الزماں۔ اندور
[illegible]

۱۶۔ سید محمد صفی اللہ۔ پٹنہ
۱۷۔ ظفر حسین خاں۔ شاہ آباد (ہردوئی)
۱۸۔ شمیم فاطمہ۔ گوالیار
۱۹ سید رشید احمد۔ فرخ آباد
۲۰۔ مس اقبال بانو۔ بنگال
۲۱۔ کرشن بہاری۔ نواب گنج، بارہ بنکی
۲۲۔ محمد عبدالعلیم۔ پاہری۔ دکن
۲۳۔ سید فخر عالم۔ پٹنہ
۲۴۔ محمد لئیق احمد صدیقی۔ خیریت آباد۔ دکن
۲۵ خواجہ صلاح الدین " "
۲۶۔ عزیز فاطمہ۔ سہارن پور
۲۷۔ محمد حسین۔ الہ آباد
۲۸۔ عزیز مسعود خاں۔ ایم نگر (یوپی)
۲۹ محمد عبدالقادر۔ ناندیڑ (دکن)
۳۰ قمرالدین۔ سیالکوٹ

۳۱۔ نسیم فاطمہ ۔ بارہ بنکی
۳۲۔ منیرہ بانو ۔ لکھنؤ
۳۳۔ راجہ میاں ۔ پربھنی
۳۴۔ محمد سخار الرّب ۔ کان پور
۳۵۔ سعدیہ سلطانہ ۔ حیدرآباد دکن
۳۶۔ طاہرہ بیگم نظامی ۔ فرخ آباد
۳۷۔ پروین نگار ۔ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ
۳۸۔ محمد وقار احمد خاں ۔ حیدرآباد دکن
۳۹۔ محمد اعظم ″
۴۰۔ مس جمیلہ خاتون ۔ بہار شریف
۴۱۔ محمد یسین ۔ جھانسی
۴۲۔ انیس ہاجرہ خاتون ۔ گورکھ پور
۴۳۔ زاہد حسین ۔ دہرہ دون
۴۴۔ اقبال احمد ۔ امروہہ
۴۔ محمد انیس الاسلام ۔ جامعہ نگر
۴۔ سید رشید الدین ۔ احمد نگر (دکن)
۴۔ حافظ محمد امین ۔ مچھلی شہر
۴۔ اویس قریشی ۔ رام پور اسٹیٹ
۴۔ ماجد اشہد حسین قدوائی ۔ گورکھ پور
۵۔ محمد اشفاق ۔ نئی دہلی
۵۔ سلطانہ مسیح ۔ فتح گڑھ
۵۔ چودھری عبدالغفار خاں ۔ لکھنؤ
۵۱ سید حماد الدین ۔ بھاولپور

۵۴۔ ماجد حسین قادری ۔ آگرہ
۵۵۔ محمد اقبال ″ نام پلی (دکن)
۵۶۔ نہال الدین ۔ شاہ آباد (بہار)
۵۷۔ سارہ بائی ابراہیم ۔ بمبئی ۳
۵۸۔ محمد سعید عالم ۔ کلکتہ
۵۹۔ فرل اللہ کرمانی ۔ اٹاوہ
۶۰۔ اختر الزماں ۔ کریم نگر (دکن)
۶۱۔ صدیق امین خاں ۔ فیض آباد
۶۲۔ محمد عبدالحکیم ۔ گلبرگہ شریف
۶۳۔ ہربجن سنگھ بچھرڑی ۔ (سی پی)
۶۴۔ محمد حارث جعفری پٹنہ
۶۵۔ تاج محمد ۔ بھوپال
۶۶۔ احسان الحق ۔ جامعہ ملیہ
۶۷۔ بی بی سائرہ خاتون ۔ بلاسپور (دربھنگہ)
۶۸۔ سعیدہ خانم ادھمی ۔ بالسی (دہلی)
۶۹۔ عبداللہ ۔ شملہ
۷۰۔ حمید اللہ ۔ ″
۷۱ زرینہ خاتون سری نگر (کشمیر)
۷۲۔ طارق ابن علی ۔ جامعہ نگر
۷۳۔ محمد احسن صدیق ۔ بدایوں
۷۴۔ نسیم احمد ۔ نئی دہلی
۷۵۔ نورالرحمٰن نقوی ۔ سرونج مالوہ (ٹونک)
۷۶۔ سید نفیس احمد ۔ [illegible]

۷۷۔ اسلام اعظم خاں۔ لکھنؤ
۷۸۔ راضیہ بیگم۔ الہ آباد
۷۹۔ محمد حسین ″
۸۰۔ مشحون احمد۔ لکھنؤ
۸۱۔ مجیب الرحمٰن۔ اترولہ (گونڈا)
۸۲۔ عبدالواحد خاں۔ خورجہ (بلند شہر)
۸۳۔ حسن صالح۔ بہار شریف (پٹنہ)
۸۴۔ شیخ ممتاز مسعود۔ علی گڑھ
۸۵۔ نواب سرفراز علی۔ اندور سٹی
۸۶۔ سید غلام حیدر رضوی۔ الہ آباد
۸۷۔ احمد نواز خاں۔ کوٹھکی بھاول۔ منٹگمری

ایک غلطی کرنے والے بچوں کا انعام صرف للعہ روپئے ہے۔ ہمیں انعام بھیجنے میں بہت دقت ہوگی اس لئے یہ بچے اور بچیاں معمّا نمبر ۶ کا ایک ایک حل مفت بغیر فیس کے بھیج دیں۔ ہاں اس وقت جس نمبر کے ساتھ انکا نام چھپ رہا ہے اس نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔ یہ بچے چار حل بجائے ۸ر کے دو آنے میں بھیج سکتے ہیں۔

معمّا بنانے والے صاحب نے اس مرتبہ کچھ اور ہدایتیں بھیجی ہیں انھیں میں نیچے نقل کرتی ہوں وہ لکھتے ہیں بچے اگر ان چند باتوں کا خیال رکھیں تو حل بہت زیادہ صحیح ہوا کریں۔

۱۔ معمّا پہلے ردی کاغذ پر حل کیا کرو
۲۔ جب حل کر چکو تو اسے کئی بار دیکھو
۳۔ خانے میں حرف لکھ کر نہ کاٹو
۴۔ حرف صاف لکھو
۵۔ ایک خانے میں دو حرف ہرگز نہ لکھو ایسی ضرورت پیش آجائے تو الگ حل بناؤ۔
۶۔ معمّا خانوں ہی میں حل کرنا چاہئے بعض بچے ایک کے نیچے ایک حل کرکے روانہ کرتے ہیں یہ ٹھیک نہیں۔
۷۔ یہ ضروری نہیں کہ معمّا پیام تعلیم ہی میں سے کاٹ کر بھیجو الگ کاغذ پر بھی خانے بنا کر بھیج سکتے ہو۔
۸۔ جس کاغذ پر حل بھیجو اس پر اپنا پورا پتہ بہت صاف اور خوش خط لکھو[1]
۹۔ حل کے ساتھ بعض بچے ٹکٹ رکھنا بھول جاتے ہیں یا اسی قسم کی کوئی اور غلطی کر بیٹھتے ہیں اس لئے حل روانہ کرنے سے پہلے یہ بات غور سے دیکھ لو کہ آیا تم نے ان قاعدوں کی جو حل کے لئے ضروری ہیں پابندی کی ہے یا نہیں۔

امید ہے کہ بچے معمّا حل کرتے وقت ان باتوں کا خیال رکھیں گے۔ اس مرتبہ کسی اور جگہ جگ بیتی پر ایک مضمون شائع ہو رہا ہے اس لئے میں نے کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔

اچھا اب رخصت آپا جان

[1] حل کے بارے میں شکایتیں نام چھپنے کے بعد پندرہ دن تک آجانی چاہئیں۔ اس کے بعد حل ردی کر دئے جاتے ہیں۔

پیام تعلیم

مکتبہ جامعہ دہلی

چھوٹے بچوں کی کتابیں

ہمارے نبی:۔ ہمارے پیارے نبی کی پاک زندگی کی کہانیاں آسان اور دلچسپ زبان میں لکھی گئی ہیں۔ قیمت ۳ر

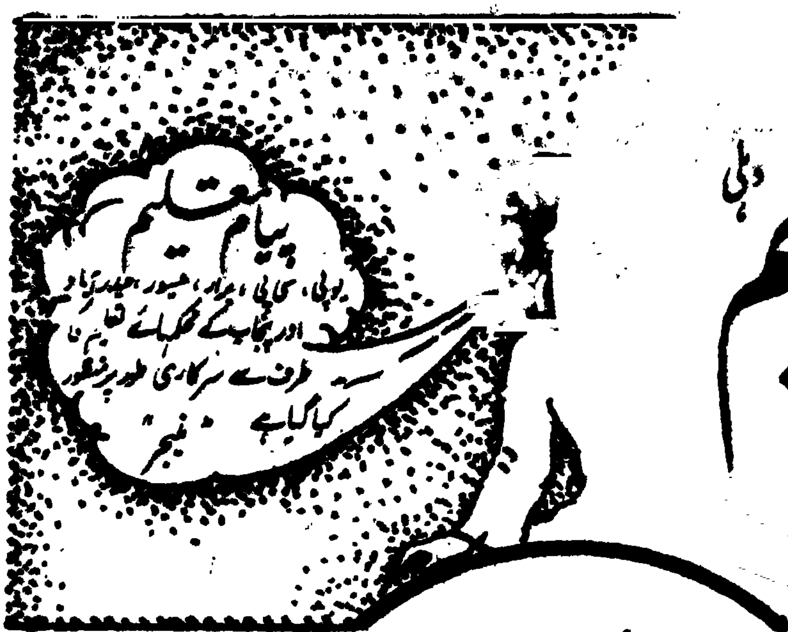
آخری نبی:۔ رسول مقبول کے مختصر مگر جامع حالات۔ چھوٹے چھوٹے جملے۔ اور ہلکے پھلکے الفاظ میں لکھے گئے ہیں۔ قیمت ۲۰ر

رسول پاک:۔ اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ رسول پاک کون تھے۔ کیسے تھے اور کیا سکھایا۔ قیمت ۵ر

چاریار:۔ حضرات خلفاء راشدین یعنی حضرت ابوبکر۔ عمر۔ عثمان۔ علی رضوان اللہ علیہم کے سبق آموز اور دلچسپ حالات۔ قیمت ۶ر

عقائد اسلام:۔ یہ رسالہ اسلامی عقائد سکھانے کے لئے آسان زبان میں لکھا گیا ہے۔ قیمت ۱۰ر

ارکان اسلام:۔ اس میں اسلام کے پانچوں ارکان آسان زبان میں بتلائے گئے ہیں۔ قیمت ۲۰ر



پیام تعلیم
دہلی

جلد - ۲۳ | جولائی سنہ ۱۹۴۰ء | نمبر - ۷

فہرست مضامین

ایڈیٹر۔ محمد حسین حسان
قیمت سالانہ ۲؍ - فی پرچہ ۳؍

بچوں سے باتیں

ایڈیٹر

پیام تعلیم کے سال گرہ نمبر کے بارے میں ہم نے
امیوں سے رائیں مانگی تھیں بہت سے بچوں نے اپنی اپنی
ئیں بھیجی ہیں۔ ہم ان کا دلی شکریہ ادا کرتے ہیں اُمید ہے
دوسرے پیامی بھی اس طرف توجہ کریں گے۔

اس مرتبہ کاغذ اور چھپائی کے دوسرے سامانوں کی
مگائی نے ہمارے کام کو بہت مشکل بنا دیا ہے۔ پھر
تاہم سال گرہ نمبر کو ہر اعتبار سے دلچسپ اور مفید
نے کی پوری کوشش کریں گے۔

اس مرتبہ بعض اہم اور دلچسپ مضمون دیر
پہنچنے کی وجہ سے اس پرچے میں نہ نکل سکے ان میں
مل الدین صاحب اثر کا مضمون موٹر کی ایجاد، محترمہ
رہ بیگم کا مضمون اور سے شکر۔ جناب شفیع الدین
احب کا مضمون "آم" خاص طور سے ذکر کے قابل
۔ آم والا مضمون شفیع الدین صاحب نے ہماری
رواست پر لکھا تھا۔

اب یہ سب مضمون اگلے پرچے میں چھپیں
گے۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت دلچسپ مضمون
کہانیاں اور نظمیں ہوں گی۔

بعض پیامی منع کرنے پر بھی معمّے کے حل کے
ساتھ خط یا مضمون وغیرہ بھیج دیا کرتے ہیں اور جب انھیں
کوئی جواب نہیں ملتا یا کسی فرمائش کی تعمیل نہیں ہوتی
تو شکایت کرتے ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ آئندہ وہ
احتیاط رکھیں گے۔

پیامیوں کو یہ سُن کر خوشی ہوگی کہ اُن کا پیام تعلیم
برابر آگے بڑھ رہا ہے پہلے اس کا ایک ہی ایڈیشن چھپتا
تھا اب اس کے علاوہ تین ایڈیشن اور چھپتے ہیں۔ ایک
یوپی کے ان پڑھ بالغوں کے لئے دوسرا پنجاب کے بالغ
مبتدیوں کے لئے اور تیسرا ریاست ابد مدت حیدرآباد کے
پیامیوں کے لئے۔ خدا سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اپنے بچوں اور
بڑوں کی زیادہ سے زیادہ خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔



برسات



محمد شفیع الدین صاحب نیّر

برسات کی رت آئی | چلنے لگی پروائی
لو اُٹھ کے وہ پورب سے | گھنگھور گھٹا چھائی

بادل کی گرج سن کر | ہل جاتے ہیں دل اکثر
بجلی کے چمکنے سے | ہے آنکھ بھی چندھیائی

مدت سے تھی یہ خواہش | لو ہونے لگی بارش
پہلے تو پڑیں بوندیں | پھر موسلا دھار آئی

کافور ہوئی گرمی | ہر چیز میں ہے نرمی
سرسبز ہوئے جنگل | باغوں میں بہار آئی

ہے کھیتوں میں سیرابی | ہے دھوپ کی نایابی
بیدار ہوئے پودے | لینے لگے انگڑائی

ہر سمت بھرا پانی | نالوں میں ہے طغیانی
گویا کہ سمندر نے | کھیتوں میں جگہ پائی

موروں میں تھرکنے کا | اک ذوق ہوا پیدا
جب آم کے پیڑوں سے | کوئل کی صدا آئی

پیڑوں میں پڑے جھولے | سب رنج و الم بھولے
بچوں نے مزے لے کر | نیّر کی غزل گائی





پیام تعلیم کے خاص شاعر جناب مولوی شفیع الدین صاحب کے صاحب زادے عزیزی صالح میاں سلمہ نے یہ سہرا ہندوستان کے مشہور خوش نویس جناب منشی عبدالقدیر صاحب کے صاحب زادے مختار [illegible] کی شادی کے موقع پر پڑھا سب لوگوں نے اسے بہت پسند کیا۔ پیامیوں کی دلچسپی کے لئے ہم اسے یہاں لکھتے ہیں۔

"ایڈیٹر"

سنئے بھائی جان کا سہرا
سہرا اُن کے سر پہ بندھا ہے
پھول ہیں اُس کے پیارے پیارے
عیش کی ساعت آئے گی اب
آئیں گی بھابھی جان ہماری
دعوت خوب اُڑائیں گے ہم
اے اللہ! مری یہ دعا ہے
بھابھی اور یہ ہمارے بھائی

ہے یہ نرالی شان کا سہرا
آج تو اُن کے سر سہرا ہے
جیسے ہوں رنگین ستارے
دل کی کلی کھل جائے گی اب
اچھی اچھی پیاری پیاری
ڈٹ کے مٹھائی کھائیں گے ہم
سن لے تو سب کی سنتا ہے
اور ان دونوں کے شیدائی

شاد رہیں مسرور رہیں سب
رنج اور غم سے دور رہیں سب

زرد چمپا

زاہد سعید - پونا۔

(۲)

ان لفظوں کے ختم ہوتے ہی تمام مکان میں زبردست آگ لگ گئی اور سلیمان حسرت بھری نگاہوں سے کبھی سلطانہ اور کبھی مکان کو دیکھتا ہوا ایک طرف کو چلا گیا اور سلطانہ دوسری طرف کو روانہ ہو گئی۔ اسے خبر نہ تھی کہ وہ کہاں اور کیوں جا رہی ہے۔ چمپا بھی خاموش فراک کے ایک کونے میں لٹکی رہی۔ سلطانہ نے بہت کوشش کی لیکن کسی نے بھی اس کو چمپا کی وجہ سے اپنے گھر میں نہ رہنے دیا۔ چلتے چلتے وہ ایک جنگل میں جا پہنچی خوش قسمتی سے وہاں چند پھلوں کے درخت تھے جن سے اس نے پھل توڑ کر کھائے اور قریب کی ندی سے تھوڑا سا پانی پیا۔ دن بھر کی تھکن سے چور چور ہو کر وہ وہیں پڑ کر سو رہی۔ اتفاق سے اس وقت شہزادہ جمیل شکار کھیل کر واپس جا رہا تھا جب وہ اس کے قریب سے گذرا تو ایسے گھنے جنگل میں ایک سوتی ہوئی لڑکی کو دیکھ کر اسے بہت حیرانی ہوئی۔ اس نے اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہو کر کہا "کیسے تعجب کی بات ہے کہ ایسے گھنے جنگل میں ایک لڑکی بے خبر سو رہی ہے۔ اس کی خوب صورت پوشاک اور حسین چہرے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی شہزادی ہے۔" پھر سب سے پوچھا کہ اس کو محل تک کیسے لے چلیں۔ ایک ساتھی نے کہا "ملائم شاخوں کا ایک بستر بنایا جائے اور اس پر لٹا کر اسے محل تک لے چلیں۔" سب نے جلدی سے بستر تیار کیا اور شہزادے نے شاخوں اور ملائم پتوں پر اپنا جبہ بچھا کر لٹا دیا۔ اس وقت سلطانہ خواب میں شہزادہ جمیل اور اپنے باپ کو دیکھ رہی تھی۔ سوتے میں بڑبڑانے لگی "ہاں ابا جان! ہم آپ بچ گئے .... ہاں ..... وہ ہے شہزادہ جمیل ...." شہزادے کو تعجب ہوا کہ یہ کون ہے جو اسے جانتی ہے۔ لیکن وہ اس کو نہیں پہچانتا۔

صبح سویرے سلطانہ کی آنکھ کھلی تو کیا دیکھتی

ہ بجائے دریا کے کنارے کے محل کے گدوں پر آرام
بی ہوئی ہے۔ بہت حیران ہوئی اور اپنے دل میں
لگی "یا الٰہی میں خواب تو نہیں دیکھ رہی ہوں!"
ں نے شہزادے کو خبر دی کہ سلطانہ جاگ گئی ہے
ہ جیسے ہی آیا سلطانہ نے پہچان لیا کہ یہ وہی
دہ ہے جسے اس نے خواب میں دیکھا تھا۔ اور اس
ت بے ساختہ "شہزادہ جمیل" نکل گیا۔ شہزادے
بھی تعجب ہوا اس نے پوچھا "تم کون ہو جو مجھ کو
ہو اور میں تم کو بالکل نہیں جانتا" سلطانہ نے
ارا حال کہہ سنایا۔ زرد چوہیا سے نجات
دونوں بہت خوش ہوئے اور ناشتہ کرنے کے بعد
ں تفریح کرنے چلے گئے۔ شہزادے نے دو ہی دن
لطانہ کو تقریباً تمام چیزیں دکھا دیں۔ تیسرے دن
ں ٹہلتے ٹہلتے باغ کے ایک خوب صورت کونے
لے۔ جہاں ایک چھوٹے سے پودے کے چاروں
پڑا لپٹا ہوا تھا۔ سلطانہ نے پوچھا کہ یہ کس چیز کا
ہے؟ شہزادے نے جواب دیا "یہ تمہاری
ہ کا تحفہ ہے اور عین سال گرہ کے موقع پر
ایا جائے گا۔ یہ ملکہ پری نے تمہاری بندرہویں
ہ کی خوشی میں دیا ہے۔ دیکھو تم اس کے دیکھنے
شش نہ کرنا۔ ورنہ ہم دونوں پر بہت مصیبت
" سلطانہ نے کہا "اچھی بات ہے میں اس کو
وں گی۔ اور نہ دو دن کی تو بات ہی ہے"

شام ہو گئی تھی۔ دونوں محل واپس چلے گئے۔ دوسرے دن صبح سویرے سلطانہ نہائی دھوئی تیار ہو کر کھڑی ہوئی تھی کہ اس کو اسی پودے کا خیال آیا۔ اس نے کھڑکی سے جھانک کر دیکھا کہ باغ کا کچھ عجیب پرلطف سماں ہے تمام پودے ہوا کے ہلکے جھونکوں سے جھوم رہے ہیں اور وہ پودا جو کپڑے سے ڈھکا ہوا تھا باوجود کپڑے کے ایسا خوب صورت معلوم ہو رہا تھا کہ سلطانہ کا دل باغ باغ ہو گیا اور اس نے جی میں کہنا شروع کیا "کیسا خوب صورت پودا ہے۔ نہیں معلوم اس میں کیا خاص بات ہے جو ملکہ پری نے مجھے تحفے میں دیا ہے .... کل آپ ہی معلوم ہو جائے گا .... کل میری سال گرہ ہے .... کل اپنا پودا دیکھ لوں گی۔
... اگر چاہوں تو ابھی دیکھ سکتی ہوں .... اپنے سے .... کوئی ہے بھی نہیں ....
.... لاؤ چھید میں سے جھانک کر دیکھ لوں ...."
یہ سوچ کر وہ فوراً کھڑکی سے کود کر درخت کے پاس جا پہنچی۔ وہ انگلیوں سے چھید کو ذرا بڑا کر کے اندر جھانکنا چاہتی تھی۔ چھید ابھی تھوڑا تھوڑا ہی سا بڑھ پایا تھا کہ بجلی گرنے کی آواز آئی اور خوب صورت پودا دکھائی دینے لگا اس کا تنا یاقوت کا، ٹہنیاں لعل کی، پتے زمرد کے اور اس پر موتیوں کے خوشے لگے ہوئے بڑے اچھے معلوم ہو رہے تھے۔ محل میں فوراً آگ لگ گئی تمام چیزیں جل اٹھیں۔ محل کی دیواریں گرنے لگیں۔ شہزادہ

خون میں لتھڑا ہوا باہر نکلا اور چیخ چیخ کر سلطانہ سے کہنے لگا" آہ سلطانہ! تم خود برباد ہوئیں اور مجھے بھی تباہ کر دیا" سلطانہ بے ہوش ہو کر گر پڑی۔ دو منٹ کے بعد زرد چوہیا اُس کے سامنے آ کر ناچنے اور کہنے لگی "پیاری سلطانہ تم کیسی اچھی ہو۔ شاباش! شاباش!!" سلطانہ نے اپنا مُنہ ہاتھوں سے ڈھک لیا اور زار زار رونے لگی۔ اس نے دھیمی آواز میں کہا" ہاں اپنی ہی غلطی سے میں نے یہ سزا پائی۔ لیکن ایک امتحان اور بھی تو ہے۔ .... اللہ مالک ہے ...."

سلطانہ زمین پر لیٹ رہی۔ چوہیا نے گھسیٹنا چاہا لیکن وہ نہ ہلی۔ چوہیا پھر غائب ہو گئی۔ شام کا وقت ہو گیا۔ سلطانہ گم سم نہ معلوم کس خیال میں بیٹھی تھی کہ ادھر سے ایک بوڑھی عورت گذری۔ وہ تھکی ہوئی معلوم ہو رہی تھی۔ اس کے ہاتھ میں ایک سیاہ بکس تھا۔ بوڑھی عورت رُک گئی اور سلطانہ سے کہنے لگی" کیا تم یہ میرا بکس دو گھنٹے کے لئے رکھ سکتی ہو؟" سلطانہ نے کہا" بڑی خوشی سے" بوڑھی عورت نے سیاہ بکس دیتے ہوئے کہا" دیکھو اسے کھولنا نہیں ویسے اس میں ایسی عمدہ اور خوبصورت چیز ہے کہ تم نے کبھی دیکھی ہے اور نہ دیکھو گی ......" یہ کہہ کر بوڑھی عورت چلی گئی۔ سلطانہ نے بکس کو اُلٹ پلٹ کر دیکھا اور پھر رکھ دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد جب اندھیرا ہو چکا تھا سلطانہ نے بکس کی طرف دیکھا۔ اس کے اندر سے کسی چیز کی روشنی نکل رہی تھی

سلطانہ نے غور سے دیکھا اور اُٹھا کر الٹ پلٹ کر پھر دیکھنے لگی۔" کیا ہے؟ اس کے اندر" اس نے اپنے دل میں کہا۔ پھر جب اسے شہزادے اور اپنے باپ کا خیال آیا تو کہنے لگی" اونہہ ہوگا کچھ .... مجھ سے کیا مطلب .... میری تھوڑی ہے .... دوسروں کی چیز .... کل میں پندرہ برس برس کی ہو جاؤں گی ...... ابا جان سے ملاقات ہو گی .... شہزادے سے بھی ملوں گی .... اُف کتنی بڑی رات ہے بوڑھی عورت کیوں نہیں آئی ...." اس نے بکس رکھ دیا اور کچھ سوچنے لگی" بہت دیر ہو گئی قریب قریب ڈیڑھ گھنٹہ اور گذر گیا لیکن بوڑھی عورت نہ آئی" تھوڑی دیر کے بعد زرد چوہیا دوڑتی ہوئی آئی اور کہنے لگی" سلطانہ! دیکھو اس کے اندر کیا ہے؟ ارے بڑی اچھی چیز ہے .... نہیں دیکھتی ہو تو ادھر دیکھو ہم ہی دکھا دیں۔ ارے ادھر تو دیکھو ...." لیکن سلطانہ نے نہ دیکھا چوہیا نے پھر کہا" مجھ سے ڈرو نہیں۔ سلطانہ اِدھر دیکھو" لیکن پھر سلطانہ نے اپنا مُنہ دونوں ہاتھوں سے چھپا لیا اتنے میں پاس کے گھنٹہ گھر نے بارہ بجانے شروع کر دئے۔" ٹن ...... ٹن ...... ٹن ....

پہلی ہی آواز میں چوہیا نے کہا" آہ سلطانہ!! تمھاری عمر پندرہ سال کی ہو گئی .... تمھاری سا

ن آگیا...... ..... آہ ! اب میں ہمیشہ ہمیشہ کے
چوہیا بنی رہوں گی .... نو میں گئی....
..... !" سلطانہ نے چہرے سے جو ہاتھ اُٹھایا تو
بیا کو بھاگتے ہوئے دیکھا۔ بس یہاں سے غائب
اور ملکہ پری کو آٹھ گھوڑوں کی گاڑی پر اپنی طرف
ے ہوئے دیکھا۔

ملکہ پری اس کے قریب اُتری اور اپنے پاس
لطانہ کو بٹھا لیا۔ اسے ایک سیب دیا اور کہا" پیاری
لطانہ یہ سیب کھالو تو اس سے تمہاری تھکن دور
جائے گی اور ہمارے ساتھ شہزادے کے محل پر
" سلطانہ نے ایک آہ بھرتے ہوئے کہا" وہ محل تو
ر خاک ہو گیا "

ملکہ پری نے کہا" نہیں وہ تو میں نے تمہارے دکھانے کے لئے کر دیا تھا۔ محل بالکل صحیح و سالم ہے اتنے میں گاڑی شاہی محل پر رک گئی۔ شہزادہ اور سلیمان کھڑے اُن کا انتظار کر رہے تھے۔ سلطانہ دوڑ کر اپنے باپ سے لپٹ گئی اور پھر شہزادے کی طرف مخاطب ہوئی۔ شہزادے کی باتوں سے معلوم ہوا کہ اس کو کوئی تکلیف نہیں پہنچی تھی۔ اور وہ صحیح سلامت تھا۔ اسی دن شام کو دولہن کی شادی ہو گئی۔ ملکہ پری نے جواہرات کے پودے کے علاوہ اور بہت سے تحفے دیے ٭

بجیا اور عطیہ

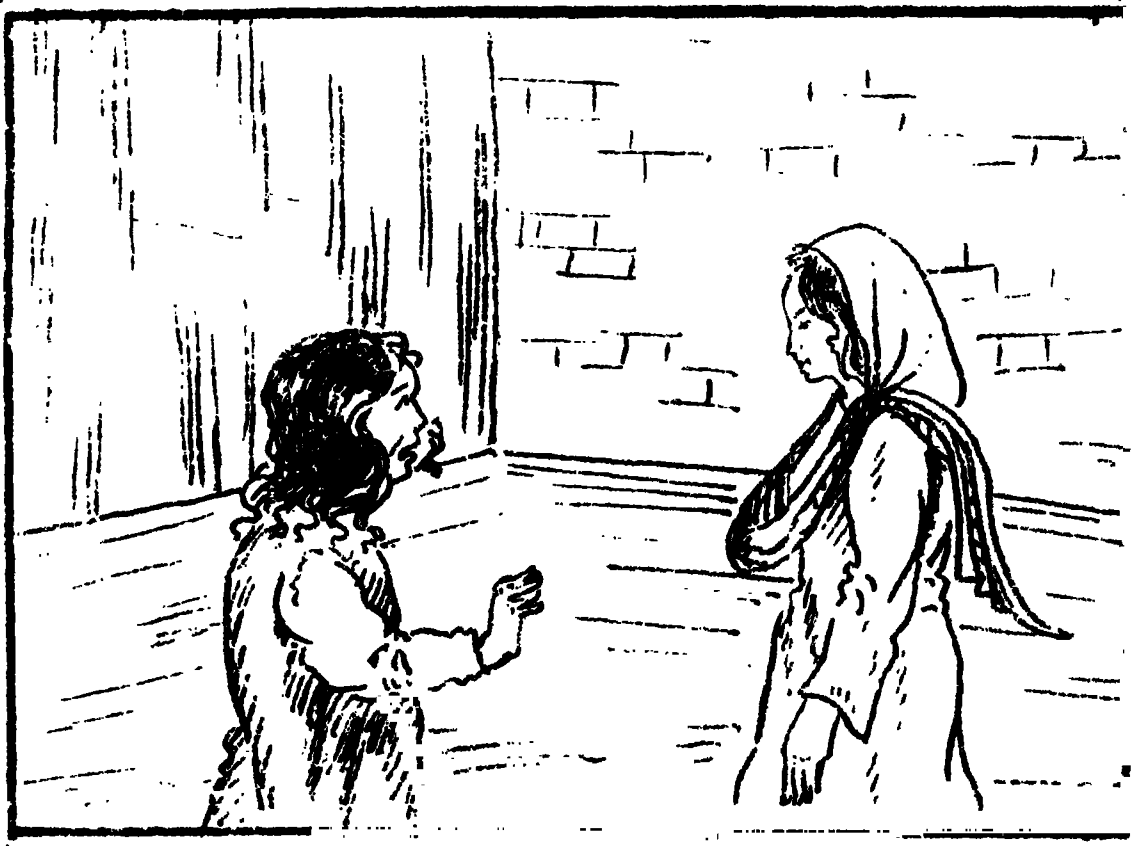
محترمہ مریم خلیل لکھنؤ

مری انگلی میں کیوں کاٹا ؟ | مجھے لکڑی سے کیوں مارا ؟
مرے بالوں کو کیوں کھینچا ؟ | مرے کانوں کو کیوں نوچا ؟
ہوئی غلطی مری بجیا
مگر اب کی اگر نوچا تو میں تم سے نہ بولوں گی

بھلا یہ کیا شرارت ہے ؟ | کہاں کی یہ حماقت ہے !
کہ میرا کھیل کا ڈبّا | زمیں پر لے کے دے پٹکا !
ہوئی غلطی مری بجیا
مگر اب کی اگر پٹکا تو میں تم سے نہ بولوں گی

مرا اونٹ اور گھن چکر | کہاں پھینکا ہے لے جا کر ؟
تم ہی اب ڈھونڈنے جاؤ | اٹھا کر بھی تمھی لاؤ

بہت اچھا مری بجیا
مگراب کی اگر چھیڑا۔ تومیں تم سے نہ بولوں گی



مری پھرکی کو کیوں نوچا؟　مرے بہوے کو کیوں توڑا؟
نیا منگوا کے مجھ کو دو　نہیں تو گوند سے جوڑ دو

بہت اچھا مری بجیا
مگراب کی کیا ایسا۔ تومیں تم سے نہ بولوں گی

مری ننھی کتابیا پر — مری منی کتابیا پر
مری اچھی سی پنسل سے — لکیریں کردیں کیوں تم نے
ہوئی غلطی مری بجیا
مگر اب کی ہوا ایسا۔ تو میں تم سے نہ بولوں گی

مری بلی کے بچے کو — مری مرغی کے بچے کو
یہ آخر چھیڑنا کیسا — یہ آخر مارنا کیسا
ہوئی غلطی مری بجیا
مگر اب کی اگر مارا۔ تو میں تم سے نہ بولوں گی

مری کرسی پہ کیوں بیٹھیں؟ — مری گڑیاں کہاں پھینکیں
کتابوں کی مری تھیچی — بھلا آنگن میں کیوں رکھ دی
ہوئی غلطی مری بجیا۔
مگر اب کی ہوا ایسا۔ تو میں تم سے نہ بولوں گی

حفاظتی انجمن

محمد حسین حسان

نسیم کا گھر خیریت آباد میں ہے۔ یہ اچھا خاصا
بڑا قصبہ ہے۔ ایک اُردو کا مڈل اسکول ہے۔ ایک انگریزی
ہائی اسکول ہے۔ نسیم آج کل ہائی اسکول میں پڑھتا



ہے۔ یہ اسکول قصبے کے ایک کنارے ہے۔ اسکول
کے چاروں طرف بہت بڑا میدان ہے اور اس میں
سب درخت لگے ہیں۔ بچے اسکول کھلنے سے پہلے اور

چھٹی کے بعد اسی میدان میں کھیلتے ہیں۔ بڑے لڑکوں
نے کئی درختوں میں جھولے ڈال لئے ہیں اور خوب
جھولتے ہیں۔ چھوٹے بچوں کے لئے یہ کیا ہے کہ کئی

لمبے لمبے مضبوط تختوں کے نیچے بیچوں بیچ ایک ٹیک
لگا دی ہے۔ بچے تختوں کے دونوں سروں پر بیٹھ
جاتے ہیں اور باری باری سے ایک دوسرے کو

او پر نیچے حرکت دیتے ہیں۔ بڑا مزا آتا ہے۔ یہ کھیل تسی سا کہلاتا ہے۔

ایک دن صبح کو اسکول کھلنے سے پہلے نسیم میاں جھولا جھول رہے تھے کہ ایک بڑے لڑکے سے ان کا جھولا ٹکرا گیا۔ یہ گر پڑے۔ نیچے ایک نکیلا پتھر تھا اس پر ان کا پیر پڑا اور کٹ گیا خون بھی بہنے لگا۔ یہ جلدی سے اپنے ماسٹر صاحب کے پاس گئے۔ وہاں ننھا جمیل زور زور سے رو رہا تھا۔ اس کا ہاتھ شیشے سے کٹ گیا تھا۔ ماسٹر صاحب اس کے ہاتھ پر پٹی باندھ رہے تھے۔

تھوڑی دیر میں اسکول کی گھنٹی بجی اور سب لڑکے درجے میں آگئے۔ ماسٹر صاحب نے بچوں سے کہا:۔ "بھئی آج سبق شروع کرنے سے پہلے ذرا کھیل کے میدان کے بارے میں بات چیت کرلیں۔ دیکھو ہمارا کھیل کا میدان کتنا اچھا ہے۔ مگر نہ جانے کیا بات ہے ہر روز دو چار بچوں کے چوٹ ضرور لگ جاتی ہے۔ کسی بچے کا پیر نکیلے پتھر سے لہو لہان ہو جاتا ہے کسی کے پیر میں شیشہ گھس جاتا ہے۔ کچھ بچوں کے جھولا جھولتے یا سی سا کھیلتے وقت چوٹ لگ جاتی ہے۔ کچھ بچے آپس میں کھیلتے وقت اپنی لاپروائی اور بے احتیاطی سے چوٹ کھا جاتے ہیں۔" مختار نے کہا "ماسٹر صاحب اصل میں میدان کو صاف کرنے کی ضرورت ہے۔ پتھر، شیشے، بے کار لکڑیاں اور جانے کیا کیا پڑا ہے"

نسیم نے کہا "ہاں ماسٹر صاحب یہ بات تو ٹھیک ہے لیکن اس سے دوسرے حادثوں کا کیا علاج ہوگا جیسے جھولا جھولتے میں ایک دوسرے سے ٹکرا گئے یا کھیلتے وقت اپنی بے احتیاطی اور لاپروائی سے چوٹ لگ گئی۔ اختر میاں بولے "ماسٹر صاحب" مختار بھائی یہ بات تو ٹھیک کہتے ہیں۔" احمد درجے میں سب سے بڑا تھا بولا "ماسٹر صاحب ہمارے ابا کہتے تھے ولایت کے مدرسوں میں ایک سیفٹی کلب ہوتا ہے۔ ہم اسے اپنی زبان میں حفاظتی انجمن کہہ سکتے ہیں۔ یہ کلب اس لئے قائم کئے جاتے ہیں کہ بچوں میں خطرے سے بچنے کی صلاحیت پیدا ہو۔ ان انجمنوں کے کچھ قاعدے قانون ہوتے ہیں۔ بچے ان قانونوں کے مطابق کام کرتے ہیں۔ انجمن کا ہر ممبر حادثے سے بچنے اور بچانے کی کوشش کرتا ہے تو ماسٹر صاحب ہمارے اسکول میں بھی کھیل کے میدان کے لئے ایسی ہی ایک انجمن کیوں نہ بن جائے۔" احمد کی بات سن کر درجے کے قریب قریب سبھی لڑکوں نے ہاں میں ہاں ملائی۔ ماسٹر صاحب نے بھی خوش ہو کر کہا "بھئی ایسی کوئی انجمن بن جائے تو کیا کہنا۔"

وقفے (انٹرول) میں یہ خبر دوسرے درجوں میں بھی پہنچ گئی اور عام طور پر بچوں نے اس کی تائید کی اور اسکول کی چھٹی کے بعد لڑکوں نے انجمن قائم کرلی۔ عہدے داروں کا انتخاب بھی ہو گیا۔ کھیل کے میدان

میں اپنی حفاظت کے لئے چند قانون بھی بنالئے گئے۔
۱۔ جن چیزوں سے تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہو وہ کھیل کے میدان سے چن لی جائیں۔
۲۔ جب دوسرے بچے جھولا جھولتے ہوں یا سی سا کھیلتے ہوں تو ان دونوں سے الگ رہو۔
۳۔ جھولا باری باری سے جھولو۔ اسی طرح سی سا

مشغول ہوگئے اور تھوڑی دیر میں اینٹ پتھر ٹوٹے ہوئے شیشے، ٹین کے ٹکڑے غرض سارا کوڑا ایک جگہ لا لا کر جمع کر دیا۔ اختر نے کہا "اچھا اب اس کوڑے کا کیا جائے"۔ نسیم نے کہا "اپنے گھر تو ہم گڑھا کھود کر کوڑا اس میں ڈال دیتے ہیں۔" بات معقول تھی فوراً سمجھ میں آگئی۔ کئی بچوں نے مل کر



باری باری سے کھیلو۔
۴۔ ان بچوں کے پاس کھڑے ہو کر گیند نہ کھیلو جو تمہارے کھیل میں شریک نہیں ہیں۔
۵۔ کسی کو دھکا مت دو نہ اڑنگا لگاؤ۔

انجمن بننے کے بعد بچوں میں اتنا جوش اور اتنی سرگرمی پیدا ہوگئی کہ فوراً میدان میں پہنچ کر صفائی میں

میدان کے ایک کونے میں گڑھا کھودا۔ سارا کوڑا اس میں ڈال دیا اور اوپر سے مٹی بھر دی احمد نے کہا "دیکھو اب ہمارا میدان کیسا اچھا لگ رہا ہے"۔ نسیم نے کہا "اور جناب ہماری "حفاظتی انجمن" جس کی وجہ سے یہ کھیلنے کے لئے ایک محفوظ جگہ ہوگئی ہے۔ ارشاد بولے۔ "اور کیا۔ اس انجمن کی بدولت ہیں

میدان میں آتے ہی ہر وقت احتیاط کا خیال رہے گا" احمد نے کہا کیا اچھا ہو کہ اور تمام مدرسوں میں بھی اسی طرح کی انجمنیں بن جائیں"۔ نسیم نے جواب دیا بہت اچھا خیال ہے۔ یہ کام پیام تعلیم کے ذریعے آسانی سے ہو سکتا ہے۔ یہ رسالہ ہزاروں مدرسوں میں جاتا ہے۔ میرے خیال میں تو آپا جان کو ایک خط لکھنا چاہئے جس میں بتایا جائے کہ ایسی انجمنیں لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے کس قدر ضروری ہیں اور ہماری انجمن نے قائم ہوتے ہی ہم سب کو کتنا فائدہ پہنچایا۔

بیا اور بندر

گنیش چندر سکسینہ، فتح گڈھ

آؤ سناؤں ایک کہانی — ہے یہ کہانی بہت پرانی
پیڑ پہ ایک بیا تھا رہتا — تھا آرام سے وہ اور خوش تھا
جاڑے کا اک بار تھا موسم — مینہہ بھی برسا چھم چھم چھم چھم
سردی سے وہ بندر اکڑا — سردی نے اس کو جکڑا
بیے نے اس پر ترس جو کھایا — پاس بلایا۔ یہ سمجھایا۔
ہاتھ ہیں تیرے آدم[1] جیسے — رہنے کو گھر ایک بنا لے
پہلے سے تو فکر جو کرتا — کیوں اس طرح سے آج ٹھٹھرتا
میری طرح سے گھر کے اندر — بیٹھتا اپنے گھر میں بندر
یہ سن کر بندر غرایا — خوب ہی اس کو غصہ آیا
گھونسلا اس کا توڑ کے پھینکا — اب تو وہ دل میں پچھتایا

بدوں سے جو کرتا ہے بھلائی
ملتی ہے خود اُسے برائی

[1] یعنی آدمی کی طرح

یں اپنی حفاظت کے لئے چند قانون بھی بنائے گئے۔

۱۔ جن چیزوں سے تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہو وہ کھیل کے میدان سے چن لی جائیں۔

۲۔ جب دوسرے بچے جھولا جھولتے ہوں یا سی سا کھیلتے ہوں تو ان دونوں سے الگ رہو۔

۳۔ جھولا باری باری سے جھولو۔ اسی طرح سی سا



باری باری سے کھیلو۔

۴۔ ان بچوں کے پاس کھڑے ہو کر گیند نہ کھیلو جو تمہارے کھیل میں شریک نہیں ہیں۔

۵۔ کسی کو دھکا مت دو نہ اڑنگا لگاؤ۔

انجمن بننے کے بعد بچوں میں اتنا جوش اور اتنی سرگرمی پیدا ہو گئی کہ فوراً میدان میں پہنچ کر صفائی میں

مشغول ہو گئے اور تھوڑی دیر میں اینٹ پتھر ٹوٹے ہوئے شیشے، ٹین کے ٹکڑے غرض سارا کوڑا ایک جگہ لا لاکر جمع کر دیا۔ اختر نے کہا "اچھا اب اس کوڑے کا کیا جائے" نسیم نے کہا "اپنے گھر تو ہم گڑھا کھود کر کوڑا اس میں ڈال دیتے ہیں۔" بات معقول تھی فوراً سمجھ میں آ گئی۔ کئی بچوں نے مل کر

میدان کے ایک کونے میں گڑھا کھودا۔ سارا کوڑا اس میں ڈال دیا اور اوپر سے مٹی بھر دی احمد نے کہا " دیکھو اب ہمارا میدان کیسا اچھا لگ رہا ہے " نسیم نے کہا " اور جناب ہماری "حفاظتی انجمن" جس کی وجہ سے یہ کھیلنے کے لئے ایک محفوظ جگہ ہو گئی ہے۔ ارشاد بولے ۔۔۔" اور کیا۔ اس انجمن کی بدولت ہیں

میدان میں آتے ہی ہر وقت احتیاط کا خیال رہے گا" احمد نے کہا کیا اچھا ہو کہ اور تمام مدرسوں میں بھی اسی طرح کی انجمنیں بن جائیں۔ نسیم نے جواب دیا بہت اچھا خیال ہے۔ یہ کام پیام تعلیم کے ذریعے آسانی سے ہو سکتا ہے۔ یہ رسالہ ہزاروں مدرسوں میں جاتا ہے۔ میرے خیال میں تو آپا جان کو ایک خط لکھنا چاہیے جس میں بتایا جائے کہ ایسی انجمنیں لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے کس قدر ضروری ہیں اور ہماری انجمن نے قائم ہوتے ہی ہم سب کو کتنا فائدہ پہنچایا"

بیا اور بندر

گنیش چندر سکسینہ، فتح گڈھ

آؤ سناؤں ایک کہانی — ہے یہ کہانی بہت پرانی
پیڑ پہ ایک بیا تھا رہتا — تھا آرام سے وہ اور خوش تھا
جاڑے کا اک بار تھا موسم — مینہ بھی برسا چھم چھم چھم چھم
سردی سے وہ بندر اکڑا — سردی نے اس کو جکڑا
بیے نے اس پر ترس جو کھایا — پاس بلایا۔ یہ سمجھایا۔
ہاتھ ہیں تیرے آدم[۱] جیسے — رہنے کو گھر ایک بنا لے
پہلے سے تو فکر جو کرتا — کیوں اس طرح سے آج ٹھٹھرتا
میری طرح سے گھر کے اندر — بیٹھتا اپنے گھر میں بندر
یہ سن کر بندر غرایا — خوب ہی اس کو غصہ آیا
گھونسلا اس کا توڑ کے پھینکا — اب تو وہ دل میں پچھتایا

بدوں سے جو کرتا ہے بھلائی
ملتی ہے خود اُسے برائی

۱؎ یعنی آدمی کی طرح

کوئلہ اور گیس

محمد جمال الدین۔ حیدرآباد

جنوری کا مہینہ تھا کڑاکے کا جاڑا پڑ رہا تھا الیاس میاں کمرے میں آئے اور زرینہ سے بولے زرینہ بہن باہر کیسی سردی ہے! ہاتھ پیر گلے جا رہے ہیں۔ زرینہ بولیں :- "تو آؤ انگیٹھی کے پاس بیٹھ جاؤ دیکھو کیسی پیاری آگ ہے۔"



الیاس میاں انگیٹھی کے پاس بیٹھ کر تاپنے لگے پھر ایکا ایکی جانے کیا خیال آیا کہ ہنس پڑے۔ زرینہ نے پوچھا "بھیا کیا بات یاد آگئی جو ایکا ایکی کھلکھلا پڑے۔

الیاس :- ایک بات ہے!

زرینہ :- آخر ہمیں بھی تو بتاؤ

الیاس :- نہیں بتاتے۔

اتنے میں چچا میاں بھی کمرے میں آ گئے اور کہنے لگے "کیا باتیں ہو رہی ہیں"

زرینہ :- چچا میاں الیاس بھائی جانے کیوں آپ ہی آپ ہنس رہے ہیں۔ چچا میاں نے پوچھا کیا بات ہے بھئی آخر ہمیں بھی تو بتاؤ۔ الیاس میاں نے وہ بات تو ٹال دی اور مسکرا کر کہنے لگے:-
"آہا چچا میاں ایک بات یاد آ گئی"

چچا میاں :- کیا بات!

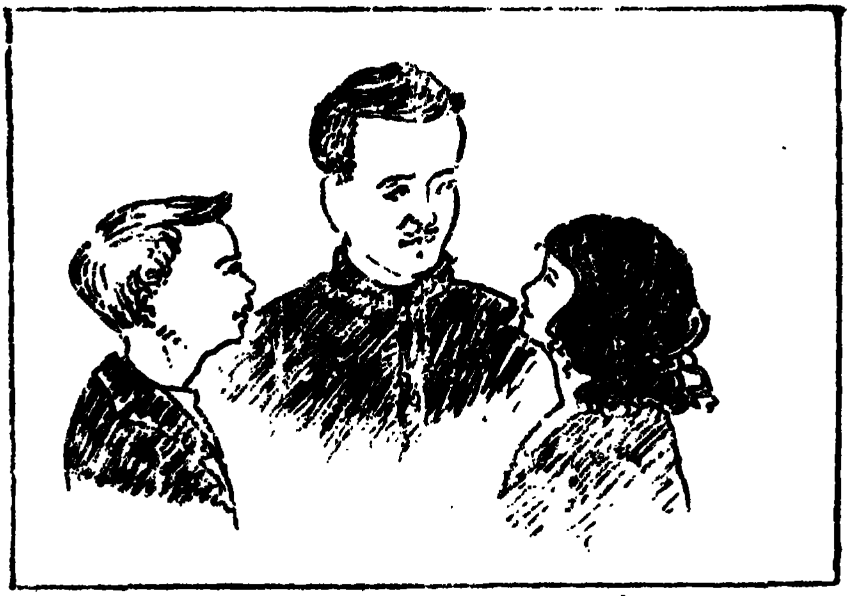
الیاس :- وہی بات!

چچا میاں :- اچھا اچھا مجھے یاد آ گیا.........

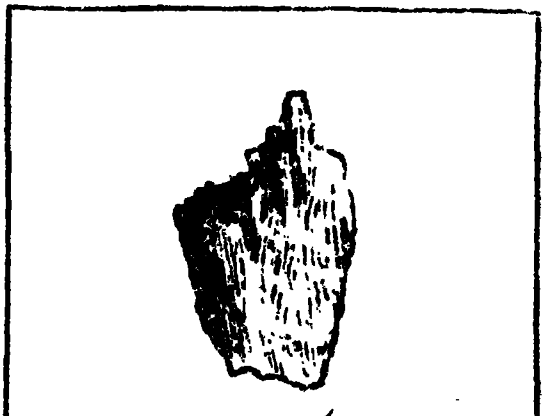
ایں! .... وہی سوال کی بات نا؟ تم نے کہا تھا کہ ہمارے سوالوں کا جواب دیجئے گا۔ کیوں؟ اچھا تو دو سے زیادہ

سوال نہ کرنا۔

چچا میاں :- نہیں بیٹی الیاس نے بہت اچھی باتیں



الیاس :- ہاں! ہاں!! چچا میاں آپ کو یاد آگیا۔ اچھا آج کوئلے اور گیس کے بارے میں کچھ بتا دیجئے۔



کوئلہ

زرینہ :- ہونہہ کیسی باتیں پوچھی ہیں مجھے ذرا بھی دلچسپی نہیں۔

پوچھی ہیں۔ تم بھی ان کے جواب پوری دلچسپی سے سنو گی۔ اچھا پہلے کوئلے کے بارے میں بتاتیں



جنگل ہی جنگل

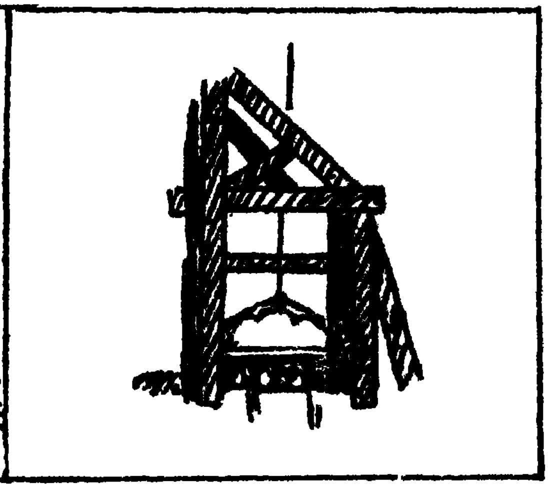
اب سے بہت بہت دنوں پہلے ساری زمین تناور درختوں اور گھنے جنگلوں سے ڈھکی ہوئی تھی۔ پھر

ایک زمانہ ایسا آیا کہ جنگل کے جنگل زمین میں دھنس گئے۔ زمین کے اندر یہ اور چیزوں کے ساتھ مل گئے پھر ان پر ایسا سخت دباؤ پڑا ایسا سخت دباؤ پڑا کہ یہ سخت، ٹھوس اور کالے ہو گئے بس اس طرح ان کا کوئلہ بنا۔

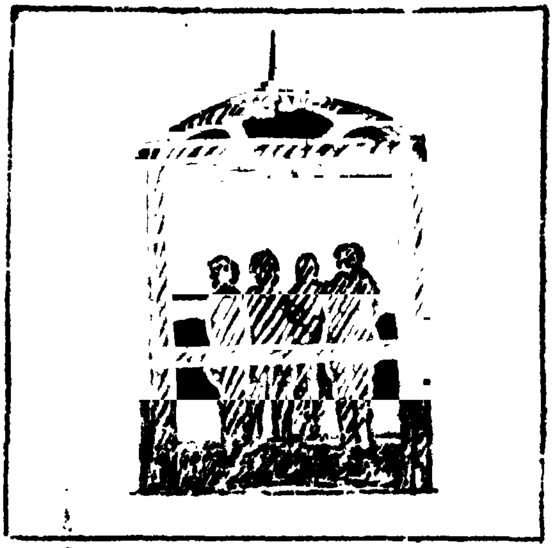
جس جگہ کے بارے میں لوگوں کو یقین ہو جاتا ہے کہ یہاں کوئلہ ہوگا تو وہاں کھودنا شروع کر دیتے ہیں اچھا بتاؤ جس جگہ سے کوئلہ نکالا جاتا ہے اُسے کیا کہتے ہیں؟

الیاس: اُسے کان کہتے ہیں۔

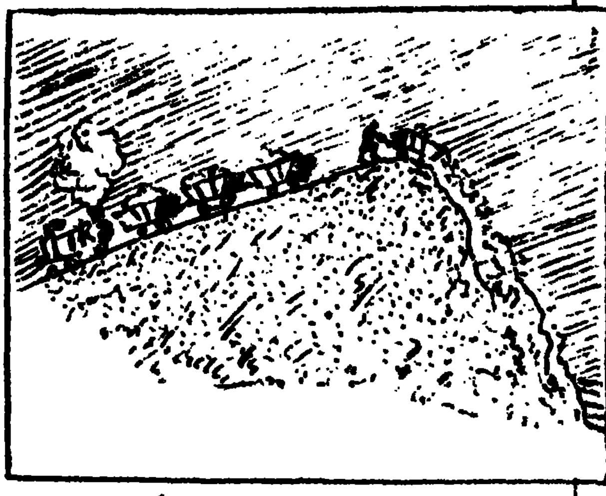
چچا میاں: شاباش ہاں تو پہلے زمین میں ایک گہرا سوراخ کیا جاتا ہے جسے کان میں چلنے کا راستہ کہتے ہیں۔ پھر کان کے مزدوروں کو اس سوراخ



کے اندر لے جانے اور باہر لانے کے لئے لفٹ کی طرح ایک پنجرا سا بناتے ہیں۔ یہ اوپر نیچے آتا جاتا رہتا ہے۔



اچھا اب تھوڑی دیر کے لئے فرض کرو ہم ایک کوئلے کی کان کی سیر کرنے جا رہے ہیں۔ جیسے ہی ہم کان کے قریب پہنچیں گے بے کار اور خراب کوئلوں



اور کان کے اندر کے کوڑے کرکٹ کا ایک ڈھیر نظر آئے گا بالکل ٹیلے جیسا۔ اس کے بعد کان کے اندر

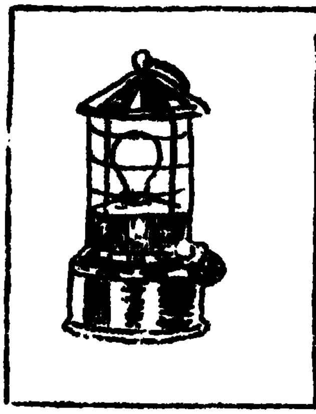
جانے کے دو پنجرے نظر آئیں گے ایک آدمیوں کے
لئے ایک کوئلے کے لئے۔



کان میں جانے سے پہلے تلاشی لی جائے گی
کہ ہمارے پاس دیا سلائی وغیرہ تو نہیں ہے اس
لئے کہ اس قسم کی چیزیں کان میں لے جانا ......
... جہاں ہوا زہریلی ہوتی ہے بہت خطرناک
ہوتا ہے۔ اس
سے اکثر کان پھٹ
جاتی ہے۔ اور بہت
نقصان ہوتا ہے
اس کے بعد ہمیں
کان میں کام کرنے
والوں کی وردی
پہننی پڑے گی تاکہ
ہمارے کپڑے صاف
رہیں۔ ایک بجلی کا



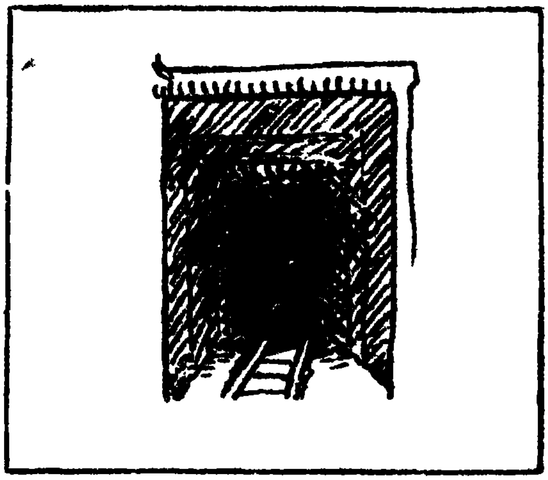
لیمپ بھی ساتھ لے جانا ہوگا پھر ہم پنجرے میں قدم
رکھیں گے۔ ایک گھنٹی
بجے گی اور پنجرا بہت
تیزی سے ہمیں نیچے
لے جائے گا۔ راستے
میں اتنا اندھیرا ہوگا
کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ
دے گا۔ ہمارا دم
الجھنے لگے گا۔



تہہ میں پہنچ کر ہمیں پھر تمام چیزیں نظر آنے لگیں
گی۔ اس لئے کہ یہاں بجلی کا انتظام ہے۔ لیکن جوں جوں
ہم آگے بڑھیں گے راستے پتلے ہوتے جائیں گے۔ روشنی



کا بھی کوئی انتظام نہ ہوگا۔ بس اسی موقع پر ہمارے
بجلی کے لیمپ کام آئیں گے۔ آخر چلتے چلتے ہم ایسی
جگہ پہنچ جائیں گے جہاں ہمیں مزدور کام کرتے ہوئے



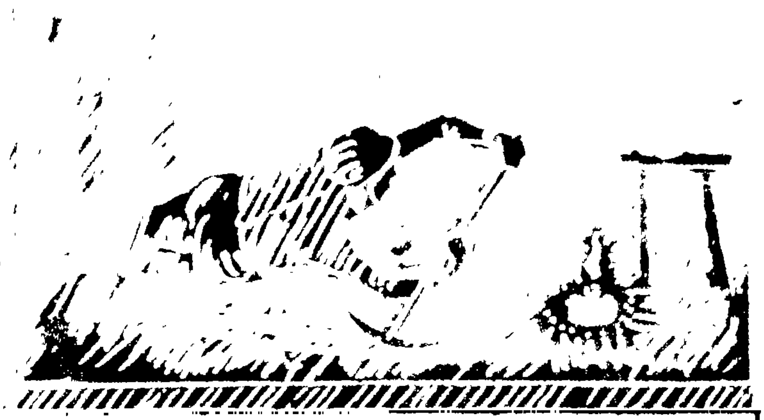
ملیں گے ان میں سے اکثر زمین پر لیٹے لیٹے کدال چلا رہے ہوں گے۔ یہ واقعی بہت خطرناک کام ہے۔

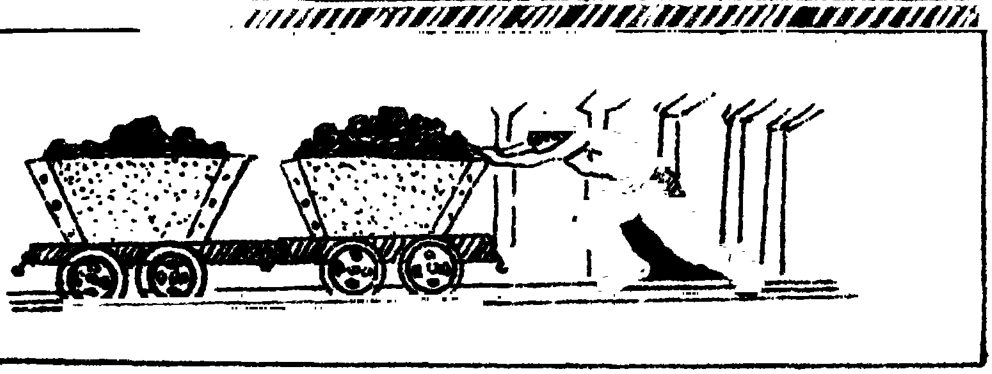
کیونکہ کوئلے کی چھت یا دیواریں آسانی سے اُن پر گر سکتی ہیں اور آن کی آن میں اُن کا کام تمام کر سکتی ہیں۔

جب کھودتے کھودتے بہت سا کوئلہ جمع ہو جاتا ہے تو بیلچوں سے اُٹھا اُٹھا کر ٹھیلا گاڑیوں میں بھر دیتے ہیں۔ ان گاڑیوں کو یا تو خود مزدور کھینچتے ہیں یا خچر یا پھر مشین جس میں بجلی کے تار لگے ہوتے ہیں۔ غرض کسی نہ کسی ترکیب سے یہ کوئلہ کان سے باہر لایا جاتا ہے۔

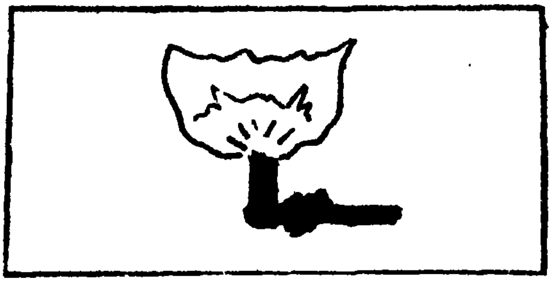
زرینہ:۔ بے چارے ٹٹوؤں کا کان کے اندر کیا حال ہوتا ہوگا۔

چچا میاں:۔ اور بے چارے مزدوروں سے تمھیں کوئی ہمدردی نہیں ہے۔ یہ بے چارے کان سے صاف ہوا میں باہر آتے ہیں تو انھیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نئی دنیا میں آ گئے۔

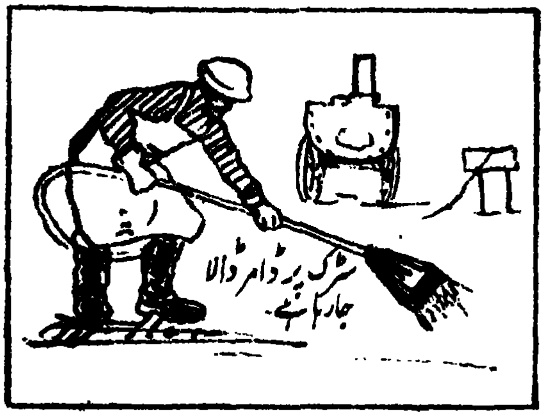




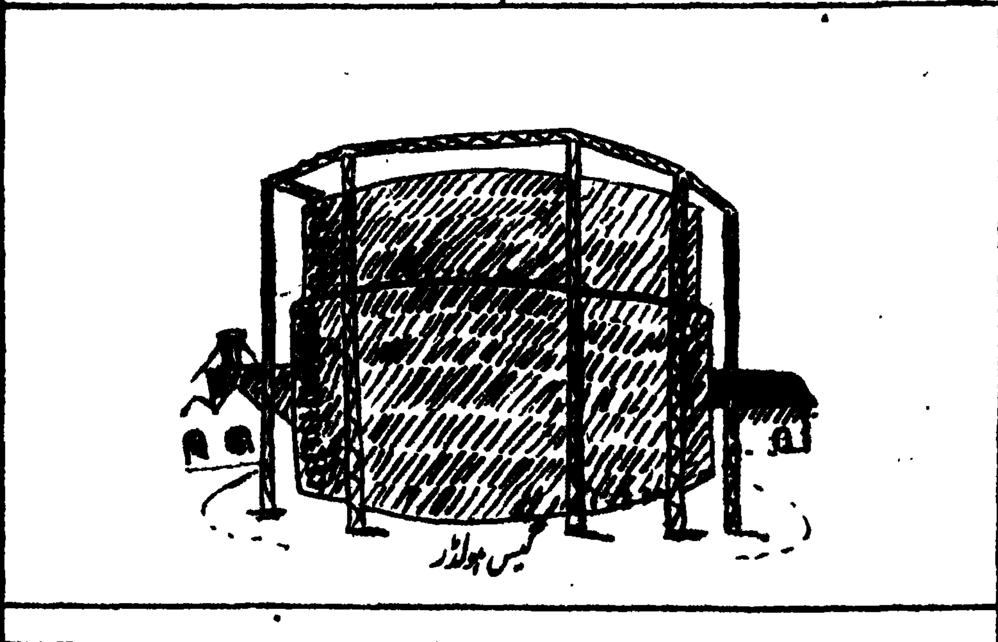
اچھا تو اب گیس کا حال سنو۔ گیس اسی کوئلے سے نکلتا ہے اس آگ میں تم شعلہ نکلتے دیکھ رہے ہو بس یہی گیس ہے۔ ابھی یہ بات تمہاری سمجھ میں نہ آئے گی



کہ اس گیس کو کوئلے سے کس طرح نکالتے اور کیسے جمع کرتے ہیں اِس کام کو کرنے والے پہلے کوئلوں کو خوب گرم کرتے ہیں۔ پھر مشین کے ذریعے گیس جمع کرتے جاتے ہیں۔ جس چیز میں اس گیس کو رکھتے ہیں اسے گیس ہولڈر کہتے ہیں۔ یہ لمبا بھی ہوتا ہے اور چھوٹا بھی۔ جس وقت اس میں گیس بھرنا شروع کرتے ہیں۔ اس کا اوپر کا حصہ اُٹھتا جاتا ہے اور جوں جوں یہ گیس استعمال ہوتا ہے جاتا ہے۔ یہ نیچے دبتا جاتا ہے۔



کوئلے سے ایک خاص قسم کی ردی بھی نکلتی ہے یہ بہت ہی کار آمد ہے۔ اس سے بے شمار چیزیں



تی ہیں ۔ مثلاً رنگ جن سے ہم اپنے کپڑے رنگتے

اوہو بہت رات ہوگئی ۔ سردی بھی بہت بڑھ



ہیں ۔ صابن جس سے ہم نہاتے ہیں ۔ ڈامر جو سڑکوں پر ڈالا جاتا ہے ۔ ان کے علاوہ اور بہت سی چیزیں

گئی ۔ جاؤ اب اپنے کمرے میں جاکر سو رہو ۔ صبح کو اسکول بھی تو جانا ہے ۔

(انگریزی سے ترجمہ)

شیخ سدّو

احمد حسن صاحب لکھنؤ

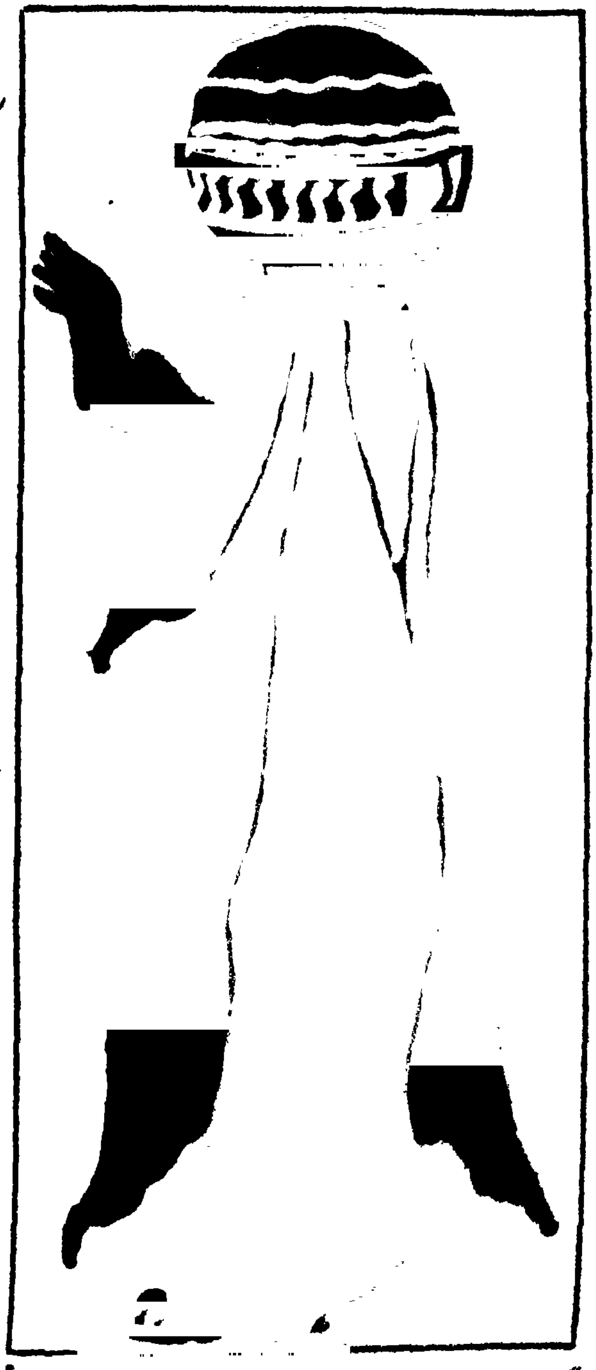
جب میں پانچ برس کا تھا تو ابا میاں کچہری میں نوکر تھے ہم ایک بڑے سے ویران مکان میں رہتے تھے ۔ اس مکان میں دو آنگن تھے ۔ سڑک سے آتے ہوئے ایک بڑا سا پھاٹک ملتا تھا ۔ پھاٹک سے اندر آنے کے بعد بائیں جانب گول کمرا تھا اور اس کے سامنے چبوترا ۔ چبوترے کے بعد آنگن اور آنگن کے داہنی طرف انار کے پیڑ تھے ۔ ان پیڑوں پر امی جان باسی ہار ڈلوا دیا کرتی تھیں ۔ اُن کا خیال تھا کہ اکثر جن انار کے درختوں پر آتے ہیں ۔ سامنے ڈیوڑھی اور اندر جانے کا راستہ تھا ۔ ڈیوڑھی کے برابر ایک کوٹھری تھی اس میں کاٹھ کباڑ بھرا تھا ۔

ہر جمعہ کے جمعہ اور جب کبھی میں شرارت کرتا "شیخ سدو" مجھے ڈرانے کے لئے آتے تھے (تاکہ میں ڈرپوک ہو جاؤں اور عمر بھر تک اندھیرے اور ایسی واہیات چیزوں سے ڈروں) شرارت نہ کروں ۔ شیخ سدو سر پر گھڑا اوندھائے آتے تھے ۔ ایک پرانا کمبل اوڑھے ۔ جس سے اُن کا منہ وغیرہ سب ڈھک جاتا تھا ۔ ان کے صرف پیر کھلے رہتے تھے ان میں "کھٹپٹی" ۱؎ ہوتی تھی اور جب وہ چلتے تھے تو کھٹ پٹ کی آواز آتی تھی ۔ جب میں بہت چھوٹا تھا تب تو میں ان کے دیکھتے ہی اپنا منہ چھپا لیتا ۔ میری امی جان وغیرہ ان سے بات چیت کرتی تھیں اور میرے مستقبل کے بارے میں پوچھتی تھیں اور ان سے درخواست کرتی تھیں کہ وہ مجھے ٹھیک کر دیں اور میں شرارت کرنا چھوڑ دوں ۔

جب میں ۷ برس کا ہوا تو تیسرے درجے میں داخل کر دیا گیا مگر اب بھی میں شیخ سدو سے ڈرتا تھا ۔ میرا دماغ تر و تازہ رکھنے کے لئے مجھے روز بعد مغرب پاؤ بھر دودھ پلایا جاتا تھا ۔ روز روز میں دودھ پیتے پیتے تنگ آ گیا تھا ۔ ایک دن میں نے صاف انکار کر دیا کہ میں دودھ نہیں پیوں گا ۔ میں ضد کر رہا تھا اور امی کہہ رہی تھیں کہ میں دودھ پی لوں ۔ پھر انھوں نے

۱؎ لکڑی کی چپل

کہا اچھا نہ پیو دودھ" یہ کہہ کر وہ باورچی خانے



گئیں۔ یہاں رحیمن بوا کھانا پکا کر فارغ ہو گئی تھیں

انھوں نے رحیمن بوا سے کچھ چپکے سے کہا بعد میں ذرا زور سے کہا کہ ایک پیسے کی...... لے آؤ پھر میرے پاس آئیں اور کہا کہ "میاں دودھ پی لو ورنہ شیخ سدّو کو بلاتی ہوں۔"

اس دن میرا دل دودھ سے اس قدر بیزار تھا کہ میں نے ہمت کر کے کہہ دیا "ہاں آپ شیخ سدو کو بلائیے میں دودھ نہیں پیوں گا۔"

امی نے تالی بجائی اور شیخ سدو کو پکارا "اے شیخ سدّو ننھے کو لے جا" امی کا اتنا کہنا تھا کہ کباڑ والی کوٹھری سے شیخ سدّو نکل آئے۔ سر پر گھڑا اوندھائے کمبل اوڑھے پیر میں کھٹیٹی پہنے اور آتے کے ساتھ ہی بولے" ہمیں کس نے پکارا ؟" امی نے کہا میں نے پکارا تھا یہ ننھا ضد کر رہا تھا۔ اب اس نے کہا ہے کہ وہ دودھ پی لے گا۔ معاف کیجئے آپ کو تکلیف ہوئی" بات گئی گذری ہوئی۔ میں نے ناچار دودھ پی لیا۔

میری عمر ۹ برس کی ہو گئی اور میں پانچویں درجے میں پہنچ گیا۔ مگر شیخ سدّو سے امی جان اب بھی ڈراتی ہیں۔ ہمارے ڈرپوک ہونے کا حال ہمارے درجے کے چند لڑکوں کو معلوم ہو گیا وہ لگے مجھے چڑانے "بھئی، یہ ڈرپوک ہیں انھیں ڈرانا نہیں" کبھی میں اسکول کے ہال میں ہوتا اور پیچھے سے کوئی لڑکا "ہاؤ" کر دیتا تو میں ایک دم ٹھٹک کر رہ جاتا۔ آخر میں نے ارادہ

کرلیا کہ میں دیکھوں گا یہ شیخ سدو ہیں کون ؟

جمعہ کا روز تھا۔ میری چھٹی جلدی ہوگئی تھی ۱۱ بجے تھے اور شیخ سدو کے آنے کا دن تھا۔ میں نے پکا ارادہ کرلیا تھا کہ شیخ سدو آئے نہیں کہ میں نے ان کے گھما اینٹ ماری نہیں۔

دو بجے کی وحشت ناک دوپہر کو جب رحیمن بوا حسبِ معمول شیخ سدو کے آنے کے وقت غائب تھیں کہ باہر کباڑ خانے کی کوٹھری سے آواز آئی۔

" کھیا میں آجاؤں "

امی جان نے کہا " آئیے " اور شیخ سدو نکل آئے۔ میں امی کی نظروں سے چھپا مرغیوں کے ڈربے کی اوٹ میں بیٹھا تھا۔ میرے پاس لوہے کی بھکنی تھی میں نے وہی گھما کر شیخ سدو کے ماری ایک بڑا اقا ہوا اور شیخ سدو کا گھڑا الوٹ گیا اس جلدی اور وحشت میں وہ بھاگے تو ان کا پیر کمبل سے الجھ گیا۔ کمبل اتر گیا اور رحیمن بوا جلدی سے کباڑ خانے کی کوٹھری میں بھاگ گئیں۔

اسکول میں لڑکے اب مجھے ڈرپوک نہیں کہتے مگر ایک نامعلوم خوف جنات کا اب بھی میرے پیچھے لگا رہتا ہے ۔

سائنس کے مشغلے

سید علی عباس رضوی۔ پونہ

۱۔ تولہ بھر پوٹاشیم نائٹ ریٹ لو اور اس میں اتنی ہی شکر ملاؤ۔ پھر شیشے یا لوہے کی نلی کے سرے کو گندھک کے تیزاب میں بھگو کر پوٹاشیم نائٹ ریٹ میں لگاؤ فوراً آگ لگ جائے گی۔

۲۔ دو شیشے کے گلاس لو ایک کو امونیا لوشن سے تر کرو (اندر سے) دوسرے کو نائٹرک ایسڈ سے۔ دونوں کے منہ ملا دو۔ سفید بخارات نکلنے لگیں گے اور گلاس بھر جائیں گے (اس کو شعبدہ باز بھی کرتے ہیں وہ اس طرح کہ گلاسوں کے منہ ملا کر رکھ دیتے ہیں اور پھر دور کھڑے ہو کر سگرٹ پینے لگتے ہیں) مگر کہیں تم سگرٹ نہ پینے لگنا بلکہ اس کی جگہ کاغذ جلا سکتے ہو۔

۳۔ ایک شیشے کے گلاس میں نمک کا تیزاب ڈالو اور پھر سوڈیم سلفیٹ ڈال کر ایک پیسے کی نلی جس میں تھوڑا پانی ہو ہلاؤ۔ نلی کا پانی سرد ہو کر جم جائے گا ۔

شہد کی مکھی

آفتاب احمد صاحب صدیقی (جامعی)

(۲)

تین روز بعد چھتا رات کو کسی وقت اپنے یہاں آؤ اور کسی کھلی ہوئی جگہ رکھ دو۔ چھتا لاتے وقت اس کا خاص طور پر خیال رکھو کہ اسے ہچکولے بالکل نہ لگیں۔ ورنہ مکھیاں مر جائیں گی اور جو بچ گئیں وہ موقع پاتے ہی اُڑ جائیں گی۔ تمھیں افسوس بھی ہوگا اور کوفت بھی۔

چھتے کی روزانہ دیکھ بھال کرنی چاہیئے۔ معائنے کا وقت مقرر کرکے ہمیشہ پیچھے کی طرف سے معائنہ کرنا چاہیئے کہ آیا مکھیاں گھبرا تو نہیں رہی ہیں اور چھتوں پر کام ہو رہا ہے یا نہیں۔ بھاگنے کی تو تجویزیں نہیں ہو رہی ہیں؟ ان سب باتوں کی پہچان تمھیں دو چار روز میں خود ہی ہو جائے گی

مکھیوں کو نئی جگہ لانے کے بعد بھی دو تین روز تک انھیں اُن کی خوراک یعنی خالص شہد دینا چاہیئے اس کے بعد وہ اپنے کھانے پینے کا انتظام خود کرنے لگیں گی

اب میں تمھیں چھتے کی سیر کرا دوں تاکہ تم اس میں بسنے والوں سے واقف ہو جاؤ۔ اچھا چھتے کا دروازہ کھول دو اور تھوڑی دیر کے لئے فرض کرلو تم مکھیوں کے اس مکان میں داخل ہو رہے ہو۔ ایک چھتے میں ایک رانی، بہت سے مزدور (کارکن) اور نکھٹو ہوتے ہیں۔ رانی بڑے سے بڑے چھتے میں تمھیں ایک ہی ملے گی۔ مزدور مکھیوں کی تعداد پانچ ہزار سے دس ہزار تک ہوتی ہے۔ رانی نے مزدوروں کی تقسیم مختلف طریقوں پر کی ہے۔ ان میں کچھ شہد جمع کرنے والی مکھیاں ہوتی ہیں جو صرف یہی کام کرتی ہیں۔ اسی طرح شہد پکانے والی مکھیاں الگ، دایہ مکھیاں الگ اور چوکی داری کرنے والی الگ ہوتی ہیں جس کے جو کام سپرد ہے وہ اپنے اپنے کام میں بلا کسی تاکید اور ہدایت کے مشغول ہے۔ کام کرنے والوں کے علاوہ چھتے میں نکھٹو بھی ہوتے ہیں۔ ان کی حیثیت چھتے میں وہی ہے جو ہمارے یہاں اپاہجوں کی ہوتی ہے۔ کام کاج سے تو کچھ واسطہ نہیں صرف دوسروں کی کمائی کھانے سے مطلب۔ رانی مزدوروں اور نکھٹوؤں کی ماں ہوتی

ہے اس کی یہ صفت ہے کہ اگر مزدور کے گھر میں انڈا دے تو مزدور پیدا ہو اور نکھٹو کے گھر میں انڈا دے تو نکھٹو پیدا ہو۔ چھتے کے کمرے سے تم میرا مطلب سمجھ گئے ہوں گے۔ یہ وہ خانے سے ہیں جنھیں تم نے دیکھا ہوگا کہ ہشت پہل یعنی آٹھ دیواروں کے ہوتے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہوتا ہے کہ مزدور کے کمرے ایک انچ میں چھ ہوتے ہیں اور نکھٹوؤں کے کمرے ایک انچ میں پانچ۔ رانی کا کمرا سب سے الگ اور بہت ہی آرام دہ جگہ میں بنا ہوتا ہے وہ ایک یا ڈیڑھ انچ لمبا ہوتا ہے۔ ایک اچھی رانی روزانہ پانچ سو سے ایک ہزار تک انڈے دیتی ہے۔ جب یہ بوڑھی ہو جاتی ہے اور اُسے ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ اپنا جانشین پیدا کرے تب وہ مزدوروں کو حکم دیتی ہے کہ وہ آنے والی رانی کے لئے گھر بنائیں۔ کیوں کہ وہ پرانے گھر میں رانی کا انڈا نہیں دیتی۔ مزدور مکھیاں پہلے جگہ تجویز کرتی ہیں اور پھر اپنا کام شروع کر دیتی ہیں۔ اول تو وہ چھتوں کے سرے پر کمرا بناتی ہیں اور اگر جگہ موزوں نہ مل سکی تو اپنے ساتھیوں کے چھ کمروں کو توڑ کر ایک بنا دیتی ہیں اور رانی کو پھر بتا دیا جاتا ہے کہ کمرہ تیار ہے۔ تشریف لے چلئے اور اپنے اس نیک ارادے کو پورا کیجئے۔ رانی وہاں جا کر انڈا دے دیتی ہے۔ دایہ مکھیاں تین دن تک اُسے سیتی ہیں۔ جب بچہ بن جاتا ہے تو تیرہ روز تک اُسے شاہی جیلی کھلائی جاتی ہے۔ شاہی جیلی ایک خاص قسم کی خوراک ہوتی ہے جو دایہ مکھیوں کے دماغ سے اُٹھتی ہے۔ اس کے کھلانے سے رانی میں نسوانیت پیدا ہوتی ہے۔ سولہ دن میں رانی بڑی ہو جاتی ہے تب اُسے باہر آنے کی اجازت ملتی ہے۔ بوڑھی ملکہ مزدوروں کو حکم دیتی ہے کہ نئی رانی کے محل کا دروازہ کھول دیں۔ نئی رانی باہر آ جاتی ہے۔ باہر آ کر جتنا شہد وہ پی سکتی ہے، کھلے ہوئے سوراخوں سے پیتی ہے اور خوش خوش تمام چھتے کی سیر کرتی پھرتی ہے۔ بوڑھی رانی اس کی شادی کی تیاریاں کرتی ہے۔ رانی کی شادی بڑے دلچسپ طریقے پر ہوتی ہے۔ مکھی پالنے والے کے لئے وہ سماں بڑا عجیب ہوتا ہے جب رانی کا سوئمبر منایا جاتا ہے۔ رانی چھتے سے بڑی تیزی سے نکل کر ہوا میں اُڑتی ہے اور نکھٹو پیچھے پیچھے اُڑتے ہیں۔ نئی رانی دم بدم اونچی ہوتی جاتی ہے اور نکھٹو پیچھے رہ جاتے ہیں جو اس دوڑ میں رانی کو پکڑ لیتا ہے اسی سے وہ شادی کر لیتی ہے۔ نکھٹو کے لئے اس کی شادی موت کا پیغام ہے۔ وہ مر جاتا ہے رانی چھتے میں واپس آ جاتی اور انڈے دینا شروع کر دیتی ہے۔ نکھٹوؤں کا چھتے میں رہنا اسی بنا پر ہوتا ہے کہ نئی رانی اُن میں سے ایک کو اپنا شوہر بنا سکے اور آئندہ نسلیں پیدا ہو سکیں۔ نئی رانی کا شادی کر کے آ جانا ایک جھگڑا پیدا کر دیتا ہے۔ ایک میان میں دو تلواریں کیسے سمائیں؟ اس لئے بوڑھی رانی اپنے آپ کو نئی رانی کے سپرد کر دیتی ہے کہ وہ اسے مار ڈالے

قدرت نے رانی کو ڈنک عطا کیا ہے مگر وہ صرف بوڑھی رانی کو مارنے میں کام آتا ہے۔ نئی رانی اپنی ماں کو مار ڈالتی ہے اور راج پاٹ خود سنبھال لیتی ہے۔ نئی رانی کا راج پاٹ سنبھال لینا اس بات کی پہچان ہے کہ اب تمہارا چھتا دگنا ہوگیا۔ جب تم دیکھو کہ مکھیوں کے گھروں میں شہد بھر گیا ہے اور مکھیوں نے موم سے سب گھر بند کر دئے ہیں تو تم شہد نکالنے کے ایک خاص آلے میں اُن چوکھٹوں کو رکھ کر شہد نکال لو اور چوکھٹے بدستور اُن کی جگہ پر رکھ دو۔ اس آلے سے شہد نکالنے میں مکھیوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ سب چھتے جوں کے توں رہتے ہیں اور تمہیں خالص شہد مفت مل جاتا ہے۔ ان کے یہاں پیغام رسانی زبان سے نہیں ہوتی بلکہ ہر اطلاع دینے کے لئے ہزارہا قسم کے مخصوص ناچ مقرر ہیں جو چوکی دار مکھیاں یعنی اسکاؤٹ بیرہا کرتی ہیں۔

میرا خیال ہے کہ اب تم اس نوآبادی کے بسنے والوں سے بخوبی واقف ہوگئے ہو رانی بھی تمہاری اس ملاقات سے بہت خوش نظر آتی ہے اور اُسے امید ہے کہ تمہارے یہاں مہمان رہ سکے گی۔ اب تم اسے اپنی سلطنت کے کاموں میں لگ جانے دو اور مجھے بھی اجازت:

(آل انڈیا ریڈیو سے اجازت کے بعد)

بچّو!

حضرت افضل اکبرآبادی

کرو ہر اک سے شیریں گفتگو اس میں بھلائی ہے
زمانہ تلخ گوئی سے بہت بدنام ہے بچّو

نہ سمجھو تم کبھی بچّو کسی سے آپ کو بڑھ کر
غرور اچھا نہیں اس کا بُرا انجام ہے بچّو

غریبوں کی یتیموں کی اسیروں کی کرو خدمت
دعا ان کی تمہارے واسطے انعام ہے بچّو

تمھیں جس نے بنایا ہے وہی ہر اک کا خالق ہے
اسی کے ہاتھ سب کا آخری انجام ہے بچّو

مسلمان ہوں کہ ہندو ہوں نہیں اس سے غرض ہم کو
ہر اک کے واسطے پند و نصیحت عام ہے بچّو

تواضع خلق کی کرنا اطاعت اپنے خالق کی
یہی سچّا ہے مذہب اور یہی اسلام ہے بچّو

کہے جو کوئی اچھی بات دل سے تم سنو اس کو
عمل کرنا نہ کرنا یہ تمہارا کام ہے بچّو

کرو طاعت پھلو پھولو رہو خوش تم زمانے میں
ہماری یہ دعا خالق سے صبح و شام ہے بچّو

بھونگیر کی سیر

عظیم قادری صدف حیدرآبادی

چچا صاحب جوں ہی گھر میں تشریف لائے ہم سب نے چاروں طرف سے انھیں گھیر لیا۔ وہ ہنس کر پوچھنے لگے "ارے بھئی کیا بات ہے"۔ حامد نے پیچھے سے تتلاتے ہوئے کہا "چچا جان اپنا وعدہ نہ بھولئے۔ بھونگیر کے عرس کو صرف چھ ہی دن باقی رہ گئے ہیں"۔ چچا نے کہا "ہاں بھائی ہمیں یاد ہے۔ موٹر کا انتظام کر لیا ہے۔ جمعہ کی صبح کو چلیں گے"۔ بس اب کچھ نہ پوچھئے ہم خوشی سے پھولے نہ سماتے تھے۔ جمعہ کے انتظار میں نیند نہ آتی تھی۔ آخر خدا خدا کر کے جمعہ کا دن آیا۔

جمعرات کی رات ہم نے بڑی بے چینی سے کاٹی۔ اور تمام رات گھڑیاں گنتے رہے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ صبح نہیں ہوگی آخر گھڑی نے چار بجائے ہم بستر سے اچھل پڑے اور جلد نہا دھو کر تیار ہوگئے۔ موٹر نہیں آئی تھی ہم انتظار میں بیٹھے تھے گھڑی میں پانچ بج چکے تھے۔ کہ موٹر کی آواز آئی۔ ہم سب موٹر میں بیٹھ گئے اور تقریباً ۷ بجے بھونگیر پہنچے۔

بھونگیر ضلع نلگنڈہ کا ایک تعلقہ ہے اور حیدرآباد سے ۲۹ میل دور ہے۔ یہ ایک تاریخی مقام ہے ایک زمانے میں یہ بہت بڑا شہر تھا۔ یہاں کی آب و ہوا اچھی اور صحت کے لئے مفید ہے۔ یہاں کا پانی بہت ہاضم ہے۔ بھونگیر کے پان، کیلے اور صراحیاں مشہور ہیں۔ لوگ یہاں سے اپنے عزیزوں، دوستوں کے لئے یہی چیزیں تحفے میں لے جاتے ہیں۔

بھونگیر کی دو چیزیں دیکھنے کے قابل ہیں (۱) درگاہ (۲) قلعہ۔ درگاہ حضرت جمال البحرؒ کی ہے جو بہت بڑے بزرگ تھے۔ ہر سال ۱۲ جمادی الاوّل کو نظام سرکار کی طرف سے اعلیٰ پیمانے پر اُن کا عرس ہوتا ہے۔

آج کل میلے کی وجہ سے یہاں بہت چہل پہل تھی یہاں پہنچ کر چچا نے ٹھہرنے کا بندوبست کیا پھر ذرا ادھر اُدھر کی سیر کی۔ شام کو صندل نکالا گیا سورج غروب ہوا چاہتا تھا۔ مجمع کا یہ عالم تھا کہ تل دھرنے کی جگہ نہ تھی۔ سارا بھونگیر اُمڈا چلا آرہا تھا۔ پیچھے ہر قسم کے باجے تھے۔ باجے والوں کے پیچھے فوج اور فوج کے پیچھے مجمع باجوں کی آواز اور مجمع کی خاموشی عجیب منظر پیش کر رہی تھی

دل میں ایک قسم کا جوش پیدا ہو رہا تھا جلوس ایک بڑی کمان سے گذرا۔ یہاں سے درگاہ کی حد شروع ہوتی ہے۔ یہاں سے ایک سڑک سیدھی درگاہ کو جاتی ہے۔ سڑک کے دونوں جانب دُکانیں لگی تھیں۔ کہیں کھلونوں کی، کہیں چوڑیوں کی تو کہیں مٹی کے برتنوں کی۔ لوگ اُن پر ٹوٹ رہے تھے۔ خرید و فروخت کا بازار گرم تھا۔ کہیں مداری تماشا کر رہے تھے۔ مٹھائیوں کی دوکانوں پر تازہ مٹھائیاں موجود تھیں۔ بڑی بڑی کڑھیاں چڑھی تھیں۔ پھولوں کی دوکانیں عجب بہار دکھا رہی تھیں۔ خوشبو سے دماغ تازہ ہو رہے تھے جلوس درگاہ کے قریب پہنچا ہے تو ننھی ننھی بوندیں پڑ رہی تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ قدرت جلوس پر موتی برسا رہی ہے۔ کافی انتظام تھا۔ درگاہ بقعہ نور بنی ہوئی تھی۔ لوگ دروازے پر ٹوٹ رہے تھے ہر اک یہ چاہتا تھا کہ پہلے میں زیارت کا شرف حاصل کروں۔ مجمع میں ہندو مسلمان دونوں برابر شریک تھے۔

دوسرے دن سویرے ہم قلعہ پر چڑھنے کی غرض سے گھر سے نکلے اور قلعے پر پہنچ کر ہی دم لیا راستے میں بہت سے چشمے ملے۔ چاروں طرف پختہ دیواریں بنائی گئی ہیں بعد میں ایک بلند و خستہ عمارت دکھائی دی یہ بالا حِصار ہے۔ یہ عمارت تباہ و برباد ہوگئی ہے۔ پھر بھی ایک خاص شان رکھتی ہے۔ ہم بالا حصار کے اوپر پہنچے پورب کی طرف نظر دوڑائی تو سورج پہاڑوں میں سے ہمیں دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔ ایک طرف ہری بھری کھیتیاں اپنی بہار دکھا رہی تھیں۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ کسی نے زمین پر سبز مخمل کا فرش بچھا دیا ہے۔ بالا حصار کے قریب ایک پتھر کی عمارت کے نیچے ایک گہری باؤلی ہے ہمارے پاس کیمرہ تھا ہم نے بہت سی تصویریں لیں۔ بعد میں باؤلی کے قریب بیٹھ کر ناشتہ کیا اور گھر واپس ہوئے۔

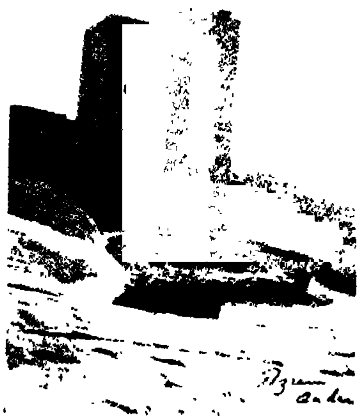
دوسرے دن رات کو ۹ بجے ہم نے بھونگیر کو خیرباد کہا اور ۱۰½ بجے گھر پہنچے۔ نیند خوب آ رہی تھی آتے ہی سو گئے صبح اٹھ کر ہم نے محسوس کیا کہ رات کو ایک خواب دیکھا تھا۔ اچھے دن کتنی جلدی گذر جاتے ہیں ؛



بھونگیر کا پہاڑ
متعلق مضمون بھونگیر کی سیر



بالا حصار
(متعلق مضمون بھونگیر کی سیر)



باؤلی
(متعلق مضمون بھونگیر کی سیر)



اسلامیہ ہائی اسکول اٹاوہ
(مرسلہ شمس الدین احمد جیلانی)

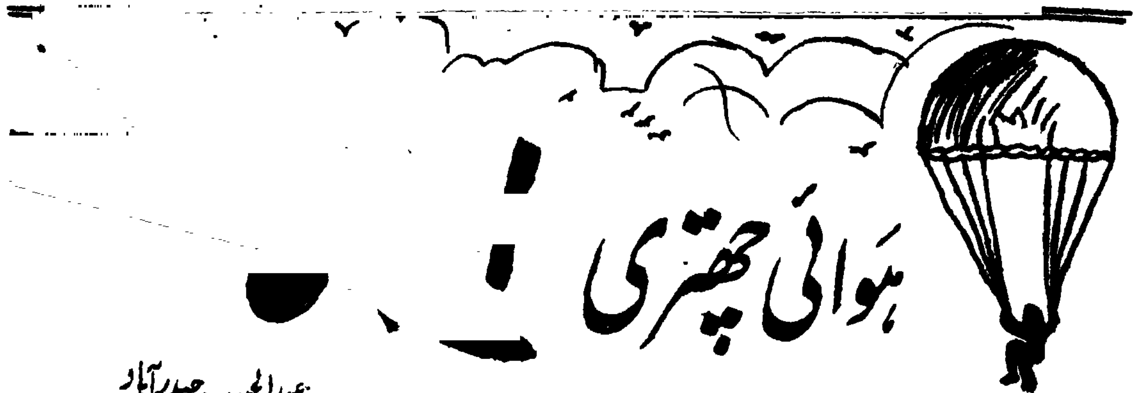


ہوائی جہاز سے پیراشوٹ کے ساتھ
چھلانگ لگانے والا
ہمایوں کے شکریہ کے ساتھ



([illegible] مدرسہ دار العلوم کی [illegible] جماعت

(۱) سید محمد حسین [illegible] سوم۔ (۲) شیخ نجم الدین
[illegible] اول



ہوائی چھتری

عبدالحبیب حیدرآباد

غباروں سے اُترنے کا طریقہ قدیم سے رائج ہے لیکن غبارہ ایک دفعہ اوپر جاتا تو اس کا نیچے واپس آنا یقینی نہیں تھا۔ اس لئے انسان نے ہوائی چھتری ایجاد کی۔ جب غبارہ ردّی ہو جاتا تو ان چھتریوں کے ذریعے سے زمین پر واپس آجاتے تھے۔ چھتریوں سے اُترنے کے تجربے مختلف مقامات پر ہوتے رہے آخرکار ان تجربوں کی مدد سے ایک کامیاب ہوائی چھتری بن گئی۔ ایسے تجربے شاید سب سے پہلے سیام میں ہوئے۔ ایک شخص شاہ سیام کے سامنے بہت بلندی سے متعدد چھتریاں پکڑ کر زمین پر واپس آیا تھا۔ پرانے زمانے میں ایسی چھتریاں غباروں میں باندھ دی جاتی تھیں اور ضرورت کے وقت کاٹ کر الگ کر لی جاتی تھیں چھتری سے آدمی ایک ٹوکری میں بیٹھ جاتا تھا جو چھتری کے سرے سے بندھی ہوتی تھی۔ اور بڑی آفتوں کے بعد زمین پر اُتر جاتا تھا۔

موجودہ زمانے میں یہ چھتریاں ریشم سے بنائی جاتی ہیں۔ اور معمولی چھتریوں کی طرح گنبد نما ہوتی ہیں۔ اسی وجہ سے عام طور پر چھتری کا قطر ۲۴ فٹ ہوتا ہے۔ گنبد نما کپڑے کے محیط پر کچھ کچھ فاصلے سے مضبوط ریشمی ڈوریں باندھی جاتی ہیں۔ ڈوروں کا دوسرا سرا چھتری والے کے سر پر ایک جگہ چمڑے کے تسمے سے ملتا ہے۔ یہ تسمہ اس خوبی سے اُترنے والے کے گرد بندھا رہتا ہے کہ وہ اُترتے وقت اطمینان سے بیٹھ سکے۔ چھتری کھلنے سے پہلے یہ ایک ڈبے میں بند رہتی ہے اور اس ڈبے سے نشست کا کام لیا جاتا ہے۔ چھتری کھولنے کے لئے ایک لوہے کی چوڑی کھینچنا پڑتی ہے جو چھتری والے کے دائیں بازو پر لگی ہوتی ہے۔ چھتری ایک سیکنڈ میں ۱۶ فٹ نیچے اُترتی ہے زیادہ سے زیادہ اونچائی سے بھی نیچے اُتر سکتے ہیں

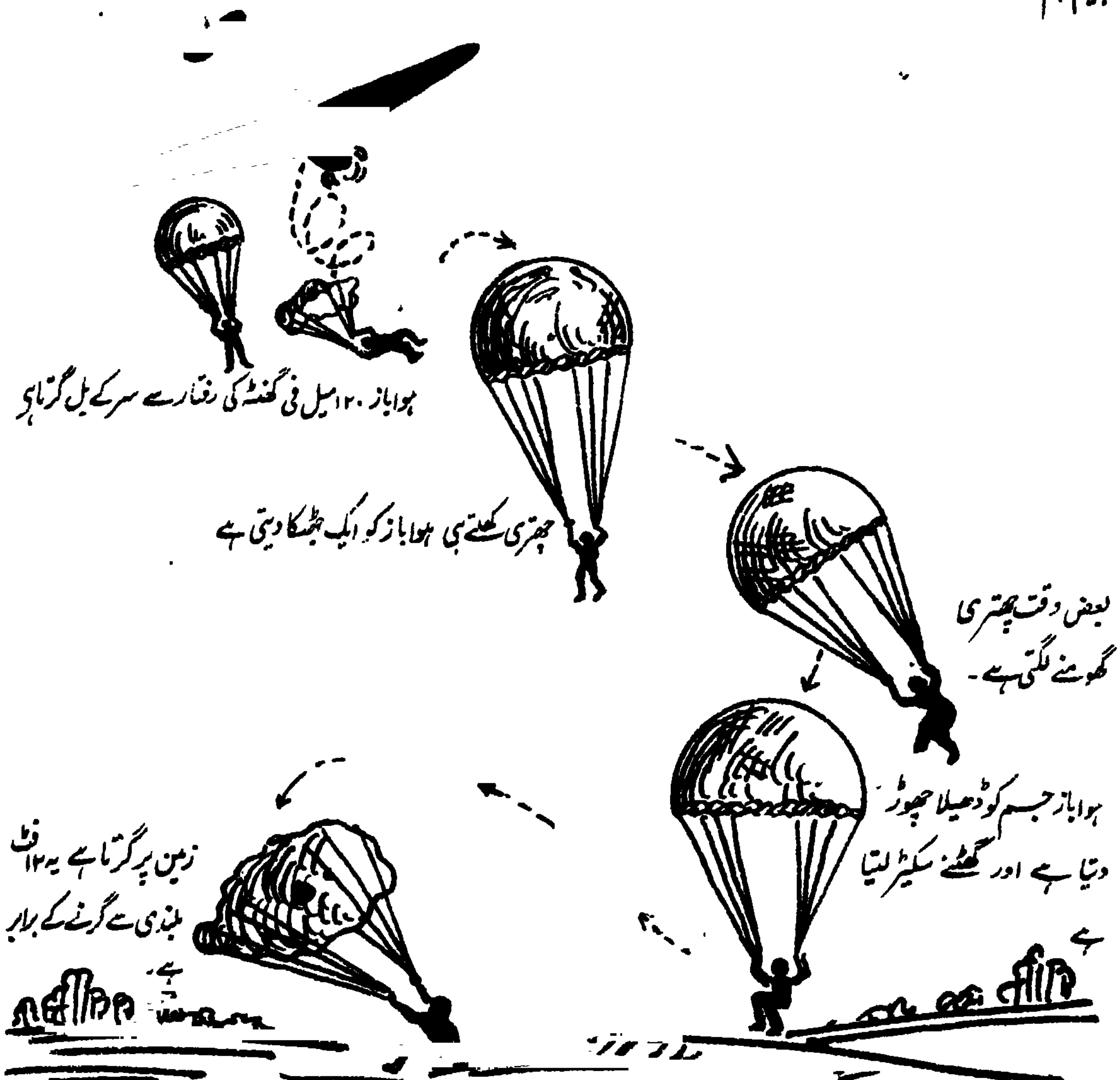
نئی چھتری میں کپڑے کے بیچوں بیچ ایک چھوٹا سوراخ بنا دیا جاتا ہے جس کی وجہ سے چھتری ہلنے کے بجائے زمین پر آہستہ آہستہ اُترتی جاتی ہے اور

گنبد کی زائد ہوا سوراخ سے نکل جاتی ہے۔ پرانی قسم کی چھتریاں کبھی کبھی عین وقت پر کھل نہیں پاتی تھیں اور اترنے والا گر کر مرجاتا تھا۔ نئی چھتریوں میں خاص طور سے ایک مضبوط المونیم کا مدور ٹکڑا رکھا جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے ہوا ریشمی کپڑے کے اندر بھر جاتی ہے۔ اس طرح چھتری نہ کھلنے کا اندیشہ جاتا رہا۔ ان خوبیوں کے علاوہ تسمے اس خوبی سے باندھے جاتے ہیں کہ چھتری کے اترتے وقت جھٹکے نہیں لگتے۔ جتنا جھٹکا میز سے کودنے پر لگتا ہے اسی قدر چھتری سے اترنے پر لگتا ہے۔ ہوا زور سے چل رہی ہو تو اترنے والا زمین پر اترتے ہی چھتری کو اپنے جسم سے جلد علیحدہ کر سکتا ہے تاکہ پھر اٹھنے کا ڈر نہ رہے۔ پانی میں اتر رہا ہو ..... تو بھی چھتری علیحدہ کر سکتا ہے اور پھر آسانی سے پانی میں تیر سکتا ہے۔

موجودہ لڑائیوں میں ہوائی چھتریوں کی بہت اہمیت ہے۔ سب سے پہلے روسیوں نے سپاہیوں کو چھتری سے اترنے کی تعلیم دی اس کے لئے وہاں خاص مینارے تیار ہوئے اور چھتری والی فوجیں بنائی گئیں۔ ان فوجوں کو دنیا کی تاریخ میں پہلی دفعہ فنستان کی لڑائی میں استعمال کیا گیا۔ لیکن موسمی اور جغرافیائی حالات کی ناواقفیت کے سبب ایسی فوجوں کو خاطر خواہ کامیابی حاصل نہ ہوئی روس کی دیکھا دیکھی جرمنوں نے ایسی فوجیں بنائیں اور بہت کامیابی حاصل کی یہ چھتری والی فوجیں دشمن کے ملک میں بے دھڑک ہوائی جہازوں کے ذریعے سے اترتی ہیں۔ شہری آبادی کو پریشان کرتی ہیں اور دشمن کے پیچھے سے حملہ کر دیتی ہیں۔

ابھی تھوڑے دن ہوئے کہ جرمنوں نے ہالینڈ بلجیم، ناروے وغیرہ میں اپنے اسی ہتھیار سے کامیابی حاصل کی۔ چھتری والی فوج نے چھتریوں کے ذریعے ہوائی جہاز سے اتر کر شہریوں کو پریشان کرنا شروع کیا۔ اور ساتھ ہی اپنے مخالفین کو اس بات پر مجبور کر دیا کہ چھتری والی فوجوں سے لڑنے کے لئے فوج روانہ کریں۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ ان ملکوں کی فوجوں کو جا بجا اپنے ملک میں چھتری والوں کا مقابلہ کرنا پڑا۔ اور فوج کی طاقت کم ہو گئی

ان چھتری والوں کو برباد کرنے کا سب سے آسان طریقہ یہی ہے کہ یہ لوگ اترتے وقت ہی ہلاک کر دئے جائیں۔ لیکن اس پر عمل کرنے کے لئے ملک کے ہر حصے میں فوج کی ضرورت ہوگی تاکہ اپنے ان دشمنوں کو مقابلے سے پہلے برباد کر دیا جائے - حصاروں کو پار کر کے یہ چھتری والے غیر ملکوں میں داخل ہو کر لڑ سکتے ہیں اور حصاروں سے مقاومت کا ڈر نہیں رہتا۔ اب ان چھتری والوں کے اچانک حملے سے ہر شہر کو ہوشیار رہنا پڑے گا۔



ہوائی چھتریوں سے اُترنے والے سپاہیوں کے پاس عموماً یہ سامان ہوتا ہے:۔

۱۔ ایک سائیکل جو تہہ کردی جاتی ہے
۲۔ گیس ماسک یعنی زہریلے گیس کو روکنے والی نقاب۔
۳۔ ایک دوربین۔
۴۔ ایک ریڈیو سٹ تاکہ مرکز سے ہدائتیں لینے اور خبریں بھیجنے کا انتظام رہے۔
۵۔ پانی کی ایک بوتل۔
۶۔ ایک چھوٹا سا خیمہ یا چھوٹی چھولداری۔
۷۔ حملہ کرنے کے لئے ایک مشین گن۔
۸۔ ایک پستول اور ایک خنجر۔

مہاراجہ سرکشن پرشاد آں جہانی

یمین السلطنت مہاراجہ سرکشن پرشاد آں جہانی کا ذکر پیام تعلیم میں اکثر آیا ہے۔ نواب حیدر نواز جنگ سر اکبر حیدری بالقابہ سے پہلے ہندوستان کی سب سے بڑی ریاست حیدر آباد کے آپ ہی وزیر اعظم تھے۔

افسوس ہے کہ پچھلی مئی میں دو چار روز کی بیماری کے بعد مہاراجہ بہادر کا انتقال ہوگیا۔ نہ صرف حیدر آباد بلکہ تمام ہندوستان میں اس ناوقت حادثے پر افسوس کیا گیا۔

مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر کا تعلق مغل شہنشاہ اکبر اعظم کے مشہور وزیر راجہ ٹوڈرمل کے خاندان سے ہے۔ مہاراجہ بہادر نے تعلیم و تربیت اپنے نانا مہاراجہ نرندر پرشاد آں جہانی کی نگرانی میں حاصل کی اور گھر پر فارسی عربی انگریزی گورمکھی سنسکرت، مرہٹی، تلنگی وغیرہ زبانیں سیکھیں۔ پھر آپ اپنی تعلیم پوری کرنے کے لئے مدرسہ عالیہ میں داخل ہوئے۔ وہاں آپ نے عربی، فارسی اور انگریزی میں بہت ترقی کی۔

مہاراجہ بہادر کے خاندان کا تعلق سلطنت حیدر آباد سے شروع سے ہے حضرت غفران مکان (سابق نظام حیدر آباد) نے آپ کی خاندانی وجاہت کا لحاظ کر کے مہاراجہ بہادر کا خطاب عطا فرمایا۔ پھر دن پر دن آپ کے منصب اور درجے میں ترقی ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ آپ وزیر اعظم کے مرتبے تک پہنچ گئے اور گیارہ سال تک آپ نے اس خدمت کو بحسن وخوبی انجام دیا۔ انگریزی حکومت نے بھی آپ کو کے، سی، آئی، ای اور جی، سی، آئی، ای کے خطابوں سے معزز فرمایا۔

مہاراجہ بہادر اگلے بزرگوں، امیروں اور راجاؤں کا ہو بہو نمونہ تھے۔ وہی دریا دلی اور سخاوت وہی بزرگانہ شان، وہی قدیم مجلسی آداب اور وہی پرانی مشرقی تہذیب، ضرورت مند اور مستحق لوگوں کو آپ سے بہت فیض پہنچتا تھا۔ اہل علم کے خاص طور پر قدردان تھے۔ خود بھی علم وادب پر گہری نظر تھی

شاعر بھی تھے اور مصنف بھی۔ نظم و نثر میں آپ کی
کوئی پانچ درجن کتابیں ہیں نظم میں آپ کی مثنوی
پریم درپن خاص طور پر مقبول ہوئی۔
ان سب باتوں کے ساتھ ساتھ سپاہیانہ فنون
بنوٹ، تیراندازی، نشانہ بازی وغیرہ سے بھی بہت
دلچسپی تھی۔ شکار کا شوق بھی تھا خصوصاً شیر کے
شکار کا۔ یونانی اور دوسری طبوں سے بھی اچھی خاصی
واقفیت تھی۔ علم رمل، نجوم اور ستارہ شناسی سے

سے بھی دلچسپی تھی۔ غرض مہاراجہ بہادر کی یہی
خوبیاں تھیں جن کی وجہ سے لوگ اُن کی یاد دیر تک
دلوں میں تازہ رکھیں گے۔ وہ سچ مچ مشرقی تہذیب
کا مکمل نمونہ تھے اور اُن کے انتقال سے جو جگہ
خالی ہوئی ہے وہ پر نہیں ہو سکتی۔ اعلیٰ حضرت
حضور نظام نے بہت صحیح فرمایا ہے کہ: "وہ پرانی
بساط کا آخری مُہرا تھے"

معلومات

سب سے بڑا سب سے زیادہ ؟ !

دنیا میں سب سے بڑی ابرق کی کان ہزاری باغ (بہار) میں ہے۔

دنیا میں سب سے بڑا آبشار وکٹوریہ (افریقہ میں) ہے یہ ۴۰۰ فٹ کی بلندی سے گرتا ہے۔

دنیا میں سب سے بڑا آتش فشاں پہاڑ ویسو ولیس ہے۔ یہ اٹلی میں ہے۔

دنیا میں سب سے پرانا اشتہار ...۳ سال قبل جنوبی اٹلی کے شہر کارس کے ایک برتن والے نے دیا تھا۔

دنیا میں سب سے عمدہ انجیر ملک شام میں پیدا ہوتے ہیں انھیں شاہ انجیر کہتے ہیں۔

دنیا میں سب سے اونچا مقام ہمالیہ کی چوٹی (ایورسٹ) ہے۔ جس کی اونچائی تقریباً ۲۹۰۵۰ فٹ ہے

دنیا میں سب سے زیادہ اونٹ عرب میں ہوتے ہیں۔

دنیا میں سب سے بڑا براعظم ایشیا ہے۔

دنیا میں سب سے بڑا برآمدہ رامیشورم مندر (مدراس) کا ہے جس کی لمبائی ۴۰۰۰ فٹ ہے۔

دنیا میں سب سے بڑا بت (آزادی کا مجسمہ) نیویارک میں ہے جس کی اونچائی ۱۵۱ فٹ ہے۔

دنیا میں سب سے زیادہ بارش چیرا پونجی (آسام) میں ہوتی ہے جس کا سالانہ اوسط ۵۰۰ انچ ہے۔

دنیا میں سب سے مشہور باورچی کی تنخواہ آٹھ ہزار پونڈ سالانہ ہے جو نیویارک (امریکہ) کے ایک ہوٹل میں ہے

دنیا میں سب سے بڑی بلی (GIBSON) میں ہے اس وقت اس کا وزن ۴۵ پونڈ ہے اور ناک سے دم تک لمبائی ۴۷ انچ ہے۔

دنیا میں سب سے زیادہ پیغمبر ایشیا میں پیدا ہوئے

دنیا میں سب سے زیادہ بوڑھی عورت اس وقت ایران کے ایک دیہات میں رہتی ہے اس وقت اس کی عمر ۱۵۹ سال کے قریب ہے۔ اس کے لڑکے کی عمر ۱۲۵ سال ہے۔

دنیا میں سب سے بڑا پارک نیویارک (امریکہ) میں ہے جس کا رقبہ ۳۳۵۰ مربع میل ہے ؞

نئے نئے کھیل

پتھر کا نشانہ

سید الطاف علی صاحب

تعداد :- دو

جگہ :- میدان

طریقہ :- دو کھلاڑی ایک دوسرے کے ساتھ پہلو بہ پہلو کھڑے ہو جاتے ہیں دونوں کے ہاتھوں میں ایک ایک پتھر (پاؤ بھر وزن کا) ہوتا ہے۔

کھیل شروع ہونے پر ایک لڑکا اپنے پتھر کو پانچ چھ گز کے فاصلے پر لڑھکا دیتا ہے۔ دوسرا اسے اپنے پتھر سے نشانہ بناتا ہے۔ اگر نشانہ ٹھیک نہ بیٹھے تو پہلا لڑکا جہاں سے اپنا پتھر لڑھکائے وہیں سے دوسرے



لڑکے پتھر کو مارتا ہے اگر نشانہ ٹھیک بیٹھا تو وہ وہیں سے دوسرے لڑکے کی پیٹھ پر سواری کرکے اپنے پتھر تک پہنچتا ہے اور وہاں سے مخالف کے پتھر کا پھر نشانہ کرتا ہے اور جب تک نشانہ نہ ٹھیک بیٹھتا جائے وہ دوسرے پر سواری کرکے اپنے پتھر تک جاتا رہے گا۔ نشانہ چوک جانے پر دوسرا لڑکا اپنی باری لیتا ہے۔ اور کھیل اسی طرح جاری رہتا ہے ؛

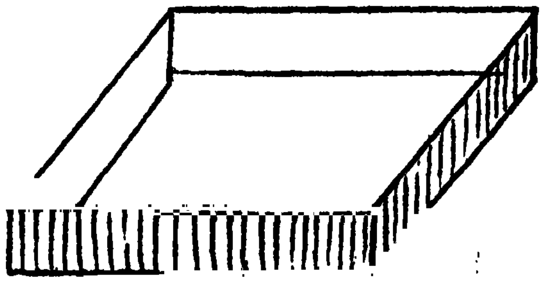
ابری بنانا

سید عروج الحسن صاحب

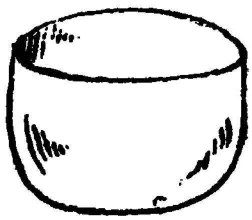
پچھلے سال کی بات ہے جون کے پیام تعلیم میں ابری بنانے پر ایک مضمون چھپا تھا۔ ہم نے اس میں ابری بنانے کا ایک آسان طریقہ بتایا تھا۔ اب ہماری نظر میں وہ تجربہ زیادہ اچھا نہیں۔ ہم نے اس عرصے میں اور بہت سے تجربے کئے ہیں اور ہر تجربے ے ایک نئی چیز سیکھی ہے۔

ہمارے ان تجربوں سے تعلیمی مرکز جامعہ کے بچوں کو بھی بہت کچھ آگیا۔ اور وہ بے دھڑک چھی سے اچھی ابری بنانا جان گئے۔ اب وہ اپنے نتے کے بنائے ہوئے نمونوں میں اپنے ہی ہاتھ کی بنی ہوئی ابری لگانا زیادہ پسند کرتے ہیں۔ اور بات بھی ہی ہے کہ جو خوبی ان نمونوں میں پیدا ہوتی ہے وہ بازار کی ابری یا رنگین کاغذ لگانے میں نہیں ہوتی۔

بہت ممکن ہے کہ تم میں سے بعض نے ابری بنانے ے سلسلے میں کچھ تجربے کئے ہوں لیکن ابھی تک ہمیں کسی تے تجربے کی اطلاع نہیں ملی۔ ہمارا یہی جی چاہتا ہے کہ ہمارے تجربوں سے تم بھی فائدہ اُٹھاؤ۔ کوڑیوں کا سودا ہے۔ ذرا بھی مشق ہوگئی تو ابری بنانا تمہارے بائیں ہاتھ کا کھیل ہوجائے گا۔



ایک کھلے ہوئے برتن میں آدھے سے زیادہ صاف پانی لے کر اس میں اس قدر سریش گھولو کہ پانی گاڑھا ہوجائے اب کئی پیالیوں میں (OIL COLOUR TUBES) سے



مختلف رنگ لے کر مٹی کے تیل میں گھول لو۔ تیل صرف

اس قدر ڈالا جائے کہ رنگ گھل جائے مگر پتلا نہ ہونے پائے۔ گاڑھا ہی رہے۔ برش کے ذریعے اپنی پسند کے مطابق پانی میں ان رنگوں کو پھیلاؤ۔ یہ خیال رہے کہ پانی زیادہ ہلنے نہ پائے۔ پانی چونکہ ٹھہرا ہوا ہوگا اس لئے جس قسم کی لہریں چاہوگے پانی میں ڈال سکتے ہو۔ اس کے بعد سفید کاغذ پانی میں رکھ کر اٹھا لو۔ ابری تیار۔ دوبارہ ابری بنانے کے لئے اس وقت تک رنگ نہ ڈالو جب تک پانی ٹھہر نہ جائے۔

اگر ابری میں سنہری یا روپہلی چمک پیدا کرنا چاہو تو دو پیالیوں میں الگ الگ دونوں قسم کے برادوں کو مٹی کے تیل میں اسی طرح گھول لو جیسے رنگ گھولے تھے اور انھیں بھی پانی میں اسی طریقہ سے چھڑکو۔ اگر اچھی ابریاں بنیں تو نمونے ہمیں بھی بھیج دینا۔

پیامِ برادری

آپا جان

عزیز بچو اور بچیو! خوش رہو اور تندرست۔ شکر ہے کہ اب برسات کا موسم آگیا۔ گرمی کا زور کم ہو رہا ہے اگرچہ دلی میں اب تک گرمی اور لوہ کی وہی کیفیت ہے۔ لیکن حیدرآباد بلکہ تمام جنوبی ہند اور شمالی ہند میں موسم خوشگوار ہوگیا ہے۔

یورپ میں لڑائی پورے زور شور سے جاری ہے۔ جب سے اٹلی اس لڑائی میں شریک ہوا ہے۔ لڑائی کی شدت اور بڑھ گئی ہے۔ دراصل بلجیم فتح ہو جانے کے بعد جرمنی کے حوصلے بہت بڑھ گئے ہیں۔ یہاں اتحادی پوری طاقت سے جرمنی کا مقابلہ کر رہے تھے لیکن ایک تو جرمنی کا لڑائی کا سامان بہت اچھا تھا دوسرے عین لڑائی کے موقع پر بلجیم کے بادشاہ نے ہتھیار ڈالنے کا اعلان کر دیا۔ اس سے اتحادیوں کی فوجیں بہت مشکل میں پھنس گئیں اور لڑائی کا تمام سامان چھوڑ کر بڑی تدبیروں سے سپاہی واپس لائے گئے۔

بلجیم فتح کرنے کے بعد جرمن فوجیں برابر آگے ہی بڑھتی رہیں۔ ان کا رخ فرانس کی طرف تھا۔ فرانسیسیوں اور انگریزوں نے بہت بہادری سے مقابلہ کیا۔ مگر جرمنی کے سامان کی اچھائی کی وجہ سے انھیں زیادہ کامیابی نہ ہو سکی۔ اور دشمن نے پیرس پر قبضہ کر لیا۔ بلکہ وہ اس سے بھی میلوں آگے بڑھ گیا ہے۔ لڑائی اب بھی جاری ہے لیکن مقابلے کا امکان نہیں رہا ہے اب صورت یہ ہے کہ موسیو رینو وزیرِ اعظم فرانس کی وزارت بدل گئی ہے اور ان کی جگہ موسیو پے تین کی جو وزارت بنی ہے وہ جرمنی سے صلح کی بات چیت کر رہی ہے۔

ادھر برطانیہ کے وزیرِ اعظم مسٹر چرچل نے اپنی تازہ ترین تقریر میں کہا ہے کہ فرانس ختم ہوگیا اور اب ہماری باری ہے اور ہم نے مقابلے کی پوری تیاری کر لی ہے اس وقت برطانیہ کی کل فوج سترہ لاکھ سے زیادہ ہے۔ سامانِ جنگ کی کمی بھی پوری کر لی گئی ہے۔ جرمنی نے انگلستان کے سرحدی مقامات پر ہوائی حملے شروع کر دئے ہیں جن کا جواب پوری شدت سے دیا جا رہا ہے۔

ہندوستان میں بھی حفاظتی فوج بڑھائی جا رہی ہے اور شہروں کی حفاظت کے لئے حفاظتی دستے بنائے جا رہے ہیں۔ مسلح گاڑیاں بھی بہت تعداد میں بن رہی ہیں۔ ہوائی تعلیم کی طرف بھی زور دیا جا رہا ہے۔

معما نمبر ، کا صحیح حل ان بچوں نے بھیجا ہے :۔

سعیدہ خانم ۔ بانسی
انوار الحق ۔ میانوالی
جمال آرا بیگم ۔ کراچی
سید علی عباس ۔ پونا کیمپ
محمد صالح میاں ۔ رام پور
امیر علی علوی ۔ خریداری نمبر ۲۲۸
اوم پرکاش ۔ کیمبل پور
مس زہرا رحمٰن
فرخ زماں خاں ۔ بریلی
احمد حسن ۔ فتح گڑھ ۔ یوپی
انیسہ بانو ۔ سری نگر (کشمیر)

ان بچوں کے حلوں میں ایک غلطی ہے[۱]

شمیم محبوب بشارت اللہ ۔ دہلی
ام ۔ اے ۔ انصاری ۔ بجنور
انعام الرحمٰن ۔ بھوپال
ایس ، ایچ ابو الفیض ۔ ٹانڈہ
بقار اللہ عثمانی ۔ پانی پت
سید منصور علی ۔ سوہاگ پور
رفیق حسن ۔ اورنگ آباد
میاں جلال الدین ۔ ریاست پاٹودی
عماد عبد الواجد ۔ بریلی
کاغذی محمد عمر جامعی ۔ ڈبھوئی
بلقیس اختر ۔ روپڑ
زاہدہ بیگم ۔ پٹنہ سٹی
ح ، خ ۔ گوجرانوالہ
م ، س بیگم ۔ شاہ جہاں پور
خواجہ معین الدین ۔ حیدر آباد دکن
حفیظہ بیگم ۔ میرٹھ چھاؤنی
ایس ، ایس احمد علی خاں ۔ رام پور
محمد حارث ۔ پٹنہ
احسان الحق ۔ دہلی
غفران علی ۔ سیوہارا
سید حیدر علی خاں ۔ شیخ پورہ
عمر حاجی الو ۔ پوری بندر
محمد محب الرحمٰن خاں شروانی ۔ علی گڑھ
فہیم جہاں بیگم ۔ آگرہ
تاج محمد ۔ بھوپال
سید آفتاب عالم ۔ بھاگل پور
ظفر عمر ۔ سہارنپور
محمد جمیل الرحمٰن ۔ بچھرایوں
انوار احمد خاں ۔ شاہ جہاں پور
انجم فریدہ ۔ نگینہ
صبیحہ بیگم ۔ حیدر آباد دکن
نسیم احمد ۔ نئی دہلی
سید محمد عمر ۔ لہرپا سرائے
محمد سلطان فروغ ۔ جامعہ ، دہلی
رام داس ۔ گڑھ شنکر
احمد جواد بیگ ۔ علی گڑھ
محمد فاروق حسین ۔ گلبرگہ شریف
خلیل الرحمٰن ۔ آگرہ
میر صادق علی خاں ۔ حیدر آباد دکن
اسد الرحمٰن ۔ کلکتہ
محمد احسن صدیق ۔ بدایوں
عزیز فاطمہ ۔ سہارنپور
م ، ن بیگم ۔ شاہ جہاں پور
انوار جہاں بیگم
نفیس حسین عتیقی ۔ نگینہ

[۱] ان سب کے پیامیوں کے حل اس لئے غلط آئے کہ انھوں نے ہندسے اور عدد کے فرق پر غور نہیں کیا۔

وجاہت حسین صدیقی - نگینہ　　نزہت شمیم - نگینہ　　سلطان احمد - کلکتہ

میں نے کئی بار منع کیا ہے کہ حل کے ساتھ لفافے میں خط وغیرہ نہ بھیجا کرو۔ مگر بعض بچے یہ بات بھول جاتے ہیں اور حل کے ساتھ مضمون اور حل بھی بھیج دیتے ہیں اور ان خطوں کے جواب نہیں پہنچتے تو شکایت کرتے ہیں۔ مجھے اُمید ہے کہ آئندہ اس کی احتیاط کی جائے گی۔ ہاں آئندہ دو تین باتوں کا اور خیال رکھنا۔ اول تو یہ کہ ہر معمّے کے ساتھ تمہارا پورا پتہ ہونا چاہیئے۔ ایک بچے کے حل میں ایک غلطی ہے لیکن اس نے معمّے پر نہ نام لکھا ہے نہ پتہ۔ معمّے کا کوپن یا تو کاغذ پر چپکا دیا کرو یا پن لگا دیا کرو۔ جن حروف میں نقطے ہوں وہاں نقطے ضرور لگایا کرو۔

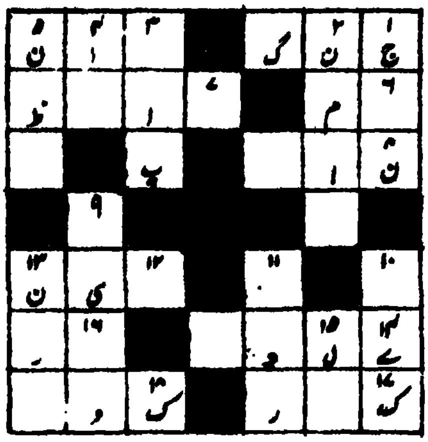
محترمہ بیگم ظل الرحمٰن (سول جج بجنور) کے خط سے یہ معلوم ہو کر بہت افسوس ہوا کہ عزیزہ زہرہ رحمٰن نے چار پانچ دن کی مختصر بیماری کے بعد انتقال کیا۔ یہ بہت ہونہار بچی تھی۔ بچوں کے پرچے بہت شوق سے پڑھتی تھی۔ پیام تعلیم سے خاص دلچسپی تھی۔ معمّے کے انعامی مقابلوں میں بھی برابر حصّہ لیتی تھی۔ معمّا نمبر ۷ صحیح حل کرنے والے بچوں میں اس کا نام بھی ہے۔ کاش یہ خوش خبری ہم اُسے زندگی ہی میں پہنچا سکتے۔ پیامی بچیاں زہرا مرحومہ کے والدین کو اس پتے سے خط لکھیں:

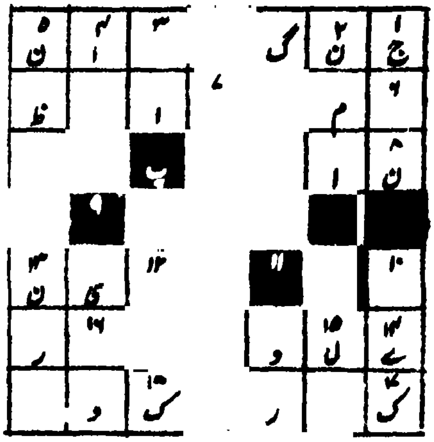
محترمہ بیگم رحمٰن - معرفت سید ظل الرحمٰن صاحب
سول جج - بجنور

(آپا جان)

معمہ نمبر ۹

پہلا انعام - ۶ ے
دوسرا انعام - للعہ





اشارات

اوپر سے نیچے

(۱) .... دی دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا
غالب

(۲) گئے تھے..... ... بخشوانے روزے گلے پڑ گئے۔

(۳) گناہ

(۴) افسوس کے موقع پر بے ساختہ زبان سے نکل جاتا ہے

(۵) اکثر لوگوں پر اس کا دافعی اثر ہوتا ہے۔

(۹) ہندوستان کی آزادی کی تاریخ میں...... سلطان کا نام سنہری حرفوں میں لکھا جائے گا۔

دائیں سے بائیں

(۱) آج کل اتحادیوں اور نازیوں میں زبردست...... ہورہی ہے۔

(۳) .... کھانا دانت خراب کرتا ہے۔

(۶) برسا برس دیس میں آوے
منہ سے منہ لگائے رس پیا وے

(۷) انسان وہی ہے جس کا .... اور باطن ایک ہو۔ (بے ترتیب)

(۸) بعض اوقات موت کا سبب

(۱۰) حقیقت یہ ہے کہ ہر مذہب ..... ہی راستے پر لے جاتا ہے

(۱۱) .... پر موسیٰ گرے خالق کا جلوہ دیکھ کر

(۱۳) آج کل کی گرمی میں ...... بھی کالے پڑ جاتے ہیں۔
(نیچے سے اوپر)

(۱۵) آج کل اس سے بچے رہنا۔

(۱۲) ہاتھ کا کاغذ سب سے پہلے اسی ملک میں بنا شروع ہوا تھا

(۱۴) ہٹلر کی فوج اندھا دھند ...... برساتی پر (انـ

(۱۶) برسات میں چیونٹی کے بھی نکل آتے ہیں۔

(۱۷) اندھا

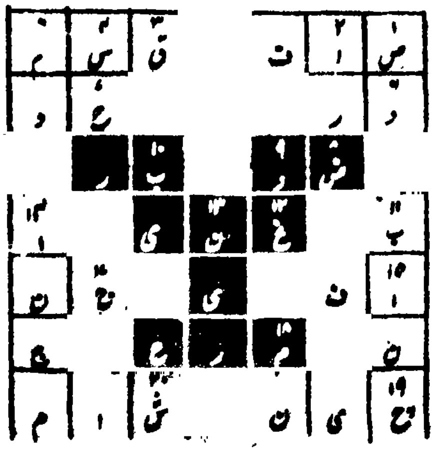
(۱۸) پہاڑ

قواعد

۱۔ تمام مدرسوں کے بچے حل کرنے میں حصہ لے سکتے ہیں۔ اُستاد کی تصدیق ضروری ہے۔
۲۔ ایک حل کے ساتھ ایک آنے کا ٹکٹ آنا ضروری ہے۔
۳۔ ایک سے زائد حل بھی بھیجے جا سکتے ہیں۔ چار حلوں کی رعایتی فیس ۳؍ ہے۔
۴۔ دونوں انعام تقسیم کر دئے جائیں گے۔ قرعہ اندازی نہیں ہوگی۔
۵۔ تمام حل ۲۰ جولائی تک دفتر پیام تعلیم مکتبہ جامعہ دہلی پہنچ جانا چاہئیں۔
۶۔ ایڈیٹر کا فیصلہ قطعی ہوگا۔
۷۔ لفافے کے بائیں کونے پر لفظ معما لکھ دیا جائے۔
۸۔ نام اور پتہ پورا اور صاف لکھو۔

معما نمبر ۸ کا صحیح حل

معما نمبر ۸



بچوں کی علمی کتابیں

کائنات :- سورج، چاند، ستارے اور ہماری یہ دنیا کیا ہے؟ ان سب باتوں کو دلچسپ مثالوں سے سمجھایا گیا ہے۔ قیمت ۴ر

دہلی :- دہلی کی آٹھ شاہی عمارتوں کے دلچسپ حالات اور اُن کی تصویریں۔ قیمت ۴ر

دُنیا کے بچے :- دنیا کے چودہ مختلف ملکوں کے بچوں کے دلچسپ حالات لکھے گئے ہیں۔ قیمت ۵ر

دُنیا کے بسنے والے :- اس میں مختلف ملکوں کے لوگوں کے حالات دلچسپ انداز میں لکھے گئے ہیں۔ قیمت ۵ر

عجائب خانہ سمندر :- ہماری اِس دُنیا کی طرح ایک دنیا سمندر کی بھی ہے اِس میں اسی سمندری دنیا کے حالات لکھے گئے ہیں۔ بہت سی تصویریں ہیں قیمت ۴ر

تعلیمی کھیل :- اس میں ایسے تعلیمی کھیل درج ہیں جن سے انگریزی، ڈرائنگ اور حساب کی لیاقت بڑھ جاتی ہے۔ قیمت ۳ر

دھوئیں کی پھانسی :- سائنس کے مشکل مضامین کہانیوں میں لکھے گئے ہیں۔ بہت دلچسپ۔ قیمت ۵ر

اونچے درجے کے پڑھے لکھے

تعلیمی تاش جیسا اسکول کے لڑکوں اور معمولی تعلیم یافتہ لوگوں میں مقبول ہے ویسا ہی اونچے درجے کے پڑھے لکھوں میں پسند کیا جاتا ہے۔

تعلیمی تاش کے کھیل میں کبھی آپ قہقہہ لگائیں گے اور کبھی آپ سنجیدہ بن جائیں گے۔ ساتھ کھیلنے والے پر آپ کو رشک آئے گا اور کبھی اپنا شاندار ہاتھ بن جانے پر آپ کو بے حد مسرت ہوگی۔

تعلیمی تاش ایک عجیب کھیل ہے۔ اس میں علم کی خوبیاں اور کھیل کی دلچسپیاں ملا دی گئی ہیں۔ ابھی ایک تاش منگا لیجئے۔ کھیلنے کے قواعد کی کتاب بکس کے ہمراہ بھیجی جاتی ہے

قیمت فی بکس
بڑا سائز: اردو انگریزی ۱۲ر۔ اردو ۵ر۔ ہندی ۱۲ر
چھوٹا سائز: اردو ۴ر۔ انگریزی ۵ر

پیامِ تعلیم

نمبر ۵



مکتبہ جامعہ دہلی

چھوٹے بچوں کی کتابیں

ہمارے نبی:۔ ہمارے پیارے نبی کی پاک زندگی کی کہانیاں آسان اور دلچسپ زبان میں لکھی گئی ہیں۔ قیمت ۳؍

آخری نبی:۔ رسول مقبول کے مختصر مگر جامع حالات۔ چھوٹے چھوٹے جملے۔ اور ہلکے پھلکے الفاظ میں لکھے گئے ہیں۔ قیمت ۳؍

رسول پاک:۔ اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ رسول پاک کون تھے۔ کیسے تھے اور کیا سکھایا۔ قیمت ۵؍

چاریار:۔ حضرات خلفاء راشدین یعنی حضرت ابوبکر، عمر، عثمان، علی رضوان اللہ علیہم کے سبق آموز اور دلچسپ حالات۔ قیمت ۶؍

عقائد اسلام:۔ یہ رسالہ اسلامی عقائد سکھانے کے لئے آسان زبان میں لکھا گیا ہے۔ قیمت ۱۰؍

ارکان اسلام:۔ اس میں اسلام کے پانچوں ارکان آسان زبان میں سمجھائے گئے ہیں۔ قیمت ۲۰؍

پیام تعلیم یو پی، سی پی، برار، میسور، حیدر آباد اور پنجاب کے محکمۂ تعلیم کی طرف سے سرکاری طور پر منظور کیا گیا ہے۔ "منیجر"

پیام تعلیم

ایڈیٹر
محمد حسین حسان

فی پرچہ تین آنے

قیمت سالانہ عہ

جلد ۲۳ | ستمبر سنہ ۱۹۴۶ء | نمبر ۹

فہرست مضامین

پرنٹر و پبلشر ڈاکٹر سید عابد حسین ایم اے۔ پی ایچ ڈی۔ محبوب المطابع برقی پریس دہلی

بچّوں سے باتیں

اس مرتبہ پیامِ تعلیم کے کارکنوں نے فیصلہ کیا ہے کہ سال گرہ نمبر اکتوبر کی جگہ جنوری میں شائع کیا جائے۔ ہم اس مرتبہ جیسا سالگرہ نمبر شائع کرنا چاہتے ہیں، اس کے لئے اکتوبر تک کی مدت کافی نہیں تھی۔ اس لئے مجبوراً اتنے دن اور بڑھانے پڑے۔

اب پیامیوں کو بھی موقع ہے کہ سال گرہ نمبر کو خوبصورت اور شان دار بنانے کے لئے اچھی اچھی تجویزیں بھیجیں اور مفید مشورے دیں۔

اس پرچے میں بچوں کی بھیجی ہوئی چند نظمیں چھپ رہی ہیں۔ ان میں سے کچھ تو پرانی ہیں اور کچھ نئی۔ ان نظموں کی اصلاح جناب مولوی شفیع الدین نیر نے کی ہے۔

ان نظموں میں کہیں کہیں غلطیاں بھی ہیں۔ نیر صاحب نے بس اتنی اصلاح کی ہے کہ کسی شعر میں لفظ بدل دئے ہیں اور کسی جگہ اِدھر کے لفظ اُدھر اور اُدھر کے لفظ اِدھر رکھ دئے ہیں۔ انھیں اِس طرح کی اصلاح میں کافی محنت کرنا پڑی ہے۔ اُن کے لئے یہ زیادہ آسان تھا کہ شعر کے شعر بدل دئے جاتے۔ مگر پھر بچوں کو ویسی خوشی نہ ہوتی جیسے اپنے شعر دیکھ کر ہونی چاہئے۔ دوسرے پڑھنے والوں کو اندازہ نہ ہوتا کہ یہ شعر ہمارے ہی ننھّے پیامیوں کے کہے ہوئے ہیں۔ نہ یہ معلوم ہوتا کہ شعر کہتے وقت ہمارے بچّوں کے دل میں کیا خیال آتے ہیں اور وہ انھیں کیسے ادا کرتے ہیں۔

اس سلسلے میں بعض نظمیں ایسی بھی آئیں جن کی اصلاح بالکل ناممکن تھی۔ بچوں نے چند بے جوڑ فقرے نظم کی صورت میں لکھ کر بھیج دئے تھے۔ ایسی نظموں کی اصلاح سے یہ زیادہ آسان تھا کہ نئے سرے سے نظم لکھ دی جائے۔

بچے نظمیں ہمیں بھیجنے سے پہلے اپنے سرپرست یا استاد کو ضرور دکھا دیا کریں۔ نظم صاف لکھی ہوئی ہو۔ ہر شعر کے نیچے اصلاح کے لئے جگہ بھی چھوٹی ہوئی ہو۔

ہاں ایک بات اور۔ جناب نیّر صاحب کو آج کل فرصت بہت کم ہے اِس لئے اِس وقت صرف وہی بچے اپنی نظمیں اصلاح کے لئے بھیجیں جو پیامِ تعلیم کے خریدار ہوں۔ یہ بچے ایک تو اپنا پورا پتہ اور نمبر خریداری لکھیں۔ دوسرے لفافے میں ایک ٹکٹ بھی رکھ دیں تاکہ اصلاح کے بعد ان کی نظمیں واپس کردی جائیں •

چھبو کے پکوڑے

محمد شفیع الدین صاحب نیرؔ

چھبوؔ[1] آئے دوڑے دوڑے — ہاتھ میں لے کر چار پکوڑے
ایک پکوڑا ہم نے اُٹھایا — خوب مزے لے لے کر کھایا
بھائی بولے، بھیا چھبوا — ایک پکوڑا ہم کو بھی دو
چھبوؔ نے ایک پکوڑا — ہاتھ پہ اپنے بھائی کے رکھا
بھائی نے بھی اُس کو اٹھایا — خوب مزے لے کر کھایا
ابا بولے بیٹا چھبو! — ایک پکوڑا ہم کو بھی دو
چھبوؔ نے ایک پکوڑا — ابا جی کے ہاتھ پہ رکھا
ابا نے وہ آپ بھی کھایا — تھوڑا سا اماں کو چکھایا
ایک بچا وہ کھا گئے چھبو — جھٹ پٹ اس کو اڑا گئے چھبوؔ

ختم ہوئے یوں چار پکوڑے
کھا پی کر پھر چھبوؔ دوڑے

[1] میرے ایک دوست کا لڑکا محمد حبیب - عمر ۲ سال - چھبو پیار کا نام -

ہندوستان

خالد حسن قادری آگرہ

ہندوستان ہمارا ہے سب مُلکوں سے پیارا ہے
سب کے دل کا سہارا ہے ہاں آنکھوں کا تارا ہے
ہندوستان ہمارا ہے
سب مُلکوں سے پیارا ہے

کوئل باغ میں آتی ہے سب کے دِل کو لُبھاتی ہے
میٹھے سُر میں گاتی ہے گا گا کر یہ سُناتی ہے
ہندوستان ہمارا ہے
سب مُلکوں سے پیارا ہے

پھل پھولوں کی کثرت ہے ہر جا عیش و عشرت ہے
کیا اللہ کی قُدرت ہے یہ بھی اس کی رحمت ہے
ہندوستان ہمارا ہے
سب مُلکوں سے پیارا ہے

اَمن اور چین کا ڈیرا ہے سُکھ کا دِل میں بسیرا ہے
سب لوگوں نے گایا ہے ہند ہی سب کو پیارا ہے
ہندوستان ہمارا ہے
سب مُلکوں سے پیارا ہے

سفید پوش

عزیزہ سعادت لودی
کان پور

شیخ سدو کی طرح سفید پوش صاحب بھی ایک پہنچے ہوئے بزرگ ہیں۔ مگر ان سے واسطہ بس ایک ہی بار پڑا تھا۔ میں جب اس واقعے کو یاد کرتی ہوں تو بس کچھ نہ پوچھو جو میری حالت ہو جاتی ہے۔ جاڑوں کے دن تھے ہماری خانہ زاد بہنیں شاکرہ آپا ذاکرہ آپا اور خالہ کشور (یہ بھی ہماری عمروں کی تھیں۔) ہمارے گھر آئی ہوئی تھیں۔ خوب چہل پہل اور دلچسپی رہتی تھی ایک دن رات کا وقت تھا۔ سب کھانے کے فارغ ہو چکے تھے اور ہم سب آپا نجمہ کے کمرے میں بیٹھے گپیں کر رہے تھے۔ میں آپا نجمہ کی میز کے پاس کھڑی تصویروں کا البم دیکھ رہی تھی۔ شاکرہ آپا مجھے چھیڑتے ہوئے بولیں "ذرا سعادت کو دیکھنا کیسے غور سے البم دیکھ رہی ہے؟ اری بھنو اس میں تیری تصویر نہیں ہے' ناحق پریشان ہو رہی ہے"

میں :۔ بھئی شاکرہ آپا مہربانی کرکے چپ رہئے آپ مجھے بہت چھیڑتی ہیں۔

شاکرہ آپا :۔ تم چڑ کیوں جاتی ہو۔

میں :۔ آپ مجھے نہ چھیڑئے، بچوں کو کوئی چھیڑتا ہے۔

شاکرہ آپا :۔ اے ہے ذرا اس بچی کو تو دیکھو۔

نجمہ آپا :۔ ارے شاکرہ تم بھی کس شیطان سے بحث کر رہی ہو۔

میں :۔ (منہ بنا کر) میں شاکرہ آپا کے ستانے سے کوئی ڈر تھوڑی جاتی ہوں۔

شاکرہ آپا :۔ آپ تو بڑی بہادر ہیں کسی سے نہیں ڈرتیں

میں :۔ جی ہاں تو آپ سمجھتی ہیں کہ میں ڈرتی ہوں۔ ذاکرہ آپا چپکی بیٹھی تھیں یہ سن کر شاکرہ آپا کی طرف سے بولیں۔ جی نہیں بھلا آپ ڈر سکتی ہیں۔ آپ تو بڑی بہادر ہیں!۔

خالہ کشور :۔ اور کیا ہم اور سعادت تو بہادر ہیں۔ تم، نجمہ اور شاکرہ ڈرپوک ہو۔

نجمہ آپا :۔ جھوٹ بالکل جھوٹ۔ تم دونوں ڈرپوک ہو جبھی تو مجھے اپنے کمرے میں سلاتی ہو "اچھا آج آپ ہمارے کمرے میں نہ سوئیے گا۔ دیکھئے ہم ڈرتے ہیں یا نہیں" میں نے اور خالہ کشور نے

ایک زبان ہوکر کہا۔

نجمہ آپا:۔ بہت اچھا، بہت اچھا۔ تو شاکرہ آج میں تمہارے کمرے میں سوؤں گی۔ سعادت اور کشور کو اکیلا سونے دو۔

میں:۔ (البم بند کرتے ہوئے ذرا غصے کا منہ بنا کر) دیکھا آپ نے خالہ کشور! یہ کہتی ہیں کہ ہم ڈرپوک ہیں

نجمہ آپا:۔ غصے میں آکر میرا البم نہ پھاڑ دیجئے گا۔

میں:۔ (ہنس کر) آہا ذرا ادھر دیکھئے گا! ذاکرہ آپا اونگھ رہی ہیں۔

ذاکرہ آپا:۔ ارے یہ لڑکی عجیب ہے خود اونگھتی ہے اور دوسروں کا نام لیتی ہے۔

میں:۔ اے ہے ذاکرہ آپا مجھے غصے کی نگاہوں سے نہ دیکھئے میرا تو دم ہی نکل جائے گا۔

خالہ کشور (کرسی پر بیٹھتے ہوئے) بھئی سچی بات تو یہ ہے کہ ذاکرہ واقعی تم اونگھ رہی تھیں۔

ذاکرہ آپا:۔ تم سعادت کو اور شیر بناتی ہو۔

میں:۔ چلئے خالہ کشور ہم آپ اپنے کمرے میں چل کر سوئیں۔ ذاکرہ آپا کو اونگھنے دیجئے۔

یہ کہہ کر ہم دونوں اپنے کمرے میں آئے میں نے اپنا پلنگ خالہ کشور کی چارپائی کے پاس گھسیٹ لیا اور دونوں اپنے بستر پر دراز ہوگئے۔ خالہ کشور نے بڑی اچھی کہانی سنائی۔ اس کے بعد ہم دونوں سو گئے نجمہ آپا شاکرہ آپا کے کمرے میں لیٹیں۔

رات کے کوئی بارہ بجے ہوں گے۔ میں گہری نیند سو رہی تھی کہ اچانک کسی نے مجھے جگاتے ہوئے کہا سا۔ سا۔ سعا۔ دت اُاُاُ اُٹھو۔ مجھے ایسا معلوم ہوا۔ جیسے میرا کوئی لحاف گھسیٹ رہا ہے۔

میں:۔ کیا ہے خالہ کشور۔

خالہ کشور:۔ (ہکلا کر) یہ۔ یہ کون ن"

میں:۔ (کانپتے ہوئے) آ...... آر...... آرے ہاں کون ن۔ آ...... آ...... پاپا کو آواز دو۔

خالہ کشور:۔ ...... پ...... پ پڑھ لیسن۔

میں:۔ یا...... یا...... لیسن...... ہا...... ہا ...... ے...... کون ہیں۔

خالہ کشور:۔ کو...... کون مت کرو۔ پڑ...... پڑھو لیسن۔

میں:۔ ارے اب تو کوئی نہیں ہے۔

خالہ کشور کا ڈر اب ذرا دور ہوا۔ اٹھ کر بیٹھ گئیں اور مجھ سے کہنے لگیں۔ چا...... چا...... چلو...... شا...... شاکرہ کے کمرے میں میں نے کوئی جواب نہ دیا اور خالہ کشور کا ہاتھ پکڑ شاکرہ آپا کے کمرے میں لے گئی۔ راستے میں ماما نصیبن بے خبر سو رہی تھی میں نے نجمہ آپا کو بڑی مشکل سے جگایا وہ جھنجھلا کر کہنے لگیں۔ "رات میں بھی تم دونوں شریروں کو نیند نہیں آتی"۔

میں :۔ اُٹھئے تو تو ......

اب نجمہ آپا اُٹھ گئیں ۔ ہم دونوں کے منہ سفید دیکھ کر گھبرا سی گئیں۔ کہنے لگیں "ارے کیا ہوا۔ ذاکرہ شاکرہ جلدی اُٹھو" نجمہ آپا کے بار بار آواز دینے سے شاکرہ آپا، ذاکرہ آپا اُٹھ بیٹھیں۔

شاکرہ آپا :۔ کیوں بہن سعادت کیا ہوا۔ آؤ لحاف میں بیٹھو۔ دیکھو کتنی سردی ہو رہی ہے۔

میں نے اور خالہ کشور نے کوئی جواب نہ دیا۔

شاکرہ آپا :۔ (ہم دونوں کے اُوپر لحاف ڈالتے ہوئے) بولو سعادت ۔ ارے کشور تم ہی بتاؤ۔

میں :۔ نجمہ آپا۔ بال کھلے تھے اور منہ کالا تھا۔

نجمہ آپا :۔ ایں..... کیا...... کس کا منہ کالا تھا۔

میں :۔ معلوم نہیں۔

شاکرہ آپا :۔ آخر کون تھا۔ کشور تم بتاؤ۔

میں اور خالہ کشور چارپائی پر بیٹھ گئے۔

شاکرہ آپا :۔ ہاں اب بتاؤ، کشور کیا بات ہوئی۔

خالہ کشور :۔ کوئی بارہ بجے ہوں گے ۔ اس وقت کسی کے لحاف گھسیٹنے سے میری آنکھ کھل گئی، کیا دیکھتی ہوں کہ سفید چادر میں لپٹی ہوئی کوئی چیز بال کھولے ہمارے لحاف گھسیٹ رہی ہے بالوں کی وجہ سے اس کا منہ بھی ڈھک گیا ہے۔

ذاکرہ آپا :۔ (چھیڑتے ہوئے) تم دونوں تو بہت بہادر ہو اُسے پکڑ کر مارا کیوں نہیں۔

خالہ کشور :۔ سُنئے تو۔ ہم دونوں بہت ڈر گئے سعادت تو بے ہوش ہونے والی تھی ۔ تھوڑی دیر بعد سفید پوش پلنگ سے اُتر کر میز کے نیچے بیٹھ گیا ہم دونوں نے آنکھیں بند کر لیں ۔ ذرا دیر بعد جو آنکھیں کھولیں تو سفید پوش غائب!

نجمہ آپا :۔ سفید پوش کون ؟

خالہ کشور :۔ وہ سفید چادر میں لپٹا ہوا تھا اس لئے میں نے اُس کا نام سفید پوش رکھ دیا۔

میں اور میں سمجھی کہ ہم لوگوں کا کُتّا جیک ہے۔

شاکرہ آپا :۔ ہاں ہاں تم تو ہر ایک کو جیک سمجھتی ہو اُس دن ذاکرہ سفید شلوار اور سفید قمیص پہنے گھاس پر جھکی ہوئی تھی تو تم نے چھڑی مار کر کہا "جیک کیا کر رہے ہو"

ذاکرہ آپا :۔ ہاں سعادت نے اُس روز اتنے زور سے چھڑی ماری کہ اب تک میرے نیل پڑا ہوا ہے۔

میں :۔ اے ہے آپا اس روز تو سچ مچ آپ جیک لگ رہی تھیں۔

ذاکرہ آپا نے کہا "تم نے کوئی ڈراؤنا خواب دیکھا ہوگا۔ جاؤ اب اپنے کمرے میں جا کر سو رہو" مگر بھلا ہم اب کب ٹلنے والے تھے۔ مجبوراً ان لوگوں کو ہمیں بھی اپنے کمرے میں سلانا پڑا۔

صبح کو میں تو ڈرتے ڈرتے اپنے کمرے سے کمبل اُٹھا لائی مگر کشور خالہ کی ہمت نہ ہوئی۔ کہنے لگیں میں اس کمرے میں نہ جاؤں گی وہاں سفید پوش رہتا ہے۔ سب نے بہت مجبور کیا لیکن وہ اپنی جگہ سے نہ ہلیں۔

ذاکرہ آپا :- آخر ڈرتی کس سے ہو۔ کل تک تو تم بہت بہادر بن رہی تھیں۔

خالہ کشور :- واقعی کسی کو شیخی نہیں مارنا چاہئے۔ کل ہی میں نے شیخی ماری اور کل ہی ساری شیخی نکل گئی۔

نجمہ آپا :- اچھا اپنا کمبل تو کمرے سے لے آؤ۔ دیکھو کتنی سردی ہو رہی ہے۔

خالہ کشور :- چاہے سردی میں مر جاؤں لیکن کمرے میں نہ جاؤں گی۔

برابر ایک گھنٹے تک لوگ خالہ کشور کو سمجھاتے رہے مگر وہ راضی نہ ہوئیں۔

شاکرہ آپا :- ارے اب کمرے میں کوئی نہیں ہے تم دونوں جاکر تو دیکھو۔

خالہ کشور :- نہیں ..... وہاں سفید پوش رہتا ہے۔

شاکرہ آپا :- تو کیا تم سفید پوش سے ڈرتی ہو؟

خالہ کشور :- ہاں۔

شاکرہ آپا :- بالکل جھوٹ۔ سفید پوش سے تو تم بیٹھی باتیں کر رہی ہو۔ میں ہی سفید پوش ہوں میں نے ہی تمھیں ڈرایا تھا۔

خالہ کشور :- یقین نہیں آتا۔

شاکرہ آپا :- میں سچ کہتی ہوں۔ اچھا پورا قصہ سن لو تب یقین آئے گا۔

میں :- (اور خالہ کشور ہم زبان ہوکر) بتائیے۔

شاکرہ آپا :- جب تم اپنے کمرے میں جاکر سو رہیں تو ہم تمھیں ڈرانے کی ترکیبیں سوچنے لگے ہم نے نصیبن سے کہہ دیا کہ ہمیں گیارہ بجے جگا دینا۔ اس نے ٹھیک وقت پر جگا دیا۔ میں نے پلنگ کی چادر لپیٹی۔ بال کھولے، منہ پر کالک ملی اور تمھارے کمرے میں آکر خو خو کرنے لگی جب میں نے دیکھا کہ سعادت بے ہوش ہونے والی ہے تو چپکے سے میز کے نیچے بیٹھ گئی اور جب تم دونوں نے آنکھیں بند کرلیں تو کمرے سے باہر آگئی۔ پلنگ پر چادر بچھائی۔ بال ٹھیک کئے منہ دھویا اور پڑ کر سو گئی۔

خالہ کشور :- تو کیا سچ مچ آپ ہی سفید پوش ہیں۔

شاکرہ آپا :- ہاں۔

نجمہ آپا :- کشور تم نے نام تو بڑا اچھا رکھا

شاکرہ آپا :- جی ہاں اور سعادت نے ذاکرہ کو جنگ بنا دیا۔

نجمہ آپا :- افسوس کہ سفید پوش پر ایک آدھ چھڑی نہ پڑی۔

میں :۔ (ہنس کر) آج سے شاکرہ آپا کا نام سفید پوش ہے۔ اے ہے آپا میں یہ قصہ کبھی نہ بھولوں گی۔

نجمہ آپا :۔ بھلا تم کیوں بھولنے لگیں۔

ذاکرہ آپا :۔ آپ تو اپنی شرم مٹانے کے لئے یہی کہو گی۔

اور واقعی میں اور کشور خالہ اس وقت شرم سے پانی پانی ہو رہے تھے اور یہ سب ہمارے چاروں طرف کھڑی ہنس رہی تھیں۔

ہمارے بزرگ

جناب رشید اختر صاحب ندوی نے اس نام کی ایک کتاب مسلمان بچوں کے لئے لکھی ہے۔ اس کتاب میں خلفاء اربعہ کی زندگی کی کہانیاں درج ہیں۔ لیکن کہیں کہیں ان کہانیوں کی تشریح کرکے بچوں کو اُن کی پیروی پر آمادہ کیا گیا ہے۔ اِس زمانے میں جب کہ بچوں کا زیادہ وقت غیر مذہبی کتابوں کے پڑھنے میں صرف ہوتا ہے ضرورت ہے کہ اس قسم کی کتابیں بھی اُن کے ہاتھ میں رہیں تاکہ اپنے بزرگوں کے حالات اُن کے سامنے رہیں۔ اور کیا عجب کہ یہ سرسری مطالعہ اُن کو اُن کی پیروی پر آمادہ کر سکے۔ سائز ۲۰×۳۰/۱۶ ضخامت ۱۱۲ صفحات۔ قیمت ۸/ ۔ کتاب خانہ سعادت لاہور سے مل سکتی ہے۔

اِسلامی تعلیم

ظہیر احمد عثمانی صاحب کا لکھا ہوا ۳۲ صفحے کا ایک مختصر سا رسالہ ہے اس میں آپ نے اِسلام کے متعلق ضروری باتیں اختصار کے ساتھ بیان کی ہیں۔ طریقِ نماز کی تشریح بھی کی ہے۔ بچوں اور بالغ مُبتدیوں کو نماز سکھانے اور مذہب کی موٹی موٹی باتوں سے آگاہ کرنے کے لئے مفید چیز ہے۔ سائز ۲۰×۳۰/۱۶ قیمت ۲/ یہ کتاب بھی کتاب خانہ "سعادت، لاہور" سے مل سکتی ہے۔

ابو الکلام آزاد

از ہاجرہ بیگم
الہ آباد

احمد عرب میں پیدا ہوا۔ اس کی ماں تو عرب تھی لیکن باپ ہندوستانی۔ اپنے باپ سے یہ لڑکا ہندوستان کے بارے میں بہت سوال پوچھا کرتا تھا اور سوچتا تھا کہ میں بھی ہندوستان جاؤں گا اور اپنے باپ کی طرح بڑے بڑے کام کرکے مشہور آدمی بنوں گا۔

باپ نے چھوٹی ہی عمر میں اس کو مصر میں جامعہ ازہر بھیج دیا۔ لڑکا بلا کا ذہین تھا۔ کہتے ہیں کہ گیارہ سال کی عمر میں اس نے جامعہ ازہر کا کورس پورا کر لیا۔ اس بچے کی ہوشیاری اور قابلیت دیکھ کر سارے اُستاد حیران ہوتے تھے۔

کچھ دن بعد احمد کے باپ ہندوستان واپس آئے اور اپنے بچّے کو بھی ساتھ لائے اور احمد نے بھی اپنے اصلی وطن ہندوستان کو دیکھا۔ حالانکہ ابھی لڑکپن تھا لیکن اُن کو حوصلہ شروع سے یہ تھا کہ میں ہندوستان کے رہنے والوں کو ایک بہادر اور نڈر قوم بنا دوں جو آزاد اور خودمختار زندگی بسر کریں۔ عربی تو اُن کی مادری زبان تھی۔ ہندوستانی بھی انھوں نے جلد ہی سیکھ لی اور آزاد کے نام سے یہاں کے اُردو اخباروں میں مضامین لکھنا شروع کیے۔

ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات۔ ان کے مضامین میں ایسا جوش بھرا ہوتا تھا کہ بہت جلد ایڈیٹروں کے دل میں اُن کی قدر ہو گئی۔ مولانا شبلی اُس زمانے میں اُردو کے مشہور لکھنے والوں میں سے تھے انھوں نے ان مضامین کو بہت پسند کیا اور اپنے رسالے میں بھی چھاپا۔ ایک بار مولانا شبلی کلکتہ گئے تو اُن کو احمد یا آزاد سے ملنے کا بھی موقع ملا۔ لیکن وہ اس خوب صورت نوجوان کو دیکھ کر سمجھے کہ یہ آزاد کے بیٹے ہیں۔ انھیں یقین نہیں آیا کہ یہ ایسے اچھے مضمون لکھ سکتے ہیں جن سے بڑوں بڑوں کو بھی نصیحت ہوتی ہے۔

اس زمانے میں ندوۃ العلوم مدرسے کا چرچا تھا اور وہاں کے قابل شاگردوں کی ہندوستان میں بہت دھاک تھی۔ کہتے ہیں کہ کسی اہم مسئلے پر بحث ہو رہی تھی اور شبلی آزاد کو لے کر وہاں آئے تھے پہلے تو باہر کے بلائے ہوئے عالموں نے بحث

شروع کی پھر پوچھا گیا کہ کوئی اور بھی بولنا چاہتا ہے آزاد بولنے کے لئے کھڑے ہوئے۔ لیکن اُن سے کہا گیا کہ پہلے علماء کے بولنے کا وقت ہوتا ہے۔ طالب علم بعد کو کچھ کہہ سکتے ہیں۔ چنانچہ یہ بیٹھ گئے۔ آخر میں طالب علموں کو جب پانچ پانچ منٹ بولنے کی اجازت ملی تو یہ کھڑے ہوئے مگر پانچ منٹ بھی نہ بولے تھے کہ اپنے پرزور بیان سے سب کو دنگ کر دیا، اور کسی کی مجال نہ ہوئی کہ پانچ منٹ ختم ہونے پر اُن سے بیٹھنے کو کہے۔ انھوں نے بھی دل کھول کر تقریر کی۔ جب تقریر ختم کرکے بیٹھے تو لوگ ایک لمحے کے لئے سکتے میں بیٹھے رہے اور پھر بے اختیار اُن کی تعریف کے نعرے بلند کئے۔ مولانا شبلی نے محبت سے اُٹھ کر اُن کو گلے لگایا اور منہ چوم لیا۔

اِس واقعہ کے بعد آزاد نے سیاسی مجمعوں میں تقریریں کرنا شروع کیں۔ اُن کی جادو بیانی کی وجہ سے انھیں، ابو الکلام کا خطاب لوگوں نے دیا اور اب وہ ابوالکلام آزاد کہلائے جانے لگے۔

ابوالکلام آزاد کو والد کے مرنے پر جو روپیہ ملا تھا اس سے انھوں نے اخبار "الہلال" جاری کیا کہتے ہیں کہ جتنی مانگ اس اخبار کی تھی ہندوستان کے کم اخباروں کو نصیب ہوئی ہے۔ اخبار پہنچنے پر بھائی بھائی اس کے پڑھنے کو اُلٹ پڑتے تھے۔ جیسا آزاد کے قلم کا جادو تھا ویسا ہی زبان کا تھا۔ جہاں کہیں جلسے میں تقریر کرنے جاتے تھے، ہزاروں کی تعداد میں خلقت ٹوٹ پڑتی تھی۔ اور تقریر سن کر دیوانہ وار اُن کے ہاتھ اور دامن چومنے کو دوڑتی تھی۔

آخر آزاد کہتے کیا تھے کہ لوگ اُس کے سننے کے متوالے تھے؟ آزاد آزادی کا پیغام ہندوستان کے مسلمانوں کو دیتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ مسلمان سلطنت کرتے کرتے ایسے غفلت کے سمندر میں ڈوب گئے کہ اُن کو اب احساس ہی نہیں ہوتا کہ وہ غلام ہیں وہ ہندوستان کے مسلمانوں کو عرب، مصر اور ترکی کے حالات سنا کر کہتے تھے کہ دیکھو اب بھی جاگو ورنہ رہی سہی طاقت بھی ختم ہو جائے گی۔ انھوں نے پہلی بار ہندوستان کے مسلمانوں کو بتایا کہ وطن اور ملت کی آزادی کے لئے تیار ہونا چاہیئے اور اپنے وطن کے رہنے والے بچے بچے کو تیار کرنا چاہیئے۔

بھلا یہ باتیں ایسی تھیں کہ ہنگامہ پیدا نہ کرتیں؟ آزاد گرفتار کرکے نظر بند کر دئے گئے اور اُن کے اخبار کے خلاف بھی کارروائی کی گئی۔

لیکن آزادی کی چنگاری کو دبانا آسان ہے بجھانا آسان نہیں۔ قید سے آزاد ہو کر پھر ابوالکلام نے جوش اور سرگرمی سے اپنا کام جاری رکھا۔ چونکہ وہ سمجھتے تھے کہ کانگریس آزادی کو چاہنے والی جماعت ہے اس لئے اس میں شریک ہوئے اور نہایت وفاداری سے اس کے ہر حکم پر عمل کیا۔

آج ابوالکلام آزاد کانگریس کے سب سے بڑے عہدے دار ہیں یعنی کانگریس کے صدر ہیں اور آج بھی وہ پوری کوشش اس بات کی کر رہے ہیں کہ ہندوستان کے مسلمان ہندوستان کی دوسری قوموں کے ساتھ مل کر اپنے وطن کو جلد آزاد کر سکیں ؎

نئے کھیل

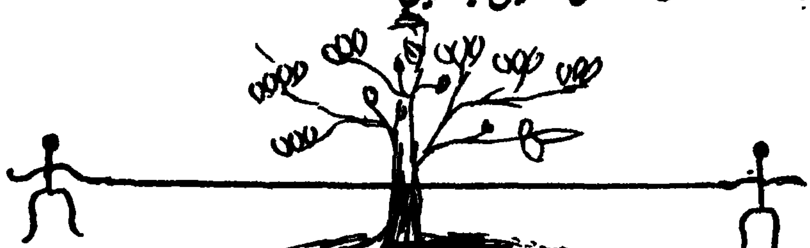
اندھا چابک سوار

الطاف علی صاحب

تعداد :- ۲

جگہ :- صحن - کھیل کا میدان - جنگل

طریقہ :- درخت کے گرد دو برابر لمبی رسّیاں باندھی جائیں۔ ان دونوں رسّیوں کے سروں کو ایک ایک کھلاڑی پکڑلے - دونوں کھلاڑی آنکھیں بند کریں۔



کھیل شروع ہونے پر ایک کھلاڑی کے ہاتھ میں درخت کی ایک ٹہنی دے دی جائے اور اُسے چابک سوار کہا جائے - دوسرے کھلاڑی کو جو یوں ہی کھڑا ہی گھوڑا کہا جائے - چابک سوار اپنے گھوڑے کو یہ کہہ کر پکارے "بولو میرے گھوڑے" گھوڑا جواب میں صرف تالیاں بجائے - چابک سوار جھٹ تالی کی آواز پر اس کا پیچھا کرے اور اُسے مارنے کی کوشش بھی۔ مقررہ وقت تک یہ کھیل جاری رہتا ہے - جتنے جھاڑ گھوڑے کی پیٹھ پر لگیں وہ گن لئے جائیں۔

اس کے بعد دونوں کی حالتیں بدل دی جائیں یعنی گھوڑے کو چابک سوار اور چابک سوار کو گھوڑا بنا دیا جائے اس مرتبہ بھی جھاڑوں کی تعداد گن لی جائے۔ مقررہ وقت میں جس کے جھاڑ کم لگیں وہ جیتا۔

احتیاط :- (۱) کھیلتے وقت جوتے اُتار دئے جائیں کہ آہٹ نہ ہو۔

(۲) دونوں کھلاڑی بیٹھ بھی سکتے ہیں لیکن رسّی ہر حالت میں تنی ہوئی ہو۔

(۳) درخت کے جھاڑ یا ٹہنی کی جگہ کپڑے کا بٹا ہوا کوڑا یا گانٹھ دیا ہوا رومال بھی کام دے سکتا ہے۔

(۴) درخت کی جگہ زمین میں کھونٹا یا بانس گاڑ کر بھی رسّی باندھی جا سکتی ہے ؎



ننھی باغی

ترجمہ از سید محمد خاں سید - حیدرآبادی

۱۷۷۷ء کے موسمِ بہار میں انگریزی فوج فلاڈلفیا کے قریب پڑاؤ ڈالے ہوئے تھی، اس لیے کہ جنرل واشنگٹن نے آزادی کی لڑائی چھیڑ رکھی تھی۔ وہ اپنے ملک امریکہ کو انگریزوں سے آزاد کرانا چاہتا تھا۔

چند انگریز سپاہی رسد لینے شہر میں آئے۔ واپسی میں اُن کا گذر ایک کھیت سے ہوا۔ اس کا مالک میجر رڈلیف تھا۔ یہ امریکہ کا ایک بڑا رئیس تھا۔ جب سپاہیوں نے ایک لہلہاتا ہوا کھیت دیکھا تو فوراً کھیت میں گھس پڑے اور جی بھر کے نوچا کھسوٹا۔ واپسی پر اُنھیں ایک خوب صورت گائے نظر آئی۔ وہ اپنے ساتھ اِس گائے کو بھی ہنکالے گئے۔

یہ گائے ربنی رڈلیف کی تھی۔ ربنی رڈلیف میجر رڈلیف کی ہونہار بچی تھی۔ جب اُسے یہ حال معلوم ہوا کہ اُس کی پیاری گائے ڈیزی کو برطانیہ کے سپاہی لے گئے ہیں تو وہ فوراً اصطبل کی طرف دوڑی، اپنی چھوٹی گھوڑی جینی پر زین کسا، اور انگریزوں کے خیموں کی طرف چلی۔

وہ سپاہیوں سے پہلے پہنچ کر برطانیہ کے کمانڈر انچیف سے مِلنا چاہتی تھی۔ اُسے یقین تھا کہ کمانڈر کے سوا کوئی اُس کی گائے واپس نہیں دِلا سکتا۔ جب وہ خیموں کے نزدیک پہنچی تو سنتری نے اُسے روکا اور جانے کا سبب پوچھا۔ لڑکی نے جواب دِیا: "مجھے تمھارے جنرل سے مِلنا ہے۔"

سنتری نے مُسکراتے ہوئے جواب دیا: "آپ کو جب تک اندر جانے کی اجازت نہیں ہے جب تک یہ نہ معلوم ہو جائے کہ آپ کون ہیں؟ اور کس لئے آئی ہیں۔" لڑکی نے جواب دیا: "میں میجر رڈلیف کے پاس سے آئی ہوں اور آپ کے جنرل سے مِلنا چاہتی ہوں۔"

نگہبان نے لڑکی کے چہرے کی طرف دیکھا۔ گھبراہٹ کی جگہ متانت اور جلد بازی ٹپک رہی تھی۔ وہ سمجھا کہ شاید لڑکی کوئی ضروری خبر لائی ہے، اور جنرل سے اسی وقت ملنا چاہتی ہے۔ اسی لئے اس نے اندر جانے کی اجازت دِلوا دی۔

دوپہر ہو گئی تھی اور جنرل کورنو یالیس اپنے عہدے داروں کے ساتھ بیٹھا کھانا کھا رہا تھا۔ دربان نے آکر کہا۔ "کوئی لڑکی ضروری خبر لائی ہے اور آپ سے ملنا چاہتی ہے۔" کورنو یالیس نے ذرا سوچ کر گردن اٹھائی اور کہا۔ "آنے دو۔"

لڑکی اندر آئی تو اپنے آپ کو فوجی افسروں کے درمیان پایا۔ اس پر رعب چھا گیا۔ مگر جب اُسے اپنی گائے ڈیزی کا خیال آیا تو فوراً اپنے آپ کو سنبھالا۔

کورنو یالیس ایک بہادر، رحم دل اور سمجھ دار سپہ سالار تھا وہ لڑکی سے بولا "بچی! میں جنرل کورنو یالیس ہوں اور تم مجھ سے کیا کہنا چاہتی ہو؟" لڑکی نے جلد اور عاجزی کے لہجے میں جواب دیا "میں اپنی گائے چاہتی ہوں۔"

کچھ دیر تک خیمے میں سناٹا رہا مگر ایک دم تمام فوجی افسر قہقہہ مار کر ہنسنے لگے۔

لڑکی گھبرائی اور اپنے ہونٹ دانتوں میں دبا کر سر نیچے جھکا لیا۔ جنرل نے پوچھا "تمہارا کیا مطلب ہے؟" لڑکی نے مختصر الفاظ میں تمام قصہ کہہ سنایا۔

کورنو یالیس "تمہارے باپ کیوں نہیں آئے۔" لڑکی نے نرم لہجے میں جواب دیا "میرے باپ جنرل واشنگٹن کے ساتھ ہیں۔" "پھر تم اپنے بھائی کو بھیج سکتی تھیں۔" لڑکی نے کہا "میرے والد اور بھائی دونوں امریکہ کی فوج میں لڑ رہے ہیں۔" کورنو یالیس "او! جب تمہارے باپ اور بھائی دونوں امریکہ کی فوج میں برطانیہ کی فوج کے خلاف لڑ رہے ہیں تو تم بھی چھوٹی باغی ہو۔ تم چھوٹی مگر دلیر اور بہادر لڑکی ہو اس لئے تمہاری گائے اور اس کے ساتھ کچھ انعام بھی ملے گا۔"

جنرل نے اپنا صندوق کھولا اور ایک بہترین زنانہ بٹوا لڑکی کو دیا اور سپاہی سے کہا "لڑکی کو گائے دلا دی جائے۔"

اینی رڈلیف کو اس کی گائے اور بہادری کے انعام میں ایک بٹوا بھی مل گیا۔ وہ خوش خوش اپنے گھر واپس آگئی۔

جاگو اور جگاؤ

ایس، ایم، جبرئیل، جبل پور

جاگو اور جگاؤ

جاگ اُٹھی ہے دُنیا ساری | مہک رہی ہے ہر پُھلواری
تم بھی دُنیا کو مہکاؤ
جاگو اور جگاؤ

قوم کی سیوا کام تمھارا | مُلک میں روشن نام تمھارا
دیکھو اِتنا بھول نہ جاؤ
جاگو اور جگاؤ

دُشمن سر پر آپہنچا ہے | آخر تم نے سوچا کیا ہے
مرد بنو میدان میں آؤ
جاگو اور جگاؤ

خوف ہراس نہ دل میں لاؤ | بپتاؤں سے مت گھبراؤ
کہنا مانو ہوش میں آؤ
جاگو اور جگاؤ۔

سونے کا اب وقت نہیں ہے | کیا یہ زمانہ سخت نہیں ہے
جاگو اور جگاؤ
جاگو اور جگاؤ۔



عباس میاں

جناب الطاف علی صاحب نگراں ورزش جسمانی
جامعہ نگر اوکھلا - دہلی

ہمارے عباس میاں کو اپنی تندرستی کا بہت خیال ہے۔ پڑھنے لکھنے میں بھی اپنے سب ساتھیوں سے آگے ہیں، اور کھیل کود میں تو ہر سال انھیں اسکول سے کئی کئی انعام ملتے ہیں۔ اُن کے اسکول میں ورزش کے ماسٹر صاحب بچوں کو نئے نئے کھیل سکھاتے رہتے ہیں۔

ایک دن عباس میاں اسکول سے کوئی نیا کھیل سیکھ کر آئے اور گھر پہنچتے ہی زرینہ کشور اور سب بہن بھائیوں کو پکارنا شروع کیا۔ وہ ہمیشہ کوئی نیا کھیل سیکھ کر آتے تھے تو بہن بھائیوں کو بھی سکھاتے تھے۔ اسی لئے سب بچے ان سے بہت خوش ہوتے اور اُن سے بہت محبت کرتے تھے۔ جوں ہی وہ گھر میں گھستے تھے سب اُنھیں چاروں طرف سے لپٹ جاتے تھے۔

مگر آج جانے کیا بات تھی کہ اُن کے پکارنے پر بھی کوئی نہ آیا۔ وہ کمرے میں گئے تو بی کشور پلنگ پر پڑی کراہ رہی تھیں۔ سب بچے اُن کی چارپائی کے چاروں طرف کھڑے تھے۔ عباس میاں نے گھبرا کر پوچھا "کیوں خیر تو ہے؟" ماں نے جواب دیا "ہاں بیٹا سب خیریت ہے۔ تمھاری کشور کے پیٹ میں بہت زور کا درد اٹھا تھا۔ ابھی ابھی ڈاکٹر کو بلوایا تھا۔ وہ دوا دے گیا ہے، ابھی ایک ہی خوراک پی ہے مگر درد میں کمی ہے"

عباس میاں:- ڈاکٹر کچھ بتاتا تھا کہ یہ کیسا درد ہے؟

بی زرینہ بات کاٹ کر بولیں۔ "بھائی جان ڈاکٹر کے بتانے کی کیا ضرورت تھی۔ کل اُنھوں نے بہت سے کچے بیر کھائے تھے۔ امّی بہتیرا منع کرتی رہیں مگر یہ کس کی سنتی ہیں!"

فریدہ:- اور دیکھئے بھائی جان! امّی صبح سے انھی کی تیمار داری میں لگی ہیں۔ اور سب بھی ان کی وجہ سے پریشان ہیں۔ نہ کھیلنے کو جی چاہتا ہے، نہ باتیں کرنے کو۔

زرینہ:- اور کیا۔ اور جب تک یہ اچھی نہ ہو جائیں بس یہی حال رہے گا۔

عباس میاں:۔ مگر بھائی ہماری کشور تو بہت سمجھدار ہے۔ اس نے امی کا حکم کیسے ٹالا اور کیوں اتنی ضد کی! دیکھو کشور ایک آدمی کے بیمار پڑنے سے گھر بھر کو کتنی تکلیف ہوتی ہے۔ روپئے پیسے کا خرچ الگ ہے۔

فریدہ:۔ ارے بھائی جان! یہ تو آپ کو معلوم ہی نہیں!! ہماری کشور بہن تو بہت ہی ضدی ہیں۔

عباس میاں:۔ اچھا خیر بھی ہوگا۔ میں تو یہ کہتا ہوں کہ کسی کو یہ حق نہیں کہ خواہ مخواہ اپنے عزیزوں کو پریشانی میں ڈالے۔

قمر:۔ (عباس میاں کی بڑی بہن) خوب تو گویا بیماری بھی اپنے بس کی ہے کہ دوسروں کو پریشان کرنے کے لئے انسان خود بھی تکلیف اٹھائے۔

عباس میاں:۔ ہاں بہن بیمار ہونا سچ مچ ہمارے ہاتھ میں ہے۔ اگر ہم روزمرہ کی زندگی میں احتیاط برتیں تو کبھی بیمار نہ ہوں۔ کشور رات کو کچے بیر نہ کھاتیں تو آج اُن کے پیٹ میں درد نہ ہوتا۔ دیکھو ابا جان کتنی احتیاط کی زندگی بسر کرتے ہیں تم نے کبھی اُنھیں بیمار دیکھا؟ اُس کے خلاف ہماری بی کشور کچھ نہ کچھ بیمار ہی رہتی ہیں۔

قمر:۔ ابا جان کی بھی تم نے خوب سنائی۔ اُن کی زندگی بھی کوئی زندگی ہے۔ مرچ اور کھٹائی وہ نہ کھائیں مٹھائی سے انھیں پرہیز۔ بس وقت پر کھانا وقت پر سونا۔ وقت پر اُٹھنا۔ بغیر ورزش کئے اور بغیر نہلائے ناشتہ نہ کرنا۔ ایسی پابندی تو ہم سے کبھی نہ ہوگی۔

عباس میاں:۔ مگر قمر آپا! ایسی پابندیوں والی زندگی تو اصلی زندگی ہے۔ ہمارے کھیل کے ماسٹر صاحب نے ایک بار بہت اچھی بات کہی تھی۔ وہ کہتے تھے: تہماری زندگی بھی ایک کھیل ہے۔ ہم اس کھیل کو سیکھنا اور اچھی طرح کھیلنا چاہتے ہیں تو اس کھیل کے قانونوں کی پابندی بھی ہمارے لئے لازمی ہوگی نہیں تو ہم اچھے کھلاڑی کیسے بنیں گے؟

قمر:۔ سبحان اللہ! یہ آپ نے کھیل کو زندگی سے خوب ملایا۔

عباس میاں:۔ پہلے میری بات تو پوری ہونے دیجئے۔ دیکھئے جیسے ہاکی، فٹ بال، کرکٹ وغیرہ کھیل ہیں نا۔ تو یہ کھیل ایسے تو کھیلے نہیں جاتے۔ ان کے کچھ قاعدے قانون ہیں کھیلتے وقت اُن کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔ نہیں تو سزا بھگتنی پڑتی ہے اور کھیل کا سارا لطف چلا جاتا ہے۔ اچھا تو اسی طرح زندگی اچھی گذارنے کے لئے بھی قدرت نے کچھ قانون بنا دئے ہیں۔ اگر ہم ان قانونوں کا خیال نہ رکھیں گے تو ہمیں سزا بھی ملے گی۔ اور سخت سے سخت۔ مثال تو تمھارے سامنے ہے۔ بی کشور نے کل رات زندگی کا ایک قانون توڑا اور کچے بیر کھائے۔ اس جرم

کی اُنھیں سزا بھی مل گئی۔ صبح سے مارے درد کے پریشان ہیں۔ لیکن اگر زندگی کا کھیل ایک اچھے کھلاڑی کی طرح کھیلا جائے تو یہ دوسرے کھیلوں سے کہیں زیادہ دلچسپ اور مُفید ہے۔

زرینہ:۔ تو بھائی جان اس زندگی کے قانون کیا ہیں ذرا ہمیں بھی تو بتائیے۔

عباس میاں:۔ ابھی بتاتا ہوں۔ زندگی کے کھیل کے موٹے موٹے قانون کل سات ہیں:۔

(۱) ہوا
(۲) غذا
(۳) نیند
(۴) جسم کی حفاظت
(۵) خوش و خرم رہنا
(۶) چھوت کی بیماریوں سے پرہیز۔
(۷) کھیل کود اور تازہ ہوا

.... رات کے وقت سونے کے کمرے کی کھڑکیاں کھلی رہنی چاہئیں۔ لحاف میں مُنہ چھپا کر کبھی نہ سونا چاہیئے اور دن میں کم سے کم دو گھنٹے کھلی ہوا میں ضرور گذارنے چاہئیں۔

کھانا وقت پر خوب بھوک لگنے کے بعد اچھی طرح چبا چبا کر کھایا جائے، دودھ، تازہ سبزی، موٹا آٹا، گڑ اور توفیق ہو تو انڈا، مکھن اور پھل کھائے جائیں۔ کافی اور چائے سے پرہیز کیا جائے۔ گو دن میں صرف ایک بار کھایا جائے اور ہاں کھانا بھوک سے زیادہ نہ کھایا جائے، بلکہ تھوڑی سی بھوک باقی رہے تو ہاتھ اُٹھا لینے چاہئیں۔

زرینہ:۔ آہا! کشور بہن کو تو یہ قانون بہت پسند آئے گا۔

عباس میاں:۔ بھئی یہ غلط بات ہے۔ تم سب نے تو کشور کا پیچھا پکڑ ڈالا ہے۔ اب رہی نیند تو بڑے آدمی کے لئے تو چھ گھنٹے کی نیند کافی ہے۔ شام کو جلد سونا اور صبح کو تڑکے اُٹھنا چاہیئے۔ جسم کی حفاظت کے لئے روز نہانا، بدن کو صاف ستھرا رکھنا ضروری ہے۔ کھانا کھانے اور پیشاب پاخانے کے لئے وقت مقرر ہونا چاہیئے۔ یہ سب کام وقت پر ہوں۔ دانت منجن یا مِسواک سے صبح و شام صاف کرنے چاہئیں۔ آنکھ، کان، ناک اور ناخنوں کی باقاعدہ صفائی رہنا چاہیئے جسم میں کوئی خرابی ہو جیسے خراب دانت، گلے، گردن اور ناک کے بڑھتے ہوئے غدود، کم زور آنکھیں اور خراب کان، تو فوراً ان کا علاج کرنا چاہیئے۔

خوش و خرم رہنا بھی اچھی زندگی کی علامت ہے تم ہمیشہ خوش رہنے کی کوشش کرو۔ جلنا، کڑھنا، دوسروں سے بغض و عداوت رکھنا تندرستی پر بھی بُرا اثر ڈالتا ہے۔ بزدل مت بنو۔ دوسروں

کی مدد کرو۔ اپنے چھوٹوں سے پیار اور بڑوں کی عزت کرو۔ ہمیشہ سچ بولو۔ دوسروں پر بھروسا کرو۔ چھوت کے مرض جیسے طاعون، ہیضہ بہت خطرناک مرض ہیں۔ ان سے خود بچنا اور دوسروں کو بھی بچانا چاہیئے۔ چھوٹی چھوٹی چوٹوں کا (جیسے سوئی چبھنا۔ آگ سے جلنا، چاقو لگ جانا) فوراً علاج کر لینا چاہیئے۔ کبھی کبھی لاپروائی سے یہ چوٹیں بہت بڑھ جاتی ہیں۔ چیچک کا ٹیکا تو ہر سال لگوانا چاہیئے۔ کھیل کود بھی ہماری تندرستی کے لئے بہت ضروری ہے

زرینہ :۔ (بات کاٹ کر) مگر ہماری اُستانی تو ہمیشہ منع کرتی ہیں کہ یہ شیطانی کام ہے۔

کشور :۔ بھائی جان مجھے کھیل کا بہت شوق ہے مگر تندرستی پھر بھی ٹھیک نہیں رہتی۔

زرینہ :۔ بھلا کھیل کا شوق بے چارا اکیلا کیا کرے اس کے ساتھ دوسرے چھ شوق بھی تو ہونے چاہئیں۔

عباس میاں : آہا! اس وقت تو زرینہ بی نے بھی عقل کی بات کہہ دی۔ ہاں تو تمھیں دن بھر میں کم سے کم چار اور زیادہ سے زیادہ چھ گھنٹے ضرور کھیلنا چاہیئے۔ بچپن کا زمانہ کھیل کود کا زمانہ ہے۔ جتنا کھیلوگی اتنی ہی تمھاری تندرستی ٹھیک ہوگی۔ کہو بی زرینہ کچھ سمجھ میں بھی آیا؟

زرینہ :۔ بالکل صاف بات ہے۔ زندگی کے کھیل کے سات قاعدے ہیں۔ اس کھیل کا اچھا کھلاڑی بننے کے لئے ان سب کا سختی سے پابند ہونا ضروری ہے۔ صاف ستھری ہوا، اچھا کھانا، گہری نیند، جسم کی حفاظت، خوش رہنا، چھوت کی بیماریوں سے بچنا اور کھیل کود۔ کیوں؟ بھائی جان؟

کشور :۔ اہا اب تو میں بھی اس کھیل کو خوب سمجھ گئی۔ تو ہمارے ابا جان تو سب سے اچھے کھلاڑی ہوئے۔ کیوں؟

زرینہ :۔ اور تم سب سے بدتر! (ذرا مُنہ بنا کر) کیوں؟

کشور :۔ چُپ مردار بک بک کئے جاتی ہے۔ اچھا تو بھائی جان میں آج ہی سے بہت ہی سختی کے ساتھ ان سب باتوں پر عمل کروں گی اور بہت جلد سب سے اچھی کھلاڑن بن جاؤں گی۔

زرینہ :۔ آمین!

اب کے تمھارا سالگرہ نمبر بجائے اکتوبر کے جنوری میں شائع ہوگا۔ اِس کا خیال رکھنا۔



بچوں کا مشاعرہ

سلامت اللہ صاحب معلّم استادوں کا مدرسہ جامعہ نگر

تُم میں سے بعض بچّے ایسے ضرور ہوں گے جو جانتے ہیں کہ مشاعرہ کیا چیز ہے۔ بلکہ بعض نے تو مشاعرہ ہوتے بھی دیکھا ہوگا۔ (یہ ایک جلسہ ہوتا ہے جس میں لوگ جمع ہوتے ہیں۔ کچھ لوگ شعر پڑھتے ہیں۔ سُننے والے کبھی کبھی اپنی پسند کے مُطابق " خوب " "مکرر ارشاد" (دوبارہ پڑھیے) کی آوازیں بلند کرتے ہیں اور پڑھنے والا اِس قدر دانی کے بدلے جُھک کر آداب بجالاتا ہے۔) لیکن تم میں شاید ہی کوئی ایسا ہو جس نے "بچّوں کا مشاعرہ" دیکھا ہو اور اِس میں خود بھی اپنی نظم پڑھی ہو۔ مجھے یقین ہے کہ تم ایسے مشاعرے میں ضرور حصّہ لینا پسند کروگے۔ اچھا آؤ تمھیں آج ایک ایسے ہی مشاعرے میں لے چلیں۔

وہ دیکھو! جامعہ نگر (اوکھلا) کے محمد علی ہال میں تمھارے بہت سے پیامی بھائی اکٹھے ہیں۔ سامنے ایک تخت پر عمدہ سا قالین بچھا ہے۔ پاس ہی میز پر لیمپ ہے۔ یہ جلسہ اُستادوں کے مدرسے کے طلبار کی انجمن کی طرف سے ہو رہا ہے۔ انجمن کے سکریٹری صاحب اُٹھتے ہیں اور کہتے ہیں: "میں تجویز کرتا ہوں کہ اس جلسے کی صدارت "بچوں کے شاعر" جناب شفیع الدین صاحب نیّر کریں، اِن سے زیادہ موزوں اور کوئی شخص نہیں ہے"۔ حاضرین تالیوں کی آواز سے اِس تجویز کی تائید کرتے ہیں۔ جناب صدر تخت پر مسند کے سہارے بیٹھ جاتے ہیں۔ اب مشاعرہ شروع ہوتا ہے۔

صدر .... جناب شباب احمد صاحب جماعت سوم اپنی نظم سُنائیں گے

شباب احمد صاحب اپنی جگہ سے اُٹھتے ہیں اُن کا خیر مقدم تالیوں سے کیا جاتا ہے۔ وہ آکر صدر کے قریب دوسری مسند کے سہارے بیٹھ جاتے ہیں۔

اچھا آؤ اُن کی نظم سُننے سے پہلے تمھاری اُن سے مُلاقات کرادیں۔ اُن کا قد بوٹا سا ہے عمر ۸ - ۹ سال ہوگی۔ شاعری سے بہت لگاؤ ہے۔ خود بھی اچھا کہہ لیتے ہیں جیسا کہ تم خود ابھی سُنوگے

شباب صاحب اپنی کبوتر والی نظم ترنم سے پڑھنا شروع کرتے ہیں :-

میں نے ایک کبوتر پالا
پیارا پیارا بھولا بھالا
رنگ برنگا اچھا اچھا
جیسے ریشم کا ہو لچھا

حاضرین :- میر صاحب! بہت خوب مکرر ارشاد۔

شاعر :- (جھک کر) آداب! آداب!

رنگ برنگا اچھا اچھا
جیسے ریشم کا ہو لچھا
اس کے انڈے اچھے اچھے
چھوٹے چھوٹے پیارے پیارے
چونچ تھی اس کی نرم ملائم
روئی روئی جیسے ہو ریشم

حاضرین :- بہت خوب! دوبارہ فرمایئے

شاعر :-

چونچ تھی اُس کی نرم ملائم
روئی روئی جیسے ہو ریشم
اُس کا بچہ پیارا پیارا
ننھا منا چھوٹا سارا
گود میں اس کو میں لے جاتا
اور وہاں پر خوب اُڑاتا
میں اُس سے جی کو بہلاتا
وہ بھی خوش ہو کر اُڑ جاتا

نظم ختم ہوتی ہے اور تالیاں بجتی ہیں :

چائے

(سید محمد یحیٰ صاحب بانکی پور۔ پٹنہ)

مظفر:۔ بھیا۔ آج اسکول سے لوٹتے وقت راستے میں میں نے ایک میز پر بہت سی پیالیاں رکھی دیکھیں۔ ایک صاف سا برتن چولھے پر چڑھا تھا۔ لوگ چاروں طرف جمع تھے۔ ایک طرف موٹے موٹے حرفوں میں "چائے پیو اور بہت دن جیو" لکھا تھا۔ چائے والے نے مجھے بھی چائے پلائی۔

رحمٰن:۔ ارے بھائی وہ ہندوستانی چائے کا اشتہار ہے۔ ہندوستانی چائے کا اشتہار اسی طرح دیا جاتا ہے۔

مظفر:۔ بھائی یہ چائے لوگ اتنی کیوں پیتے ہیں۔

رحمٰن:۔ چائے ہی ایک ایسی چیز ہے جسے دنیا کے ہر حصے میں ہر قوم کے لوگ شوق سے پیتے ہیں۔

مظفر:۔ آخر اس کا رواج کیسے ہوا۔ پہلے پہل یہ کہاں سے آئی اور آج کل کہاں کہاں پیدا ہوتی ہے۔

رحمٰن:۔ چائے کے بارے میں چین کی پرانی پرانی کتابوں میں بہت کچھ لکھا ہے۔ مگر اس وقت یہ صرف دوا کے لئے استعمال ہوتی تھی آج کل کی طرح لوگ اتنی مقدار میں نہیں پیتے تھے۔ حضرت عیسیٰ کی پیدائش سے پہلے پانچویں صدی میں چین میں لوگ چائے پینے لگے اور اس کا دواً استعمال اُٹھ گیا۔ چین میں لوگ اسی وقت سے آج کل کی طرح چائے پینے لگے۔ اب بھی دنیا میں سب سے زیادہ چائے چین میں پی جاتی ہے۔

مظفر:۔ ماسٹر صاحب کہہ رہے تھے کہ جب تم چین کے کسی گھر میں جاؤ تو لوگ تمھیں چائے کی ایک پیالی پیش کریں گے۔ اس کی وجہ شاید یہی ہے کہ چین میں سب سے اچھی اور زیادہ چائے پیدا ہوتی ہے۔

رحمٰن:۔ ہاں ایک وجہ یہ بھی ہے۔ لیکن اصلی بات یہ ہے کہ چین کا پانی نہایت خراب اور بدمزا ہوتا ہے۔ اور اس کو بغیر کھولائے ہوئے پینا مشکل ہوتا ہے اس لئے چینی جب پانی کھولاتے ہیں تو اس میں تھوڑی سی چائے ڈال دیتے ہیں۔ اس سے پانی کا مزہ اچھا ہو جاتا ہے۔

مظفر:۔ میں سمجھا تھا کہ چائے خاص ولائتی چیز ہے اور وہیں سے منگائی جاتی ہے۔

رحمٰن:۔ نہیں۔ چین سے چائے پہلے پہل جنوبی مشرقی ایشیا میں آئی۔ چائے کے فائدے یورپ والوں کو پہلے پہل سولھویں صدی میں معلوم ہوئے۔ لندن میں چائے کی سب سے پہلی دکان سنہ ۱۶۵۷ء میں کھلی۔

مظفر:۔ اچھا تو یہ ہندوستان میں کیسے آئی؟

رحمٰن:۔ ہاں سنو ہندوستان میں بھی بہت ہی اچھی چائے پیدا ہوتی ہے۔ سب سے پہلے ہندوستان میں یہ پودا جنگلی طور پر اُگا ہوا سنہ ۱۸۲۳ء میں آسام میں پایا گیا۔ اور آج بھی آسام میں سب سے عمدہ چائے پیدا ہوتی ہے۔ سب سے پہلا چائے کا باغ سنہ ۱۸۳۵ء میں لگایا گیا اور جبھی سے چائے کی باقاعدہ پیداوار ہونے لگی۔ سنہ ۱۸۶۰ء سے ہندوستان میں چائے کا استعمال عام ہونے لگا۔

مظفر:۔ بھیا جغرافیے کے ماسٹر صاحب کہہ رہے تھے کہ آسام میں بارش بہت ہوتی ہے اور وہاں بہت سے پہاڑ ہیں۔ کیا چائے پہاڑوں پر ہوتی ہے؟

رحمٰن:۔ ہاں بھائی چائے ڈھلوان زمین پر بہت اچھی ہوتی ہے۔ اس کے لئے پانی کی بہت زیادہ ضرورت ہے۔ مگر پانی کو اس کی جڑ میں ٹھہرنا بھی نہیں چاہیے کیونکہ جڑ خراب ہو جائے گی۔ اس لئے یہ پہاڑوں پر ہوتی ہے۔ چائے کا پیڑ بڑا ہی مضبوط ہوتا ہے

مظفر:۔ چائے پتھریلی مٹی میں ہوتی ہے؟

رحمٰن:۔ بتایا نا کہ پہاڑی ڈھلوان پر خوب اچھی چائے پیدا ہوتی ہے۔ اس کے لئے چند دواؤں کی بھی ضرورت ہوتی ہے جو پہاڑی مٹیوں میں موجود رہتی ہیں۔ وہ دوائیں پوٹاش اور فاسفورس ہیں۔ عموماً یہ دونوں چیزیں پہاڑی مٹیوں میں پائی جاتی ہیں۔

مظفر:۔ بھیا آپ نے چائے کا پودا دیکھا ہے؟ کیسا ہوتا ہے؟

رحمٰن:۔ ہاں پچھلی گرمیوں میں دارجلنگ گیا تھا۔ وہاں میں نے چائے کے پودے دیکھے تھے۔ اگر چائے کو جنگلی گھاس کی طرح چھوڑ دیا جائے تو اس کی اونچائی ۸ فٹ تک ہو جاتی ہے۔ وہاں تو ہر جگہ چائے کے پودے جنگلی اور لگائے ہوئے دونوں نظر آتے ہیں۔ مگر اس کی کھیتی کرنے والے اُن کو کاٹ کر صرف ۳ یا ۴ فٹ کا رہنے دیتے ہیں۔

مظفر:۔ یہ کیوں؟ کیا چائے کے درخت بالکل سیدھے اور لمبے ہوتے ہیں؟

رحمٰن:۔ شاید اس وجہ سے کاٹ ڈالتے ہیں کہ اُن کو پتیاں توڑنے میں دقت نہ ہو۔ نہ جانے اور کیا وجہ ہے۔ ہاں تم نے یہ جو پوچھا کہ چائے کے

پودے کیسے ہوتے ہیں، تو یہ نہ بالکل سیدھے ہوتے ہیں نہ بالکل جھکے ہوئے بلکہ جھاڑیوں کی طرح ہوتے ہیں۔ اُن میں کام کے لائق پتیاں تین برس کے بعد آجاتی ہیں۔ مگر لوگ اُنھیں پانچ سال کے بعد کام میں لاتے ہیں۔

مظفر:- تو کیا ہمارے ہندوستان میں بہت چائے پیدا ہوتی ہے۔

رحمٰن:- سب سے زیادہ تو چین میں۔ اس کے بعد ہندوستان اور جاپان میں پیدا ہوتی ہے۔ سیلون میں اچھی اور کافی مقدار میں چائے پیدا ہوتی ہے۔ یہ تمام ملک چائے پیدا کرتے ہیں اور انگلستان۔ جمہوریہ امریکہ۔ کینیڈا۔ آسٹریلیا اور دوسرے ملکوں کے ہاتھ فروخت کرتے ہیں۔ لندن چائے کی سب سے بڑی منڈی ہے۔ سب سے زیادہ چائے انگریز پیتا ہے۔ اس کے بعد امریکہ والوں کا نمبر آتا ہے۔

مظفر:- جب اتنے ملکوں میں چائے پیدا ہوتی ہے تو اس کی قسمیں بھی الگ الگ ہوں گی۔

رحمٰن:- کیوں نہیں...... کالی چائے۔ سبز چائے گن پاؤڈر وغیرہ چائے کی قسمیں ہیں۔ تم ان کو یاد نہیں رکھ سکتے۔ ایک قسم کی چائے کا نام ہے "ورجن" یہ سب سے عمدہ اور قیمتی ہوتی ہے اور اس کو امریکہ خریدتا ہے۔

مظفر:- ورجن کا ذکر تو چھوڑئے اس کے بعد اور کون سی چائے ہوتی ہے۔

رحمٰن:- بات یہ ہے کہ ہمارے ہندوستان میں قسم قسم کی چائے پیدا ہوتی ہے۔ کوئی کسی کو پسند کرتا ہے کوئی کسی کو۔

مظفر:- مگر بھیا کئی روز ہوئے ہمارے ماسٹر صاحب تو درجے میں چائے کی بہت بُرائی کر رہے تھے۔

رحمٰن:- بھائی سچ پوچھو تو ہے تو ایسی ہی چیز۔ بچوں کے لئے تو یہ خاص طور پر مضر ہے۔ اس کے نقصان بہت سے ہیں۔ اور تم کو بھی اگر کسی دعوت میں چائے پینے کی کہیں نوبت آجائے تو مضائقہ نہیں۔ مگر روز نہ پیا کرو سمجھے! ہاں ایک بات اور سنو۔ ہمارے کالج میں ایک فلم ہے جس میں یہ دکھایا گیا ہے کہ چائے کس طرح پیدا کی جاتی ہے۔ کیسے پکائی جاتی اور کس طرح ڈبوں میں بند کی جاتی ہے۔ یہ پوری فلم چائے ہی کے متعلق ہے۔ اب کے یہ دکھایا جائے گا تو تمھیں ضرور لے چلوں گا۔

مظفر:- ضرور بھائی جان...... ضرور۔ میں مدن اور سدھو کو بھی لیتا آؤں گا۔

برف کا ٹکڑا

نجیب اللہ مدرسۃ الاصلاح سرائے میر

اُن کا اصلی نام تو جانے کیا تھا مگر سب لوگ انھیں ذکو اور شکو ہی کہتے تھے۔ یہ دونوں سگے بھائی تھے۔ ذکو، شکو سے کوئی دو ڈھائی برس بڑا تھا۔ اور ہمیشہ اس فکر میں رہتا تھا کہ شکو پر اپنی بڑائی کی دھونس جمائے۔ ایک روز اُسے ایک ترکیب سوجھی، چپکے سے ابا کے کمرے میں گھس اُن کی میز سے تازہ اخبار اُٹھا لایا اور شکو کے سامنے زور زور سے پڑھنے لگا۔

"سری نگر ۱۵ جون اس سال ہمالیہ پر بہت برف گرا اب وہ پگھل رہا ہے۔ کبھی کبھی تو برف کے بڑے بڑے ٹکڑے دریا میں گر پڑتے ہیں۔"

ذکو نظریں اخبار پر جمائے ہوئے تھا۔ جیسے سچ مچ پڑھ رہا ہو۔ شکو ڈرائنگ کی کاپی پر کسی تصویر میں رنگ بھر رہا تھا۔ اُس نے ذکو کی طرف نظر اُٹھا کر دیکھا۔ ذکو میاں سمجھے بس مار لیا پالا۔ کہنے لگے "ہے نا تعجب کی بات؟" شکو نے بہت بے پروائی سے کہا "تعجب کاہے کا، یہ تو بہت معمولی بات ہے۔" ذکو کھسیا کر چپ ہو رہا اور بغل میں اخبار دبا کر وہاں سے چل دیا۔

صبح اسکول جاتے وقت شکو نے پوچھا: "بھیا آج تو برف گرنے کی کوئی خبر نہیں تھی۔" ذکو نے چونک کر کہا "مجھے تو معلوم نہیں تم نے کبھی اخبار میں کوئی ایسی خبر دیکھی تھی؟" شکو نے بھولے پن سے کہا "ارے آپ بھول گئے کل ہی تو آپ نے اخبار میں کچھ پڑھا تھا۔" ذکو نے کہا "ہاں، ہاں بھائی تم نے بھی اچھی یاد دلا دی۔ اسکول کی لائبریری میں پیام تعلیم دیکھیں گے۔ اُس میں بہت دلچسپ اور تازہ معلومات ہوتی ہیں۔" شکو نے کہا "تو پھر ہمیں بھی لیتے چلیے گا نا۔" ذکو بولے "اُوں ہونہہ چھوٹے بچوں کو لائبریری میں جانے کی اجازت نہیں ہے۔" شکو نے تعجب سے کہا "واہ واہ کس نے منع کیا ہے۔" ذکو بولے "اَرے کل ہی تو ہیڈ ماسٹر صاحب نے کہا تھا تمھیں نہیں معلوم؟"

شام کو اسکول سے گھر آتے وقت، شکو نے

پوچھا " بھیا آپ نے پیام تعلیم دیکھا تھا ؟"
ذکو :۔ ہاں دیکھا تھا !
شکو :۔ کیا لکھا تھا ؟
ذکو :۔ یہی لکھا تھا کہ برف کا ایک بڑا ٹکڑا جمنا میں آگرا ہے ۔
شکو :۔ (تعجب سے) اچھا ! دریائے جمنا میں !!
ذکو :۔ ہاں، ہاں اس میں تعجب کی کون سی بات ہے ۔ ایسا اکثر ہوتا ہے ۔
شکو :۔ تو وہ دریا میں بہتا آرہا ہوگا ۔
ذکو :۔ ارے بھئی وہ تو بالکل قریب آگیا ہے ۔
شکو :۔ تو کیا اب تک کسی نے روکا نہیں ۔
ذکو :۔ روکا کیوں نہیں ۔ شہر سے باہر روک لیا گیا ہے ۔

شکو میاں مارے خوشی کے اُچھل پڑے اور کہنے لگے " سچ مچ بھائی جان " ذکو نے کہا " سچ نہیں تو اور کیا میں تم سے جھوٹ بھی بول سکتا ہوں " شکو کو اطمینان ہوگیا ۔

شکو رات بھر برف کا خواب دیکھتا رہا ۔ دوسرے دن اتوار تھا ۔ صبح کو تڑکے سے اُٹھ بیٹھا ۔ جلدی جلدی مُنہ ہاتھ دھو، ناشتہ کر، اپنے دوست مُنو کے یہاں پہنچا اُسے بھی یہ خبر سُنائی ۔ اُسے بھی یقین آگیا ۔ اب دونوں دوستوں میں یہ بات طے ہوئی کہ چل کے دیکھنا چاہیئے ۔ مُنو بھاگے بھاگے اپنی امّی کے پاس گئے، اور یہ خبر سُنائی ۔ وہ منو کے ابا کے پاس گئیں اور بولیں :" ذرا تانگا منگوا دیجیے " :
مُنو کے ابا :۔ کیوں خیر تو ہے ؟
مُنو کی اماں :۔ ذرا بچوں کو ساتھ لے کر دریا پر جاؤں گی ۔
مُنو کے ابا :۔ اچھا دریا کی سیر ہوگی ۔ آج کیسے جی چاہنے لگا ۔
مُنو کی اماں :۔ ارے آپ نے نہیں سُنا ؟ جمنا میں برف کا ایک بہت بڑا ٹکڑا آگیا ہے شہر کے باہر روک لیا گیا ہے ۔ سُنا ہے اخباروں میں بھی یہ خبر آگئی ہے ۔

مُنو کے ابا کو بہت تعجب ہوا اور اُنھوں نے اپنے دوستوں سے اُس کا ذکر کیا ۔ اُنھوں نے دوسرے لوگوں کو خبر دی اس طرح یہ خبر پھیلتے پھیلتے سارے شہر میں پھیل گئی ۔ لوگ یکوں، تانگوں، موٹروں میں بیٹھ کر چل پڑے ۔ بہت سے لوگ تو پیدل ہی بھاگے چلے جا رہے تھے کہ دیکھیں تو سہی کیسا برف کا ٹکڑا ہے جو ہمالیہ سے گر کر یہاں تک بہتا چلا آیا ۔ لیکن دریا کے کنارے پر پہنچ کر لوگوں کو بہت نااُمیدی ہوتی تھی اور غصے میں بڑبڑاتے ہوئے واپس آتے تھے ۔

اِدھر تو یہ گڑبڑ تھی اور اُدھر میاں ذکو کمرے میں بیٹھے جغرافیے کا سبق یاد کر رہے تھے ۔ اُن کی

امّی نے تعجب سے پوچھا " ذکو سارا شہر برف کا ٹکڑا دیکھنے جارہا ہے تو کیوں نہیں جاتا۔

ذکو :- امّی یہ گپ ہے۔

امّی :- واہ! گپ کیسے ہے۔ سُنتی ہوں اخبار میں لکھا ہے۔

ذکو :- نہیں امّی اصل میں شکو کو بے وقوف بنانے کے لئے میں نے یہ خبر اُڑائی تھی مگر وہ اُڑ گئی سارے شہر میں۔ یہ سُن کر امّی تو بے تحاشا ہنس پڑیں مگر ابّا نے کہا دیکھو میاں تمہارے ذرا سے مذاق سے کتنے لوگوں کو کس قدر تکلیف پہنچی۔ لوگ جتنا بھی بُرا بھلا کہتے ہوں گے وہ سب تم پر پڑے گا۔"

اتنے میں شکو میاں بھی تھکے ہارے منہ پھلائے آئے۔ ذکو اُنھیں دیکھتے ہی کھلکھلا کے ہنسا۔ شکو نے کھسیا کر کہا " بس آپ کو دھوکا ہی دینا آتا ہے ؛ ذکو بولے " تو آپ نے عقلمندی سے کام لیا ہوتا "

شکو :- (ناک سکوڑ کر) ہونہہ آپ بڑے عقل مند بنتے ہیں۔

ذکو :- اب کچھ ہی کہیئے۔ بس بن گئے آپ بے وقوف!

شکو :- اجی بس رہنے دیجئے۔ آپ مجھے کیا بے وقوف بنائیں گے۔ میں چاہوں تو آپ کو پڑھا کے رکھ دوں۔

ذکو :- (ہنس کر) یہ گھمنڈ!

شکو :- اور کیا۔ اچھا بتائیے آپ کو معلوم ہے کہ پانی کی جگہ آسمان سے مچھلیاں برستی ہیں۔

ذکو :- جھوٹ بالکل جھوٹ۔

شکو :- اور جو کتاب میں دکھا دوں۔

ذکو :- اگر آپ کتاب میں دکھا دیں تو پندرہ دن تک آپ کا بستہ اسکول لے جاؤں گا اور نہیں دکھایا تو پندرہ دن تک میرا بستہ تمھیں لے جانا پڑے گا۔

شکو :- منظور۔ میں آپ کی دھاندلی میں آنے والا نہیں ہوں۔ اس کے بعد وہ دوڑا دوڑا اپنی کتابوں کی الماری کے پاس گیا وہاں سے ایک اخبار نکال لایا اس میں ایک خبر تھی۔ کل کلکتے میں مچھلیاں برسنے لگیں۔ سب لوگ حیران تھے سائنس جاننے والوں کا خیال ہے کہ سمندر سے پانی کا ایک بگولا اُٹھا تھا جب وہ پھٹا تو مچھلیاں بوندیں بن کر برسنے لگیں۔

ذکو :- ہاں ہے تو بھئی۔ خیر صاحب اب ہم ہار گئے۔

شکو :- (خوش ہوکے) آپ بتائیے۔

ذکو :- میری رائے یہ ہے کہ تم شرط ہارنے کی سزا معاف کردو اور میں " برف کا ٹکڑا " کہہ کر تمھیں نہ چڑھاؤں امّی پاس ہی کھڑی اُن کی باتوں پر ہنس رہی تھیں کہنے لگیں " بس بس اسی بات پر صلح ہو جائے "

بچوں کی چند نظمیں

جناب مولانا شفیع الدین صاحب نیر کی اصلاح کے بعد

چٹھی

(ایک چھوٹی بچی کی نظم)

چلی جا تو چٹھی چہکتی ہوئی ⁝ سہیلی جہاں پر ہوں بیٹھی ہوئی
پہنچ کر وہاں پر کرے جب مقام ⁝ سہیلی کو جُھک کر تو کرنا سلام
پہنچ جائے جب اُس کو میرا سلام ⁝ تو پھر جلد دے اُس کو میرا پیام
دُعا ہے ہمیشہ یہ خاتون کی ⁝ رکھے تجھ کو اللہ راضی خوشی
جہاں میں ہمیشہ سلامت رہو ⁝ دُعا ہے مری تا قیامت رہو

مری نظم کا یہ صلہ دیجیو
مرے حق میں پیاری دعا کیجیو

(قدسیہ خاتون اعظم گڈھ)

ریل

آؤ دکھائیں ہم اک کھیل ⁝ دیکھو آتی ہے وہ ریل
کس تیزی سے آتی ہے ⁝ کیسا شور مچاتی ہے
کتنے لوگ اس کے اندر ⁝ بیٹھے ہیں چیزیں لے کر
کچھ اِس جانب تاک رہے ⁝ کچھ اس جانب جھانک رہے
اسٹیشن پر آ پہنچی ⁝ آتے ہی دی سیٹی سی
آنے والے اُترے ⁝ جانے والے بیٹھے
دیکھو کیسا شور ہوا ⁝ جیسے ہوتا ہے دنگا
کوئی قلی قلی کہتا ⁝ کوئی ہے کہتا شربت ٹھنڈا

آؤ چلو کم شور مچائیں۔
ریل پہ اباّ ہم کو چڑھائیں

(صدیقہ بی بی گورکھ پور)

قدسیہ بانو

قدسی میری پیاری بھتیجی ۔ سب سے اچھی سب سے پیاری
گھر کی رونق گھر کی برکت ۔ گھر کی خوشی اور گھر کی راحت
صورت اس کی پیاری پیاری ۔ رنگت اس کی پھولوں جیسی
باتیں اس کی میٹھی میٹھی ۔ عادت اس کی اچھی اچھی
ہنستی رہتی ہے وہ سب سے ۔ غصہ کرتی نہیں کسی سے
جب مکتب سے آتی ہوں میں ۔ گود میں اس کو اٹھاتی ہوں میں
مجھ کو ہے وہ دل سے پیاری ۔ ہے وہ اصلی راج کماری
خالق بخشے عمر زیادہ ۔ ہو لائق یہ بہت زیادہ

بڑھتی جاؤ قدسی پیاری
پھوپھی صدقے پھوپھی واری

(طیبہ بانو۔دھرم سالہ)

تاروں سے

ننھے ننھے روشن تارو ۔ بتلاؤ تم کیا ہو پیارو
دھوپ ہے جاتی سایہ آتا ۔ سناٹا جب ہے چھا جاتا
چمک ہو اپنی تم دکھلاتے ۔ راہ مسافر جس سے پاتے
فیض تمہارا سب پر یکساں ۔ ہندو ہوں یا ہوں مسلماں
دیکھ تمھیں یہ دل میں آتا ۔ بنوں ستارا میں تم جیسا
ایک بات ہے دل میں آئی ۔ حاصل ہوگی جس سے بڑائی
دل سے اب میں لکھوں پڑھوں گا ۔ درجے میں اوّل ہی رہوں گا

روشن ہوگا نام ہمارا
لوگ کہیں گے انور تارا

(انور حسین سیوان سارن)

رانچی

محمد ظہیر الحق انصاری۔ رانچی

رانچی بہار اور اُڑیسہ کا مشہور پہاڑی مقام ہے۔ گرمی کے موسم میں گورنر اور بہار کے دوسرے بڑے بڑے افسر یہیں آجاتے ہیں۔ یہاں میرے بہت سے عزیز رہتے ہیں۔ کچھ عرصے سے میں بھی یہیں آگیا ہوں۔ مجھے تو یہ جگہ اتنی پسند ہے کہ جی چاہتا ہے بس یہیں رہ پڑوں۔

رانچی کچھ زیادہ اونچی جگہ نہیں ہے۔ کل ایک ہزار ایک سو فیٹ۔ اسی لئے شملہ، نینی تال اور مسوری کی طرح یہاں اونچی نیچی پہاڑیاں زیادہ نہیں ہیں۔ ریل بھی یہاں تک آجاتی ہے۔ یہاں کی سب سے چوڑی سڑک مین روڈ کہلاتی ہے، اس کے دونوں طرف شاندار دکانیں ہیں۔

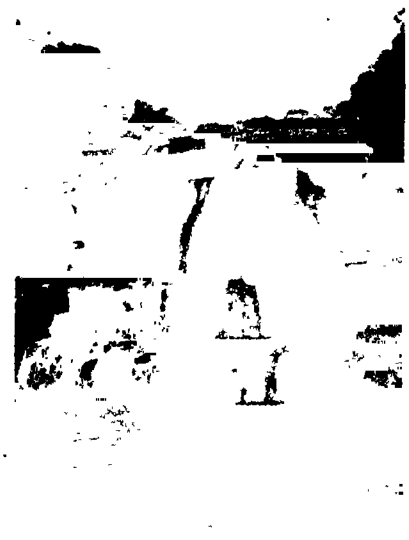
یہاں کی عمارتیں بھی بہت خوب صورت اور شاندار ہیں۔ سینما ہاؤس۔ صدر اسپتال بڑا ڈاک خانہ۔ ڈھاکیسوری ہاؤس۔ سر علی امام کی نامکمل کوٹھی یہاں کی مشہور عمارتیں ہیں۔ عیسائیوں، انگریزوں اور ہندو، مسلمان لڑکوں کے لئے کوئی سات اسکول ہیں لڑکیوں کے لئے اسکول الگ ہے۔ ایک انٹرمیڈیٹ کالج بھی ہے۔ ایک اسکول میں چمڑے، لکڑی اور لوہے کا کام سکھایا جاتا ہے۔ ایک اندھوں کا اسکول ہے۔ ہوٹل بھی بہت سے ہیں، تین چار تو انگریزی ہیں۔ ایک بہت بڑا ہوٹل ہندوؤں کا ہے۔

رانچی کی آب و ہوا بہت اچھی ہے۔ اس لئے گرمیوں کے موسم میں دور دور سے لوگ یہاں آتے ہیں۔ اور اسی لئے یہاں کئی مشہور شفا خانے ہیں۔ ایک شفا خانہ دق کے مریضوں کے لئے ہے۔ یہ اٹکی میں ہے۔ اٹکی رانچی کے شمال مغرب میں تھوڑے فاصلے پر واقع ہے۔ ایک پاگل خانہ بھی ہے۔ یہ کانکے میں ہے۔ کانکے بھی رانچی کے شمال میں ہے۔ رانچی میں آکلے (سرطان) کے علاج کا بھی انتظام ہے۔ یہ علاج ریڈیم کے ذریعے ہوتا ہے۔

رانچی میں ایک بہت بڑا تالاب ہے۔ اور



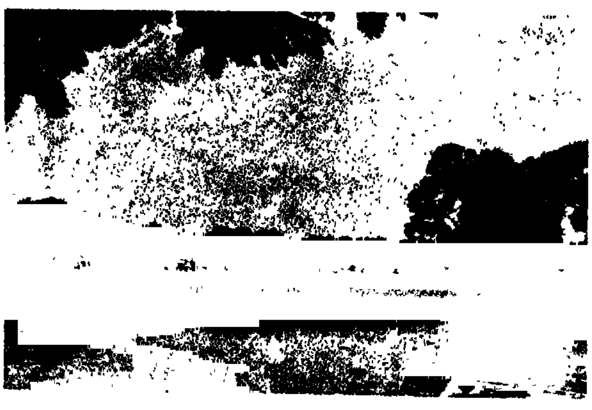
رانچی کی خاص سڑک ''مین روڈ''



ھنڈرو آبشار (رانچی)



مورہ آبادی کی چوٹی پر مندر



بڑا تالاب (رانچی)

(مضمون رانچی کے متعلق تصویریں)



محمد اسماعیل (سفاریفی کالیج)



لال قلعہ دہلی کی موتی مسجد
محمد خلیق الزماں (انڈ



مانسون
(احمد صمد بغوں)



جبلپور کا گھنٹہ گھر
(ایس- ایم- جبریل جبل

یہاں یہ اسی نام سے مشہور ہے۔ اسی کے پاس رانچی ہل ایک پہاڑی ہے۔ یہ ایک ٹیلے کی شکل میں زمین سے اونچی ہوتی چلی گئی ہے۔ اس کی چوٹی نوک دار ہے۔ یہاں ہندوؤں کا مندر ہے۔ مندر کے پاس ہی ایک گہرا غار ہے۔ حفاظت کے لئے غار کے چاروں طرف دیوار بنا دی گئی ہے۔ چوٹی پر چڑھنے کے لئے کچھ دور تک سڑک ہے اور پھر پکی سیڑھیاں ہیں۔

رانچی کے شمال میں ایک پہاڑی ہے 'مرہ آبادی'۔ اس کی چوٹی پر ایک خوب صورت مندر ہے۔ اسی پہاڑی پر ٹیگور خاندان کی کوٹھی ہے۔ اور یہیں گھوڑ دوڑ کے لئے ایک بڑا میدان ہے۔ اکثر ہوائی جہاز بھی یہیں اترتے ہیں۔

رانچی سے کچھ دور ڈوانڈہ نامی ایک جگہ ہے یہاں گورکھا فوج کی چھاؤنی ہے۔ یہاں سے ایک ندی گذرتی ہے سوبرن رکھا۔ یہ نگڑی سے نکلی ہے۔ نگڑی رانچی کے قریب ہی ایک جگہ کا نام ہے جہاں سے یہ ندی نکلتی ہے وہاں کنواں سا معلوم ہوتا ہے۔ آگے جا کر یہ ندی کافی چوڑی ہو گئی ہے۔

رانچی کے پاس ہی ہنڈرو فال اور جونہا فال دو آبشار بھی ہیں۔ ہنڈرو فال زیادہ مشہور ہے یہاں کوئی ڈیڑھ سو فٹ کی اونچائی سے پانی گرتا ہے بڑا اچھا منظر ہے۔ پانی چٹانوں سے ٹکرا کر نیچے آتا ہی تو معلوم ہوتا ہے کہ روئی کے گالے اڑ رہے ہیں جن چٹانوں پر سے پانی بہہ کر نیچے آتا ہے وہ گھس گھس کر اتنی چکنی ہو گئی ہیں کہ قدم رکھنا مشکل ہے۔ آبشار کے نیچے ترائی میں گھنا جنگل ہے۔ اس جنگل میں شیر اور دوسرے درندے پائے جاتے ہیں۔

ربڑ

فضل الدین صاحب اثر۔ ایم۔ اے۔

موٹر کی ایجاد کے سلسلے میں تمھیں ربڑ کے ٹائروں کی اہمیت بتائی جا چکی ہے۔ اگر مسٹر ڈنلپ اپنے لڑکے کے لیے ربڑ کے ٹائر نہ بناتے تو اس کا دوڑ میں اوّل آنا بہت دشوار ہوتا۔ لیکن ایک مسٹر ڈنلپ کے لڑکے کا دوڑ میں اوّل آنا ہی کیا اگر ربڑ نہ ہوتی تو نہ جانے ہمارے کتنے کاموں میں وہ آسانی نہ ہوتی جو اس وقت ہے۔ پھر تمھیں تعجب ہوگا کہ آج سے سوا سو سال پہلے کوئی ربڑ کی حقیقت کو نہیں جانتا تھا۔ یوروپ کی کتابوں میں ربڑ کا سب سے پہلا حوالہ ۱۵۲۵ء میں دیا گیا ہے۔ اس سال اسپین کے ایک باشندے نے میکسکو کے حالات لکھتے ہوئے اپنی کتاب میں ذکر کیا تھا کہ کس طرح میکسکو کے باشندے ایک درخت کے گاڑھے لعاب سے گیندیں بنا کر کھیلتے ہیں۔ اس کتاب کے شائع ہونے کے دو سو گیارہ سال بعد فرانس کے کچھ سائنس داں خاص اس مقصد کے لئے جنوبی امریکہ گئے کہ ربڑ کے درختوں کے متعلق معلومات حاصل کریں۔

اس واقعے کے اور پچاس سال بعد یعنی [illegible] میں انگلستان کے ایک شخص سیموئیل پیل نے ربڑ کو تارپین کے تیل میں گھول کر اس سے برساتیاں بنانے کی کوشش کی۔ لیکن ان برساتیوں میں چپک اور بدبو بہت تھی اس لئے پیل کی اس کوشش کی طرف کسی نے توجہ نہیں کی۔ البتہ گلاسگو کے چارلس میکن ٹوشش کو اچھی قسم کی برساتیاں بنانے میں کچھ عرصے بعد ضرور کامیابی حاصل ہوگئی۔ ان میں نہ زیادہ چپک تھی اور نہ زیادہ بدبو۔ بیس سال بعد انگلستان میں ٹامس ہین کوک، اور امریکہ میں چارلس گڈایر نے ربڑ کی چپک دور کرنے اور اُسے زیادہ نرم بنانے میں اور بھی زیادہ ترقی کرلی۔

گڈایر کو جن مشکلوں کا سامنا کرنا پڑا اُن کا قصہ بڑا دلچسپ ہے یہ فلاڈلفیا کا ایک سوداگر تھا، اور بچپن ہی سے بہت ذہین اور سمجھ دار تھا۔ اوزاروں اور مشینوں سے اُسے خاص دلچسپی تھی۔ گڈایر کو عرصے سے ربڑ کی ایسی پٹیاں بنانے کی جستجو تھی جن کی مدد سے سمندر پر کشتیوں کے الٹ جانے یا ٹوٹ جانے

ملاح اپنی جان بچاسکیں۔ اِسی شوق میں گڈ ایر بازار سے ایک دن ایک قسم کی ملاحوں کی جان بچانے والی پیٹی (لائف بیلٹ ، LIFE BELT) خرید لایا اور اُسے بہت اچھی طرح دیکھنے بھالنے کے بعد ارادہ کیا کہ وہ یہ پیٹی ایسی ربڑ کی بنائے جس پر گرمی سردی کا کوئی اثر نہ ہو۔ گڈ ایر کا خیال تو بہت اچھا تھا لیکن تجربے کے لئے اس کے پاس کوئی سرمایہ نہ تھا۔ کوڑھ میں کھاج۔ یہ ہوا کہ اُس کا رہا سہا کاروبار بھی درہم برہم ہوگیا، اور گڈ ایر کو مقروض ہونے کی بنا پر سزا ہوگئی۔ جیل خانے میں گڈ ایر کو ایک بڑا فائدہ یہ ہوا کہ وہ وہاں سوچ خوب سکتا تھا۔ پھر کبھی کبھی اُس کے دوست اُس کے تجربوں کے لئے جیل خانے میں اُس کے پاس کچی ربڑ بھی بھجوا دیا کرتے تھے۔ جیل سے چھوٹ کر گڈ ایر کا شوق اور بھی تیز ہوگیا۔ وہ رات رات بھر چولھے پر تجربے کرتا رہتا۔ اپنی بیوی کو بھی جگا کر پاس بٹھا لیتا اور اسے اپنے ہر تجربے کا نتیجہ لکھاتا جاتا۔

چارلس گڈ ایر سائنس سے بالکل ناآشنا تھا اس لئے اُس کو تجربوں میں اور بھی زیادہ دیر لگتی تھی۔ اُسے اکثر گرمیوں میں پکائی ہوئی ربڑ پر سردی کا اثر دیکھنے کے لئے سردی کے موسم کا انتظار کرنا پڑتا تھا اسی طرح سردی کے موسم میں تیار کی ہوئی ربڑ پر گرمی کا اثر دیکھنے کے لئے گرمی کے موسم کا انتظار کرنا پڑتا تھا۔ سرمایہ ختم ہونے پر فاقوں تک نوبت آگئی اور ایک مرتبہ تو اُسے اپنا تجربہ جاری رکھنے کے لئے اپنے بچوں کی کتابیں تک بیچنا پڑیں۔

ایک مرتبہ گڈ ایر نے کچی ربڑ کے کئی پیپے خریدے اور کپڑے پر اسے پھیلا پھیلا کر بہت سے پہننے کے کپڑے اور جوتے بنائے۔ لیکن گرمی آتے ہی یہ چپکنے کی وجہ سے بے کار ثابت ہوئے۔ ایک دن اتفاق سے گڈ ایر کے ایک ساتھی نے اپنے پاجامے کو واٹر پروف بنانے کے شوق میں اس پر کچی ربڑ لگالی۔ لیکن کچھ لمحے بعد ہی اُس کا تمام پاجامہ اس کی ٹانگوں پر بُری طرح چپک گیا اور وہ اُس کرسی پر ہی جم کر رہ گیا جس پر بیٹھا تھا۔ گڈ ایر نے قینچی سے اپنے ساتھی کے تمام کپڑے کاٹ کاٹ کر اُسے کرسی کی قید سے آزاد کیا۔

اس دلچسپ واقعے کے بعد گڈ ایر کو سب سے پہلے ربڑ کی چپک دور کرنے کی فکر ہوئی۔ اُس نے بہت سے سائنس دانوں سے مشورہ کیا لیکن کوئی اُسے مدد نہ دے سکا۔ اب گلی کوچوں اور بازاروں میں ہر بچہ بوڑھا اُس کا مذاق اُڑانے لگا تھا۔ وہ اپنے بنائے ہوئے ربڑ کے جوتے، ربڑ کے کپڑے اور ربڑ کی ٹوپی پہن کر نکلتا تو بچے "ربڑ، ربڑ" چیختے ہوئے اس کے پیچھے بھاگتے۔ یہاں تک اُس کے دوستوں تک کو گڈ ایر کے پاگل ہو جانے کا اندیشہ ہو چلا۔ لیکن وہ اپنی دُھن کا پکا تھا۔

ایک دن گڈ ایر ربڑ چڑھے ہوئے کپڑے پر کچھ نقش و نگار بنانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اتفا

سے ایک جگہ زنگ بہت گہرا ہوگیا۔ گڈایر نے اُسے صاف کرنے کے لئے اس پر تیزاب ڈال دیا۔ تیزاب سے وہ کپڑا کچھ خراب سا ہوگیا۔ اس لئے گڈایر نے اُسے ایک طرف ڈال دیا۔ لیکن کچھ دن بعد جب اُس نے اس ٹکڑے کو پھر اُٹھاکر دیکھا تو معلوم ہوا کہ وہ سخت ہوگیا ہے اور اُس پر گرمی کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ گڈایر نے بڑے حوصلے کے ساتھ تیزاب سے پکائی ہوئی ربڑ کے بہت سے جوتے اور ٹوپیاں اور کوٹ بنائے۔ لیکن بعد کے تجربوں سے معلوم ہوا کہ تیزاب سے صرف ربڑ کی سطح سخت اور گرمی برداشت کرنے کے قابل ہوجاتی تھی۔

گڈایر کو بڑی مایوسی ہوئی۔ اس کے دوست اُسے روزی کمانے کا کوئی دوسرا ذریعہ اختیار کرنے پر مجبور کرنے لگے تھے۔ اس کے گھر میں بھی فلاکس انتہا کو پہنچ چکا تھا۔ اُس کی بیوی کپڑا بُن بُن کر دن کاٹتی تھی۔ لیکن پھر بھی وہ ہمیشہ گڈایر کی حوصلہ افزائی اپنا فرض سمجھتی تھی۔ گڈایر کی صحت اب جواب دے چکی تھی۔ لیکن پھر بھی اس کا ہر حوصلہ اور ہر ارادہ اپنی جگہ مضبوط تھا

ایک دن گڈایر بھٹی کے پاس کھڑا کھڑا کچی ربڑ میں گندھک ملا رہا تھا۔ اتفاق ایسا ہوا کہ تھوڑی سی گندھک ملی ہوئی کچی ربڑ بھٹی میں گر پڑی۔ گڈایر نے اُسے بھٹی سے نکال لیا، اور یہ معلوم کرکے اس کی خوشی کی انتہا نہ رہی کہ اس ربڑ پر نہ سردی کا اثر ہوتا تھا اور نہ گرمی کا۔ اس نے اُسے آگ میں ڈالا لیکن وہ نہیں پگھلی۔ اُس نے اُسے رات بھر باہر سردی میں ٹنگا رہنے دیا۔ لیکن وہ ویسی ہی رہی جیسی تھی۔

اب گڈایر کامیابی کے دروازے پر آ پہنچا تھا۔ اُس نے محنت کرکے ربڑ پکانے کا طریقہ مکمل کرلیا، اور امریکہ میں سرکاری طور پر اپنی ایجاد کے حقوق محفوظ کرالئے۔ لیکن اُسے اپنی محنت اور جانفشانی کی داد کبھی نہ مل سکی۔ اُسے عزت ملی۔ اُسے یہ خوشی بھی حاصل ہوئی کہ اُس کے ایجاد کردہ طریقے سے ربڑ تیار کرکے لاکھوں مزدور اپنا پیٹ پالتے ہیں۔ لیکن اس کی موت ایک غریب آدمی ہی کی موت تھی۔

ربڑ سے ہوا بھرے جانے والے ٹائر اور ٹیوب بنانا آئرلینڈ کے ایک شخص ڈنلپ کا کام تھا ڈنلپ سے پہلے گاڑیوں اور بائیسکلوں کے پہیوں پر ٹھوس ربڑ چڑھتی تھی جس کی وجہ سے رفتار میں تیزی پیدا نہیں ہوسکتی تھی۔

کچی ربڑ گرم اور مرطوب ممالک میں خاص قسم کے درختوں سے حاصل کی جاتی ہے۔ ان درختوں کو ہیوِیا (HEVEA) کہتے ہیں، اور ان کی بہت بڑی تعداد جنوبی امریکہ میں پائی جاتی ہے۔ یہاں

باشندے ربڑ کے درختوں کو تلاش کرکے ان کے تنوں میں شگاف لگا دیتے ہیں اور ان کے نیچے پیالے لٹکا دیتے ہیں۔ ان کے شگافوں سے دودھ سا رس رس کر پیالوں میں جمع ہو جاتا ہے اس دودھ کو ذرا سخت کرکے کارخانوں میں بھیج دیا جاتا ہے۔ یہاں یہ مشینوں کے ذریعے صاف ہو کر گڈ ایر کے ایجاد کئے ہوئے طریقوں سے پکایا جاتا ہے۔

ربڑ کی تجارت امن اور جنگ دونوں زمانوں میں بہت اہمیت رکھتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمیشہ مختلف قومیں اس بات کی جستجو میں رہتی ہیں کہ ربڑ کے جنگل اور پٹرول کے چشمے ان کے قبضے میں ضرور رہیں۔ دُنیا میں سب سے زیادہ ربڑ کے درختوں کی پیداوار جزیرہ نما مالے میں ہوتی ہے اور ان درختوں کی سب سے عجیب خصوصیت یہ ہے کہ نہ تو ہوا سے اُن میں کھڑکھڑاہٹ ہوتی ہے اور نہ اُن پر پرند بسیرا کرتے ہیں۔

آم

سب سے انوکھا سب سے نرالا
آم کا رتبہ سب سے بالا

رنگ انوکھا چیز نرالی
جھکی ہوئی ہے ڈالی ڈالی

سامنے دیکھو پیڑ کھڑے ہیں
جن میں ہزاروں آم لگے ہیں

کوئی ہرا ہے کوئی ہے پیلا
کوئی ہے دھانی کوئی ہے سُرخا

باغ میں اُن کے دم سے ہے زینت
کھانے سے اُن کے ہوتی ہے فرحت

انساں کھائے حیواں کھائے
سب کا اُس پر جی للچائے

شیرینی میں سب سے سوا ہے
کھٹے میں بھی ایک مزا ہے

سب سے ہے یہ میوہ اعلیٰ
سب سے اس کی شان ہے بالا

ایس ایم جبرئیل۔ جبل پور

معلومات

محمد اسمٰعیل ٹینگاپینی کالرس

دنیا میں سب سے بڑا جہاز "کوئن میری" ہے جس کی لمبائی ایک ہزار اٹھارہ فٹ ہے اور چوڑائی ایک سو اٹھارہ فٹ ہے۔ اور اس میں اسی ہزار سات سو تہتر ٹن بوجھ لادا جا سکتا ہے۔

دنیا میں سب سے بڑی جھیل کیسپین ہے، جو روسی ترکستان میں واقع ہے۔

دنیا میں سب سے زیادہ چاندی میکسکو (امریکہ) میں نکلتی ہے۔

دنیا میں سب سے زیادہ چاول چین کے علاقے میں پیدا ہوتے ہیں۔

دنیا میں سب سے زیادہ چائے برطانیہ میں پی جاتی ہے۔ سنہ ۱۹۳۶ء میں وہاں اتنی چائے صرف کی گئی جتنی کہ برطانیہ کو چھوڑ کر پوری دنیا میں۔

دنیا میں سب سے پرانا چڑیا گھر ایٹ برسی میں ہے، اس میں ایک ہزار سے زیادہ جنس ہیں۔

دنیا میں سب سے چوڑا دریا نیل ہے جو وکٹوریہ جھیل سے نکل کر جھیل البرٹ میں داخل ہوتا ہے اور افریقہ میں واقع ہے۔

دنیا میں سب سے بڑی خلیج (خلیج میکسیکو) ہے جو امریکہ میں واقع ہے۔

دنیا میں سب سے چھوٹا شخص ایکیازریٹ تھا، جس کا قد ۲۰ انچ لمبا تھا، آج تک ایسا شخص دیکھنے میں یا سننے میں نہیں آیا۔

دنیا میں سب سے خوش منظر اور جنت نظیر ملک سوئٹزرلینڈ ہے۔

دنیا میں سب سے بڑا درخت شمالی امریکہ میں علاقہ نیویارک کے پارک میں ہے، جس کی عمر ۴۰۰ اور ۵۰۰ سال کے درمیان ہے۔ یہ درخت ۲۷۲ فٹ بلند ہے اور اس کا تنہ ۴۰ فٹ موٹا ہے۔ اس کی لکڑی سے ۳۰ ارب دیا سلائیاں بن سکتی ہیں اور ۴۰ مکان بھی۔ اس کی لکڑی کو لے جانے کے لئے ریل کے ۲۰ ڈبوں کی ضرورت ہوگی۔



معما حل ہوگیا

از سید عروج احسن صاحب

پیام تعلیم کی اس قدر کامیابی اور ہر دلعزیزی کا گُر یہی ہے کہ وہ جن کے لئے نکالا جاتا ہے اُن کی صحیح معنوں میں پوری پوری خدمت کرتا ہے اور اُس کے چلانے والے ہمیشہ اسی کوشش میں رہتے ہیں کہ پیام تعلیم کا جو اصل مقصد ہے وہ ہر ممکن طریقے سے پورا ہوتا رہے اس کا اندازہ تمھیں خود بھی ہوگا۔

پیام برادری کی تحریک بھی اسی وجہ سے شروع کی گئی ہے کہ پیام تعلیم کے پڑھنے والوں میں بھائی چارے کے تعلقات پیدا ہو جائیں اور تعلیم کا مقصد محض کتابی ہوکر نہ رہ جائے بلکہ اس سے سماجی فائدے بھی حاصل کئے جائیں۔

چند مہینے سے تمھارے رسالے میں معموں کا سلسلہ جاری ہے۔ اُن کا مقصد محض تعلیمی ہے اور کسی پہلو سے بھی اس کو تجارتی نہیں کہا جا سکتا۔ اِس وجہ سے جو انعامات تقسیم کئے جاتے ہیں وہ نقد روپئے کی صورت میں نہیں بلکہ کتابوں کی صورت میں دئے جاتے ہیں۔ معموں کے اشارے پڑھنے سے تم نے اندازہ کیا ہوگا کہ ان کی عبارت ایسی ہوتی ہے کہ اگر اُن کو غور سے نہ پڑھا جائے تو مطلب کچھ کا کچھ ہو جاتا ہے اس قسم کے اشارے لکھنے کا مقصد یہ ہے کہ ایک دی ہوئی عبارت کو پڑھ کر اس کا صحیح مطلب نکالا جا سکے۔

اگر معموں میں کامیابی حاصل کرنی ہے تو ہر اشارے کو بار بار اور غور سے پڑھ کر مناسب لفظ نکالنا چاہیئے۔ ہر اشارے میں ایک دو ہی لفظ ایسے ہوتے ہیں جن سے پورے جملے کے مطلب پر اثر پڑتا ہے۔ معمے میں جتنے الفاظ بھی بنتے ہیں اُن میں سے چند ہی ایسے ہوتے ہیں جن کی جگہ کوئی دوسرا لفظ بھی آسکتا ہے لیکن یہ صورت جب ہی ہوتی ہے جب اشارے کو سرسری طور پر پڑھا جائے ورنہ اس جگہ صرف ایک ہی لفظ موزوں ہوتا ہے۔

پچھلے معمے میں ایک اشارہ تھا" ہر جج مقدمے کا فیصلہ کرتے وقت اس سے کام لیتا ہے" اشارہ پڑھتے ہی "عقل" اور "عدل" یہی دو لفظ دماغ میں آتے ہیں۔ لیکن اگر ہم لفظ "ہر" پر غور کریں تو آسانی سے سمجھ

میں آجائے گا کہ "عقل" اور "عدل" میں سے صرف "عقل" ہی اس موقع پر صحیح بیٹھتا ہے۔

جج جب مقدمے کا فیصلہ کرتا ہے تو یہ لازمی نہیں کہ عدل ہی سے کام لے۔ لیکن عدل سے کام لے یا نہ لے عقل سے دونوں صورتوں میں کام لیتا ہے۔

اگر بعض یا اکثر کا لفظ استعمال کیا جائے تو عدل آسکتا تھا۔

اس لئے ضروری ہے کہ معما حل کرتے وقت اشاروں کو کافی غور سے پڑھو۔ آپس کے مشوروں سے اشارے سمجھنے میں کافی مدد ملتی ہے ؛

معما نمبر ۹ اور نمبر ۱۰ کے نتیجے

معما نمبر ۹۔ صحیح حل: جمیل اختر، بجنور۔ ہری پرکاش، ہاپوڑ۔ سید محمد سرتاج حسین، دہلی۔ محمد ظلیق الزماں، اندور۔ ریاض النساء بیگم، نانڈیڑ۔ مہندی کریم، استھانواں۔ ابرار الرحمٰن قدوائی، بارہ بنکی۔ قدسیہ خاتون، گھوسی۔ چھوٹی فہمیدہ، نہٹور۔ سیدہ محمودہ بیگم، لکھنؤ۔ حاجی یوسف، کلکتہ۔ محمد اسلم، امرتسر۔ تصدیق امین خاں۔

ایک غلطی: عبد العلیم، پشاور۔ اسد حسین، پٹنہ۔ محمد علی احمد خاں، لدھیانہ۔ سید خواجہ معین الدین، حیدرآباد دکن۔ احمدی بیگم، جوگی پڑہ۔ ام سلیمان، کاٹھیاواڑ۔ رشیدہ خاتون، علی گڑھ۔ محمد عالم، وجاپور۔ محمد صدیق، صدر بازار دہلی۔ سید شریف اسلام، بالاپور۔ زین العابدین خاں، بدایوں۔ محمد سلیم الدین، نام پلی۔ رام بابا، میلوار۔ احمد علی، علی گڑھ۔ کاظمی محمد عمر، دبھوئی۔ عارف حسین، پٹنہ۔ آنسہ عالیہ بیگم، بالاپور۔ محمد سالم، مہودی۔ لہریا سرائے۔ ام شہاب الدین احمد، باغ پخته۔ میر عثمان علی، کاچی گوڑہ۔ مقبول احمد، کونچ۔ خلیل الرحمٰن قدوائی، بارہ بنکی۔ سرجیت سنگھ، جگلائی۔ اجمل حسین، دہلی۔ منظور عبد الرحمٰن، شمو۔ محمد اسلم انصاری، بڑھل گنج۔ محمد اکرم انصاری، بڑھل گنج۔ محمد مسلم انصاری، بڑھل گنج۔ محمودہ خاتون خریدار علامہ ۳۲۲۳۔ بشیر احمد خواجہ، نورپور۔ فیروز احمد، علی گڑھ۔ مرزا افتخار احمد خاں، سعید آباد۔ زبیدہ بیگم، جبل پور۔ ام، ام، منتخبت خریداری ۳۵۱۲۔ محمد ہاشم، استھانواں۔ محمد اکرم

معما نمبر ۱۰۔ صحیح حل: نعیم احمد، میرٹھ۔ رحیم الدین، تعلیمی مرکز جامعہ۔ سید مسرت علی، علی گڑھ۔ سید محمد ایوب، دھنباد۔ محمد نواز میاں، محمد صدیق احمد، مانگرول۔ ہمایوں اختر عادل، ہوشیار پور۔ ام، محمد یوسف، ریاست دیر۔ سید عماد الدین، بہادل پور۔ محمد ارشد، بھرت پور۔

ایک غلطی: مقبول احمد، ایوارڈ سٹوڈنٹ لائبریری نوت بگان۔ رئیس خانم، بجنور۔ خالد شبیر انصاری، دہلی۔ محمد اسلم، امرتسر۔ قاضی عبد المقتدر، گوکل۔ محمد الیاس مدنی، سرنج۔ سجاد حیدر، سری نگر۔ جمیدہ سلطان، دہلی۔ تاج محمد خاں، بھوپال۔ فرید احمد وحیدی، دیوبند۔ نہال الدین امان اللہ، آرہ۔ عبد الشکیل، پٹنہ۔ سید الحسن حیدر، شیخوپورہ۔ محمد عبد الرشید، جھنجھر پور۔ محمد حامد جعفری، پٹنہ۔ بس ام اے، امرتسر۔ اجمل حسین، شملہ۔ محمد محسن فاروقی، بھرت پور۔ محمد انصاری، لکھنؤ۔ حسن احمد قریشی، دہلی۔ علی بھائی، کالا کاچھ۔ سید منیر، لہریا سرائے۔ عبد الحمید، جمہری۔ مرزا اقبال بیگ، لاہور۔ عدنان عنایت، لاہور۔ جہاں آرا بیگم، آرا

پیام برادری

عزیز بچیو اور بچو! خوش رہو اور تندرست۔ تمھیں یہ سن کر افسوس ہوگا کہ ہماری آپا جان کچھ دنوں کے لئے ہم سے جدا کردی گئی ہیں۔ انھیں جامعہ ملیہ کے بچوں اور اپنے عزیز پیامیوں سے جدائی کا بہت صدمہ ہے۔ وہ لڑائی کے ختم تک پونا کے پاس کسی جگہ رہیں گی اور لڑائی ختم ہونے کے بعد جامعہ واپس آجائیں گی۔ انھوں نے یہ اُمید ظاہر کی ہے کہ میرے پیچھے میری عزیز پیامی بچیاں اور بچے برادری کے کام ۔۔۔ اور بھی جوش و خروش سے کریں گے اور اپنی واپسی پر میں پیام برادری کو ایک ہرا بھرا درخت دیکھوں گی۔ انھوں نے یہ بھی وعدہ کیا ہے کہ فرصت کے وقت پیام تعلیم کے لئے اچھے اچھے مضمون لکھیں گی۔

پچھلے مہینے یورپ میں لڑائی پھر زور پکڑ گئی تھی خصوصاً ۸ سے ۱۲ اگست تک جرمنی نے انگلستان پر بہت سخت ہوائی حملے کئے۔ لندن پر بھی بم برسائے گئے۔ انگلستان نے ان حملوں کا بہت سختی سے جواب دیا۔ ان تاریخوں میں جرمنی کے ۵۵۲ جہاز گرائے اور ایک ہزار ہوا باز یا تو مارے گئے یا گرفتار ہوئے، اس کے مقابلے میں انگریزوں کے کل ۱۳۱ جہاز تباہ ہوئے۔ خیال ہے کہ اگر جرمنی اسی طرح ہوائی حملے کرتا رہا تو اس کی ہوائی طاقت بہت جلد ختم ہوجائے گی۔

دوسری طرف افریقہ میں اٹلی نے سومالی لینڈ پر حملہ کردیا۔ یہ لڑائی کچھ یک طرفہ سی رہی۔ انگریزی فوج یہاں بہت کم تھی اب انگریزوں نے سومالی لینڈ کو خالی کردیا ہے۔

اِدھر جاپان فرانس کی شکست اور برطانیہ کی لڑائی میں مشغولیت سے پورا فائدہ اُٹھانا چاہتا ہے۔ اس نے چینیوں کے لئے برما روڈ تو بند کرا ہی دی۔ اب اُس نے فرانس سے مطالبہ کیا ہے کہ ہند چینی میں اسے فوجی ہوائی اور سمندری اڈّے بنانے کی اجازت دی جائے۔ ویسے بھی برطانیہ کے مقابلے میں اس کی ہمدردی جرمنی سے زیادہ ہے۔ ابھی تھوڑے دن ہوئے اُس نے کئی بڑے بڑے انگریز گرفتار کرلئے تھے۔ انگلستان میں اس سے بہت ہل چل مچی۔ اس کے بعد کچھ جاپانی انگلستان میں بھی گرفتار کئے گئے۔ تاہم ان باتوں سے آپس کی دوستی میں فرق نہیں آیا ہے۔

عزیزی میاں احمد یاد اللہ مدنی عدن سے ہندوستان آگئے ہیں۔ ان کے پاس عدن کے دو پیسے اور ایک آنہ کے ٹکٹ

اور حیدرآباد اور کشمیر کی تصویروں کا کافی ذخیرہ ہے جو بچے مبادلے میں یہ چیزیں منگانا چاہیں وہ اس پتے پر خط و کتابت کریں۔ محلہ مہادیوا، بڑھل گنج، گورکھپور۔ عزیزی عثمان علی (معرفت سیّد سردار علی، انسپکٹر خفیہ پولیس حیدرآباد دکن) انگلستان، فرانس، یورپ کے دوسرے ملکوں اور حیدرآباد کے ٹکٹوں کے مبادلے میں ترکی، مصر، چین اور جاپان کے ٹکٹ چاہتے ہیں۔ سید غلام السبطین سلمہٗ (حبیب اللہ منزل، علی گڑھ) دیسی ریاستوں کے نئے اور پرانے اور دوسرے ملکوں کے ٹکٹوں کے مبادلے میں اسلامی ملکوں اور دوسرے ملکوں کے ٹکٹ چاہتے ہیں۔ محمد یوسف سلمہٗ (طالب علم درجہ انجمن ہائی اسکول کھام گاؤں برار) حیدرآباد کے ٹکٹوں کا پٹیالہ، جیند، نابھ اور دوسری ریاستوں کے ٹکٹوں سے مبادلہ کرنا چاہتے ہیں۔ سید محمد خاں سلمہٗ (ڈی، ام۔ اچ، ای اسکول شیخ پورا ضلع مونگیر) حیدرآباد، بھوپال، ہندوستان (ایسٹ انڈیا کمپنی۔ آسٹریا، یوگنڈا، کینیا، ٹانگانیکا، جرمنی، ارجنٹائن کے ٹکٹوں کے مبادلے میں۔ آسٹریا، سلور جوبلی نیوزی لینڈ ہوائی جہاز، کناڈا، سلور جوبلی (جس پر شہزادی الزبتھ کی تصویر ہے)، بلجیم، کانگو (جس پر اسکاؤٹ کیمپ کی تصویر ہے) کے ٹکٹ چاہتے ہیں۔

پچھلی بار معمّے کے سلسلے میں کئی غلطیاں رہ گئی تھیں۔ ایک تو یہ کہ (صفحہ ۱۴۳ پر) معمّا نمبر ۹ کا حل اور انعام لکھ گیا حالانکہ لکھنا چاہیئے تھا نمبر ۹ کی جگہ نمبر ۸۔ پھر دوسرے ہی کالم میں معمّا نمبر ۹ کا حل بھی شائع کر دیا گیا اس سے بچّوں کو اور بھی غلط فہمی ہوئی۔ خود آپا جان کے خط میں بھی۔ ۸ کی جگہ ۸ اور ۸ کی جگہ ۹ لکھ گیا۔ ہمیں اس غلطی کا بہت افسوس ہے۔ اب ہم نے طے کیا ہے کہ ہر معمّے کے حل کے ساتھ حلوں کا نتیجہ بھی شائع کر دیا جائے۔ چنانچہ اس مرتبہ معمّا نمبر ۹ اور معمّا ۱۰ دونوں کے حلوں کے نتیجے ایک ساتھ شائع کئے جا رہے ہیں۔

معمّا ۹ کے صحیح حل کل ۱۳ آئے ہیں۔ ان حل بھیجنے والے بچوں کا انعام کوئی ۱۰/ فی کس ہوتا ہے۔ معمّا ۹ کے ایک غلطی والے حل کل ۴۷ ہیں ان حل بھیجنے والوں کا انعام فی بچہ ۲/ سے بھی کم ہوتا ہے۔ معمّا ۱۰ کے صحیح حل کل ۱۰ آئے ہیں حساب سے ہر بچے کو کوئی ۱۰/ انعام ملے گا۔ معمّا ۱۰ کے ایک غلطی والے حل کل ۲۷ آئے ہیں ہر بچے کو کوئی ۲/ انعام ملے گا۔

عزیزی امتزاج حسین میرٹھ۔ انوار الحق، میانوالی۔ محمد انور، سیالکوٹ نے اپنے حلوں کے ساتھ ٹکٹ نہیں بھیجے تھے خواجہ محمد رضی الحسن انصاری، بیدر نے چھپے ہوئے کوپن پر اپنا حل نہیں بھیجا تھا۔ اس لئے اُن کے حل مقابلے میں شامل نہیں کئے گئے

معمّا ۹ اور ۱۰ کے صحیح حلوں کے انعام بھیج دئے جائیں گے لیکن ان دونوں معمّوں کے ایک غلطی والے حلوں کا انعام اس قدر کم ہے کہ کوئی اچھی کتاب انھیں نہیں بھیجی جا سکتی۔ ان بچوں کے لئے یہ رعایت کی جاتی ہے کہ وہ معمّا ۱۱ کے دو حل مُفت بھیج سکتے ہیں لیکن حوالہ دینا ضروری ہوگا خصوصاً ان نمبروں کا جو ان کے نام کے ساتھ لکھے جاتے ہیں۔

۹ انعام پانے والے [illegible] کے نام صفحہ [illegible] پر [illegible] ہیں۔

کوپنوں کا موجودہ طریقہ بچوں نے بہت پسند کیا ہے اس مرتبہ پچھلے مہینوں کے مقابلے میں بہت زیادہ حل آئے۔ اب ہم نے ایک قدم اور آگے بڑھایا ہے یعنی کوپن بجائے ۵ کے ۸ کردئے ہیں۔ یہ ۸ کوپن ۱ر میں بھیجے جاسکتے ہیں۔
معمّا بنانے والے صاحب نے چند ضروری ہدائتیں ہمارے پاس اور بھی ہیں انھیں ہم یہاں نقل کرتے ہیں۔ اُمید ہے کہ بچے معمّا حل کرتے وقت ان کا خیال رکھیں گے۔

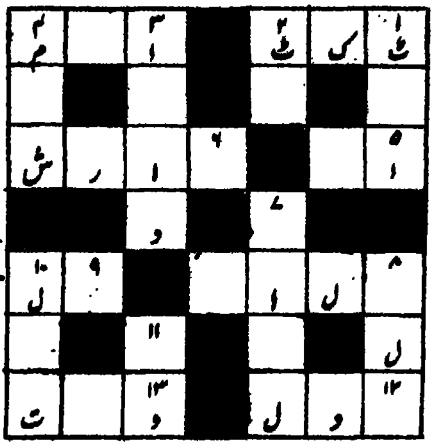
قواعد

(۱) تمام مدرسوں کے بچے حل میں حصہ لے سکتے ہیں استاد یا سرپرست کی تصدیق ضروری ہے۔ صرف دستخط کافی ہیں عبارت لکھنے کی ضرورت نہیں۔
(۲) ایک حل کے ساتھ ۱ر کا ٹکٹ آنا ضروری ہے
(۳) ایک سے زائد حل بھی بھیجے جاسکتے ہیں۔ چار حلوں کی رعائتی فیس ۳ر۔ آٹھ حلوں کی ۶ر ہے۔
(۴) دونوں انعام تقسیم کردئے جائیں گے قرعہ اندازی نہ ہوگی۔
(۵) تمام حل ۲۰ ستمبر تک دفتر پیام تعلیم مکتبہ جامعہ دہلی پہنچ جانے چاہئیں[1]
(۶) ایڈیٹر کا فیصلہ قطعی ہوگا۔
(۷) لفافے کے بائیں کونے پر لفظ معمّا۔ معمّے کا نمبر اور کوپنوں کی تعداد لکھ دی جائے۔ مثلاً اس طرح: م۔ ن ۲۵ ۔ ک ۴ ۔ عبارت نہ ہو۔
(۸) پیام تعلیم میں چھپی ہوئی کوپن کے علاوہ اور کوئی کوپن نہ لیا جائے گا۔
(۹) کوپن کے چاروں طرف جو نقطے والی لائن ہے وہاں سے کاٹ کر بھیجو۔
(۱۰) کسی کوپن میں کوئی حرف کٹا یا مٹا ہوا ہوگا یا وہ پنسل سے بھرا ہوا ہوگا تو مقابلے میں شامل نہ کیا جائے گا۔
(۱۱) ایک لفافے میں صرف ایک نام سے معمّے آنے چاہئیں۔
(۱۲) علاوہ کوپن اور ٹکٹ کے لفافے میں کوئی خط وغیرہ نہ ہونا چاہئے
(۱۳) معمّا حل کرنے سے پہلے اشارے غور سے پڑھو۔
(۱۴) ایک خانے میں دو حرف نہ ہوں۔
(۱۵) دال اور واؤ کا فرق نمایاں ہو۔
(۱۶) چھوٹی ی اور بڑی ے کا فرق لازمی ہے (ی ے)
(۱۷) جہاں جہاں نقطے کا استعمال ہو وہاں نقطہ ضرور چاہئے
(۱۸) املا کی غلطی بھی غلطی شمار کی جائے گی۔ مثلاً اس مرتبہ بچوں نے طور کو ت سے لکھا ہے۔
(۱۹) تمام حل ڈاک خانے کے لفافے میں بھیجے جائیں
(۲۰) نام اور پورا پتہ صاف اور خوش خط لکھو۔

معمّا کا صحیح حل

۴ ت	ی	۳ ج	■	۲ ن	م	۱ ا
ا	■	م	ہ	۵ و	■	ش
س	ر	۸ ع	■	ن	۷ د	۶ ک
■	ا	■	■	■	و	■
۱۳ ل	گ	۱۲ ا	■	۱۱ ش	ا	۱۰ ت
ے	■	ل	ق	۱۴ ع	■	خ
ف	ص	و	■	ر	ی	۱۵ ت

[1] پتہ یہ ہوگا۔ سب ایڈیٹر پیام تعلیم مکتبہ قرول باغ، نئی دہلی۔



معمّہ نمبر ۱۱

پہلا انعام ۔ ۔ / دوسرا انعام ۔ للعہ /

اشارات

دائیں سے بائیں

۱۔ بعض لڑکے معمّا بھیجتے وقت .... بھیجنا بھول جاتے ہیں۔

۳۔ شدّاد کی جنّت

۵۔ ایک اور ایک گیارہ

۷۔ اس کی زیادتی سے ہر شخص گھبرا جاتا ہے۔

۸۔ جب تک ہمارا ملک .... سے گا ہم ترقی نہیں کر سکتے۔

۹۔ عام طور پر شہر میں ہوتے ہیں

۱۲۔ لمبائی

۱۳۔ باپ پر ...... پتا پر گھوڑا بہت نہیں تو تھوڑا تھوڑا (بے ترتیب)

اوپر سے نیچے

۱۔ دو پیسے

۲۔ سرہانے میر کے آہستہ بولو ابھی ...... روتے روتے سو گیا ہے

۳۔ موجودہ جنگ کی وجہ سے کئی ایسے ملک تباہ ہو گئے۔

۴۔ صبح کے بعد ...... کا آنا لازمی ہے (الٹا)

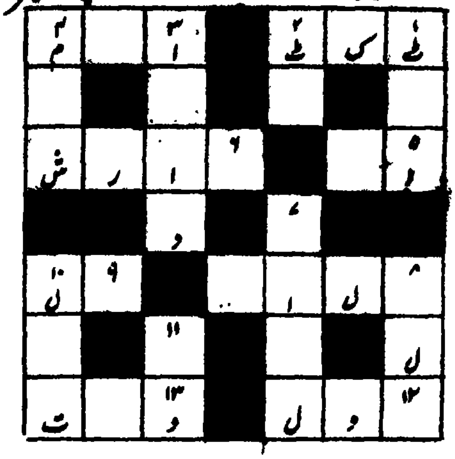
۷۔ ایسے آدمی کو لوگ عام طور پر پسند نہیں کرتے۔

۸۔ ہر شخص اس لفظ کو غلط لکھتا ہے اور غلط بولتا ہے

۱۰۔ معمّا حل کرنے میں اکثر اس کا استعمال کرنا پڑتا ہے۔

۱۱۔ ایک عدد

معما نمبر ۱۱ کوپن نمبر



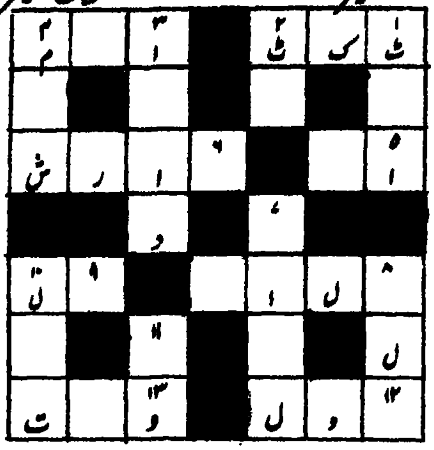
نام ....

پتہ ....

تصدیق ....

محکمہ ....

معما نمبر ۱۱ کوپن نمبر



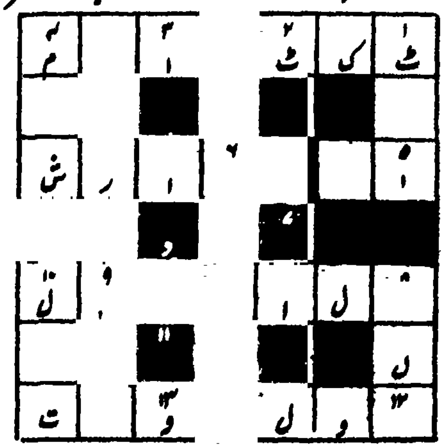
نام ....

پتہ ....

تصدیق ....

محکمہ ....

معما نمبر ۱۱ کوپن نمبر



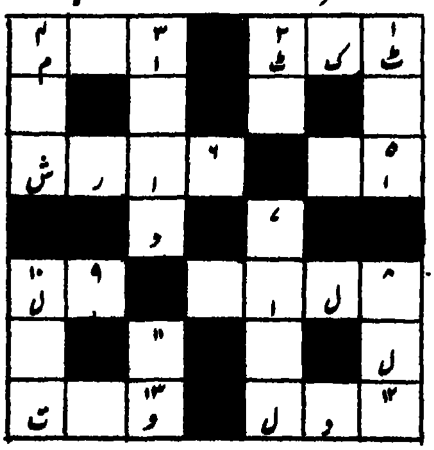
نام ....

پتہ ....

تصدیق ....

محکمہ ....

معما نمبر ۱۱ کوپن نمبر



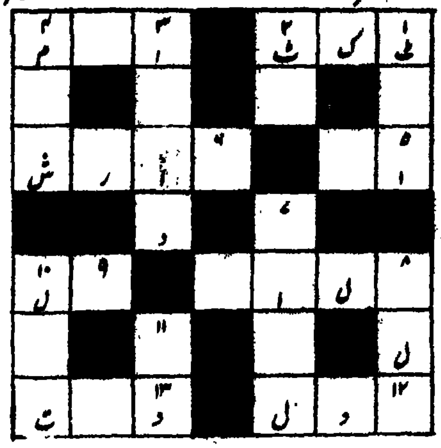
نام ....

پتہ ....

تصدیق ....

محکمہ ....

معمّا نمبر ۱۱ کوپن نمبر



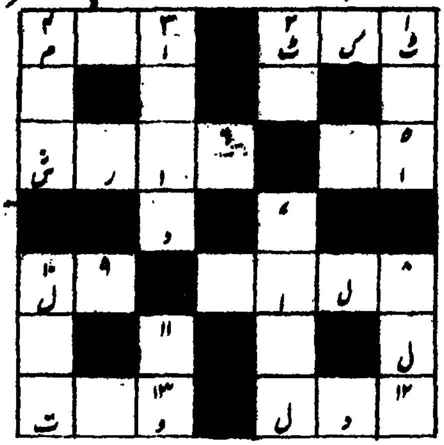
نام ....

پتہ ....

تصدیق ....

ٹکٹ ....

معمّا نمبر ۱۱ کوپن نمبر



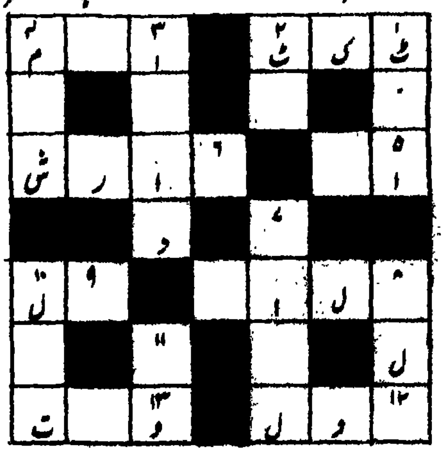
نام ....

پتہ ....

تصدیق ....

ٹکٹ ....

معمّا نمبر ۱۱ کوپن نمبر



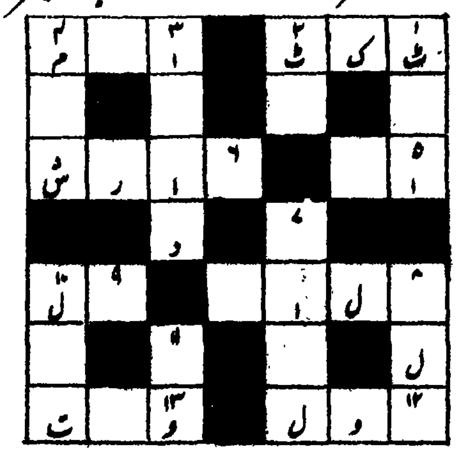
نام ....

پتہ ....

تصدیق ....

ٹکٹ

معمّا نمبر ۱۱ کوپن نمبر



نام ....

پتہ ....

تصدیق ....

ٹکٹ ....

اونچے درجے کے پڑھے

تعلیمی تاش جیسا اسکول کے لڑکوں اور معمولی تعلیم یافتہ لوگوں میں مقبول ہے ویسا ہی اونچے درجے کے پڑھے لکھوں میں پسند کیا جاتا ہے۔

تعلیمی تاش کے کھیل میں کبھی آپ قہقہہ لگائیں گے اور کبھی آپ سنجیدہ بن جائیں گے ساتھ کھیلنے والے پر آپ کو رشک آئے گا اور کبھی اپنا شاندار ہاتھ بن جانے پر آپ کو بے حد مسرت ہوگی۔

تعلیمی تاش ایک عجیب کھیل ہے۔ اس میں علم کی خوبیاں اور کھیل کی دلچسپیاں دی گئی ہیں۔ ابھی ایک تاش منگا لیجئے۔ کھیلنے کے قواعد کی کتاب بکس کے ہمراہ بھیجی جاتی ہے

قیمت فی بکس
بڑا سائز: ۱ـ اردو انگریزی ۱۲/ـ اردو ۸ـ ہندی ۱۲/ـ
چھوٹا سائز: اردو ۶/ـ انگریزی ۸/ـ

پیام



پیام تعلیم یو۔ پی، سی۔ پی، بہار، میسور، حیدرآباد اور پنجاب کے
محکمہائے تعلیم کی طرف سے سرکاری مدارس کے لئے منظور ہے

ایڈیٹر
محمد حسین حسان

پیام تعلیم

قیمت سالانہ
عہ

فی پرچہ تین آنے

جلد ۲۳ | اکتوبر سنہ ء | نمبر ۱۰

فہرست مضامین

پرنٹر و پبلشر ڈاکٹر سید عابد حسین ایم۔اے۔ پی ایچ ڈی۔ محبوب المطابع پریس دہلی

بچوں سے باتیں

پیام تعلیم کے دفتر والوں کو اس بات کی سخت شکایت ہے کہ پیامی انھیں خط لکھتے وقت نہ تو اپنا پتہ لکھتے ہیں نہ نمبر خریداری۔ اور جب تک یہ دونوں چیزیں خط میں نہ ہوں جواب کیسے دیا جائے۔ اور شکایت کیسے دور کی جائے رجسٹروں میں پتے تلاش کرنے میں وقت بھی بہت لگتا ہے اور پریشانی بھی ہوتی ہے۔ یہ بات پیامیوں سے باربار کہی گئی ہے۔ اگر وہ خط لکھتے وقت ذرا دھیان سے کام لیا کریں تو کیا اچھا ہو

خود میرے پاس کئی خط ایسے رکھے ہیں جن میں پتہ پورا نہیں لکھا ہے۔ خط لکھنے والوں میں اکثر ایسے بھی ہیں جو رسالے کے خریدار نہیں ہیں۔ اب ان کو کیسے جواب دیا جائے! مجبوراً انھیں ردی کی ٹوکری میں ڈالنا پڑتا ہے۔

اس لئے جو بچے اپنے خطوں کا جواب چاہتے ہیں وہ دفتر کو خط لکھتے وقت اپنا خریداری نمبر بھی لکھیں اور پتہ بھی ایڈیٹر کو خط لکھتے وقت صرف پتہ لکھنا کافی ہے۔

---

۲۳ اگست کو اخبار میں دو مشہور آدمیوں کے مرنے کی خبر آئی۔ لیون ٹراٹسکی اور سر اولیور لاج۔ ٹراٹسکی روس کا مشہور لیڈر تھا اور اولیور لاج مشہور فلسفی اور سائنس دان۔ ٹراٹسکی کے حالات اس پرچے میں چھپ رہے ہیں۔ اولیور لاج کے اگلے پرچے میں۔ برکت علی صاحب فراق کا شکریہ کہ انھوں نے وقت پر ہمیں مضمون لکھ دیا۔

اس پرچے میں جناب مولانا محمد شفیع الدین صاحب نیر کی اصلاح کی ہوئی چند اور نظمیں چھپ رہی ہیں۔ نیر صاحب فرماتے ہیں کہ "اس مرتبہ نظم بھیجتے وقت پیامی دو باتوں کا خاص طور پر خیال رکھیں۔ ایک تو اپنا عمر ضرور لکھیں دوسرے اپنے استاد یا سرپرست کے دستخط ضرور کرالیں۔"

طاہر نے اِک انڈا توڑا

محمد شفیع الدین صاحب نیّر

طاہر نے اِک انڈا توڑا
انڈے میں سے نِکلا گھوڑا

گھوڑے نے اِک ٹاپ جو ماری
نِکلی پھولوں کی اِک کیاری

پھول تھے اُس کے پیارے پیارے
جیسے ہوں رنگین سِتارے

اُن میں سے اِک پھول جو توڑا
اِس میں تھا اِک سونے کا کٹورا

اس میں بھرا تھا دُودھ سا پانی
میٹھا پانی، ٹھنڈا پانی

بھینی بھینی خوش بُو اُس کی
جب طاہر کی ناک میں پہنچی

اُس نے کٹورا مُنہ سے لگایا
آپ پیا اوروں کو پلایا



برسات

ا ب کمالان نبیرہ

برسات آئی برسات آئی

ٹھنڈی ہوائیں | کالی گھٹائیں
دُنیا پہ چھائیں | مینہہ ساتھ لائیں

برسات آئی برسات آئی

بوندیں جھما جھم | پڑتی ہیں دم دم
ہیں تیز مدھم | لو ہو گئی کم

برسات آئی برسات آئی

کوئل کی کوکو | قمری کی ہو ہو
پپیہے کی پیہو | سنتے ہیں ہر سو

برسات آئی برسات آئی

سبزہ چمن میں | لہکا دُمن[1] میں
خوش مور بن میں | ہیں بانکپن میں

برسات آئی برسات آئی

پانی ہی پانی | برکھا نشانی
پیہم روانی | ہے شادمانی

برسات آئی برسات آئی

کھیتوں میں جل تھل | ندیوں میں ہل چل
بہتا ہے بھل بھل | پھر اُس کی چھل بل

برسات آئی برسات آئی

جب تر پل آؤ | خوشیاں مناؤ
یہ گیت گاؤ | سب کو سناؤ

برسات آئی برسات آئی

[1] سبزہ زرد ۔ دردی

طِلسمی مینا

محمد شفیع الدین صاحب نیّر

ایک دِن کیا ہوا، مَیں کسی کام سے نِکلا۔ شہر کے باہر سڑک پر آہستہ آہستہ چلا جا رہا تھا۔ گرمی کے دِن تھے۔ تیسرے پہر کا وقت۔ دھوپ ڈھل چُکی تھی، مگر لُو کے جھکّڑ اب بھی چل رہے تھے۔ اچانک پچّھم کی طرف کچُھ غُبار اُٹھتا دِکھائی دیا۔ یہ غُبار بڑی تیزی سے آگے بڑھا۔ آن کی آن میں بڑے زور کی آندھی سر پر آ گئی۔ آندھی کے ساتھ اتنی خاک دھول تھی کہ ہر طرف اندھیرا چھا گیا۔ سوُرج چُھپ گیا۔ پہلے تو شفق کی سی سُرخی اور پھر ہر طرف سیاہی چھا گئی۔ ایسی سیاہی کہ ہاتھ کو ہاتھ نہ سوجھتا تھا۔ ہوا کی تیزی سے میرے پاؤں بھی اُکھڑنے لگے۔ مَیں نے کوشش کی کہ سڑک پر چلتا رہوں۔ مگر ہوا کا زور ایسا تھا کہ کسی طرح قدم جمنے ہی نہ پاتے تھے۔ آندھی کا شور بھی اِس بلا کا تھا کہ دِل دہلا جاتا تھا۔ سمجھ ہی میں نہ آتا تھا کہ کیا کروں اور کدھر جاؤں۔ ڈر تھا کہ اِس اندھیرے میں کسی موٹر وَٹر سے ٹکّر نہ ہو جائے۔ مَیں نے سوچا۔ سڑک کے کِنارے کسی پیڑ کے نیچے کھڑا ہو جاؤں۔ مگر سڑک کے دونوں طرف پانی بھرا ہوا تھا اور وُہ بھی کافی گہرا۔ مَیں ڈرا کہ پاؤں کہیں غلط جگہ نہ پڑ جائے اور مَیں پانی میں گر جاؤں۔

آنکھیں کُھلی رکھنا مشکل تھا۔ اِس لئے

کہ خاک بہت اُڑ رہی تھی۔ ننھے ننھے کنکر، چھوٹے چھوٹے پتھر کے ٹکڑے، اور ریت کے باریک باریک ذرّے آنکھوں میں گھسنے لگے تھے۔ ہوا کی تیزی دم بدم اور بھی بڑھتی جا رہی تھی اور اس کے ساتھ میری گھبراہٹ بھی۔

اچانک میرے پاؤں زمین سے اُٹھتے ہوئے معلوم ہوئے۔ یہ دیکھ کر میرے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ یہی خیال آیا جانے یہ ہوا کہاں اُڑا کر لے جائے اور کس جگہ لے جا کر گرا دے۔ نہ جانے کسی پہاڑ کی چٹان سے ٹکراؤں یا کسی سمندر کی کھاڑی میں گر کر ڈوب جاؤں۔

مگر ہو بھی کیا سکتا تھا۔ اس لئے اپنے آپ کو قسمت کے حوالے کر دیا۔ تھوڑی دیر میں ایسا معلوم ہوا جیسے میں کسی چیز پر سوار ہوں۔ اور مزے سے بیٹھا ہوا چلا جا رہا ہوں۔ یہ بات کسی طرح سمجھ میں نہ آتی تھی۔ میں نے آزمانے کے لئے اپنے پاؤں ہلائے تو معلوم ہوا کہ میں سچ مچ کسی آدمی کی گردن پر سوار ہوں۔ اور میرے دونوں پاؤں کندھوں پر آگے کی طرف لٹکے ہوئے ہیں۔ اب تو میں اور بھی ڈرا۔ میں نے آنکھیں کھول کر دیکھنے کی بہت کوشش کی۔ مگر میرے دل پر اس خیال ہی سے ایسا خوف طاری ہوا کہ میری آنکھیں کسی طرح نہ کھلیں۔

میں بڑی تیزی سے اُڑا چلا جا رہا تھا۔ میرے پاس گھڑی نہیں تھی۔ مگر میں سمجھتا ہوں کہ دو ڈھائی گھنٹے تک میں اسی طرح اُڑتا رہا۔ اُڑان کی رفتار کا اندازہ لگانا میرے لئے مشکل ہے۔ لیکن پھر بھی یہ رفتار ایک ہزار میل فی گھنٹہ سے کسی طرح کم نہ ہوگی۔ اس کے بعد کچھ ایسا معلوم ہوا کہ میں اُتر رہا ہوں۔ تھوڑی سی دیر میں میرے پاؤں زمین پر ٹک گئے۔ میں بہت خوش ہوا۔ میرا سارا ڈر جاتا رہا۔ آندھی بھی تھم چکی تھی۔ زندہ بچ رہنے کی خوشی میں، میں نے جھٹ پٹ آنکھیں کھول دیں۔ دیکھتا کیا ہوں کہ

میں ایک جنگل میں ہوں۔ میرے سامنے ایک آدمی کھڑا ہے، اس کی شکل کالی کالی اور بہت بھونڈی بے ڈھنگی ہے۔ آنکھیں لال لال انگارے کی طرح چمک رہی ہیں۔ ڈاڑھی، مونچھیں، بھویں، اور سر کے بال کچھ ایسے عجیب ہیں کہ انھیں دیکھ کر ڈر معلوم ہوتا ہے۔

میں اُسے دیکھ کر گھبرا گیا۔ اُس نے میری یہ حالت دیکھی تو بڑے زور کا ایک قہقہہ لگایا۔ کہنے لگا، "آخر تم یہاں آ ہی گئے۔ گھبراؤ مت آدمی کو گھر سے نکل کر دنیا کی تھوڑی بہت سیر بھی کرنی چاہیے۔ اِس سے بہت سے کام بنتے ہیں۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

سیر کر دنیا کی غافل زندگانی پھر کہاں
زندگی بھی کچھ رہی تو نوجوانی پھر کہاں

لوگ اتنے لمبے سفر پر دس بیس، سو پچاس نہیں سینکڑوں ہزاروں روپئے خرچ کرتے ہیں۔ تم نے ایک پائی بھی خرچ نہیں کی اور یہاں آ گئے۔ میں سمجھتا ہوں کہ تم کو اپنا گھر یاد آ رہا ہوگا، اپنے ماں باپ اور بھائی بہن یاد آ رہے ہوں گے۔ اپنے یار دوست اور اپنا شہر یاد آ رہا ہوگا۔

تم بہت جلد اُن سے ملنا چاہو تو میری بات مانو۔ میں جو کچھ کہوں وہ کرو۔ تم نے ایسا کیا۔ تو تم ان سب سے بہت جلد مل سکو گے میں تم کو اِتنی دولت بھی دوں گا کہ مالامال ہو جاؤ گے۔"

میں نے کہا۔ "اِن باتوں کو رہنے دو۔ یہ بتاؤ کہ تم ہو کون؟ اور مجھے یہاں اس سنسان جنگل میں کیوں لائے ہو؟"

وہ بولا۔ "میں ایک جادوگر ہوں جادوگر بھی ایسا کہ آندھی چلانا۔ طوفان اُٹھانا۔ آدمی کی صورت بدل دینا۔ بات کی بات میں روپے اشرفیوں اور ہیرے جواہرات کا ڈھیر لگا دینا میرے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ بتاؤ، تم میری بات ماننا اور میرا کہا کرنا چاہتے ہو یا نہیں؟"

میں یہ سوال سُن کر حیران ہوگیا۔ میری سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا جواب دوں۔ آخر یہ مجھ سے کیا کام لینا چاہتا ہے! کام معلوم ہوئے بغیر ہاں کر لینا کسی طرح ٹھیک نہیں۔

میں نے کہا: "تم نے مجھے میرے ماں باپ بہن بھائی، اور یار دوستوں سے جُدا کر کے اچھا نہیں کیا۔ نہ جانے میرے غم میں اُن کا کیا حال ہوگا۔ اچھا بتاؤ کہ تم کیا چاہتے ہو؟ اگر وہ کام میرے کرنے کا ہوا تو ضرور کر دوں گا۔ رہا مال و دولت تو مجھے مال و دولت کا لالچ نہیں ہے۔"

جادوگر بولا: "ہم اِس وقت ایک جزیرے میں ہیں یہ جزیرہ ہر ملک سے ہزاروں میل دور ہے۔ میری مدد کے بغیر تم کسی طرح یہاں سے نہیں نکل سکتے۔ یہ جزیرہ بہت بڑا نہیں ہے۔ اس کی لمبائی چوڑائی بس اتنی ہے کہ دن بھر میں تم اِس کی سیر کر سکتے ہو۔ وہ دیکھو وہ قریب ہی ایک اونچا پہاڑ ہے۔ اس کی چوٹی پر ایک چھوٹی سی کھڑکی ہے۔ وہ کھڑکی بس اتنی بڑی ہے کہ تمھارا جیسا بچہ اُس میں گھس سکتا ہے۔ اُس میں گھستے ہی ایک زینہ نظر آئے گا اور زینہ اترنے پر ایک باغ دکھائی دے گا۔ اِس باغ کے ٹھیک بیچ میں صاف پانی کا ایک حوض ہے۔ اُس حوض کے کنارے پر پہنچو گے تو ایک سنہری مچھلی اپنے مُنہ میں ایک پنجرا لیے ہوئے آئے گی۔ اُس پنجرے میں ایک مینا ہوگی۔ وہ مچھلی ہر روز ایک بار یہ پنجرا لے کر حوض کے کنارے پر آتی ہے تم وہاں کھڑے رہنا۔ وہ پاس آئے تو اُس سے پنجرہ لے کر اُسی وقت واپس چلے آنا۔ اور کوئی لاکھ پکارے اور لاکھ کچھ کہے کسی کی ایک نہ سُننا بھاگ کر سیدھے زینے پر چڑھ آنا۔ وہ پنجرا تم نے میرے حوالے کر دیا تو میں تم سے بہت ہی خوش ہوں گا۔ اُسی وقت تمھیں تمھارے گھر پہنچا دوں گا۔ اور تمھیں دولت کا لالچ ہو یا نہ ہو اِتنی دولت دوں گا، اِتنی دولت دوں گا کہ ساری عمر آرام سے زندگی بسر کرو گے۔"

(باقی آئندہ)

دو خط

پیام تعلیم پیامیوں کا اپنا رسالہ ہے۔ اس سے انھیں جتنی بھی محبت اور دلچسپی ہو کم ہے۔ پیامیوں خصوصاً چھوٹے بچوں کے خط روزانہ آتے رہتے ہیں۔ ان خطوں میں پیام تعلیم سے محبت اور دلچسپی اس طرح ظاہر کی جاتی ہے کہ ایڈیٹر کی ہمتیں دوُنی ہو جاتی ہیں۔ نیچے ہم دوُ خطوں کے کچھ حصے شائع کر رہے ہیں۔ پہلا خط ایک حیدرآبادی پیامی کا ہے۔ کسی غلطی سے وی پی واپس آگیا تھا وجہ پوچھی گئی تو انھوں نے یہ جواب لکھا

دوُسرا خط ریاست دیر (سرحد) کے چھوٹے شاہزادے صاحب کا ہے۔

۱

.... ایڈیٹر صاحب آپ کو یہ کیسے معلوم ہوگیا کہ میں پیام تعلیم سے اپنا تعلق توڑ دینا چاہتا ہوں۔ یہ الزام میرے سر خواہ مخواہ تھوپا گیا ہے۔ ورنہ حقیقت اس کے خلاف ہے۔ کاش آپ نے یہ جملہ اپنے خط میں نہ لکھا ہوتا........ ایڈیٹر صاحب میں پیام تعلیم کو کیسے چھوڑ سکتا ہوں۔ ایک لڑکا ایسی چیز سے کیسے جُدا ہو سکتا ہے جس سے اُسے عشق ہو گیا ہو جب تک میرے دم میں دم ہے میں اس رسالے کو اپنا سمجھوں گا اور اس کی ہر ممکنہ خدمت کرتا رہوں گا۔ مگر اس میں آپ کی بھی کوئی غلطی نہیں آپ کو کیا معلوم کہ میں آپ کے رسالے کا سچا عاشق ہوں۔ آیئے میں آپ کو بتاؤں کہ مجھے پیام تعلیم سے محبت ہے یا نہیں۔ پیام تعلیم میرا حقیقی دوست ہے۔ جسے میں کسی قیمت پر بھی اپنے سے جُدا نہیں کر سکتا جب میں چھوٹا تھا تو شرارت میری رگ رگ میں بھری تھی۔ میں اتنا شریر و شوخ تھا کہ لوگ مجھ سے ڈرتے تھے، کیونکہ انھیں میں اپنی واہیات شرارتوں سے بارہا تکلیف دیتا رہتا تھا۔ میں اپنے خاندان بھر میں ایک شریر اور نالائق کی حیثیت رکھتا تھا۔ مگر ایک دم مجھ میں ایک انقلاب آگیا۔ میں شرارت سے اپنا دامن جھٹک کر متین اور سنجیدہ بن گیا

میرے اس تحریر کا باعث محض پیام تعلیم ہے۔ ایک روز میں نے اپنے ایک دوست اکبر کے ہاں پیام تعلیم پہلی بار دیکھا اسے ساتھ اپنے گھر لاکر بغور مطالعہ کیا۔ اس کا ایک ایک لفظ شربت کا گھونٹ ثابت ہوا اور اس نے بہت جلد میرے دل میں گھر کر لیا۔ اب میں نے والد سے اپنے لئے پیام تعلیم جاری کرانے کو کہا، مگر وہ بہت دنوں تک یونہی ٹالتے رہے۔ انھوں نے خیال کیا کہ یہ بہت شریر ہے اسے رسالے سے کیا واسطہ۔ خواہ مخواہ اسے منگا کر پھاڑتا رہے گا۔ اپنے دوست کے پاس اس رسالے کو دیکھ کر خود بھی منگانے کی خواہش پیدا ہوئی۔ مگر بعد میں میرے اصرار پر آخر پیام تعلیم جاری کرا دیا گیا۔ میں اسے غور سے پڑھتا اور خوش ہوتا۔ رفتہ رفتہ مجھ میں مطالعے کا شوق بڑھتا گیا۔ اور شرارت کم ہوتی گئی۔ آج وہی لڑکا متین اور سنجیدہ بن گیا ہے۔ وہ جو گھر میں ہر وقت حشر بپا کرتا رہتا تھا آج اس حالت کو پہنچ گیا ہے کہ گھر والوں کو اب یہ تک محسوس نہیں ہوتا کہ آیا وہ گھر میں ہے یا کہیں باہر گیا ہوا ہے۔ وہ آج اپنے کمرے میں بند، مطالعے میں مشغول رہتا ہے۔ یہ سب چیزیں اسے پیام تعلیم کی بدولت حاصل ہوئیں۔ اس لئے وہ اپنے دوست پیام تعلیم کو بہت عزیز رکھتا ہے ....

ام۔ اے عظیم قادری۔ حیدر آباد دکن

(۲)

محترم ایڈیٹر صاحب رسالہ پیام تعلیم، دہلی۔

تسلیم بصد نیاز۔ جب سے میں نے پیام تعلیم جاری کرایا ہے یہ بہت باقاعدگی سے ماہ بماہ آتا رہتا ہے اس میں نہایت اعلیٰ درجے کے مضامین، معلومات اور کہانیاں درج ہوتی ہیں۔ یہ اردو سیکھنے کے لئے ایک بہت عمدہ رسالہ ہے۔ اس میں وہ باتیں ہوتی ہیں جو بچوں کے دوسرے رسالوں میں نہیں مل سکتی ہیں۔ میں آپ سے اور آپ کے رسالے سے بہت خوش ہوں۔

دعا ہے کہ یہ رسالہ دن دونی رات چوگنی ترقی کرے۔

تابعدار خیر خواہ رسالہ پیام تعلیم

محمد شہاب الدین خاں صاحب شہزادہ خورد ریاست دیر

ایک نہر کے کنارے

بندھولال ٹیگور

بہتا ہے جیسے پانی ــــ ہم میں بھی ہے روانی
اس کو نہیں ٹھہرنا ــــ ہم کو بھی ہے گذرنا
یہ بڑھ کے ہوگا ساگر ــــ ہم سے جہان اُجاگر
ہم بڑھ رہے ہیں آگے ــــ عالم یہ ہم سے جاگے
جذبہ مرا جواں ہے ــــ اور جہدؔ[۱] جاوداںؔ[۲] ہے

پھر روک لے گا کیوں کر
ان تیزیوں کو کوئی
ہے کس کو تاب اس کی

ہم تو نہ رک سکیں گے ــــ دیکھو نہ تم بھی رُکنا
لوہا چٹان، پتھر ــــ سب کو اُٹھا ہٹانا
اور راہ میں ہمالہ ــــ بھی گر پڑے بہانا
ہے راہ صاف میری ــــ مقصد نشان ٹھکانا

اس رو میں گر پڑے کچھ
بہہ کر نہ دور جائے

مقصد مرا جگانا ــــ پچھڑوں کو ہے بڑھانا

۱ کوشش ۲ ہمیشہ

غفلت کو ہے مٹانا ۔ تاریکیاں ہٹانا
اور قوم کو ہے اپنی ۔ ذلت سے پھر اٹھانا
رفعت کی منزلیں سب ۔ ایک ایک ہیں بتانا
حق کو بلند کرنا ۔ باطل کو جڑ سے ڈھانا
ہم کو جناب ہم کو ۔ یہ سب ہے کر دکھانا
کوشش ہے اس کی جاری ۔ منزل کو ہیں روانا

اور کون ہے جہاں میں
جو روک لے گا ہم کو
ہے کس کو تاب اس کی

کچھ دن کے بعد یارو ۔ ہم ہی بنیں گے ہادی
ہے منحصر ہمیں پر ۔ قومی خوشی و شادی
نظریں اٹھا کے دیکھو ۔ ٹیگور نے ندا دی

آگے کو بڑھتے جاؤ
پیچھے نہ مڑ کے دیکھو
دیکھو نہ روکے کوئی
سیلاب یہ تمہارا
ہے کس کو تاب اس کی

ننوے میاں کی کہانی

صفیہ درانی
دہلی

یہ مکان جس میں ہم رہتے ہیں بہت ہی پرانا ہے۔ میری اماں کہا کرتی تھیں کہ ہمارے نانا کے وقت سے ہمارا کنبا یہاں رہتا ہے۔ اس گھر کے رہنے والوں نے کبھی ہمیں کسی قسم کی تکلیف نہیں پہنچائی۔ میں یہاں کے رہنے والوں کو خوب اچھی طرح جانتا ہوں۔ اب میری عمر پچاس برس کی ہوگئی ہے اور مجھے کچھ سجھائی نہیں دیتا۔ پھر بھی گھر کا کوئی آدمی قریب سے گذر جائے تو سونگھ کر فوراً بتا دیتا ہوں کہ کون تھا۔

میرا زیادہ وقت اندر ہی گذرتا ہے۔ کبھی کبھی موسم اچھا ہوتا ہے اور میں اندر بیٹھے بیٹھے اکتا جاتا ہوں۔ اس وقت میری بیٹی اور داماد پکڑ کر مجھے باہر لے آتے ہیں اور ہوا کھلا کر پھر اندر لے جاتے ہیں، کھانے کی چیزیں چکنی چکنی بوٹیاں۔ روٹی کے نرم نرم ٹکڑے۔ اور قسم قسم کی مٹھائیاں یہ میرے لئے اندر ہی لے آتے ہیں اور میں مزے لے کر کھاتا ہوں۔

میرا نواسا اور نواسی اپنا پیٹ باہر ہی بھر آتے ہیں نواسی تو اس قدر شریر ہے کہ خود کھا پی کر کچھ نہ کچھ میرے لئے بھی لے آتی ہے۔ وہ کہتی ہے "نانا میاں جس دن سے میں نے باہر نکلنا شروع کیا ہے شاید ہی کوئی ایسا دن گذرا ہو جو میں نے پتیلی کا ڈھکنا سرکا کر دودھ نہ پیا ہو۔ دودھ اگر انگیٹھی پر ہو تو بھی میں گرمائی سے نہیں ڈرتی اور پی ہی آتی ہوں۔ گھر کے بچے تو مجھے بہت ہی پیار کی نظر سے دیکھتے ہیں ہاں بڑوں سے مجھے ڈر لگتا ہے۔

ایک دن وہ خوب خستہ تلی ہوئی کھجوریں لائی میں نے کہا "ننھی تمھیں عمدہ عمدہ چیزیں خوب مل جاتی ہیں۔ کہاں سے ہاتھ لگیں یہ؟"

وہ بولی "نانا میاں آپ تو یہاں کے رہنے والوں کو جانتے ہی ہیں۔ وہ جو گورے سے میاں ہیں نا بھوری بھوری آنکھوں والے تو نانا میاں وہ تو بہت ہی لاپروا لڑکے ہیں۔ جب وہ اسکول سے آتے ہیں اور ان کی اماں مزے مزے کی چیزیں انھیں کھانے کو دیتی ہیں تو وہ کچھ کھاتے ہیں اور باقی یوں ہی کھلی میز پر رکھ کر کبھی کوٹھے پر پتنگ اڑانے چلے جاتے

ہیں اور کبھی طوطے کے پنجرے کے پاس جا کھڑے ہوتے ہیں۔ بس پھر بوا مکھی اور بی چیونٹی خوب دعوت اُڑاتی ہیں۔ اب آپ ہی بتائیے کہ وہ تو کھائیں اور میں رہ جاؤں۔ میں بھی کرسی پر چڑھ کر میز پر چھلانگ لگاتی ہوں۔ وہاں سے یہ چیزیں نیچے گرادیتی ہوں اور اٹھا کر لے آتی ہوں۔ میں نے کہا "نا بیٹی! اِس طرح بچوں بے چاروں کی چیزیں لینا ٹھیک نہیں۔ اگر تم وہاں سے لے آؤ۔ جہاں اُن کی اماں بہت سی چیزیں رکھتی ہیں تو خیر دوسری بات ہے۔"

میں کھجوریں کھا ہی رہا تھا کہ میرے نواسے مُنہ لٹکائے آپہنچے اور آؤ دیکھا نہ تاؤ کھجور کا ایک ٹکڑا اُٹھا کر کھانے لگے۔ ننھی لپک کر آگے آئی کہنے لگی "واہ بھیا تم تو خود ڈھونڈھ ڈھانڈھ کر ہزاروں چیزیں کھا سکتے ہو نانا میاں تو بوڑھے ہیں باہر جا نہیں سکتے تم کیوں حصّہ بٹانے لگے"

وہ بسور کر بولے "ہم پر تو آج خوب مار پڑی، اب تک ہڈیاں دُکھ رہی ہیں"

"کیا ہوا" ننھی شرارت سے بولی۔

"وہ جو بیوی ہیں نا چھوٹی سی۔ آج جب وہ اسکول سے آئیں تو اُن کی اماں جان نے اُنھیں تلی ہوئی کھجوریں دیں۔ انھوں نے کرسی پر بیٹھ کر مزے سے کھائیں۔ کچھ بھورے کاغذ میں لگی رہ گئیں۔ وہ کاغذ میں گھسیٹ کر ایک طرف کو لا رہا تھا کہ ایک چھوٹا سا ڈنڈا جسے وہ پنسل کہتی ہیں میری پیٹھ پر پڑا اور اُس کے ساتھ ہی وہ بولیں کہ بھائی کی چیزیں روز یہی کھاتا ہوگا۔ جبھی وہ گھٹتے پھرتے ہیں۔ میں تو وہاں سے ایسا بھاگا کہ بس یہیں آکر دم لیا۔ اب بھوکا ہوں تم ہی بتاؤ کیا کھاؤں"

ننھی نے وہ ٹکڑا رحم کھا کر پھر دے دیا اور بولی "تم بڑے بزدل ہو، ذرا تو بہادر بنو"

غرض یہ کہ ہمارے دن مزے سے گذر رہے تھے۔ میں ننھی کو نصیحت کیا کرتا تھا کہ دیکھو کبھی لالچ نہ کرنا اور نہ بہت نڈر ہو کر اِن انسانوں کے سامنے جانا۔ آخر انسان ہی تو ہیں، کبھی غصہ نہ آجائے۔ مگر وہ شریر لڑکی مانتی ہی نہ تھی۔

ایک دن ننھی کے آنے میں بہت ہی دیر ہوگئی میں نے اپنے نواسے سے کہا "ارے جا ذرا دیکھ تو شریر کہاں رہ گئی۔ اس کی باتیں جینے کی نہیں۔ ابھی اس کی عمر ہی کیا ہے، پر بڑے بڑوں کے کان کاٹتی ایک گھنٹے کے بعد میرا نواسا واپس آیا اور چپکے چپکے اپنے ماں باپ سے کچھ کہا وہ بھی مجھ سے کچھ کہے بغیر اُس کے ساتھ ہولئے۔

انھوں نے واپس آکر جو قصہ سُنایا اس سے میرا دل دہل گیا۔ معلوم یہ ہوا کہ اُن بھوری بھوری آنکھوں والے میاں اور چھوٹی سی بیوی نے میری بے چاری نواسی کو ایک لوہے کی سلاخوں والے پنجرے میں قید کر لیا ہے۔ اس کے ماں باپ اور بھ

بہت کوشش کی لیکن اپنے تیز دانتوں سے سلاخ کا ذرا سا حصّہ بھی نہ کاٹ سکے۔ اور وہ بے چاری قید میں رو رہی ہے۔ میری بیٹی اور داماد کہنے لگے ابّا میاں آپ تو ان انسانوں کی رحم دلی کی بڑی تعریفیں کیا کرتے تھے۔ انھوں نے تو ہماری اتنی سی بچّی پر ایسا ظلم کیا۔ اب اگر ہماری بچّی کو نہ چھوڑا تو ہم بھی اِنھیں کاٹ لیں گے ہمارے مُنہ میں بہت زہر ہے۔ ہم نے ہزاروں سانپوں کو کاٹا ہے، اور اُن سانپوں سے انھیں بچایا ہے۔ لیکن اب یہ زہر ہم اِن میں پہنچادیں گے۔"

میں نے ان کو بہت تسلّی دی اور کہا "تم کہیں ایسا نہ کرنا کہ اِن بچّوں کے کاٹ لو۔ جیسے ہمارے بچے ویسے یہ بچے۔ اور کیا اتنے دن تک اُن کے گھر میں رہنے کا ہم اُنھیں یہ بدلا دیں۔ اُنھوں نے سزا کے لئے اُسے بند کرلیا ہے۔ ایک دو دن میں چھوڑ دیں گے۔"

اِس بات کو کئی مہینے گذر گئے ہیں۔ ننھی اب تک قید خانے میں ہے۔ اُس کے ماں باپ اور بھائی اُسے روز جاکر دیکھ آتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اُس کے پاس کٹوریوں میں دودھ اور روٹی سب کچھ رکھا جاتا ہے۔ لیکن وہ نہیں کھاتی جب وہ بچّے اپنے دوستوں اور سہیلیوں کو بُلاتے ہیں تو ننھی کا پنجرا بھی میز کے قریب رکھ لیتے ہیں اُس سے کھیلنا چاہتے ہیں لیکن وہ نہیں کھیلتی۔ سب یہ کہہ کر خوش ہوتے ہیں کہ اہا کیسی چھوٹی سی نیولی لیکن وہ نہیں ہنستی۔

کوئی میری یہ بات اُن بھوری بھوری آنکھوں والے میاں اور اُن چھوٹی سی بیوی تک پہنچادے کہ آزادی سے بڑھ کر اور کوئی چیز نہیں۔ اس لئے میری نواسی بند پنجرے میں کبھی خوش نہیں ہوسکتی۔ وہ اُسے جتنی جلدی ہوسکے چھوڑ دیں۔



نینی تال کی سیر

معین الدین

ہمیں نینی تال دیکھنے کا بہت شوق تھا پاپا نے اِس مرتبہ ہمیں نینی تال لے جانے کا وعدہ بھی کیا تھا۔ گرمیوں کی چھٹیاں ہوئیں تو پاپا کو یہ وعدہ یاد دلایا گیا۔ وہ تیار تھے اور سنیچر کے روز روانگی طے ہوئی۔ خُدا خُدا کرکے سنیچر کا دن آیا۔ سب لوگ علی الصبح اُٹھ بیٹھے اور تیار ہوکر اسٹیشن کی طرف روانہ ہوئے۔ یہاں سے بریلی تک تو بڑی لائن پر گئے۔ اِس کے بعد چھوٹی لائن آر کے آر (R. K. R.) کے ذریعے کاٹھ گودام پہنچے۔ یہاں سے لاری پر ۲۲ میل کا سفر طے کیا۔ بریلی تک تو ہمارا سفر آرام سے طے ہوگیا۔ مگر چھوٹی لائن کا سفر قیامت سے کم نہ تھا۔ جُھلستی ہوئی ہوا اور مسافروں کی کثرت۔ خیر بہزار دقت کاٹھ گودام تک پہنچے۔ کاٹھ گودام کافی گرم جگہ ہے۔ یہاں سے ہمارا لاری کا سفر شروع ہوا۔ لاری اِس قدر تیزی سے چلی جا رہی تھی کہ ہر موڑ پر پہنچ کر لڑھک جانے کا خطرہ ہوتا تھا۔ آدھا راستہ اطمینان سے طے ہوا اس کے بعد اکثر مسافروں کو چکر اور متلی شروع ہوگئی۔ خدا کا شکر ہے کہ مجھ کو نہ آتے میں نہ جاتے میں اس سے سابقہ نہ پڑا۔ خیر تھوڑی دیر بعد نینی تال کے مکانات نظر آنے لگے۔ اور آخر لاری اپنے اڈے (جھیل کے بالکل کنارے) پر پہنچ گئی۔ یہاں بہت سی لاریاں اور موٹریں کھڑی تھیں۔ ہماری لاری رُکتے ہی قلیوں نے وہ چیخ پکار مچائی کہ خدا کی پناہ! ہم لاری سے اُتر کر ایک ہوٹل کی طرف روانہ ہوگئے۔ ہوٹل جھیل کے عین وسط میں اور بالکل کنارے پر واقع تھا۔ یہاں سے جھیل کا منظر نہایت خوش نما معلوم ہوتا تھا۔ دونوں طرف آسمان سے باتیں کرنے والے پہاڑ اور اُن کے بیچ میں لانبی نیلگوں جھیل! کچھ عجب بہار تھی۔ شام کو شفق کا عکس جھیل میں پڑتا تو اس قدر خوش نما منظر نظر آتا کہ بس کچھ نہ پوچھیے جیسے پوری جھیل میں آگ لگی ہوئی ہو۔ رات کے وقت جب مکانوں کی روشنیاں جل جاتیں تو ایسا نظر آتا تھا جیسے کسی نے دیوالی کے دیئے پہاڑوں پر جا بجا سجا دیے ہیں اندھیری رات میں جب ان کا عکس تو بیچ جائے جھیل میں پڑتا تھا، جیسے آسمان کے تارے ٹوٹ کر جھیل میں آ پڑے ہیں اور سطح پر پڑے دمک رہے ہیں گویا بجائے آسمان پر چمکنے کے

جھیل پر چمک رہے ہیں۔ ایسا بہترین منظر ہوتا تھا کہ بس دیکھتے ہی رہنے کو دل چاہتا تھا۔ خیر ہم نے کھانا وغیرہ کھا کر سیر کی ٹھانی اور ایسے گھومے ایسے پھرے گویا دنیا دیکھ ڈالی اور تھک کر چور گھر واپس آئے۔ سیر کے دوران میں ایک صاحب کو کسی جھاڑی میں نہایت خوش رنگ پھل تقریباً جامن کے برابر نظر آئے۔ آپ نے فوراً انھیں منہ میں رکھ لیا۔ منہ میں رکھنا تھا کہ آپ کی حالت دیکھنے کے قابل ہو گئی۔ آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے منہ میں جیسے مرچیں بھر گئیں۔ بہزار دقت پانی وغیرہ پی کر طبیعت ٹھیک ہوئی اور آیندہ توبہ کی کہ کوئی پھل نہ چھوئیں گے۔ دوسرے دن یہاں کے بازار وغیرہ دیکھنے نکلے۔ یہاں جھیل کے دو حصے ہیں ایک کو "ملی تال" اور دوسرے کو "تلی تال" کہتے ہیں اور اسی مناسبت سے دونوں طرف کے بازاروں کے نام ہیں۔ بازار ملی تال اچھا کھلا کھلا ہے۔ اکثر دکانیں مسلمانوں کی ہیں اس کے نیچے کی طرف یہاں کا کھیل کا میدان ہے۔ جہاں ہاکی، پولو، فٹ بال غرض سبھی کھیل کھیلے جاتے ہیں۔ اور کتے ٹہلانے کے کام بھی آتا ہے۔ میدان کے بیچ میں سنیما ہے۔ اور ایک سرے پر "نینی دیوی" کا خاص مندر ہے۔ اس مندر میں ایک خاص بات یہ ہے کہ یہاں بے شمار گھنٹے گھنٹیاں لٹکی ہوئی ہیں اور پجاری ہر وقت اُن کو بجاتے ہیں۔ ہر وقت ٹن ٹن، ٹن ٹن کا اک شور سا برپا رہتا ہے۔ مندر کی سیڑھیوں پر کھڑے ہو کر اگر آپ پانی میں آٹے کی گولیاں پھینکیں تو بہت سی بڑی بڑی مچھلیاں چارے کے لالچ میں آپ کے پاؤں تلے جمع ہو جائیں گی۔ اس کے بعد ہم نے جھیل کے چاروں طرف چکر لگایا اور ایک کنارے پر بہت سے کشتی گھر (BOAT HOUSES) بنے ہوئے دیکھے۔ مثلاً گورنر کا کشتی گھر وغیرہ اس کے پاس ہی نینی تال کی خاص چیز "بادبانی کشتیاں" رکھنے کی جگہ تھی مگر اس وقت سب نکلی ہوئی تھیں۔ ان کی تعداد تقریباً دس ہے۔ یہ جھیل میں تیرتی ہوئی بہت خوب صورت نظر آتی ہیں۔ مگر صرف انگریزوں کے استعمال کے لئے ہیں۔ پھر ہم نے جگہ جگہ لوگوں کو مچھلی کا شکار کھیلتے دیکھا ان میں سے بعض نے بہت بڑی بڑی مچھلیاں پکڑ رکھی تھیں۔ پھر ہم کشتیوں پر بیٹھے اور اپنے ہاتھ سے ان کو دوسرے کنارے تک کھے کر لے گئے۔ جس میں بڑا مزا آیا۔ نینی تال کے نواح میں سات تال اور ہیں جیسے بھیم تال، سات تال، کھرپا تال وغیرہ ان میں سے بھیم تال نینی تال سے کچھ ہی چھوٹا ہے اور اس میں مچھلیاں بہت کثرت سے پائی جاتی ہیں۔

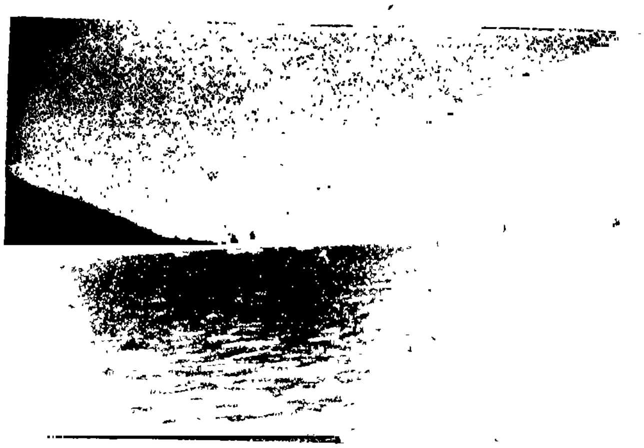
نینی تال میں کئی انگریزی کالج ہیں جیسے سینٹ جوزف کالج، شیرووڈ کالج، فلنڈر اسمتھ کالج اور سینٹ میری لوئی کالج۔ چھوٹے لڑکوں کا اسکول سینٹ میری کانونٹ اور لڑکیوں کے لئے ولزلی گرلز کالج ہیں۔

ہمارے یہاں رہنے کے زمانے میں سالانہ ہاکی ٹورنامنٹ ہوا جس میں علی گڑھ پینتھرس، بریلی کالج، گولڈن کلب نینی تال اور نینی تال کے سب کالج شریک ہوئے تھے۔ علی گڑھ پینتھرس نے اوّل سب کو ہرایا مگر نینی تال گولڈن کلب سے فائنل میں صرف ایک گول سے ہار گیا۔ اور ٹرافی گولڈن کلب نے حاصل کی۔

اس کے تھوڑے ہی دنوں بعد ایک " نمائش فنونِ لطیفہ " بھی ہوئی جس کا افتتاح گورنر یو۔پی نے کیا۔ اس نمائش میں بعض نادر تصویریں بھی تھیں۔

نمائش کے کوئی ایک ہفتہ بعد " سالانہ فوجی نمائش " ہوئی جس میں علاوہ دوسرے کرتبوں کے رات کو مصنوعی جنگ بھی دکھائی گئی۔ سپاہی مشعلیں تھامے ہوئے مخالف پر بڑے جوش سے حملہ کرتے تھے اور بالکل اصلی جنگ کا نمونہ پیش کرتے تھے۔ خاص کر مشعلوں کی ہری پیلی سُرخ روشنی کا جھلمل جھلمل کرتے ہوئے اِدھر سے اُدھر، اُدھر سے اِدھر ملنا جلنا، اس پر بینڈ کی دل کش آواز سونے پر سُہاگہ کا کام کر رہی تھی۔ ایسا عُمدہ سماں تھا کہ بیان نہیں ہو سکتا۔

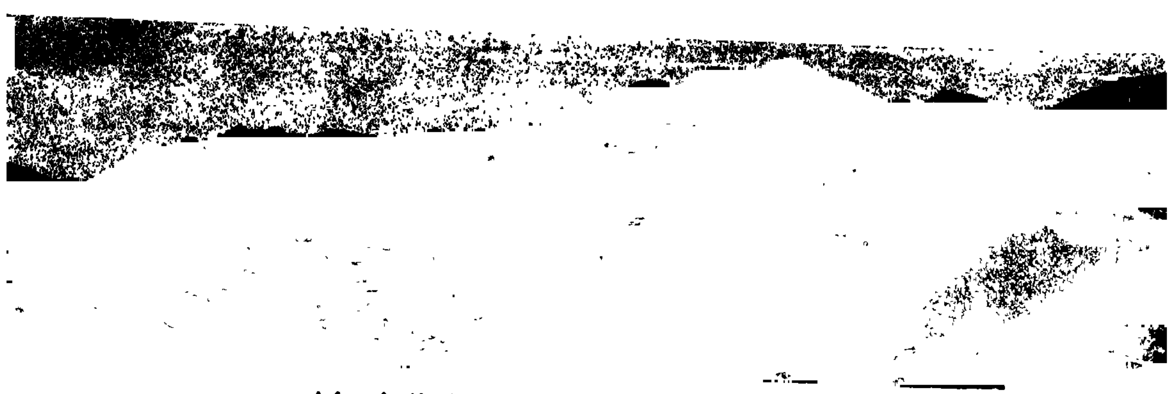
نینی تال میں کئی اونچی چوٹیاں ہیں جن میں سب سے اونچی "چینا پیک" (CHEENA PEAK) کہلاتی ہے۔ یہاں سے دور فاصلے پر برف دکھائی دیتی ہے۔ مگر برف کا خاص نظارہ دیکھنے کے لئے لوگ علی الصُّبح ایک چوٹی سنو ویو (SNOW VIEW) پر جاتے ہیں۔ خیر ایک دن ہم نے "چینا پیک" پیدل چلنے کا اِرادہ کیا اور دوسرے دن علی الصبح روانہ ہو گئے۔ چلتے چلتے تھک گئے مگر راستہ تھا کہ شیطان کی آنت ختم ہی نہیں ہو چکتا تھا۔ دونوں طرف اونچے اونچے چیڑ اور (FIR TREE) کے گھنے جنگل تھے جن میں بمشکل روشنی پہنچ سکتی ہے۔ خُدا خُدا کر کے راستہ ختم ہوا۔ اور ہم تھک کر کچھ دیر سستانے کے لئے بیٹھ گئے۔ پھر دور چمکتی ہوئی برف دیکھی جو سورج کی تازہ کرنوں سے جگمگا رہی تھی۔ یہ شوالک پہاڑ کا سلسلہ ہے جو شملہ، مسوری، نینی تال وغیرہ ہوتا ہوا دور تک چلا گیا ہے پھر ہم نے دوربین سے "رانی کھیت" اور "الموڑہ" دیکھے اُن کے مکانات صاف نظر آ رہے تھے۔ اِن کے علاوہ سات مشہور پہاڑیاں دیکھیں۔ پھر نینی تال دیکھا۔ سارا نینی تال تصویر کی طرح سامنے پھیلا ہوا تھا معلوم ہوتا تھا کہ کسی نے جغرافیے کا "ماڈل" بنا کر رکھ دیا ہے۔ ہم لوگوں نے یہاں طرح طرح کے کھیل کھیلے اور کھانا وغیرہ کھا کر واپس آئے۔ وہاں سے آکر پھر کشتی میں سیر کی۔ تھوڑے ہی دن بعد ہمارے اسکول کھلنے کی تاریخ قریب آگئی۔ اور ہم کو مجبوراً بڑی حسرت کے ساتھ نینی تال اور اس کی دلچسپیوں کو خیر باد کہنا پڑا۔ اور دوسرے ہی دن ہم گرمی میں جھلستے علی گڑھ واپس آ موجود ہوئے۔ یہ ہنسی خوشی کا ایک مہینہ ایسا گذر گیا کہ پتہ بھی نہ چلا۔ افسوس ہے کہ ہم نینی تال کے قریب کے ساتوں تال نہ دیکھ سکے۔ خیر پھر کبھی دیکھا جائے گا۔ انشاءاللہ



بادبانی کشتیاں



مندر نینی دیوی



نینی تال کا عام منظر



لیون ٹراٹسکی
۲۲۔ اگست کو اس کے مارے جانے کی خبر اخباروں میں آئی

لیون ٹراٹسکی

برکت علی صاحب فراق۔ بی اے (جامعہ)

۲۳ اگست کے اخباروں میں ایک بہت بڑے آدمی کے قتل کی خبر چھپی۔ یہ بڑا آدمی لیون ٹراٹسکی تھا۔ روزانہ اخبار پڑھنے والے تو تھوڑا بہت اس کا حال جانتے ہوں گے مگر ہمارے پیامیوں میں سے بہت کم ہوں گے جنھیں اس کے بارے میں کچھ معلوم ہوگا انھی کے لئے ہم لیون ٹراٹسکی کا مختصر سا حال لکھتے ہیں۔

لیون ٹراٹسکی رُوس کے ایک یہودی کسان کے گھر ۱۸۷۹ء میں پیدا ہوا۔ اصلی نام لیبا بران اسٹین تھا اس زمانے میں روس کا بادشاہ بہت طاقت ور اور ظالم تھا۔ اس کی حکومت میں رُوس کے کسان اور مزدور بہت مصیبت میں تھے۔

ویسے بھی یہ زمانہ بہت نازک تھا۔ یورپ کے اور ملکوں کے مزدوروں کو بھی یہ خیال ہوگیا تھا کہ کارخانے کے مالک ہم پر زیادتی کرتے ہیں۔ اس کا علاج ہونا چاہئے لیون ٹراٹسکی کے پیدا ہونے سے کوئی ۲۵ برس پہلے جرمنی میں مزدوروں نے حکومت سے اپنی بہت سی باتیں منوالی تھیں اور اس کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ جرمنی میں ایک یہودی کارل مارکس تھا۔ یہ بہت بڑا عالم تھا۔ اس نے اپنی کتابوں کے ذریعے مزدوروں کے دل میں یہ بات بٹھا دی کہ دُنیا میں جو لوگ محنت کرتے ہیں انھی کو دُنیا کی دولت کا مالک بھی ہونا چاہئے۔ لیکن ہوتا ہے اس کے خلاف۔ جو لوگ کھیتوں میں مر مر کر ہل چلاتے کارخانوں میں بارہ بارہ، چودہ چودہ گھنٹے کام کرتے ہیں۔ انھیں پیٹ بھر روٹی بھی میسر نہیں ہوتی اور زمیندار اور کارخانوں کے مالک مزے سے عیش کرتے ہیں اس لئے دنیا کے تمام مزدوروں کو چاہئے کہ وہ آپس میں مل جائیں اور اس ظلم کو جڑ سے مٹا دیں۔ کارل مارکس نے کتابیں ہی نہیں لکھیں اس نے ملکوں ملکوں کا دورا کیا۔ اور مزدوروں میں اپنے خیالات کو پھیلایا۔ مزدور اس وقت بہت مصیبت میں تھے انھیں جو اپنا ایک ہمدرد ملا تو دل سے اُس کے ساتھ ہوگئے اور جگہ جگہ مزدوروں کی انجمنیں بن گئیں۔

کارل مارکس کے ساتھی رُوس بھی پہنچے۔ وہاں مزدوروں اور کسانوں نے انھیں ہاتھوں ہاتھ لیا۔ اور

ان کی ہدایت کے مطابق اپنی انجمنیں بنالیں۔ وہاں کا بادشاہ اس قسم کے لوگوں سے بہت جلتا تھا۔ حکومت یا حکومت کے قانون کے خلاف کوئی بھی کچھ کہتا تو وہ پھانسی کے تختے پر چڑھا یا جلاوطن ہوتا۔ لیکن لوگ تو حکومت کے ظلموں سے تنگ آچکے تھے وہ اس بادشاہت ہی کو ختم کرنے پر تُل گئے۔

لیون ٹراٹسکی اس وقت اُوڈیسا کی یونیورسٹی میں پڑھتا تھا۔ سترہ، اٹھارہ برس کی عمر ہوگی۔ وہ کارل مارکس کی کتابیں اور مضمون بہت شوق سے پڑھتا تھا۔ آہستہ آہستہ اس پر کارل مارکس کے خیالات کا اثر ہوا، اور وہ ایک انقلابی جماعت کا ممبر بن گیا۔ منچلا تو وہ شروع سے تھا۔ انقلاب کے کاموں میں بہت آزادی سے حصہ لینے لگا۔ اس زمانے میں پوری یونیورسٹی میں یہی خیالات پھیلے ہوئے تھے۔ آخر ایک دن ایسا آیا کہ اسی آزاد خیالی کی سزا میں اسے یونیورسٹی سے ہمیشہ کے لئے نکال دیا گیا۔

یونیورسٹی سے الگ ہونے کے بعد لیون ٹراٹسکی مزدوروں میں باقاعدہ کام کرنے لگا۔ آدمی بہت مخلص محنتی اور پرجوش تھا، تقریر بھی خوب کرلیتا تھا۔ اس لئے مزدوروں کی جماعت میں بہت جلد مقبولیت حاصل کرلی۔ تمام مزدور اُس کے پیچھے پیچھے چلنے لگے۔ اب وہ حکومت کی آنکھوں میں کھٹکنے لگا۔ چنانچہ جب وہ جنوبی روس میں تھا تو مزدوروں کی انجمن کے ایک ممبر کی حیثیت سے انقلابی سازشوں کے جرم میں گرفتار کرلیا گیا۔ اس سے پہلے روسی انقلاب کا بانی یعنی لینن اور اُس کا ساتھی چیخا نوف جلاوطن کردئے گئے تھے اور اس وقت لندن میں تھے۔ لیکن ٹراٹسکی کو سائبیریا جلاوطن کیا گیا۔ یہ اس زمانے میں بہت ہی غیر آباد جگہ تھی۔ آب وہوا بھی بہت خراب۔ ٹراٹسکی نے اپنے پرانے نام بران اشٹین کی جگہ نیا نام لیون ٹراٹسکی رکھا اور اسی نام سے پاسپورٹ حاصل کرکے یہاں سے نکل بھاگا اور سیدھا جنیوا پہنچا۔ بعد میں وہ اسی نئے نام سے دنیا میں مشہور ہوا۔

جنیوا میں اس نے اخباروں کے ذریعے اپنے خیالات پھیلانے شروع کئے اور روس کے جلاوطن انقلابیوں کو ایک جتھے میں لانے کی کوشش کرنے لگا ان سرگرمیوں کی بدولت وہ یہاں سے بھی نکالا گیا۔ اب وہ لندن پہنچا۔ لندن میں لینن اور چیخا نوف پہلے سے موجود تھے۔ لینن سے اس کی پہلی ملاقات یہیں ہوئی یہ تینوں یہاں روسی انقلاب کی تیاریاں کرنے لگے۔

ان تینوں کی جلاوطنی کے باوجود روس میں مزدوروں اور کسانوں کی تحریک برابر ترقی کررہی تھی۔ ۱۹۰۵ء میں انقلاب کی آگ بڑھتے بڑھتے بادشاہی محل تک پہنچ گئی۔ مزدوروں نے شاہی محل کو گھیر لیا۔ اور بادشاہ کو اپنی جان کا ڈر ہوگیا۔ ان تینوں کو لندن میں اس کی خبر ہوئی تو فوراً وہاں سے روس کی طرف چل کھڑے

ہوئے۔ مگر جب یہ وہاں پہنچے، روسی حکومت بغاوت کو دبا چکی تھی۔ یہ لوگ وہاں پہنچتے ہی گرفتار کرلئے گئے۔ لینن کو فوراً جلاوطن کردیا گیا۔ ٹراٹسکی کو ایک سال کی قید ہوئی۔ ایک سال کے بعد اُسے بھی تمام عمر کے لئے جلاوطنی کی سزا ہوئی اور سائبیریا بھیج دیا گیا۔ سائبیریا سے کسی نہ کسی طرح وہ پھر بھاگ نکلا۔ اب کی وہ ویانا پہنچا۔ یہاں اُسے کام کرنے کا زیادہ موقع ملا۔ ۱۹۱۲ء تک وہ یہیں رہا۔ اسی سنہ میں وہ یہاں سے بھی نکالا گیا۔ یہاں سے وہ جرمنی گیا۔ یہاں بھی یہی حشر ہوا۔ برطانیہ اور فرانس میں بھی اُس کے ساتھ یہی سلوک کیا گیا۔ آخر امریکہ میں پناہ ملی۔ وہ نیویارک میں آکر ٹھہرا۔ اور یہیں اس نے نئی دنیا کے نام سے ایک اخبار نکالا۔ یہ اخبار ۱۹۱۷ء تک جاری رہا۔

۱۹۱۴ء میں بڑی لڑائی چھڑ گئی اور یورپ کے قریب قریب سبھی ملکوں کو اس میں حصہ لینا پڑا۔ روس کو بھی۔ روس کے انقلابیوں نے اس موقع کو غنیمت جانا۔ ملک میں چاروں طرف مزدوروں کی تحریک پھیل گئی۔ سب سے خطرناک چیز فوج کے سپاہیوں کی بغاوت تھی۔ سپاہیوں نے روسی حکومت کی طرف سے لڑنے سے انکار کردیا۔ مزدور اور کسان اپنے اپنے کام بند کرکے بیٹھ رہے۔ ملک کا انتظام حکومت کے بس سے باہر ہوگیا۔ ۱۹۱۷ء میں حالت بد سے بدتر ہوگئی۔ بادشاہ نے مجبور ہوکر ایک پنچایت بنائی اور اپنے بہت سے اختیارات اسے سونپ دئے۔ لیکن اس پنچایت میں جو لوگ آئے وہ وہی لوگ تھے جو غریبوں کا خون چوستے تھے۔ سرمایہ دار اور زمیندار۔ اس لئے مزدوروں کی تحریک برابر جاری رہی اور حالت دن پر دن بدتر ہوتی گئی۔

لینن، ٹراٹسکی اور دوسرے جلاوطنوں کو روس کے ان حالات کی خبر ہوئی تو سیدھے اپنے ملک کو روانہ ہوگئے۔ اور مزدوروں کی تحریک کو اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اکتوبر ۱۹۱۷ء تک پنچایت کو بھی ختم کردیا اور بادشاہت کو بھی۔ حکومت مزدوروں کے ہاتھ میں آگئی۔

لیکن حکومت کے ہاتھ میں آجانے سے انقلابی لیڈروں کی دشواریاں اور بھی بڑھ گئی تھیں۔ ملک کی بگڑی ہوئی حالت کو سدھارنا، نئے سرے سے حکومت کا انتظام کرنا کوئی آسان کام نہ تھا۔ ٹراٹسکی لینن اور اُن کے ساتھی اِس کام کی دشواریوں کو اچھی طرح سمجھتے تھے۔

مزدوروں کی جماعت نے لینن اپنا صدر چنا اور لینن نے ٹراٹسکی کو وزیر خارجہ اور پھر وزیر جنگ بنایا۔ ان دونوں عہدوں کے زمانے میں اُس نے بہت کام کیا۔ اُس کی خوش انتظامی کی بدولت ملک سے مخالفوں کا وجود بالکل ختم ہوگیا۔ اور مزدوروں کی حکومت کے خلاف سازش یا بغاوت کا خطرہ بالکل جاتا رہا۔ اُس نے

زار کے زمانے کے تجربہ کار فوجیوں کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا اور ایک زبردست فوج تیار کی۔ اِس میں تمام انقلابی مزدور اور کسان شریک تھے۔ اس فوج نے پولینڈ کی فوجوں کو جو روس کی طرف بڑھتی چلی آرہی تھیں تہس نہس کر دیا۔ اس فوج کا نام ٹراٹسکی نے سُرخ فوج رکھا یہ نام اب تک چلا آرہا ہے۔ انقلاب کے زمانے میں ریل اور بجلی دونوں چیزیں تقریباً تباہ ہو چکی تھیں۔ اب ان دونوں کو ٹھیک کرنے کا کام بھی اسی کے سپرد کیا گیا۔ اس زمانے میں ٹراٹسکی نے ملک کی تمام آبادی کو کام کرنے پر مجبور کیا۔ یہ لوگ دن بھر کارخانوں میں کام کرتے تھے۔ کھانا کپڑا اور ضرورت کی دوسری چیزیں انھیں حکومت کی طرف سے فراہم کی جاتی تھیں۔

غرض یہ ٹراٹسکی کی محنت اور ہوشیاری کا نتیجہ تھا کہ تھوڑے دنوں میں مزدوروں کی حکومت مضبوط بنیادوں پر قائم ہوگئی اور ملک میں امن و امان کا دور دورہ ہوگیا۔

جب ان کاموں سے فرصت ملی تو لینن نے ایک پانچ سالہ پروگرام بنایا مقصد یہ تھا کہ ملک کی صنعت و حرفت تجارت اور کھیتی باڑی کو پھر سے ترقی ہو اور عام لوگوں کو فارغ البالی اور اطمینان نصیب ہو۔ ٹراٹسکی اس کام میں بھی گویا لینن کا دایاں ہاتھ تھا

۱۹۲۴ء میں لینن مر گیا۔ اب ٹراٹسکی اکیلا رہ گیا اس نے انقلاب سے پہلے انقلاب کے زمانے میں انقلاب کے بعد جو کچھ کام کیا تھا اُسے دیکھتے ہوئے لینن کے بعد صدر اسی کو ہونا چاہئے تھا۔ مگر ایسا نہیں ہوا۔ بات یہ ہے کہ لینن کی زندگی ہی میں کام کرنے والوں میں آپس جھگڑے شروع ہو گئے تھے۔ سوائے لینن کے اور دوسرے تمام لوگ ٹراٹسکی کے خلاف تھے ان سب دشمنوں کا سردار سٹالین تھا جو آج کل روس کی حکومت کا صدر ہے۔ اس نے اپنے ساتھیوں میں یہ کہنا شروع کیا کہ ٹراٹسکی ہماری پارٹی میں باقاعدہ طور پر ۱۹۱۷ء میں شریک ہوا (یعنی بہت دیر میں) پھر بھی یہ چاہتا ہے کہ اس پر حکومت پر اثر قائم ہو جائے۔"

لینن کے مرنے کے بعد ٹراٹسکی اور اس کے مخالفوں میں اختلاف یہاں تک بڑھا کہ آخر کار اُسے جلاوطنی کی سزا دی گئی اس سزا کے بعد وہ ترکی چلا آیا لیکن موجودہ روسی حکومت کے اثر سے وہ یہاں سے نکال دیا گیا۔ اب وہ جس ملک میں جاتا وہیں سے نکالا جاتا۔ امریکہ میں بھی اس کے ساتھ یہی سلوک ہوا۔ آخر وہ میکسیکو چلا گیا۔ اور آخر وقت تک یہیں رہا۔

میکسیکو میں کئی بار اس پر حملے ہوئے اس کے قتل کی سازشیں ہوئیں مگر ناکام رہیں۔ مگر یہ آخری سازش کامیاب ہوئی اور جانسن نامی ایک یہودی نے دوست بن کر اس کا کام تمام کر دیا۔

دُنیا کے ہر بڑے آدمی کی طرح ٹراٹسکی نے بھی عمر بھر اپنے مقصد کی خاطر مصیبت اٹھائی اور اسی کی خاطر جان بھی دی اس کی شخصیت اور مرتبے کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ خود اس کا دشمن سٹالین اس کے بارے میں لکھتا ہے:۔

"اکتوبر کے انقلاب میں مزدوروں کے ہاتھ میں جو طاقت آئی اُسے حاصل کرنے میں ٹراٹسکی نے جو کام کئے وہ اسی کا حصہ تھے مزدوروں کی پنچایتوں کے ہاتھ میں اس قدر جلد طاقت کے آجانے اور اس کے بعد انقلابی فوجی کمیٹی کی ساری کامیابی کا سہرا ہر حیثیت سے ٹراٹسکی کے سر ہے۔"

ہم آبشار دیکھنے چلے

سید ابوتمیم صاحب فرید آبادی

کیا اچھا ہوتا اگر ہم آبشار دیکھنے کی نیت ہی نہ کرتے۔ مگر بات یہ ہے کہ غیب کی خبر تو بندوں کو ہوتی ہی نہیں۔ ہزاروں انسان ہر سال کورٹالم کا آبشار دیکھنے اور اُس میں غسل کرنے جاتے ہیں۔ اگر ہم نے اُس کے دیکھنے کی نیت کی تو کیا غضب کیا

نہیں مگر ایک غضب ضرور کیا۔ وہ کیا؟ وہ ہم پھر بتلائیں گے۔ اِس وقت تو ہم ایک گول سی بات کہے دیتے ہیں کہ ہم سے ذراسی سستی ہو گئی۔ بس ذراسی۔

مولوی صاحب قبلہ کو ہم نے مہینہ بھر پہلے یہ لقمہ دیا کہ وہ جنوبی ہند کے اُس پُرفضا قصبے کو ضرور دیکھیں جس کا نام کورٹالم ہے اور جہاں ایک بہت بڑا آبشار گرتا ہے۔

مولوی صاحب نے جب یہ پوچھا کہ "تم بھی چلو گے" تو ہم نے آگے پیچھے کی سوچے بغیر کہہ دیا کہ "ہاں صاحب ضرور"

پروگرام پرنسپل صاحب نے بنایا۔ وہ یہ کہ "وہ اور مولوی صاحب قبلہ ڈنڈیگل سے ۱۵ تاریخ کو تری وبندرم جائیں۔ ۱۸ کی صبح کو وہاں سے لوٹیں اور راستے میں کورٹالم کے اسٹیشن (تنکاسی) پر ۲½ بجے دوپہر اُتریں۔ میں ڈنڈیگل سے ۱۸ کی صبح کی ٹرین سے روانہ ہو جاؤں جو تنکاسی ۱۲½ بجے پہنچتی ہے۔ اور اِس طرح مولوی صاحب کی ریل سے تقریباً ۲ گھنٹے پہلے پہنچ جاؤں، بشیر باورچی کو ساتھ لے کر"

جب یہ پروگرام بن رہا تھا تبھی مولوی صاحب نے بدشگونی کی اور کہا "یہ لڑکا بہت سست ہے اِس کو صبح کی گاڑی شاید ہی ملے" میں نے کہا "صاحب ایسا بھی میں کیا بالکل گویا مرزا پھویا ہوں کہ صبح ۶½ بجے بھی اسٹیشن پر نہ پہنچ سکوں گا"

پرنسپل صاحب نے میری طرف داری کرتے ہوئے کہا "نہیں نہیں یہ ضرور پہنچ جائیں گے۔ کیا ایک دن سویرے اُٹھنا اِتنا مشکل ہے"

"اور صاحب میرے پاس الارم ٹائم پیس" میں نے کہا۔

مولوی صاحب نے شاید مجھے جلانے کو کہا

"اگر تم لوگ اٹھ کر الارم بند کر دیتے ہو اور پھر سو جاتے ہو۔ الارم کوئی ڈنڈے تو مارتا نہیں۔"

میں نے کہا "مولوی صاحب آپ تو تصویر کا بدترین پہلو دیکھتے ہیں۔"

الغرض میں نے بڑی قسما دھری سے یقین دلایا کہ میں اُن سے دو گھنٹے پہلے تنکاسی کے اسٹیشن پر ملوں گا۔

پرنسپل صاحب نے مدراس کے ایک دوست کو خط لکھ دیا کہ وہ اپنے کورٹالم کے بنگلے کے چوکی دار کو تار دے دیں کہ دو تین دن کے لئے مولوی صاحب اس میں قیام کریں گے۔

۱۷ تاریخ آئی۔ ہم نے سفر کی تیاری مکمل کر لی۔ شام ہی سے الارم دو تین مرتبہ لگا کر دیکھ لیا کہ بالکل ٹھیک کام کرتا ہے۔

بشیر نے پوچھا "کیوں صاحب کھانے پینے کا سامان اور پتیلیاں وغیرہ بھی ساتھ لے جاؤں یا ضرورت نہیں؟"

ہم نے کہا "مطلق ضرورت نہیں۔ ہم کورٹالم کے ایک شان دار بنگلے میں ٹھہریں گے۔ وہاں پورے قلعے کا سامان موجود رہتا ہے۔"

بشیر نے کہا "خیر میں احتیاطاً وہ چھوٹا صندوق لے لوں گا جس میں دو پتیلیاں اور ایک دو رکابیاں ہیں۔"

میں نے جواب دیا "اگر تم ایسی احتیاط کرو گے تو بہت بڑی حماقت کرو گے، بھلا سفر میں خواہی نخواہی بوجھ لے چلنے سے فائدہ!"

اُس نے کہا "اجی بوجھ تو ریل لے جائے گی ہم کیا سر پر لادیں گے۔"

ہم نے یہ سوچا کہ یہ بے وقوف ہے، کیوں مغز مارئے۔ لہٰذا اُس سے کہہ دیا کہ "اچھا۔ تمھارا جی چاہتا ہے تو لے چلو۔ باقی یہ سب بے کار ہے۔ وہاں کھانے پینے برتنے کا سب سامان تیار رہتا ہے۔"

۱۸ مئی کی صبح کو ۵½ بجے الارم بجا اور ہم کلمہ پڑھتے ہوئے اٹھ بیٹھے۔ گھڑی دیکھی۔ اور انگڑائی لیتے ہوئے خود ہی کہا "اوہ۔ یہ تو کم بخت ۱۵ منٹ پہلے بول پڑا۔ چلو ذرا سستی اتار لو، تھوڑی دیر۔"

بہت ایمان داری سے ہم نے صرف ۱۵ منٹ تک سستی اتاری اور پلنگ پر خوب انگڑائیاں لیں پھر اُٹھ کر نماز وغیرہ کی تیاری کی۔ نماز سے فارغ ہو جانے کا لباس پہنا۔ معلوم نہیں کس جگہ دیر ہوئی۔ اب جو گھڑی دیکھی تو ۶¾ بجے تھے۔ گاڑی چھوٹنے میں آدھا گھنٹہ تھا۔ اب ہم ذرا گھبرائے اور گھبرا کر سوتے ہوئے لڑکے کو جگا کر کہا "لپک کر کوئی سواری لا" وہ آنکھیں ملتا چلا سواری لینے اور ہم نے ٹہلنا شروع کیا۔ بشیر باورچی اپنے سامان کے ساتھ تیار تھا اور ہم بھی تیار تھے۔ مگر کم بخت سواری نہ تھی۔ یہ

گھوڑوں کی سواری ایسی ہی بے تکی ہوتی ہے۔ جلدی کے وقت گھوڑا ہٹ بھی کرتا ہے۔ چکر بھی کاٹتا ہے اور سیدھا کھڑا بھی ہوجاتا ہے۔ جب تک سواری نہ آئی ہم سواری لانے والے کو اور دُنیا کے تمام گھوڑوں کو کوستے ہی رہے۔ سواری آئی ہم بیٹھ کر لپکے لپکے چلے جب اسٹیشن رہ گیا کوئی ۱۰ گز کے قریب تو کیا دیکھتے ہیں کہ انجن صاحب چھک چھک کرتے چلے جارہے ہیں اور اُن کے پیچھے کی ساری گاڑیاں بھی۔ بس اس وقت نہ جلنے ہمارے سینے میں، نہ جلنے ہمارے دل میں کس جگہ درد ہُوا۔ آہ تو نہ نکلی مگر رونے کو جی چاہنے لگا۔ اُتر کر پہلے تو بابوؤں سے پوچھا کہ یہ ریل کیوں چلی گئی۔ اُنھوں نے کہا کہ "یہ تو ۵ منٹ دیر سے روانہ ہوئی ہے" ہم نے کہا "کاش یہ یا تو ۵ منٹ پہلے ہی چلی جاتی کہ ہم اس کو جاتا نہ دیکھتے۔ یا اگر لیٹ ہوئی تھی تو ابھی اور ۱۰ منٹ نہ چلتی۔ بابوؤں نے ہمارے ساتھ بڑی ہمدردی ظاہر کی، مگر ہمارا جی اس وقت جل رہا تھا۔ بس نہیں تھا کہ ریلوے کے تمام محکمے کو بھون کر کھا جاتے۔

دوسری ریل کافی دیر بعد چلتی تھی اور منزلِ مقصود پر ۶ گھنٹے بعد پہنچتی تھی۔ یعنی بجائے دوپہر کے بارہ بجے کے شام کے ۶ بجے پہنچتی تھی۔

ایک تار تنکاسی کے اسٹیشن پر ہم نے مولوی صاحب کو دے دیا اور اس میں لکھا کہ شام کو پہنچ رہا ہوں۔

اُس وقت سے لے کر شام تک ہم کھولتے ہی رہے، دُنیا کی ہر چیز بُری معلوم ہو رہی تھی۔ مولوی صاحب کے غصّے اور پریشانی کا خیال کر کے ہاتھ پاؤں پھولے جارہے تھے۔

بارے چھ بجے ہم تنکاسی کے اسٹیشن پر پہنچے مولوی صاحب ٹہل رہے تھے، ہمارے اُترنے سے پہلے ہی اُنھوں نے ایک ہچکی میں کہا "آئیے۔ میں تو سمجھا تھا کہ شاید اس ٹرین سے بھی آپ تشریف نہیں لائے"

ہم نے اُتر کر اور کافی سے زیادہ مُسکراتی شکل بنا کر کہا "کیا عرض کروں۔ واللہ قبلہ صرف دو منٹ کی دیر ہوگئی"

اُنھوں نے کہا "میں تو پہلے ہی کہتا تھا کہ صبح اُٹھنا تمھارے لئے موت ہے تم دُنیا میں کوئی کام نہیں کرسکتے ......"

ہم نے جلدی سے گفتگو کا رُخ بدلنے کو کہا "آپ نے سُنا؟ وہ فرانس نے بھی ہتھیار ڈال دئے"

"جہنم میں جائے فرانس اور تم"

ہم نے خیریت اسی میں سمجھی کہ چپکے سے اسٹیشن کے باہر چلے جائیں۔ موٹر بس تیار تھی، سامان لاد کر کورٹالم جانے کو بیٹھ گئے۔ یہاں سے کورٹالم ۵ میل تھا۔ پہنچتے پہنچتے مغرب کا وقت ہوگیا۔ سڑک پر سامان

رکھ کر اور بشیر کو بٹھا کر ہم اس بنگلے کی تلاش میں نکلے جہاں ٹھہرنا تھا۔ کوٹالم پہاڑ کے دامن میں آباد ہے اکثر مکانات پہاڑ پر ہیں۔ ایک قلی لڑکے کو میں نے راستہ بتانے کے لئے ساتھ لے لیا تھا۔ مدراس والے صاحب کا بنگلہ کافی دور تھا اور ہم کو خاصا اونچا چڑھنا پڑا۔ جوں ہی اس بنگلے میں گھسے ایک جنگ جو کتے نے ہماری مزاج پرسی کی۔ بارے شکر ہے کہ ایک شخص، معقول صورت آگیا۔ اس نے کتے کو چمکار کر بلایا اور ہم سے پوچھا کہ کیا بات ہے۔ ہم نے کہا بات وات کیا ہوتی، ہم یہاں ٹھہریں گے۔

اس نے پوچھا "آپ ہیں کون؟"

ہم نے جواب دیا "ہم کوئی بھی سہی، مگر اسی مکان میں ٹھہریں گے۔"

اس نے کہا "آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ چھ مہینے کو میں نے یہ پورا مکان کرایے پر لے لیا ہے۔"

ہم نے کہا "کیا کہا؟ اب کے کہنا۔"

اس نے جواب دیا "آپ نے سن لیا ہے۔" یہ کہہ کر وہ کتے کو پیار کرتا کمرے میں چلا گیا اور ہم منہ تکتے کے تکتے رہ گئے۔

اب ہم کو اس قصبے کی زمین، آسمان، درخت ہوائیں سب ڈراؤنی معلوم ہو رہی تھیں۔ نئی جگہ پھر زبان بھی نئی۔ یعنی اس سرزمین میں ٹامل بولی جاتی ہے۔ اور ہم کو ٹامل کی شُد بُد ہی آتی تھی۔

پھر اور مکان تلاش کرنے کا مضمون الگ دل بٹھائے دیتا تھا۔

اچھا اگر مکان مل گیا تو چولھا، توا، ہانڈی کہاں سے آئے گی؟

غرض ڈرتے ڈرتے ہم ایک گھنٹے تک کرایے کا مکان اس اندھیری رات میں تلاش کرتے رہے۔

مکان مل گیا۔ ہاں مل گیا۔

مگر نہ اس میں پلنگ تھا نہ برتن۔ حتیٰ کہ لالٹین تک نہ تھی، بس ایک کرسی اور ایک بنچ تھی اور اللہ کا نام اور محمدؐ کا کلمہ۔

سوچو تو سہی کہ ہم پر کیا گذری ہوگی۔

بشیر باورچی کا سامان اس وقت اتنا کام آیا کہ کیا بتائیں۔ اگر وہ سامان نہ ہوتا تو شاید ہم فاقے ہی کرتے رہتے۔

مگر دیکھنا۔ جو مزا تکلیف میں بعض دفعہ آتا ہے

[illegible]

آدمی کو سستی بھی نہیں کرنی چاہئے۔

سوال یہ تھا کہ اب کیا ہو؟ یعنی اب کہاں

فرانس

محمد عبدالقادر فاروقی۔ حمایت نگر

فرانس کا رقبہ ۲ لاکھ ۱۳ ہزار مربع میل ہے۔ اس کی آبادی ۴ کروڑ ۱۰ لاکھ ہے۔ آبادی کا ۴۹ فی صدی حصّہ شہروں میں بستا ہے۔ اور کوئی آدھا حصّہ کاشتکار اور اہلِ حرفہ ہے۔

فرانس کا ساحل بہت لمبا ہے۔ بحرِ اوقیانوس پر اس کے ساحل کی لمبائی ۱۴۰۴ میل ہے، اور بحرِ متوسط کا کنارا ۵۶۴ میل لمبا ہے۔ عام طور پر ملک فرانس ہموار ہے پھر بھی آدھے سے زیادہ حصّہ سطحِ سمندر سے ۶۵۰ فٹ کی بلندی پر ہے۔ ملک میں دریاؤں کی بہتات نے تجارت کے لئے سہولت پیدا کر دی ہے۔ یہاں کے دریا سست رفتار اور جہازرانی کے قابل ہیں۔ سوئٹزرلینڈ، جرمنی اور بلجیم کے کوئلے اور لوہے کا بڑا حصہ اسی راستے سے آتا ہے۔ مارسلز، ڈنکرک، بورڈو اور کیلے مشہور بندرگاہیں ہیں۔ ان بندرگاہوں سے درآمد برآمد بڑے پیمانے پر ہوتی ہے۔ ملک میں زبردست ہوائی مرکز ہے۔ یہاں سے سارے یورپ اور فرانسیسی افریقہ کو ہوائی جہاز جاتے سارے ملک میں ریلوں کا جال بچھا ہوا ہے۔ اکثر ریلیں اور میل گاڑیاں بجلی سے چلتی ہیں۔

فرانس میں ۴۰ فی صدی لوگوں کی آبادی کا انحصار کاشتکاری پر ہے۔ ہندوستان کی طرح فرانس میں بھی زمینیں زمینداروں کے قبضے میں ہیں۔ یہ کسانوں کو کاشت کے لئے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے دے دیتے ہیں۔ ۵۷ فی صدی زمینوں میں گیہوں، جو اور جوار بوئے جاتے ہیں اور صرف ۲۰ فی صدی زمینوں سے مختلف قسم کی پیداوار حاصل کی جاتی ہے۔ فرانس شراب کے لئے خاص طور پر مشہور ہے۔ اوک کے درخت جس کی لکڑی سے کارک بنائے جاتے ہیں سارے ملک میں پھیلے ہوئے ہیں۔

چراگاہوں میں گائے، بھیڑ، بکریاں گھوڑے اور سؤر پائے جاتے ہیں۔ جنوبی حصّے میں بکریاں، گدھے اور خچر کی قسم کے گھوڑے دکھائی دیتے ہیں۔ دودھ اور پنیر کا پیشہ تو اہلِ فرانس کا خاص پیشہ ہے۔ ایک لاکھ ۶۰ ہزار آدمیوں کا پیشہ ماہی گیری ہے۔ ہر سال تقریباً ۶½ کروڑ روپے کی مچھلی فروخت ہوتی ہے۔

آلیس اور لارنس میں کوئلے اور لوہے کی بڑی

بڑی کانیں ہیں۔ مٹی کا تیل اور پٹرول بھی بہ کثرت پایا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس علاقے میں کپڑا بننے اور دوسری چیزیں بنانے کے کارخانے کثرت سے ہیں سیسہ جست مینگنیز اور دوسری دھاتیں افراط سے ملتی ہیں فرانس میں صرف کوئلے کی کمی ہے۔ المونیم تیار کرنے کے کارخانے شمالی فرانس میں ہیں۔ ملک میں جگہ جگہ موٹر سازی کا کام اعلیٰ پیمانے پر ہوتا ہے۔ اسی طرح کھیتی باڑی کے آلات اور لڑائی کا سامان بنانے کے کارخانے بھی بہت ہیں۔

ریشم اور اون سے اعلیٰ درجے کے کپڑے تیار کئے جاتے ہیں۔ فرانس اپنی خوب صورتی کی بدولت یورپ کی دُلہن کہلاتا ہے۔ بڑے بڑے امیروں اور رئیسوں کی زبان پر پیرس کا نام ہمیشہ چڑھا رہتا ہے۔ پیرس نہایت خوب صورت شہر اور فرانس کا دارالسلطنت ہے۔ یہاں کے کپڑے، فرنیچر، خوشبودار تیل اور سونے چاندی کا کام ساری دُنیا سے بہتر ہوتا ہے شکر تیل، صابن، بندوقیں، چینی مٹی کے برتن، غالیچے آئینے، لیس اور گھڑیاں فرانس میں مختلف مقامات پر تیار کی جاتی ہیں۔

فرانس کی درآمد برآمد اعلیٰ پیمانے پر ہے۔ ریشمی اور سوتی کپڑا، دوائیں، شراب، جواہرات، صابن، عطر اور موٹریں ملک سے باہر بھیجی جاتی ہیں۔ کوئلہ غلہ اور کچا سامان باہر سے آتا ہے۔ بحرِ متوسط میں جزیرہ کارسیکا فرانس کے قبضے میں ہے۔ یہ ۳۰۳۶۷ مربع میل ہے ملک کا زیادہ حصّہ جنگل سے بھرا پڑا ہے۔ گیہوں یہاں کی خاص پیداوار ہے۔ جزیرے کی آب وہوا بہت اچھی ہے۔ مگر تعجب یہ ہے کہ سارے مُلک کا صرف ⅓ کارآمد ہے۔ باقی حصّے میں گھنا جنگل ہے۔

جو علاقے اِس وقت فرانس کے قبضے میں ہیں۔ اُن کا رقبہ تقریباً ۴۵ لاکھ مربع میل ہے اور آبادی ۹ کروڑ ہے۔ افریقہ میں الجیریا، ٹیونس، مدغاسکر، فرانسیسی مشرقی افریقہ، فرانسیسی گیانا، فرانسیسی سوڈان سومالی لینڈ اور مراکو قابلِ ذکر ہیں۔ ایشیا میں شام اور ہندوستان میں پانڈیچری۔ اور چندرنگر فرانس کے قبضے میں ہیں اس کے علاوہ مختلف مقامات پر کچھ کچھ علاقہ اس کے اثر میں ہے۔ مثلاً انڈوچین کا کچھ حصّہ امریکہ اور آسٹریلیا کا کچھ حصّہ۔

موجودہ جنگ میں فرانس اِتحادیوں کا شریک تھا۔ مگر افسوس ہے اور ساتھ ہی تعجب بھی کہ ...... اس قدر وسیع اور طاقت ور سلطنت ہونے پر بھی اُس نے جرمنی کے مقابلے میں ہتھیار ڈال دئے۔

بچوں کی نظمیں

جناب مولانا شفیع الدین صاحب نیر کی اصلاح سے

میری گڑیا

راضیہ خاتون، علی گڑھ

ہم نے اک گڑیا بنوائی ؎ یہ گڑیا جب بن کر آئی
ہم نے اس کو اچھا رکھا ؎ صاف رکھا اور ستھرا رکھا
ہم نے اس کی شادی رچائی ؎ ہم نے اسے ساری پہنائی
ہم نے اک موٹر منگوایا ؎ اس گڑیا کو اس میں بٹھایا

میری منی منی گڑیا
میری پیاری پیاری گڑیا

باغ کی سیر

عالم وارثی، کانپوری

آؤ بچو سیر کو جائیں ؎ باغ میں جا کر دل بہلائیں
پھول بھی توڑیں آم بھی کھائیں ؎ اچھلیں، کودیں شور مچائیں
دیکھو پیڑ یہ جامن کا ہے ؎ آؤ جامن توڑ کے کھائیں
کھیل سے جی اکتا جائے ؎ نہر میں تھوڑی دیر نہائیں
نہا چکیں تو ناؤ بنا کر ؎ پانی میں اس کو ہم تیرائیں
بارش کی جب بوندیں آئیں ؎ جھولے پر ہم گیت سنائیں
آئے رات جو کالی کالی ؎ باغ سے واپس گھر جائیں

اپنے پیارے پیام میں بھیجیں | سہرا یہ اپنی ہم چھپوائیں

بہل گئے سب پیامی بھائی

عالم اب اسکول کو جائیں

نیّا

متین سرمست، حیدرآباد

رات کے تارے بھاگ رہے تھے | دُنیا والے جاگ رہے تھے

تڑکے تڑکے آنکھ کھلی تھی | اچھی ساعت اچھی گھڑی تھی

وہ میری چھوٹی سی نیّا | لائے تھے جس کو میرے بھیّا

تیر رہی تھی اک دریا میں | نیّا کو تھا دیکھ رہا مَیں

اتنے میں اک مچھلی آئی | مچھلی نے یہ شان دِکھائی

خوب ہی اس پانی کو اُچھالا | مَیں نے اس نیّا کو نکالا

پھر مَیں جلدی گھر کو بھاگا | چھوٹ گیا بس ہاتھ سے دھاگا

آگے آگے یہ نیّا تھی | پیچھے پیچھے دوڑی مچھلی

وہ سمجھی ہے گوشت کی بوٹی | یا شاید ہے گھی کی روٹی

مار جھپٹّا لے گئی مچھلی | دُکھ یہ مجھ کو دے گئی مچھلی

کاغذ ہے اس کو بتلا دے

کوئی میری نیّا لادے

پیامِ تعلیم

قدسیہ خاتون، گھوسی

سب رسالوں میں ہے پیارا یہ پیامِ تعلیم | دِل بہلنے کا سہارا ہے پیامِ تعلیم

اس کا مقصد ہے بلا شبہ فلاحِ ملّت | کام کرتا یہ گوارا ہے پیامِ تعلیم

واہ بے ساختہ آتی ہے زباں پر اس کے | جس نے اک بار بھی دیکھا ہے پیامِ تعلیم

درس دیتا ہے ہمیں علم و ہُنر کا خاتون | میری آنکھوں کا یہ تارا ہے پیامِ تعلیم

دب

محمد عبدالحبیب - حیدرآبادی

آج کل کی بڑی لڑائی میں لڑائی کے دوسرے ہتھیاروں کے ساتھ ساتھ اکثر دبّابوں اور ٹنکوں کا ذکر بھی آتا ہے - یہ ہتھیار توپوں سے بھی زیادہ خطرناک ہے - یہ دیو پیکر مشین بغیر کوئی نقصان اُٹھائے دشمن کی فوج میں گھس کر قیامت برپا کردیتی ہے۔

یہ دبّابہ یا ٹنک انگریزوں کی ایجاد ہے - پہلے پہل مسٹر چرچل کی تجویز پر یہ پچھلی بڑی لڑائی میں بنائے گئے اور برطانیہ کے ایک خفیہ پڑاؤ میں جنرل سوئنٹن کی نگرانی میں چند ہوشیار سپاہیوں کو اُن کے چلانے کی تعلیم دی گئی - یہ کارروائی بہت راز میں رکھی گئی۔

دبّابے سب سے پہلے دریائے سیوم کی لڑائی میں استعمال کئے گئے - لڑائی کے میدان میں سخت گولا باری کی وجہ سے آگے بڑھنا مشکل تھا - لیکن دبّابوں نے بڑی ہمت سے آگے بڑھ کر دشمنوں پر حملہ کیا اور پیچھے ہٹنے پر مجبور کردیا - اس زمانے میں دبّابوں کو برباد کرنے کی کوئی تجویز انسان کے ذہن میں نہیں آئی تھی اس لئے جرمنی کا اِن دبّابوں سے بہت نقصان ہوا جانی اور مالی دونوں۔

دبّابہ اصل میں ٹریکٹر کی ترقی یافتہ شکل ہے اور غالباً اسی کو دیکھ کر دبّابہ بنانے کی تجویز انگریزوں کے ذہن میں آئی - ٹریکٹر یورپ کے ملکوں میں کھیتوں میں ہل چلانے کے کام آتا ہے - یہ پٹرول سے چلتا ہے - اِس کی وجہ سے ایک تو وقت کم لگتا ہے - دوسرے زمین خوب کھد جاتی ہے اور معمولی ہلوں سے کھودی ہوئی زمین کے مقابلے میں اس زمین کی پیداوار کہیں زیادہ ہوتی ہے۔

ٹریکٹر کی شکل بھی عجیب ہوتی ہے - ایک لوہے کے چوکھٹے پر چار سلنڈر والا پٹرول انجن لگا رہتا ہے - انجن کو ٹھنڈا رکھنے کے لئے پانی اور انجن کو چلانے کے لئے کافی پٹرول ہوتا ہے - انجن کے ذریعے جو پہیا چکر کھاتا ہے اُس کا بس ایک ہی دندانہ ہوتا ہے - اس کے سامنے ایک دوسرا دندانے دار پہیّہ ہوتا ہے - جس کا ہر ایک دندانہ انجن والے ایک دندانے کے پہیّے کے ذریعے ڈھکیلا جاتا ہے - فرض کرو دندانے دار پہیّے میں پچاس دندانے ہیں تو اس پہیّے کو پورا چکر دینے کے لئے انجن والے

پہیے کو پچاس چکر لگانے پڑیں گے۔ ظاہر ہے کہ جب دندانے دار پہیا آہستہ آہستہ چکر لگائے گا تو نیچے کے پہیے بھی آہستہ آہستہ ہی رفتار سے آگے بڑھیں گے۔

نیچے والے پہیوں میں ایک زنجیر ہوتی ہے اس زنجیر کی وجہ سے ٹریکٹر اور بھی آہستہ آہستہ چلتا ہے۔ ان نیچے کے پہیوں پر بھی تھوڑے تھوڑے فاصلے پر دندانے ہوتے ہیں۔ زنجیر انہی دندانوں میں یوں سمجھو کہ پھنسی ہوتی ہے۔ یہ دندانے چکر لگاتے ہوئے زنجیر کو آگے بڑھاتے ہیں۔ اس زنجیر سے ایک فائدہ تو یہ ہے کہ چھوٹا انجن بھی زیادہ وزن کھینچ سکتا ہے۔ دوسرے ناہموار زمین پر ٹریکٹر پھسلتا نہیں۔

جنرل سونٹن کی تحریک پر ان ٹریکٹروں پر ایسا فولادی خول لگایا گیا جس پر گولی کا کوئی اثر نہیں ہوتا اور یہ اس لئے کہ میدانِ جنگ میں حملہ کرتے وقت اندر بیٹھے ہوئے سپاہی حفاظت سے رہیں۔ بس اسی فولادی خول والے ٹریکٹر کو دبابہ یا ٹینک کہتے ہیں۔ اس میں ہلکی توپیں اور مشین گنیں اور سات، آٹھ سپاہیوں کے بیٹھنے کی گنجائش ہوتی ہے۔

ریل اور فولادی موٹریں تو بس ریل کی پٹری اور سڑک ہی پر چل سکتی ہیں۔ لیکن دبابہ اونچی نیچی ہموار ناہموار زمین پر چل سکتا ہے۔ خندقوں کو بھی پار کر سکتا ہے اور اس وقت اس کے بنانے کا مقصد بھی یہی تھا۔

برطانیہ کے سب سے پہلے دبابے کا نام ملک رکھا گیا تھا۔ یہ دبابہ ۲۶ فٹ لمبا اور ۲۸ ٹن وزنی تھا اس میں آٹھ آدمی بیٹھ سکتے تھے۔ اس کی رفتار ۴ میل فی گھنٹہ سے زیادہ نہ تھی۔ یہ دبابہ آج کل کے دبابوں کی طرح دیواروں، خاردار تاروں اور خندقوں کو پار کر سکتا تھا۔ دریائے سیوم کی لڑائی میں یہ دبابہ بھی استعمال کیا گیا تھا اور جرمن فوجیں ایک نئی چیز کو دیکھ کر حیرت اور پریشانی میں مبتلا ہو گئی تھیں۔

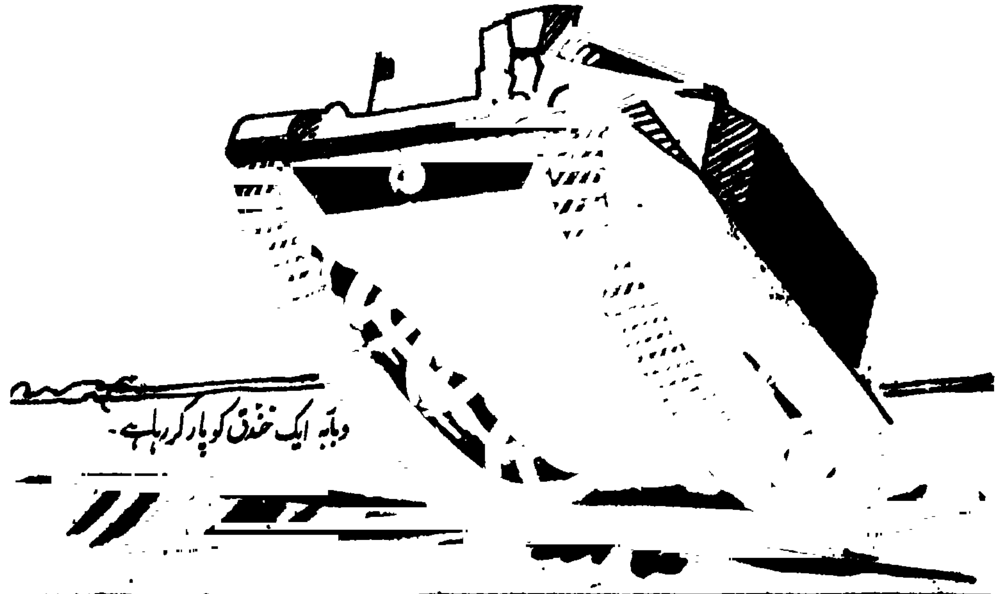
اب ہر ملک میں دبابوں کا رواج عام ہے لیکن اس کے بہت سے توڑ بھی معلوم کر لئے گئے ہیں اس لئے اب ان بے ڈول جانوروں کو آگے بڑھنے اور پہلے کی طرح دشمن کو شکست دینے میں اتنی آسانی نہیں رہی ہے۔ مثلاً اکثر مقامات پر کھڑے پتھر لگا دیئے جاتے ہیں تاکہ دبابہ پتھر وا... آگے نہ بڑھ سکے یا زمین سے ایک ایک دو دو فٹ اونچے پتھر مختلف قطاروں میں کھڑے کئے جاتے ہیں تاکہ دبابہ ان پر چڑھ جائے تو اس کی زنجیر زمین کو نہ چھو سکے

ایک مثلث نما گڑھا کھودا جاتا ہے اور اسے کمزور لکڑیوں اور پتوں سے ڈھانپ دیا جاتا ہے۔ جب دبابہ اس پر سے گزرتا ہے تو لکڑیاں ٹوٹ جاتی ہیں اور دبابہ گڑھے کے اندر ہی رہ جاتا ہے یا ایک موزوں جگہ انتخاب کر کے گڑھا کھودا جاتا ہے۔ اس کے اندر شیل رکھ دیئے جاتے ہیں اور اسے ڈھانپ

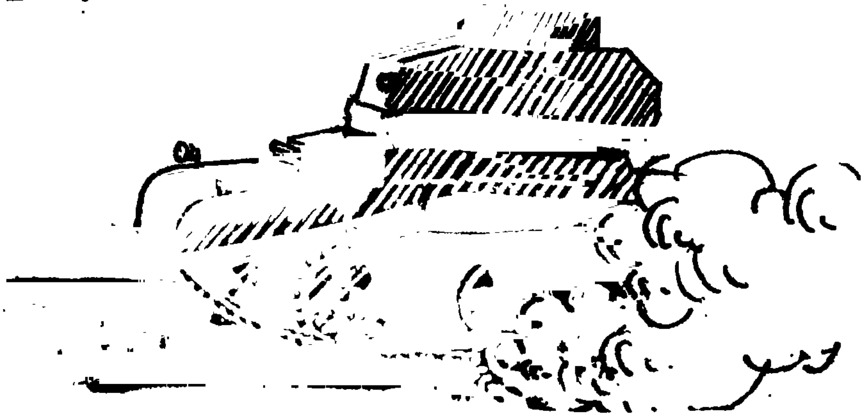
دیا جاتا ہے۔ دبابہ گڑھے میں گرتا ہے تو شیل پھٹ جلتے ہیں اور دبابہ ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا ہے۔ ایسی توپیں بھی ایجاد ہو چکی ہیں جو دبابوں کو تباہ کر سکتی ہیں

جاتا تھا اور دبابے برف میں غرق ہو جاتے تھے

دبابوں کی بناوٹ میں بہت ترقی ہو گئی ہے یہ ہلکے اور بھاری دونوں طرح کے بننے لگے ہیں۔ تاکہ جہاں چاہیں



دبابہ ایک خندق کو پار کر رہا ہے۔



فن لینڈ کی لڑائی میں روسیوں کے دبابے برف سے ڈھکی ہوئی جھیلوں پر گذرتے تھے تو فنستانی ہوائی جہاز اوپر سے بم برساتے تھے۔ ان بموں سے برف پھٹ

انھیں آسانی سے لے جائیں۔ یہ اب معمولی ندی نالے بھی پار کر سکتے ہیں۔ سنا ہے جرمنی نے بعض دبابے ایسے بھی بنائے ہیں جنھیں ہوائی جہاز پر لاد کر جہاں چاہیں لے جا سکتے ہیں

فِنستان کے حمّام

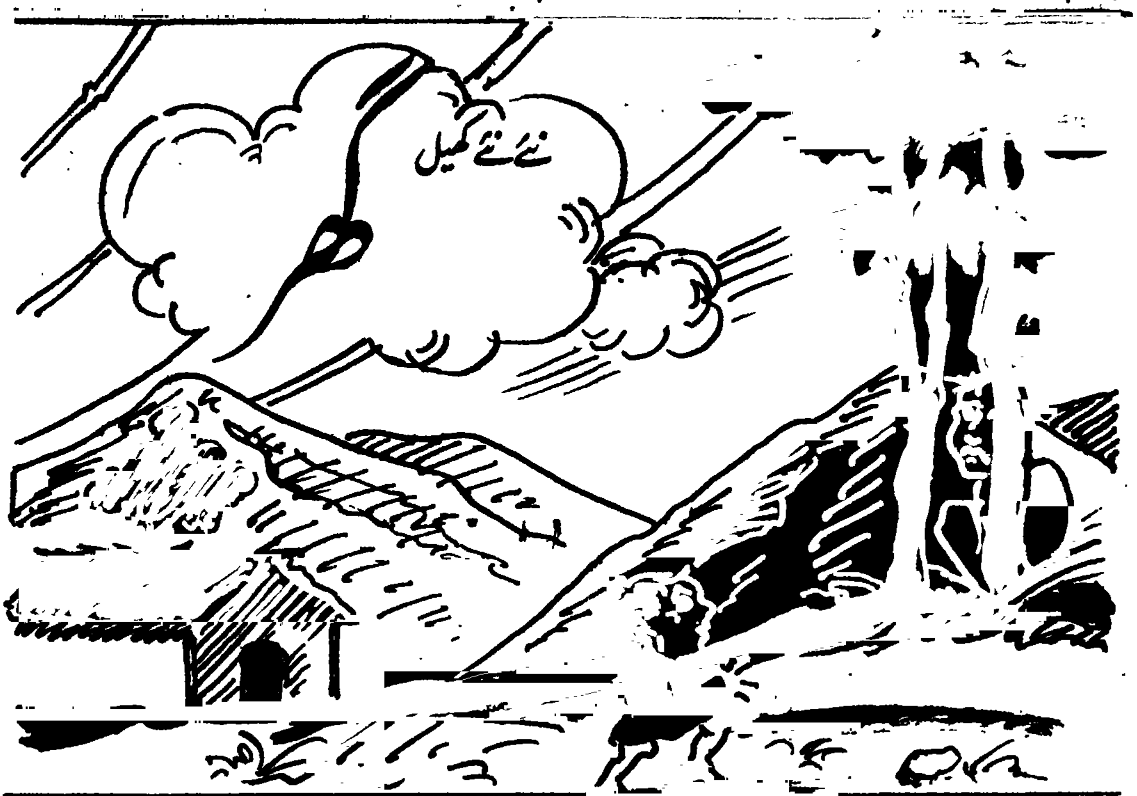
عابد مسیح، بی اے

جُغرافیہ پڑھنے والوں کو چھوڑ کر اکثر ہندوستانی فِنستان (فن لینڈ) کے نام سے واقف نہ تھے لیکن جب سے اس چھوٹے سے بہادر مُلک نے رُوسی سلطنت کا مقابلہ کیا ہے، اُس وقت سے ہمارے ملک میں بھی فِنستان کافی مشہور ہو گیا ہے۔

آج ہم تمھیں مُلک فِنستان کے عجیب و غریب حمّام کا بیان سنانا چاہتے ہیں۔ فِنستان کے باشندے حمّام کے بہت شوقین ہوتے ہیں۔ شہریوں کا تو ذکر کیا ہے۔ دیہات کے رہنے والے بھی ہفتے میں کم سے کم ایک بار ضرور حمّام کرتے ہیں۔ گاؤں بڑا ہو یا چھوٹا حمّام خانے وہاں ضرور ہوں گے۔ آدمی، عورت، بچے سب کے سب حمّام کے عادی ہوتے ہیں۔ حمّام خانہ ایک بند کمرا ہوتا ہے یعنی بھاپ کے نکلنے کے لئے اس میں دُود کش وغیرہ نہیں رکھتے۔ اس کمرے کے اندر پتھر کی ایک انگیٹھی ہوتی ہے جب یہ انگیٹھی دہکانے سے سُرخ ہو جاتی ہے تو حمّام کرنے والا پانی کی بالٹی لے کر داخل ہوتا ہے۔ حمّام خانے کی دیواروں سے لگی ہوئی چاروں طرف بنچیں پڑی رہتی ہیں۔ حمّام کرنے والا فاصلے سے پانی کی بالٹی دہکتی ہوئی انگیٹھی پر اُلٹ دیتا ہے جس کی وجہ سے کمرا بھاپ سے بھر جاتا ہے۔ حمّام کرنے والا فوراً بنچ پر لیٹ جاتا ہے اور جلد جلد اپنے جسم پر قمچیوں سے بار بار ضرب لگاتا ہے تاکہ خون کا دَورہ خوب تیز ہو جائے۔ جب بھاپ ختم ہو جاتی ہے تو وہ صابن اور گرم پانی سے غُسل کرتا ہے اور باہر آ کر جھیل کے خوب ٹھنڈے پانی یا برف میں لوٹتا ہے۔

بعض فِنستانی حمّام کے لئے لوہے کی انگیٹھی استعمال کرتے ہیں۔ اس انگیٹھی کے اوپر والے خانے میں پتھر کے ٹکڑے رکھ کر خوب گرم کر لئے جاتے ہیں اور جب وہ دہکنے لگتے ہیں تو انگیٹھی کا پٹ کھول کر اور پتھروں پر پانی ڈال کر بھاپ پیدا کی جاتی ہے۔ فِنستان کے باشندوں کو حمّام کے بعد سرد پانی یا برف میں لوٹنے سے زکام وغیرہ کی شکایت نہیں ہوتی اور اس حمّام سے فِنستانی خوب صاف اور تندرست رہتے ہیں۔

فِنستان میں تین ہزار سے زیادہ جھیلیں ہیں۔ وہاں جھیلوں کی ایسی کثرت ہے کہ ہر گاؤں کے قریب دو چار جھیلیں ضرور ہوتی ہیں۔ اس لئے فِنستان کے باشندے غُسل کے بعد آسانی سے سرد پانی میں لوٹ لگا سکتے ہیں۔



کھیل شروع ہونے پر کسی ایک جگہ کو "گھر" مقرر کر کے "سپاہی" چند منٹ وہاں کھڑے رہیں۔ اور چوروں کو موقع دیا جائے کہ وہ کہیں چھپ جائیں۔ "سپاہی" پھر چوروں کی تلاش میں نکلتے ہیں اور جو چور پکڑا جائے اُسے اُٹھا کر یا کھینچ کر گھر لے آتے ہیں۔ "چور" بچ کر نکلنے کے لئے سارے راستے کوشش کرتا آتا ہے۔ پکڑے ہوئے چوروں کو گھر میں چند سپاہیوں کی زیرِ نگرانی قید میں رکھا جاتا ہے۔ یہاں سے "چور" "سپاہیوں" کو غافل پا کر ان کی حراست سے نکل سکتے ہیں۔ جب تک سب چور نہ پکڑے جائیں کھیل جاری رہتا ہے۔

اس کھیل میں اگر چور کو موقع دیا جائے کہ وہ اپنے بچاؤ کے لئے ہر ممکن طریقہ استعمال کر سکے تو کھیل خصوصاً بچوں کے لئے بہت دلچسپ رہتا ہے۔

احتیاط

۱۔ گھر اگر کسی ٹیلے، مکان یا درخت کے نیچے ہو تو اچھا رہے گا۔

۲۔ کھیل دوبارا شروع کرتے وقت پہلے چوروں کو پھر سے چور نہ بنایا جائے۔

۳۔ رات کے وقت یہ کھیل زیادہ دلچسپ رہتا ہے۔

معلومات

محمد اسمٰعیل ۔ سنگاریٹی کالریس

دنیامیں سب سے بڑا دروازہ یونان میں ہے۔ جس کی اونچائی ۲۵۰ فٹ ہے اور چوڑائی ۸۰ فٹ ہے۔ اس دروازے میں ۶ ٹن لوہا صرف ہوا ہے۔

دنیامیں سب سے زیادہ دولت مند شخص امریکن کروڑپتی راک فیلر ہے۔

دنیامیں سب سے بڑی دیوار چین میں واقع ہے جو ۱۵۰۰ میل لمبی ہے۔

دنیامیں سب سے بڑا ڈاک خانہ لندن کا ہے۔

دنیامیں سب سے زیادہ ربر جزیرہ نمائے چین ہندی میں پیدا ہوتا ہے۔

دنیامیں سب سے بڑی رصدگاہ گرینچ میں ہے جو شہر لندن کے قریب واقع ہے۔

دنیامیں سب سے بڑی رَو (خلیجی رَو) ہے۔ جو انگریزی میں گلف اسٹریم کہلاتی ہے۔

دنیامیں سب سے بڑی رودبار (رودبارِ انگلستان) ہے۔ جو بقیہ یورپ سے برطانیہ کو جدا کرتی ہے۔

دنیامیں سب سے خوب صورت روضہ تاج محل ہے۔ جو آگرے میں ہے اور جسے شاہ جہاں نے بنوایا تھا۔

دنیامیں سب سے بڑی ریل روس کی ٹرانس سائبران ہے۔ جس کا طول ۶۰۰۰ میل ہے۔

دنیامیں سب سے قیمتی چیز ریڈیم ہے۔ جو ۱۹۰۲ء میں معلوم ہوئی ہے۔

دنیامیں سب سے بڑا ریلوے اسٹیشن نیویارک (امریکہ) میں ہے۔ جس کے ۴۷ پلیٹ فارم ہیں۔

دنیامیں سب سے بڑا ریلوے کا پل (لورزمبی) افریقہ میں ہے۔ جس کی لمبائی ۱۱۶۵۰ فٹ ہے۔

دنیامیں سب سے مشکل زبان چینی ہے۔ جو چین میں بولی جاتی ہے۔

دنیامیں سب سے بڑا زلزلہ جاپان میں ۱۹۲۳ء میں آیا۔

دنیامیں سب سے زیادہ زلزلے جاپان میں آتے ہیں۔ جہاں تقریباً ہر آدھ گھنٹے میں زلزلہ آتا ہے۔

جغرافیہ

غلام یزدانی صاحب - حیدرآباد دکن

مجھے جغرافیے کا مضمون سب سے زیادہ پسند ہے، اور ہے بھی یہ کچھ ایسا ہی دلچسپ۔ سچ پوچھو تو جغرافیے کی تعلیم گھر کے جغرافیے سے شروع ہوتی ہے جب ہم بہت چھوٹے تھے، تو ساتھیوں اور دوستوں کے ساتھ اپنے اپنے گھروں سے نکل کر سامنے کی گلی میں کھیلا کرتے تھے۔ ہمیں اپنی گلی کا نقشہ حفظ ہو گیا تھا۔ ذرا اور بڑے ہوئے تو ہمارے سفر بھی بڑے ہونے لگے۔ اور کبھی کبھی تو پاس کے جنگل تک چلے جاتے۔ اس زمانے میں جنگل کی سیر بہت دلچسپ ہوتی تھی جب سیر سے گھر واپس آتے تو جیبیں رنگ برنگ کے چمکیلے پتھروں سے بھری ہوتیں۔

میرے بچپن کا زمانہ اورنگ آباد میں گزرا ہے۔ یہ مقام پہاڑیوں سے گھرا ہوا ہے۔ ایک ندی شہر کی فصیل سے ٹکراتی ہوئی گذرتی ہے۔ شہر کے مکی دروازے کے پاس اس ندی کا ایک پل بنا ہوا ہے۔ پل کے پاس ندی کا پانی ایک چٹان پر گرتا ہے۔ برسات میں جب ندی چڑھتی تو اس آبشار کی آواز دور دور تک پہنچتی میں آواز سنتے ہی بے چین ہو جاتا۔ میری والدہ سمجھ جاتیں کہ اب یہ ندی پر ضرور جائے گا۔ چنانچہ ہماری نگرانی شروع ہو جاتی۔ مگر ہمارا شوق کچھ ایسا معمولی تو تھا نہیں۔ کسی نہ کسی طرح نظر بچا کر نکل ہی جاتے اور سیدھے ندی پر پہنچتے۔ قدرتی مناظر میں مجھے آبشار بہت پسند ہے۔ اور اب تک اورنگ آباد کا یہ چھوٹا سا آبشار میری نظروں میں ہے۔ چاند چھوٹوں اور بڑوں سب کو پسند ہے۔ رات کو جب یہ پہاڑی پر نکلتا تو میں یہ سوچا کرتا کہ اگر کسی طرح رات کو میں اس پہاڑی پر جا بیٹھوں تو اچھل کر اسے پکڑ لوں گا۔ یہ خیال میرے دل میں بہت دنوں تک رہا۔

اس زمانے میں جب کبھی دلی کا سفر ہوتا تو سمتوں کے بارے میں مجھے بہت مغالطہ ہوتا تھا۔ دلی آکر میں یہ سمجھتا تھا کہ اورنگ آباد شمال مشرق کی طرف ہے۔ اور سورج مغرب سے طلوع ہوتا ہے۔ یہاں کی زمین بالکل ہموار ہے اور سردی کے موسم میں ان میدانوں میں سرسوں کے کھیت بڑی بہار

دکھاتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بستی سمندر
لہریں مار رہا ہے۔

جغرافیے سے دلچسپی کی بڑی وجہ یہ ہے کہ اس میں انسان، چرند، پرند، درخت، دریا، پہاڑ سمندر۔ غرض ان چیزوں سے بحث ہوتی ہے جو ہمارے آس پاس کی چیزیں ہیں۔ اب بھی مہینے میں دو ایک مرتبہ میں یہاں چڑیا گھر دیکھنے جایا کرتا ہوں۔ یہاں پرندوں اور جانوروں کو دیکھنے کے لئے لوگوں کا جمگھٹا لگا رہتا ہے۔ چڑیا گھر میں طرح طرح کی خوب صورت چڑیاں، رنگ برنگ کے طوطے، سفید مور، تیتر چکور اور آسٹریلیا کے بڑے شوخ رنگ کے پرندے ہیں۔ جنگلی جانور بھی بہت سے ہیں جن میں ۱۰، ۱۲ شیر ببر بھی ہیں۔ یہ بے چارے لیٹے رہتے ہیں تو لوگ ان پر کنکریاں پھینکتے ہیں کہ کھڑے ہوکر چال دکھائیں اور ممکن ہو تو دہاڑ بھی سنائیں۔ مگر سب سے زیادہ بھیڑ بندروں کے پاس ہوتی ہے۔ اول تو یہ جانور خود نچلا نہیں بیٹھتا دوسرے لوگ اسے چین نہیں لینے دیتے۔ اس باغ میں درخت بھی قسم قسم کے ہیں۔ پودوں میں سب سے زیادہ قسمیں گلاب اور کروٹن کی ہیں۔ یہ دونوں درخت سو سو قسم کے ہوں گے۔

جغرافیے کا شوق ہمیشہ سے لوگوں کو رہا ہے۔ پرانے زمانے کے زمین کے نقشے دیکھ کر ہنسی آتی ہے۔ لیکن امریکہ کی دریافت کے بعد لوگوں نے سمندروں میں آزادی سے سفر کرنا شروع کر دیا۔ اور ہر طرف کے بحری راستے معلوم کر لئے گئے۔ اور اب کرۂ ارض کا ایسا صحیح نقشہ بن گیا ہے کہ جہاز اندھیری رات میں اس طرح سفر کرتے ہیں جس طرح ریل پٹری پر چلتی ہے۔ ان سمندروں کے صرف سطحی نقشے ہی نہیں بنائے گئے بلکہ ہر مقام پر اُن کی گہرائیاں بھی ناپ لی گئی ہیں۔ بحر اوقیانوس میں بعض مقامات اتنے گہرے ہیں کہ اگر اُن میں ماؤنٹ ایورسٹ کو رکھ دیا جائے تو وہ بھی ڈوب جائے۔ اس کے ساتھ ہوائی راستے بھی مقرر ہو گئے ہیں اور ہوائی جہاز قطب شمالی پر سے گذرنے لگے ہیں۔ لیکن زمین کا مکمل نقشہ ابھی تیار نہیں ہوا ہے۔ وادی امیزن اور افریقہ کے بعض وسطی علاقوں کا حال ابھی معلوم نہیں ہوا ہے۔ بہت سے لوگ صحرائے اعظم کی تحقیقات میں لگے ہوئے ہیں قطب جنوبی بھی ابھی پوری طرح دریافت نہیں ہوا ہے خود ہندوستان میں ہمالیہ پہاڑ کی چوٹیاں جغرافیے کے شوقینوں کو اپنی طرف بار بار بلاتی ہیں۔ ننگا پربت کی مہم کا انجام تم پیامِ تعلیم میں پڑھ چکے۔ اس قسم کے بہت سے حادثے قطبین کے دریافت اور بحری راستوں کے معلوم کرنے میں پیش آ چکے ہیں۔ لیکن انسان کی طبیعت میں جغرافیے کا شوق ایسا نہیں ہے کہ ان حادثوں کے خوف سے کم ہو جائے عنقریب تم سنو گے کہ ننگا پربت پر مہم پھر روانہ ہونے والی ہے ❊

پیامی دنیا

عزیز بچیو اور بچو! خوش رہو اور تندرست۔

تمھیں یہ سن کر خوشی ہوگی کہ آپا جان پونا میں اچھی طرح ہیں۔ ابھی ابھی اُن کا خط آیا ہے اُس میں اُنھوں نے لکھا ہے کہ میں اپنے عزیز پیامیوں کو بھولی نہیں ہوں۔ خصوصاً اس زمانے میں تو وہ مجھے اور بھی یاد آتے ہیں۔ میں بہت جلد اپنے پیامیوں کے لئے کوئی اچھی سی چیز لکھ کر بھیجوں گی۔

یورپ کی لڑائی اس مہینے بھی بہت تیز رہی، جرمنی اور انگلستان دونوں نے دن رات ایک دوسرے پر ہوائی حملے کئے۔ انگلستان کی عمارتوں کا زیادہ نقصان ہوا اور جرمنی کے ہوائی جہازوں اور عمارتوں دونوں کا۔ عام خیال یہ ہے کہ جرمنی بہت دنوں تک اِن نقصانوں کو برداشت نہیں کرسکتا۔ اِدھر اِٹلی نے مصر پر دھاوا کردیا ہے۔ لیکن مصر میں انگریزوں کی لاکھوں فوج پڑی ہے اور ابھی سے اُس نے بہت سخت مقابلہ شروع کردیا ہے۔ اُدھر جاپان چینی حکومت کے نئے دارالسلطنت چنگ کنگ پر برابر حملے کررہا ہے۔[۱] فرانسیسی ہند چینی کے معاملے میں فرانس سے کوئی بات ابھی طے نہیں ہوئی ہے لیکن ہند چینی میں بہت بے چینی پھیلی ہوئی ہے۔ ہندوستان میں کانگرس کی باگ پھر مہاتما گاندھی نے لے لی ہے اور وہ عنقریب وائسرائے سے ملنے والے ہیں۔ اکتوبر کے آخری ہفتے میں دلی میں بہت بڑی کانفرنس ہونے والی ہے۔ اِس میں آسٹریلیا، نیوزی لینڈ، جنوبی افریقہ وغیرہ کے سرکاری نمائندے شریک ہوں گے۔ کانفرنس میں لڑائی کا سامان فراہم کرنے کے بارے میں اور لڑائی ہی کے سلسلے میں چند اہم باتوں پر غور ہوگا۔

ہندوستان کے لئے ایک بہت ہی خوشی کی خبر یہ ہے کہ جامعہ عثمانیہ کے ایک پروفیسر ڈاکٹر رضی الدین صاحب کو نوبل پرائز ملا ہے۔ ڈاکٹر صاحب پہلے مسلمان اور تیسرے ہندوستانی ہیں جنھیں یہ عزت نصیب ہوئی ہے۔ اس سے پہلے ڈاکٹر ٹیگور اور ڈاکٹر رامن (مدراس) کو یہ انعام ملا ہے۔ ہم اپنی اور تمام پیامیوں کی طرف سے ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں دلی مبارکباد پیش کرتے ہیں۔

---

[۱] بعد کی خبر ہے کہ فرانس نے جاپان کی سب شرطیں مان لیں اور جاپان کو فرانسیسی ہند چینی میں ہوائی اور سمندری اڈے قائم کرنے کا حق مل گیا۔

عزیزی سید محمد شفیق الحسن ہاشمی (متعلم ششم ج نمبر ۹ جامعہ عثمانیہ کالج ورنگل کو ٹکٹ اور دیا سلائی کے لیبل جمع کرنے کا شوق ہے) مبادلہ کرنے والے پیامی اُن سے خط کتابت کریں۔ عزیزی احسان الحق قریشی (گلی مدرسے والی کلاں محل دہلی) کو جولائی ۱۹۳۹ء کے پیام تعلیم کی سخت ضرورت ہے اگر کوئی پیامی اپنا پرچہ الگ کرنا چاہیں تو اُن سے خط کتابت کریں۔ عزیزی محمد حبیب انصاری (امین العالی فرنگی محل لکھنؤ) کے پاس موزنبیق، افریقہ، پرتگال، فن لینڈ، یوگنڈا کے ٹکٹ ہیں۔ اُن کے بدلے میں وہ مصر کی تاج پوشی، ولی عہد ایران مع شاہزادی فلسطین، ٹراونکور، ناروے کے ٹکٹ چاہتے ہیں۔

اس مرتبہ معما نمبر ۱ کے حل کل تین بچوں کے صحیح آئے نام یہ ہیں:۔ محمد سلطان فروغ تعلیمی مرکز جامعہ۔ رحیم الدین تعلیمی مرکز جامعہ۔ سلطان احمد تعلیمی مرکز جامعہ۔ ایک غلطی کرنے والوں کے نام بھی ایک بہت کم ہیں یعنی چھیدی لال بارہ بنکی۔ لطیف بیگ ڈیرہ اسمٰعیل خان۔ سید منصور حسین تعلیمی مرکز جامعہ۔ محمد ظفر الہدیٰ تعلیمی مرکز جامعہ اندلس۔ عزیزی عبدالحیٔ صدیقی بنارس۔ حمیدہ سلطان بیگم دہلی۔ محمد سلطان فروغ تعلیمی مرکز جامعہ اور محمد مجیب الرحمٰن خان شروانی نے آٹھ آٹھ کوپنیں بھر کر بھیجی ہیں۔ اوّل آنے والوں کو دو روپئے کی (مع زائد انعام) اور ایک غلطی والوں کو ایک ایک روپئے کی کتابیں انعام میں بھیجی جائیں گی۔ سب سے زیادہ کوپنیں بھیجنے والے چاروں بچوں کو بھی انعام دیا جائے گا۔

محمد حسین حسان۔ ایڈیٹر پیام تعلیم

ٹکٹ خوب صورت ٹکٹ ٹکٹ

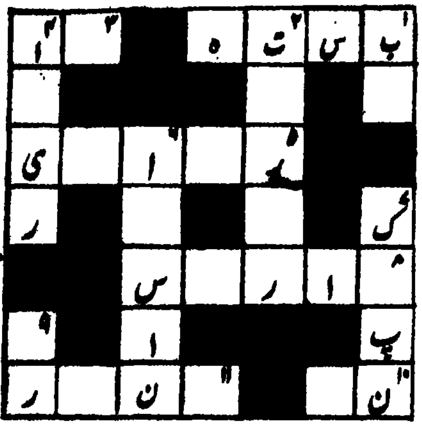
۲ ایڈورڈ ہشتم ۱ر	۳ ساؤتھ افریقہ ۱ر	۲ منچوریا ۱ر	۱۰ مختلف ۱ر	۲۵ دس ممالک کے ۵ر	۱۰۰ تیس ممالک کے ۱۲ر
۲ جرمنی ۱ر	۲۵ مسلم ممالک ۵ر	۱ جوبلی ۱ر	۲۵ " ۲ر	۵۰ پچیس " " ۲ر	۲۰۰ " " " ۲ر
۴ عراق غازی فیصل ۱ر	۲۵ جاپانی " ۴ر	۱ ڈنمارک ۱ر	۵۰ " ۸ر	۵۰ " " " ۱۰	۱۰۰ خوب صورت مختلف ۶
۱۲ عراق ۵ر	۲۵ " " ۳ر	۴ " ۱ر	۵۰ " ۱ر	۵۰ " " " ۱۲	۱۰۰ " " " " ۲ر
۹ سماترا ۲ر	۱۲ عرب ۴ر	۱۰ یورپ کے ممالک ۱ر	۲۵ دس ممالک کے ۳ر	۱۰۰ تیس " " ۱۰ر	۱۰ ملایا ۳ر

جو حضرات ۸؍ ماہوار کے خریدار ہونا چاہیں وہ ۲۵ اکتوبر تک مطلع کر دیں۔ جواب طلب اُمور کے لئے جوابی کارڈ یا ایک ٹکٹ آنا ضروری ہے۔ اُدھار کی خریداری معاف۔ ۸؍ سے کم کی کوئی صاحب فرمائش نہ کریں ۸؍ کی خریداری پر ایک خوب صورت ٹکٹ انعام دیا جائے گا ۔ ۵؍ کی خریداری پر دیوان حمید انعام دیا جائے گا مع فوٹو۔ پتہ صاف اور خوش خط اُردو یا انگریزی میں لکھیں۔

مقصود احمد صدیقی راجہ پور سکرور سرائے میر۔ اعظم گڈھ یوپی (انڈیا)

MAQSOOD AHMED SIDDIQI RAJA PORE SICRORE SARAI MIR AZAMGARA (U.P) (INDIA)

معمّہ نمبر ۱۲



پہلا انعام .... ؎ ؍

دوسرا انعام .... للعہ ؍

اشارات

دائیں سے بائیں

۱۔ چھٹی ہوتے ہی لڑکے اپنا .... لے کر بھاگتے ہیں۔

۳۔ ....ل ہے جو ازل سے وہ ہے کمال تیرا
باقی ہے جو ابد تک وہ ہے جلال تیرا حالیؔ

۵۔ طلبا، عام طور پر اس مضمون سے گھبراتے ہیں۔

۸۔ سواری کے بے ترتیب حروف۔

۱۰۔ بیسیوں کا سر کاٹ لیا
.......مارا ناخون کیا

۱۱ ایک ....سو بیمار

اوپر سے نیچے

۱۔ .... اچھا بدنام بُرا

۲۔ اکثر لوگ اپنے خیالات کا اظہار اس کے ذریعے آسانی سے کر سکتے ہیں۔

۴۔ سیاست میں حِصّہ لے کر بہت سے یہ ہو جاتے ہیں

۶۔ دُنیا میں معمولی اس سے بھی اچھے اچھے کام نکل جاتے ہیں۔

۷۔ اِس کو بھرنے سے پہلے ہر اشارہ غور سے پڑھنا چاہیے۔

۹۔ اس کی زیادتی بزدل بنا دیتی ہے۔

مفید باتیں ایک سے زیادہ کوپنوں کا بھیجنا اسی صورت میں مفید ہو سکتا ہے جب ہر کوپن ایک دوسرے سے مختلف ہو فرض کیجئے کہ معمّا نمبر ۱۱ میں آزاد ، آباد - بارش اور خارش میں زیادہ شبہ تھا۔ اس شبہہ کو دور کرنے کے لئے چار کوپن بھرنے کے بعد یہ یقین ہو سکتا ہے کہ ایک ضرور صحیح ہوگی۔ طریقہ ذیل میں درج ہے۔

کوپن :- (۱) آزاد - بارش (۲) آزاد - خارش
(۳) آباد - بارش (۴) آباد - خارش

قواعد

۱۔ تمام مدرسوں کے بچے حل میں حصہ لے سکتے ہیں، اُستاد یا سرپرست کی تصدیق ضروری ہے۔ صرف دستخط کافی ہیں۔ عبارت لکھنے کی ضرورت نہیں۔

۲۔ ایک حل کے ساتھ ایک آنے کا ٹکٹ آنا ضروری ہے۔

۳۔ ایک سے زائد حل بھی بھیجے جا سکتے ہیں۔ چار حلوں کی رعایتی فیس ۳/ - ۸ حلوں کی ۶/ ہے۔

۴۔ دونوں انعام تقسیم کر دئے جائیں گے۔ قرعہ اندازی نہ ہوگی۔

۵۔ تمام حل ۱۵ اکتوبر تک دفتر پیام تعلیم مکتبہ جامعہ دہلی پہنچ جانے چاہئیں۔

۶۔ ایڈیٹر کا فیصلہ قطعی ہوگا۔

۷۔ پیام تعلیم میں چھپے ہوئے کوپن کے علاوہ اور کوئی کوپن نہیں لیا جائے گا۔

۸۔ کوپن کے چاروں طرف جو نقطے والی لائن ہے وہاں ہی کاٹ کر بھیجو۔

۹۔ کسی کوپن میں کوئی حرف کٹا یا مٹا ہوا ہوگا یا پنسل سے بھرا ہوا ہوگا تو مقابلے میں شامل نہ کیا جائے گا۔

۱۰۔ ایک لفافے میں صرف ایک نام سے معمّے آنے چاہئیں۔

۱۱۔ علاوہ کوپن اور ٹکٹ کے لفافے میں کوئی خط وغیرہ نہ ہونا چاہئے۔

۱۲۔ معمّا حل کرنے سے پہلے اشارے غور سے پڑھو۔

۱۳۔ ایک خانے میں دو حرف نہ ہوں۔

۱۴۔ دالؔ اور واوؔ کا فرق نمایاں ہو۔ (دؔ - وؔ)

۱۵۔ چھوٹی اور بڑی ے کا فرق لازمی ہے۔ (یؔ - ےؔ)

۱۶۔ جہاں جہاں نقطے کا استعمال ہو وہاں نقطہ ضرور چاہئے۔

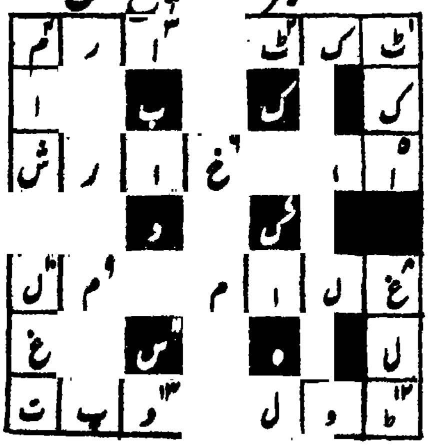
۱۷۔ املا کی غلطی بھی غلطی شمار کی جائے گی۔

۱۸۔ تمام حل ڈاک خانے کے لفافے میں بھیجے جائیں۔

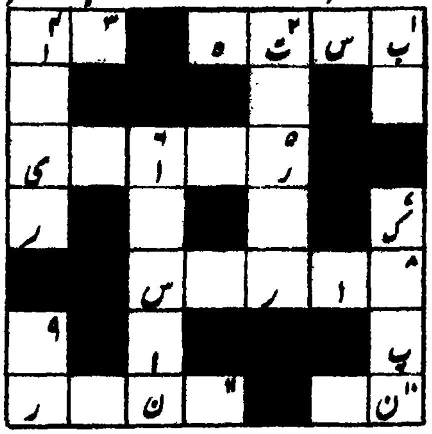
۱۹۔ نام اور پورا پتہ صاف اور خوش خط لکھو۔

۲۰۔ پتہ :- سب ایڈیٹر پیام تعلیم، مکتبہ قرول باغ - نئی دہلی۔

معمّا نمبر ۱۱ کا صحیح حل



معمانمبر ۱۲ کوپن نمبر



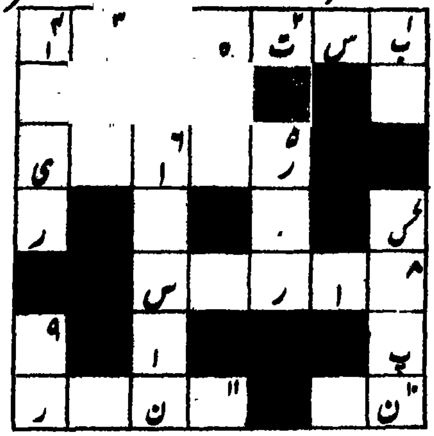
نام ....

پتہ ....

تصدیق ....

ٹکٹ ....

معمانمبر ۱۲ کوپن نمبر



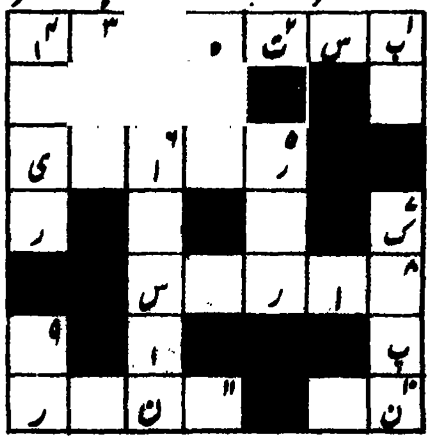
نام ....

پتہ ....

تصدیق ....

ٹکٹ ....

معمانمبر ۱۲ کوپن نمبر



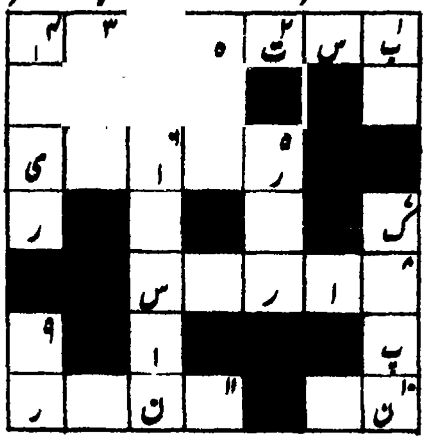
نام ....

پتہ ....

تصدیق ....

ٹکٹ ....

معمانمبر ۱۲ کوپن نمبر



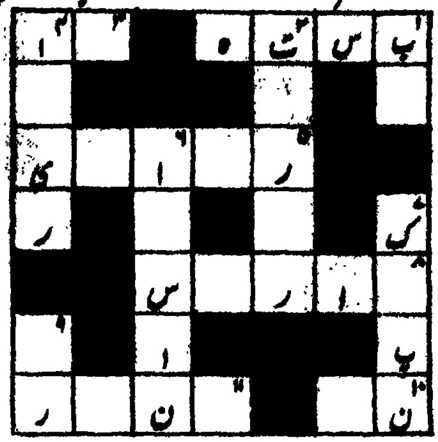
نام ....

پتہ ....

تصدیق ....

ٹکٹ ....

معما نمبر ۱۲ کوپن نمبر



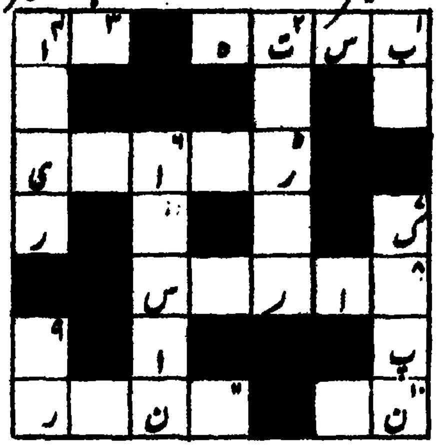
نام ....

پتہ ....

تصدیق ....

ٹکٹ

معما نمبر ۱۲ کوپن نمبر



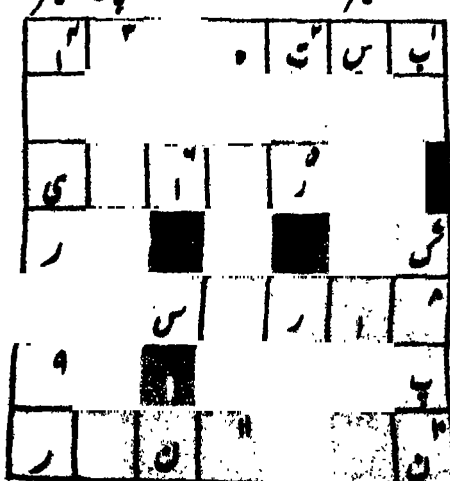
نام ....

پتہ ....

تصدیق ....

ٹکٹ

معما نمبر ۱۲ کوپن نمبر



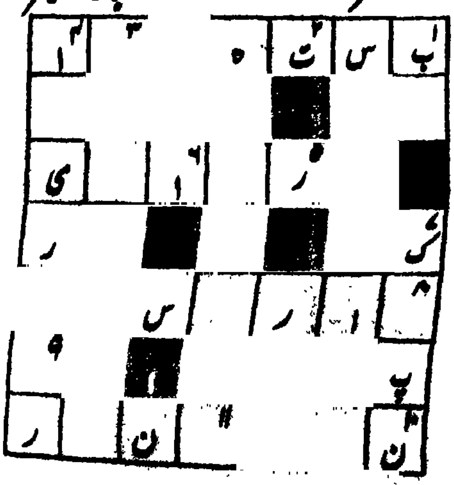
نام ....

پتہ ....

تصدیق ....

ٹکٹ

معما نمبر ۱۲ کوپن نمبر



نام ....

پتہ ....

تصدیق ....

ٹکٹ